دائرۃ المعارف

یعنی

معارف اعظم گڈھ

کی

بیسویں جلد

از

جولائی ۱۹۲۷ء تا دسمبر ۱۹۲۷ء

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

باہتمام مسعود علی ندوی

مطبع معارف دار المصنفین اعظم گڈھ

CHECKED 1956

فہرست مضمون نگاران معارف

جلد بستم جولائی ۱۹۲۷ء، دسمبر ۱۹۲۷ء

بہ ترتیب حروف تہجی

CHECKED.

فہرست مضامین

Checked 1965

جلد بستم جولائی ۱۹۲۷ء، دسمبر ۱۹۲۷ء

مجلد بستم | ماہ محرم الحرام ۱۳۴۶ھ مطابق ماہ جولائی ۱۹۲۷ء | عدد ۱

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شذرات

آج عدالت عالیہ پنجاب کے ایک فیصلہ سے ہندوستان کی فضا مکدر، اور مسلمانون کے دل ملول و آزردہ بلکہ ایک حد تک غم و غصہ سے لبریز ہین، وہ قانون جس کے ذریعہ سے ہمیشہ سے بزرگانِ دین اور شارعین مذہب کی تحقیر و تذلیل کرنے والے سزایاب ہوتے تھے، عدالت عالیہ پنجاب نے اسی کے رو سے اس قسم کے ایک ملزم (راجپال) کو بے قصور پاکر رہا کر دیا، اور عین اسوقت جب اسی عزت و اختیار کی ایک دوسرے صوبہ کی عدالت عالیہ (الٰہ آباد) اسی قانون کے رو سے ایک مجرم کو سزا دے رہی تھی، پنجاب کی عدالت عالیہ اس قانون کے رو سے اوسی قسم کے مجرم کو بری کر رہی تھی،

بسوخت عقل زحیرت کہ این چہ بوالعجبی است

شاید لوگون کو یاد ہوگا کہ آج سے غالباً اٹھائیس اونتیس برس پہلے ایک پادری نے اسی قسم کی ایک کتاب امہات المومنین لکھی تھی تو وہ بھی مسلمانون کی چیخ پکار پر ضبطی کے قابل قرار پائی تھی، اور ایک مسلمان عالم اڈیٹر تحفۂ محمدیہ کانپور اس کتاب کا اسی رنگ مین سخت جواب لکھنے کے باعث ملزم قرار پائے تھے، اس قسم کے بیسیون واقعے انگریزی حکومت کی تاریخ ہند مین کو اور مشہور ہین

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ مسلمان اس شور و غل اور فریاد و بکا سے یہ نہین چاہتے کہ اسلام پر سنجیدہ مخالفانہ اعتراضات بند ہو ن بعض عیسائی مستشرقین اور پادریون نے اپنی تصنیفات مین اسلام اور شارع اسلامؐ کی نسبت نہایت سخت اعتراضات کئے ہین، نولڈیک، میور، مارگولیتھ اور پادری فنڈر سے بڑھکر سیرت نبوی کے متعلق دل آزارانہ کتابین اور کیا ہو سکتی ہین، اور وہ برابر ہندوستان مین فروخت ہو رہی ہین، مگر کبھی مسلمانون نے ان کے خلاف کوئی آواز

نہین بلند کی کہ وہ کسی قدر گستاخانہ ہون، تاہم وہ تضحیک و تحقیر کے پرواز پر نہین لکھی گئی ہین، مگر ایک ایسی کتاب پر جسکا نام تک مسلمان اپنی زبان سے نہین لے سکتے اور جو سرتاپا تضحیک و تحقیر ہو وہ کبھی صبر نہین کر سکتے،

مسلمان اپنے مذہب اور شارعِ مذہب پر اعتراض سے نہین گھبراتے کہ وہ اس کے مقابلہ کے لیے تو ہر وقت سینہ سپر ہین، مگر سب و شتم اور گالی گلوچ کو وہ برداشت نہین کر سکتے، اور اس کے لیے مذہب اسلام مین وہی سزا ہے جو ایک قاتل کیلئے ہے، ایک معصوم نبی کی عزت لینا، ایک انسان کی جان لینے سے کم اہم نہین ہے، یہ نہ خیال کیا جائے کہ یہ حکم صرف غیر مسلمون کے لیے مخصوص ہے، بلکہ ایک مسلمان بھی کسی سچے پیغمبر کی تذلیل کرے تو وہ بھی اسی سزا کا مستحق ہے، اس قانون کے رو سے اسلام نے ہر مذہب کے پیغمبرون کی عزت و ناموس کو برابر درجہ مین محفوظ رکھا ہے،

یہی وجہ ہے کہ مسلمانون کو ہندوستان آئے بارہ سو برس ہوگئے، مگر انھون نے ہندوستان کے کسی رشی منی مہاتما، اور اوتار کے خلاف ایسی نازیبا حرکت نہین کی ہے، حالانکہ ان کا انبیا مین سے ہونا مسلمانون کو بیقین معلوم بھی نہین ہے، تاہم امکان ہے، اسلیے انھون نے اس امکان کا ہمیشہ پاس کیا، مگر ہمارے ہموطنون نے ہمارے ان جذبات کی قدر نہ کی، اور اپنے اس فعل سے اپنے اُس دھرم کو بھی بدنام کیا، جسکے متعلق ہم سنا کرتے ہین کہ اسکی وسعت و پہنائی مین سبھی کی سمائی ہے،

مسلمانون کا اس معاملہ مین جوش و خروش اور واویلا ایک جائز حق کے مطالبہ کے لیے ہے، بلکہ چونکہ یہ قانون صرف شارع علیہ السلام کے لیے نہ ہوگا، بلکہ تمام شارعینِ مذاہب اور بانیانِ دین اور بزرگانِ عالم کے لیے ہوگا، اسلیے اس ملک کے تمام باشندون کا خواہ وہ کسی مذہب اور دھرم کے ہون فرض ہے کہ وہ اس تحریک کی دل و جان سے تائید کرین، اور مسلمانون کے دوش بدوش ہو کر اس کے لئے کوشش کرین، اور اس غرض سے ایک غیر مشتبہ قانون کے وضع کرنے پر حکومت کو مجبور کرین،

آریہ ہندوؤن نے جابجا خاص طور سے اپنے ان بہادرون کی برسی منانے کی کوششین کی ہین جنھون نے اسلامی سلطنتون کا کامیاب مقابلہ کیا ہی، ہندوستان کا کوئی عاقل باشندہ یہ نہین کہہ سکتا کہ مرے ہوئے بادشاہون اور مٹی ہوئی حکومتون کے خلاف ملک مین نفرت کے جذبات پیدا کرنے سے اس ملک کی موجودہ صورت حال کو کیا فائدہ پہنچ سکتا ہی بجز اس کے کہ اپنے مسلمان ہمسایون کی دلآزاری مقصود ہو، مسلمانون نے بھی اس کے جواب دینے کی کوشش کی، چنانچہ اسی سال سنہ اور بعض ملحقہ علاقون مین محمد بن قاسم ثقفی کی برسی منائی گئی ہے، ہندوؤن نے دکن و گجرات مین سیواجی کی برسی بڑی دھوم دھام سے منائی، اسکے جواب مین وہان کے مسلمان اب محمد اورنگ زیب **عالمگیر** کا عرس کرنے کا تہیہ کر رہے ہین،

افسوس ہو کہ ہم برائے شگون پرناک کٹانے کا مشورہ نہین دے سکتے، مسلمانون مین مذہبی بزرگون کے عرسون کی محفلین کیا کم تھین، کہ اب سیاسی عرسون کا بھی آغاز کیا جائے، اور جو آگے چلکر بہرحال مذہبی حیثیت اختیار کر لینگے، اس نقالی سے مسلمانون کو کوئی فائدہ نہ پہنچیگا، بلکہ الٹا اس سے ان کے مذہب مین نئی بدعات کا آغاز ہوگا، بہرحال اس سلسلہ مین متعدد اصحاب نے عالمگیر کی ولادت اور وفات کا سال دریافت کیا ہے اونکی اطلاع کے لیے عرض ہے، کہ اس مرحوم بادشاہ کی تاریخ ولادت یکشنبہ کی رات پندرہ ذیقعدہ ۱۰۲۷ھ اور تاریخ وفات جمعہ کا روز بعد طلوع آفتاب اٹھائیس ذیقعدہ ۱۱۱۸ھ ہے،

رقعات عالمگیری کی جمع و ترتیب کا جو کام ہمارے ہان شروع ہوا تھا، مولوی ابوالحسنات ندوی مرحوم رفیق دارالمصنفین کی وفات سے بند ہو گیا تھا، اب چند مہینون سے ہمارے ایک دوسرے باہمت رفیق سید نجیب اشرف صاحب ندوی ایم اے نے شروع کیا ہے، "عالمگیریات" کے سب سے بڑے ماہر ہندوستان مین مشہور بنگالی مورخ جادو ناتھ سرکار مانے جاتے ہین، نجیب اشرف صاحب پٹنہ کالج مین ان کے شاگرد رہ چکے ہین، اس تعلق سے

وہ سرکار صاحب کی سرکار میں استفادہ کی غرض سے کلکتہ گئے ہین، سرکار صاحب کے پاس عالمگیر کی تاریخ کا بڑا ذخیرہ فراہم ہے، ہم مشکور ہین کہ موصوف نے یہ تمام ذخیرہ ہمارے رفیق کو استعمال کی غرض سے عنایت کیا ہے،

سید نجیب اشرف صاحب کا جو خط آیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مجموعہ کئی جلدون مین سمائے گا، رقعات پر تاریخین نہین ہین، اسلیے انکی تاریخین واقعات کی مدد سے مرتب کیجارہی ہین، مختلف مقامات سے رقعات کی فراہمی کا سلسلہ جاری ہے، اور رقعات کے ذیل مین مفید حواشی کا اضافہ ہورہا ہے، اس مجموعہ کی پہلی جلد ابتدا سے تخت نشینی تک کے خطوط پر مشتمل ہوگی، تقریبًا ۱۴ برس کے رقعات اس مین ہونگے، یہ جلد بھی دو حصون پر منقسم ہوگی، پہلے حصہ مین اہل خاندان اور اعزہ کے اور دوسرے مین شاہجہان کے اور اسکے اپنے ماتحت افسرون کے نام کے خطوط ہونگے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ دار المصنفین کو اس کارنامہ کی تکمیل مین کامیابی عطا فرمائے، یہ مجموعہ تاریخ ادب کے سلسلہ مین انشاء اللہ عجیب چیز ہوگا،

لاہور مین ایک نوجوان باہمت صاحب قلم مولوی حفظ الرحمان صاحب نے صرف اپنی ذاتی محنت اور شوق مین اردو انسائیکلوپیڈیا کیلئے مضامین، مواد اور مسالہ جمع کرنے کا خیال پیدا کیا، اور سالہا سال سے وہ اس دُھن مین لگے ہوئے ہین، چند اصحاب اور مشیرون کی ایک کمیٹی بھی بنائی ہے جسمین ہندو اور مسلمان دونون جماعتون کے سربرآوردہ اصحاب کے نام شامل کئے ہین، گذشتہ اپریل مین مجھے انھون نے اپنے دفتر حفظ العلوم مین لیجاکر یہ سارا سامان دکھایا تھا، اب سید حسرت موہانی صاحب نے اسکو دیکھا ہے اور اپنی ہمدردانہ رائے اسکے متعلق ظاہر کی ہے، ہمارے خیال مین موصوف نے انسائیکلوپیڈیا کے بجائے اردو لغات، محاورات اور اسمار و اعلام کا ایک تاریخی و ادبی قاموس تیار کیا ہے، جس طرح موجودہ عربی مین فرید وجدی نے کنز العلوم واللغۃ لکھا ہے، بہرحال آغاز کار ہونا چاہیئے، خواہ وہ کسی قدر ناتمام شکل مین ہو، موصوف کا یہ ذخیرہ کئی ہزار صفحات پر مشتمل ہے، اسی طرح ایوت محل (برار) مین ایک صاحب ذوق اردو مین ایک اسلامی اصطلاحات کا لغت مرتب کر رہے ہین،

مقالات

غزواتِ نبوی

فلسفۂ جنگ اور گذشتہ انبیاء اور اقوام کی لڑائیان

از

پروفیسر نواب علی ایم اے، بڑودہ کالج،

یاد ہوگا کہ مرہٹی انسائیکلوپیڈیا کے سلسلہ مین ہم نے لکھا تھا کہ ہمارے دوست پروفیسر نواب علی صاحب انسائیکلوپیڈیا مذکور مین اسلام اور پیغمبرِ اسلامؐ پر جو بے بنیاد اعتراضات کئے گئے ہین، ان کے جواب مین "وہ سیرۃِ رسول اللہ" صلعم کے نام سے ایک کتاب لکھ رہے ہین جس کے اب تک تقریباً دو سو صفحے ہو چکے ہین، اور جنہین وہ غزوۂ بنی نضیر تک پہنچے ہین، غزوات کے باب کا یہ پہلا ٹکڑا معارف کے لیے انھون نے بھیجا ہے، جکو ہم شکریہ کے ساتھ شائع کرتے ہین،

پروفیسر نواب علی انگریزی تعلیم یافتہ گریجوایٹون مین پہلے شخص ہین جنھون نے آج سے ۱۸-۱۹ برس پیشتر تذکرۃ المصطفیٰ کے نام سے سیرت پاک پر اردو مین ایک کتاب لکھی تھی، امید ہے کہ اس طویل عرصہ مین موصوف کو مغرب و مشرق کے جو جدید معلومات حاصل ہوئے ہونگے یہ زیر تالیف کتاب ان سب کا مجموعہ ہوگی، اردو سے زیادہ اس کتاب کی انگریزی مین ضرورت ہے، اور وہ اس پر قادر ہین، کاش وہ پہلے اسی ضرورت کو پورا کرتے،

"اڈیٹر"

قبل اس کے کہ ہم غزوات کا ذکر شروع کرین مسئلۂ جنگ کو جس حیثیت سے کہ وہ مختلف اقوام و

و مذاہب مین مانا جاتا ہے، مجملاً بیان کرتے ہین،

انسان کے ظاہری اعضا کی ساخت اور قوت غضبی کا وجود جس سے وہ جلب منفعت اور دفع شر کرتا ہے اس امر کے شاہد ہین کہ افراد و قبائل اور پھر رفتہ رفتہ اقوام مین جنگ کا سلسلہ اس وقت سے شروع ہوا ہے جب سے وہ اس دنیا مین جہان تنازع للبقا کا خونخوار تماشا نظر آتا ہے، آباد ہے، زن، زمین، زر ان تین چیزون کی ہوس نے اس کرۂ خاک مین وہ قیامت برپا کی ہے جس کے تصور سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہین، اگر دیارِ مصر کے اہرام کو جو فراعنہ کے جاہ و جلال کی یادگار ہین کشتون کا پشتہ کہا جائے تو فرات و دجلہ کو خون کی ندیان کہنا چاہیئے، جو بابل اور نینوا کی خونریزیون سے رنگین ہوئین، اگر سرزمین ہند آریون کے ہاتھون ایک قربانگاہ سمجھی جائے جہان غیر آریون کے لاشہ بے سر تڑپتے تھے تو ملک عجم کو آتش سوزان کہنا چاہیئے، جس نے ایرانیون اور تورانیون کے خرمنِ ہستی کو خاک سیاہ کر دیا، اگر تختۂ یونان کو آفت روزگار کہا جائے جسکی ایک مرغولہ مو حسینہ نے ٹرائے اور اس کے دلیرون کے ٹکڑے ٹکڑے کرڈالے اور جسکے ایک نوعمر فرزند نے فنیکیائی کو خاک مین ملا کر مشرق سے مغرب تک ہلا دیا، تو دولتِ رومہ کو خونخوار بھیڑیا سمجھنا چاہیئے جس نے یورپ ایشیا اور افریقہ کے کالے اور گورون کے تکے بوٹے کرڈالے تھے، اگر کارتھیج کو زندہ نگل گیا تو اسرائیلی گلون کو چیر پھاڑ ڈالا، اگر بہادرانِ یونان کا خون پی گیا تو پہلوانانِ عجم کو جب مرتع طمانچی کر دیا،

تاریخ کے صفحات اگرچہ ان خونی واقعات سے رنگین ہین، لیکن مشہور بانیانِ مذاہب، ہادیانِ ملت اور حکما نے اپنی تعلیمات سے بہت کچھ اس خطرناک مسئلہ کی آگ کو ٹھنڈی کر دیا ہے، آریون کی جنگ جوئی اگرچہ زبان زدِ خاص و عام ہے، اور چار ذاتون مین ایک ذات چھتری کا دھرم ہی یہی تھا کہ مارین اور مرین لیکن دیکھو مہابھارت کی ہولناک جنگ مین سری کرشن کس طور سے ارجن کو فلسفۂ جنگ سمجھاتے ہین،

"نیکون کی حفاظت، بدون کو غارت کرنے اور دھرم کو قائم کرنے کے لیے مین ہر جگ مین جنم لیتا ہون" (بھگوت گیتا)

اس طرح گوتم بودھ نے اپنے اعلیٰ اخلاقی اور فلسفیانہ تعلیم سے آتش جنگ کو ٹھنڈی کرنے کی کوشش کی ہے، ہنود کا مشہور مقنن منو جنگ کی حالت مین دیکھو کس طور سے چند امور کے لحاظ رکھنے کا حکم دیتا ہی،

"حصول منفعت کے لیے راجہ فوج کشی کرسکتا ہے، اسکو چاہیئے کہ بگلے کی طرح منصوبہ باندھے، شیر کی طرح اپنی طاقت دکھائے بھیڑیے کی طرح شکار پر جھپٹے اور خرگوش کی طرح پس پائی کے وقت عمل کرے لیکن اسکو یہ بھی چاہیے کہ رحیمانہ اور شریفانہ طور پر جنگ کرے وہ ایسے ہتھیارون سے حملہ نہ کرے جو چھپے ہوئے ہون، یا زہر آلود ہون یا جنکے سرے شعلہ زن ہون، اگر دشمن بھاگ کر پناہ مانگے تو پھر اس کو نہ مارے اسی طرح ہیجڑے کو قتل نہ کرے اور نہ ایسے شخص کو جو ہاتھ جوڑے کھڑا ہو یا اس طرح بھاگے کہ ہوا مین اس کے بال اڑ رہے ہون، اگر دشمن کا ہتھیار ٹوٹ جائے تو حملہ سے ہاتھ روک لے اسی طرح اس شخص پر ہاتھ نہ اٹھائے جو زخمون سے چور چور ہو گیا ہو"

(سلسلۂ کتب مقدسہ مشرقیہ
قانون منو صـ۲۳۱ و صـ۲۳۲)

حکمائے یونان نے مسئلۂ جنگ کو علم النفس کی روشنی مین دکھایا، انسان مین جبلی قوت غضبی جب حد اعتدال کو پہنچے تب فضیلت شجاعت حاصل ہوتی ہے ورنہ حد افراط یعنی تہور اور حد تفریط یعنی جبن دونون مذموم ہین، یہی حال تمام صفات حسنہ کا ہے، اسلیے عدالت جامع فضائل ہے اور یہی معیار ہے، افلاطون اپنی کتاب قوانین مین کہتا ہے کہ حاکم عادل کا فرض اولین یہ ہے کہ ملک وملت کو صلح وآشتی سے آباد کرے، اور صرف ضرورت کے وقت جنگ مین مشغول ہو، لیکن جب معاملہ وحشی اقوام سے پڑے تو عدالت کے قوانین پر عمل دشوار ہو جاتا ہے، ارسطو اپنی کتاب سیاست مدن مین کہتا ہے کہ حفاظت ملت بدیہی فرض ہی افزائش ملت جنگ کے ذریعہ سے روا ہے، بشرطیکہ جائز طریقہ سے ہو، ایسی اقوام جنکی طینت مین محکومی ہے، ان پر استیلا روا ہے تاکہ امن وامان قائم رہے، ارسطو کا یہ آخر الذکر قول جو اسکندر کے حرص فتوحات کے لیے ایک دستاویز تھا دولت روما اور بعد کو اس کے جانشینون یعنی موجودہ یورپ مین سلطنتون کی ہوس ملک گیری

اور اقوام عالم کو اپنا محکوم بنانے کے لیے ایک بہانہ ہوگیا ہی، جسکے نتائج نہایت خوفناک ہین،

دولتِ روما اس مسئلہ مین یونان کی شاگرد تھی سسرو جو ان کا بہترین شارع ہے کہتا ہے،

"یہ خیال کہ صلح کو جنگ کے واسطے مستعد ہونے کے لیے استعمال کرنا چاہیئے روا نہین صلح مطمحِ نظر ہے اور جنگ کو صرف ایک ذریعہ اس کے حصول کا سمجھنا چاہیئے، منافشات دور کرنے کے لیے جنگ ایک وحشیانہ اور غیر عاقلانہ طریقہ ہے نا جائز لڑائیان وہ ہین جن سے طمع کی وجہ سے غیرون کے مقبوضات حاصل کئے جائین، جائز لڑائیان وہ ہین جو تحفظ ملت کے واسطے ہون اور جنسے دفع شر کیا جائے، تاوان حاصل کیا جائے سزا دیجائے، یا جن قومون سے قدرتی تعلقات ہین، یا معاہدہ ہی ان کی اعانت کے لیے جنگ کیجائے، اقتضائے عدالت یہ ہے کہ اعلانِ جنگ باقاعدہ مذہبی رسوم کے ساتھ ہو اور اسی طرح اس کا خاتمہ بھی ہو،

انبیائے بنی اسرائیل | حضرت موسیٰؑ پر جو احکام عشرہ نازل ہوئے تھے، ان مین ایک یہ تھا کہ قتل حرام ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ خاص حالتون مین لڑائی کی اجازت تھی، توریت کتاب خروج مین لکھا ہے کہ خداوند یہواہ فرماتا ہے کہ "بے گناہ اور نیکون کو قتل مت کرنا، کیونکہ مین بدون کا طرفدار نہین ہون، پردیسی پر ظلم مت کرنا، اسرائیل تجھکو معلوم ہے کہ اس کے دل کی کیا حالت ہوتی ہے کیونکہ تو خود بھی مصر مین غریب الدیار تھا اور جب تم دشمنانِ دین سے لڑنے کو نکلو تو پہلے انھین صلح کا پیغام دو، اگر وہ مان جائین تو ان کو اپنا باجگذار بنا لو، لیکن اگر وہ انکار کرین تو پھر محاصرہ کر دو اور فتح کے بعد مردون کو قتل کرو، لیکن عورتون اور بچون پر ہاتھ نہ اٹھاؤ، اور جو کچھ مالِ غنیمت ملے اس کو اپنے صرف مین لاؤ،

بنی اسرائیل کو جن قومون سے سابقہ پڑا تھا وہ بڑی خونخوار اور بیرحم تھین، اسرائیلی آبادیون کو جلا کر خاک سیاہ کر ڈالا، اسیرانِ جنگ کو بے دریغ قتل کیا، حاملہ عورتون کے پیٹ چاک کر ڈالے، صلح کر کے پھر دھوکہ دیا، اور قتل و خون کا بازار گرم کر دیا، بنی اسرائیل نے بھی اس کے جواب مین ویسے ہی

وحشیانہ فعل کئے، حالانکہ ان کے پیغمبرون نے ان کو منع کیا لیکن انھون نے انکی تعلیمات پر عمل نہ کیا اور خشک فقیہانہ بحثون مین مبتلا ہو کر ایسے ظاہر پرست، قسی القلب اور گمراہ ہو گئے کہ خود اپنے پیغمبرون اور ناصحون کو قتل کرنے لگے، حضرت عیسیٰؑ کی مختصر زندگی تمامتر اسی کوشش مین صرف ہوئی کہ کسی طرح پتھر کے دل موم ہون اور روحانیت پیدا ہو، مشہور پہاڑی والے وعظ مین جو آپ کی پاکیزہ تعلیمات کا گل سرسبد ہے، وہ پیغمبر برحق جو روح اللہ ہے کس دلکش طریقہ سے روحانیت کی تعلیم دیتا ہے، انجیل متی باب ۵ مین یہ وعظ مفصل مذکور ہے، سب سے پہلے آپ عجز و انکسار، نرم دلی، رحم، تقوی، صفاے باطن، تحمل و حلم کے فضائل بیان فرماتے ہین، پھر ارشاد ہوتا ہے "یہ مت سمجھنا کہ مین توریت اور تعلیمات انبیاء کو غارت کرنے آیا ہون، مین صرف ان کو پورا کرنے آیا ہون" اس تمہید کے بعد آپ احکام عشرہ پر تبصرہ کرتے ہین اور فرماتے ہین ایک حکم یہ تھا کہ قتل مت کرنا، اب میری بات سنو مین کہتا ہون کہ اگر کوئی اپنے بھائی پر غصہ کرے اور برا کہے وہ بھی گنہگار ہے اور اگر اسکو کہے اے احمق تو عذاب جہنم کا مستحق ہے،

ایک حکم یہ تھا کہ آنکھ کے عوض آنکھ، اور دانت کے عوض دانت، لیکن اب مین تم سے کہتا ہون کہ برائی کا بدلہ نہ لو اگر تمہارے ایک گال پر کوئی طمانچہ مارے تو دوسرا بھی اس کے سامنے پیش کر دو اور اگر کوئی تیرے پیراہن پر دعوی کرے تو اسکو اپنی ردا بھی دیدے اور اگر کوئی ایک میل تک تجھے بیگار مین پکڑے تو دو میل اس کے ساتھ چلا جا،

ایک حکم یہ بھی تھا کہ اپنے ہمسایہ سے محبت اور دشمن سے نفرت کر، اب میری بات سنو، اپنے دشمنون سے محبت کرو جو تم پر لعنت کرین، ان کو برکت دو، جو تم سے نفرت کرین ان سے نیکی کرو، اور جو تم کو آزار پہنچائین ان کے لیے دعا کرو تاکہ تم آسمانی باپ کے فرزند کہلاؤ، اسکا آفتاب نیکون اور بدون سب پر چمکتا ہے اور اس کے بادل عادل اور ظالم سب پر برستے ہین،

روحانی تعلیم کے ان نازک پھولون کو افسوس سیاہ دل یہود کے ناپاک ہاتھون نے مسل ڈالا

اور اس معصوم نبی اللہ کو نہایت بے دردی سے سولی پر چڑھا دیا، آخر خداوند یہواہ کا غضب نازل ہوا، رومیون نے سنہ ۷۰ء مین بیت المقدس کو تاخت و تاراج کر کے خاک سیاہ کر ڈالا، یہود جو قتل و غارت سے بچے وہ سب کے سب جلا وطن کر دیئے گئے، اور اقصائے عالم مین منتشر ہو کر ذلیل و خوار پھرنے لگے، سچ ہے ؎

حلم حق با تو مواساہا کند   چونکہ از حد بگذرد رسوا کند

مسیحی دنیا کا ایک مغالطہ چوتھی صدی عیسوی مین جب رومیون کے بادشاہ قسطنطین نے دین مسیحی اختیار کیا، اور نصاری محکوم سے حاکم بنگئے تو اس وقت سے آج تک سلطنت کے نشہ مین حضرت مسیح کی روحانی تعلیم کو پس پشت ڈال دیا ہے، طمانچہ کھا کر دوسرا رخسار پیش کرنے کے عوض انھون نے شمشیر آبدار کے جوہر دکھائے ہین، پیرہن لینے والے کو انھون نے ردا کے عوض دار پر کھینچ دیا ہے، دشمنون سے محبت کرنے کے عوض انھون نے اس درجہ عداوت کی ہے کہ دنیا کو نمونۂ جہنم بنا دیا ہے، یورپ کے ڈیڑھ ہزار سال کی تاریخ اٹھا کر دیکھو مسیحی فرقون کی باہمی جنگ و جدال، صلیبی لڑائیون کا سلسلہ، اسپین کے ہولناک مظالم، دول یورپ کے اقصائے عالم پر جائز اور ناجائز طریقہ پر دست درازیان، یہ وہ خونی داستان ہے جس سے ہمارے بیان کے ایک ایک حرف کی تصدیق ہو جائے گی، لیکن ہم کو یہان اس سے بحث نہین ہے کہ مسیحی دنیا نے ایسا کیون کیا اور اب تک ایسا کیون کر رہی ہے، ہم کو یہ دکھانا ہے کہ کس طرح روما کا خونخوار بھیڑیا مسیحی میمنہ کی کھال اوڑھ کر اہل عالم کو فریب دے رہا ہے،

مذکورۂ بالا پہاڑی والے وعظ کے حوالہ سے مسیحی دنیا نہایت بلند آہنگی سے یہ دعوی کرتی ہے کہ ایسی سراپا رحم و کرم تعلیم کسی مذہب مین نہین، مسیح نے مذہب کے لیے نہ خود تلوار اٹھائی اور نہ اس کے اٹھانے کی اجازت دی ہے لیکن ان کا یہ دعوی واقعات پر مبنی نہین ہے، خود اسی پہاڑی والے وعظ مین جب حضرت مسیح نے تمہید مین پہلے یہ بیان کر دیا کہ آپ احکام توریت کو غارت کرنے نہین آئے بلکہ ان کو پورا کرنے آئے ہین تو جہاد کا حکم باقی رہا، ہان یہود مین جس قسم کی ظاہر پرستی اور قساوت پیدا ہو گئی تھی اسکی

درستی کی طرف آپ نے اپنی اس پاکیزہ تعلیم سے توجہ کی، یہ صرف ہماری تشریح نہیں ہے بلکہ ذیل مین ہم مشہور مسیحی پیشوایانِ دین کے اقوال ترجمہ کرکے درج کرتے ہین،

"مسیحی اصولون پر جنگ بعض اوقات جائز ہے جیسا کہ اگسٹائن کا فتوی ہے کہ اگر (۱) حکم خدا سے کوئی جنگ ہو (۲) ایک قوم دوسری قوم پر بلا وجہ لوٹنے کے لیے حملہ کرے تو یہ حملہ ایسا ہے جیسے قتل کرنا اور ڈاکہ ڈالنا، اسلیے ایسی حالت مین بھی جنگ جائز ہے۔ .. .. اگسٹائن نے جو تحریر قلینوس کو بھیجی اس مین بت پرستون کا یہ اعتراض دفع کیا ہے کہ پہاڑی والے وعظ کی تعلیم جو عدم مقابلہ پر مبنی ہے وہ پبلک کے اصول کے خلاف اور ملت کے حق مین مضر ہے، حضرت مسیحؑ کا یہ حکم کہ طمانچہ کھاکر دوسرا گال بھی پیش کردینا اس کو محض لفظی معنون مین لینا نہ چاہیئے، کیونکہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ ظالم کے مقابلہ مین بالقوہ صابرانہ فراخدلی کی خو ڈالی جائے، نہ یہ کہ بالفعل بھی ہمیشہ ایسا ہی کرتا رہے کیونکہ خود جناب مسیحؑ نے ظلم کے مقابلہ مین اپنی آواز بلند کی ہے (دیکھو یوحنا ۱۸/۲۳ اور اعمال ۲۳/۳) ہم کو ہمیشہ نرمی کی روح سے متاثر رہنا چاہیئے اور بدی کے عوض نیکی کرنا چاہیئے، لیکن بہت سے ایسے امور بھی ہین کہ جنہین ہم کو صرف ہمارے ترحمانہ رجحان کا خیال نہ کرنا چاہیئے بلکہ دوسرون کے اصلی مفاد کا لحاظ چاہیئے، جو اگرچہ ہمارے نرم جذبات کے خلاف ہون، لیکن وہ مقتضی اس کے ہین کہ کسی قدر مشفقانہ درشتی سے عمل کیا جائے، اس کے ساتھ یہ بھی یاد رہے کہ صلح کی غایت کیلئے جنگ صرف ایک ذریعہ ہے، بہتر اور عمدہ بات یہی کہ صلح بجائے جنگ کے آشتی کے ذریعہ سے حاصل کیجائے

طامس اکوئنا نے جس طور سے رفع اعتراض کیا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت مسیحؑ کے اس ارشاد مین کہ جو کوئی تلوار اٹھائے گا تلوار سے غارت ہوگا، تلوار اٹھانے کے معنی ناجائز طور پر اٹھانا ہین اور اس ارشاد سے عوام کو بلا حکم شرع تلوار اٹھانے کی ممانعت ہے، متی ۵/۳۸ مین اگرچہ یہ لکھا ہے کہ برائی کا مقابلہ نہ کرو اور بدلہ نہ لو لیکن ان احکام کی تعمیل نرم خوئی کے اکتساب سے حاصل ہوتی ہے اور اسکی ضرورت نہین کہ ہم بدی کو بغیر سزا دیئے ہوئے رائج رہنے دین اور ہماری وجہ سے یہ بلا دور نہ ہونے پائے اصلح کرانے والون

کو برکت اور جنگ کرنے والون کو بد دعا اگرچہ دیگئی ہے لیکن ایسا بھی ہوتا ہے کہ کبھی صلح کی غایت حاصل کرنے کے لیے صرف جنگ ہی سب سے بہتر اور واحد ذریعہ رہ جاتی ہے،

لوتھر نے مسیحی سپاہی کی حمایت زور شور سے کی ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ انجیل مین قدرتی حقوق اور فرائض تسلیم کئے گئے ہین، کالون کے استدلال کا خلاصہ یہ ہے کہ جنگ عدالت کی عاملانہ کاروائی ہے، جسے خدا نے مجسٹریٹ کے سپرد کی ہے، اور اخلاقی طور پر جس طرح پولیس کی ضرورت ہے کہ باشندون کو بدمعاشون سے محفوظ رکھے جنگ کی بھی ایسی ہی ضرورت ہے،

عدم مقابلہ کی تعلیم کے ساتھ ہی مسیح نے مسئلۂ سزائے اعمال پر بھی زور دیا ہے، آپ نے فرمایا کہ بیت المقدس ایسی کورانہ درشتی اور عدول حکمی کے باعث تباہ ہو جائے گا، (متی ۲۳/۱۳) اور قیامت کے احوال مین آپ نے بدون اور توبہ نہ کرنے والون کے عذاب کا ہولناک نقشہ کھینچ دیا (متی ۲۵/۳۱) پس جب قانون الٰہی یہی ہے کہ بدون کو سزا دیجائے جبکہ خود خدا جو اگرچہ توبہ قبول کر کے عفو کرتا ہے، باغیون کو جو اس کے احکام کسی طرح قبول نہین کرتے شان قہاری کے ساتھ سزا دیتا ہے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ دین عیسوی کسی قوم کو طریق الٰہی کے اتباع سے منع کرے اور بدی کو منع نہ کرے اور عدل قائم نہ ہونے دے، عدم مقابلہ کے قائل اگر اپنے مسئلہ کو اقوام کے لیے ایک قانون کی حیثیت سے جس پر عمل لازمی کر دیا ہے جاری کر دین تو اس احکم الحاکمین پر جس طور سے کہ وہ عالم پر حکومت کر رہا ہے، بڑا سخت الزام عائد ہوتا ہے۔ . . .

مسیحی علما نے مسیح کی مجموعی تعلیم کے صرف ایک جز کو پیش نظر رکھکر فتویٰ دیا ہے یعنی وہ مسیح جو اخلاق الٰہی کا مظہر تھا جو عدل و محبت اور بردباری کا آئینہ تھا، اس نقطۂ نظر سے دین عیسوی ضمیر صاف کیسا ایسی جنگ کی اجازت دیتا ہے جو بہ اتباع احکام الٰہی ایسی دنیا مین برپا ہو جہان ظلم و ناانصافی کا زور ہو، جہان اس کے احکام توڑے جائین اور جہان اس کے حقانی اقتدار کا مقابلہ کیا جائے،

(انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ اتھکس جلد ۱۲ ص ۶۷۹ و ۶۸۰)

آغازِ غزوات

حضرت مسیحؑ نے اس پُر فتن دنیا سے رخصت ہوتے وقت فرمایا تھا،

"مجھے ابھی تم سے بہت سے امور کہنا تھے لیکن اب تم کو ان کے تحمل کی طاقت نہین لیکن جب روح حق آئیگا وہ تمھین تمام حق کی طرف ہدایت کریگا، کیونکہ وہ خود اپنے نفس سے کچھ نہ کہیگا بلکہ جو کچھ سنیگا وہ کہیگا" (یوحنا ۱۶/۱۳)

وہ روحِ حق جسکی شان یہ تھی وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی، اس نے مکہ مین تیرہ برس تک نہایت صبر اور تحمل کے ساتھ حضرت مسیحؑ کی شان جمالی دکھائی اور ایسے نفوس کو شیفتۂ حق بنا دیا جنکا صدق و عدل، علم و عمل دنیا کو ہمیشہ یاد رہیگا پھر جب وہ مدینہ مین آیا اور اس قوم سے سابقہ پڑا جس نے مسیح کو دار پر کھینچا تھا تو اس نے حضرت موسیٰؑ کی شانِ جلالی کا جلوہ اس طور سے دکھایا جس سے وما ربک بظلام للعبید کی جھلک صاف نظر آتی تھی،

اربابِ سیر اور مغازی نے غزوات کا آغاز اس طور سے کیا ہے کہ یہ صاف نظر نہین آتا کہ وہ وجوہ اور اسباب کیا تھے جنکی بنا پر اس طرزِ عمل کے بدلنے کی ضرورت پیش آئی جسکو تیرہ برس تک مکہ مین آنحضرت صلعم اور آپکے اصحاب نے اختیار کر رکھا تھا، اس فن کے سب سے قدیم اساتذہ ابن اسحٰق اور واقدی ہین جو ایسے زمانہ مین تھے جب مسلم اور غیر مسلم سب ہی دین و مذہب کے لیے لڑنا فرض عین سمجھتے تھے اور اس لیے انھون نے مستقل طور پر ان وجوہ پر بحث نہین کی لیکن اس دورِ تہذیب مین جبکہ مذہب کو بالائے طاق رکھکر دندان آز تیز کر کے جنگ کا شکار سیاسیات کی ٹٹی کی آڑ سے اس طرح کھیلتے ہین کہ شیطان بھی پناہ مانگتا ہے، آنحضرت پر اس وجہ سے کہ آپنے جہاد کیا طرح طرح کے اعتراض کرتے ہین، ایک کہتا ہے کہ آپ نے قزاقی کا پیشہ اختیار کیا، دوسرا بول اٹھتا ہے مدینہ مین آکر آپ جاہ طلب اور عیش پرست ہو گئے تیسرا غل مچاتا ہے یہ پیغمبری کیسی تھی

حکومت کا نشہ تھا غرضکہ ع

ہر کسے از ظن خود شد یار من | وز درون من نجست اسرار من

کبرت کلمۃ تخرج من افواھھم ان یقولون الا کذبا،

مدینہ کی زندگی کی کشمکش — انصار کا مخلصانہ خیر مقدم اگرچہ ایک دلخوش کن نظارہ اور ترقی دین کے لیے نہایت ہمت افزا تھا لیکن چونکہ اب قصبہ کی مختلف الخیال اور مخلوط آبادی سے سابقہ تھا اور واقعہ ہجرت سے قریش کے غیظ و غضب اور جوشِ انتقام کا طوفان افقِ مدینہ پر اٹھتا ہوا نظر آ رہا تھا، آنحضرت صلعم اور غریب الدیار مہاجرین کو اطمینان سے بیٹھنا نصیب نہ ہوا، یہ شہر مکہ نہ تھا جہان چار ماہ تک لڑائی حرام سمجھی جاتی تھی اور جہان اطرافِ عرب سے مختلف قبائل حج کے لیے آتے تھے جن سے ملکر آنحضرتؐ فرضِ تبلیغ ادا فرماتے تھے، یہ مدینہ تھا جہان ہر وقت جان کا خطرہ تھا اور تبلیغ کا دائرہ محدود ہو گیا تھا، یہان صرف قریش کا ایک ہی قبیلہ آباد نہ تھا جس کے افراد آنحضرتؐ اور مہاجرین بھی تھے یہان ایک دوسرا قبیلہ آباد تھا جو اوس و خزرج کے نام سے مشہور تھا اور ایک اور گروہ بھی آباد تھا جو مذہبًا اور معاشرۃً ان سے بالکل الگ تھا، مدینہ کے یہودی بنی قینقاع، بنی نضیر اور بنی قریظہ تھے جو زمیندار حیثیت سے آراضی کے بڑے حصہ پر قابض تھے اور سودی لین دین کرکے کاشتکارون کا خون چوستے تھے، اوس و خزرج ان کے مقروض رہتے تھے قرضہ کی کفالت مین عورتین اور بچے تک رہن ہو جاتے تھے، بنی قینقاع صناع تھے اور زرگری اور حدادی کا پیشہ کرتے تھے عربی اور یہودی خون کی آمیزش سے یہ لوگ شجاع اور سرشور تھے، ان کے پاس اسلحۂ جنگ کا ذخیرہ موجود رہتا تھا اور کسی کی کچھ ہستی نہین سمجھتے تھے، گذشتہ صدی کے مشہور جرمن مستشرق پروفیسر گرائز مدینہ کے یہود کی حالت اور انکا برتاؤ رسول اللہؐ کے ساتھ جس طور سے بیان کرتا ہے اس کا ترجمہ ہم ذیل مین درج کرتے ہین، پروفیسر موصوف نے یہود کی ایک مفصل اور مبسوط تاریخ عہد حضرت ابراہیمؑ سے ۱۸۷۰ء تک لکھی تھی، اس کا ترجمہ انگریزی مین پانچ ضخیم جلدون مین ہوا، اور ۱۸۹۲ء مین لیڈن سے شائع ہوا ہے،

(باقی)

دار الضرب سورت کے سکّے[۱]

از

جناب محمد یوسف صاحب صدّیقی بمبئی

اکبر اعظم نے ۲۳ شوال ۹۸۰ھ مطابق ۲۶ فروری ۱۵۷۳ء مین سورت فتح کیا، اس کے قبل سلاطین گجرات کے سکّے عموماً احمد آباد پایہ تخت گجرات سے مسکوک ہوتے تھے، سنہ فتح کے وقت سورت مین دار الضرب نہین تھا، ۹۸۵ھ مین دار الضرب سورت مین قائم ہوا، اور اکبر اعظم کا سکہ جو محمودی کے نام سے مشہور رہی، مسکوک ہوا، سکۂ محمودی دو پیمانہ کا مسکوک ہوا، ایک روپیہ کے برابر اور دوسرا اٹھنّی کے برابر، سکۂ محمودی مدور ہے، بڑا ۶/۱۰ انچ قطر کا ہے اور چھوٹا ½ انچ قطر کا، یہ سکّہ ادنیٰ درجہ کی چاندی کا ہے، اور دار الضرب احمد آباد کے سکّون سے جو اس وقت مسکوک ہوتے تھے کم درجہ کا ہے،

محمودی سکّے ۹۸۵ھ سے ۱۰۲۰ھ تک مسکوک ہوتے رہے جنپر یہ عبارت نقش ہے،

نمبر ۱ رو: بادشاہ / اکبر / محمد / جلال الدین — پشت: لا الٰہ الا اللہ / محمد / رسول اللہ

---

[۱] فہرست ماخذ

۱۔ کٹلاگ برٹش میوزیم لندن

۲۔ ″ انڈین میوزیم کلکتہ

۳۔ ″ لاہور میوزیم

۴۔ ضمیمہ جات شعبہ مسکوکیات جرنل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کلکتہ،

۵۔ جرنل ایشیاٹک سوسائٹی بمبئی،

۶۔ جرنل انجمن مسکوکیات ہند،

۷۔ مرأت احمدی، (۸) مرأت سکندری،

۸۔ تاریخ گجرات مؤلفہ برڈ،

۱۰۔ سکہ جات سلاطین مغلیہ مرتبہ شاپور جی ہرمزجی ہودی والا، ایم، اے

۱۰۲۷ھ کے بعد کا کوئی محمودی سکہ دیکھنے مین نہین آیا اور نہ کہین ذخیرہ مین موجود ہے، اس کے بعد دوسو سال تک محمودی سکے مسکوک نہین ہوئے، ۱۲۱۵ھ اور ۱۲۱۷ھ مین محمودی سکے پھر مسکوک ہوئے جو اکثر ذخیرون مین پائے جاتے ہین،

بیالیس سال تک یعنی ۹۸۵ھ لغایۃ ۱۰۲۷ھ جو محمودی سکے مسکوک ہوتے رہے ان مین صرف حاشیہ مین وقتاً فوقتاً محض خفیف تبدیلیان ہوتی رہین اور سنہ مسکوک درج کئے گئے، ۱۰۲۷ھ کے بعد دار الضرب سورت بہت ترقی کر گیا، اور اس دار الضرب مین سونے چاندی اور تانبے کے سکے مسکوک ہوئے،

اکبر کی وفات ۱۰۱۴ھ مین ہوئی لیکن اس کے بعد بھی عہد جہانگیری مین نیز دوسو سال کے بعد جو محمودی سکے مسکوک ہوئے ان پر اکبر کا نام بدستور قائم رکھا گیا، صرف سنہ مسکوک ان پر درج کئے گئے،

ذیل مین ایک نقشہ دیا جاتا ہے جس سے معلوم ہوگا کہ کن کن بادشاہون کے سکے دار الضرب سورت سے مسکوک ہوئے اور ان سکون کے فلز کیا تھے،

نام بادشاہ	فلز
۱- جہانگیر	طلا، سیم، مس،
۲- شاہجہان اوّل	” ”
۳- مرادبخش	سیم، مس،
۴- اورنگزیب عالمگیر	طلا، سیم، مس،
۵- اعظم شاہ	سیم،
۶- شاہ عالم اول	طلا، سیم، مس،
۷- جہاندار شاہ	” ” ”
۸- فرخ سیر	سیم، مس:

نام بادشاہ	فلز
۹- رفیع الدرجات	سیم، مس
۱۰- شاہ جہان دوم	طلا، سیم
۱۱- محمد شاہ	طلا، سیم، مس،
۱۲- احمد شاہ	سیم
۱۳- عالمگیر دوم	"
۱۴- شاہجہان سوم	"
۱۵- شاہ عالم دوم	طلا- سیم

اب ہم ان بادشاہون کے سکّون کی کیفیت درج کرتے ہین،

جہانگیر

سنہ ۱۰۱۴ھ ۱۶۰۵ء لغایۃ سنہ ۱۰۳۷ھ ۱۶۲۷ء

دور اول سنہ ۱۰۳۱ھ لغایۃ سنہ ۱۰۳۳ھ - اس دور مین روپیہ اور اٹھنّی مسکوک ہوئے جنپر یہ عبارت نقش ہے،

نمبر۲

نور الدین جہانگیر بادشاہ ۱۰۳۱

ماہ فروردی الٰہی سنہ ۱۷ ضرب سورت

ان سکون مین سنہ ہجری و سنہ جلوس دونون درج ہین، لاہور میوزیم مین (کٹلاگ - نمبر ۱۷۳ و نمبر ۱۷۹) اس نمونہ کے دو روپیے ہین جنمین لفظ الٰہی یائے مجہول سے لکھا ہوا ہے، ایک مین لفظ سنہ لکھا ہوا نہین ہے، دونون روپیون کی پشت کی عبارت اس طرح پر ہے،

(۱) ماہ آبان الٰہے ضرب ۱۶ سورت

(۲) ماہ بہمن الٰہے ضرب سورت سنہ

دورِ دوم سنہ ۱۰۳۳ھ لغایت سنہ ۱۰۳۶ھ، اس دور مین جتنی مہرین، روپیہ اور اٹھنیان مسکوک ہوئین ان پر ایک شعر درج ہوا، رو کی جانب مصرعہ اول ہی جسمین جہانگیر کا نام ہے اور پشت کی جانب دوسرا مصرعہ ہی جس پر نورجہان بیگم کا نام ثبت ہے، وہ شعر یہ ہے،

زحکم شاہ جہانگیر یافت صد زیور
بنام نورجہان بادشاہ بیگم زر

اس نمونہ کی ایک مہر برٹش میوزیم مین ہے (کٹلاگ میوزیم نمبر ۵۱۳) دوسرے ذخیرون مین روپیہ اور اٹھنیان موجود ہین،

نمبر۳　رو
زحکم جہانگیر شاہ
یافت صد زیور
سورت
ضرب

پشت
بادشاہ
جہان
بنام نور
بیگم زر
۱۹ سنہ ۱۰۳۳

شاہ جہان

سنہ ۱۰۳۶ھ / ۱۶۲۸ء لغایتہ سنہ ۱۰۶۹ھ / ۱۶۵۹ء

عہد شاہ جہانی مین مدوّر و مربّع پر دو اقسام کے سکّے دار الضرب سورت سے مسکوک ہوئے، عبارت اور نقوش بھی اُن کے مختلف ہین،

سنہ ۱۰۳۷ھ جلوس کا ایک روپیہ ہے جس پر یہ عبارت نقش ہے،

نمبر۴　رو
شاہ جہان
سنہ
رائج باد
سورت
ضرب

پشت
لا الہ الا اللہ
محمد
رسول اللہ
سنہ
۱۰۳۷

اسی سنہ کا ایک اور روپیہ بھی ہے جس پر یہ عبارت نقش ہے،

اسی سنہ کے دو خوبصورت سکّے روپیہ اور اٹھنی ہین جنپر ذیل کی عبارت درج ہے، ان سکون کی عبارت دو دائرون سے گھری ہوئی ہے اور دونون دائرون کے درمیان مین ایک دائرہ نقطون کا ہے

ہجری کا لفظ اسی سنہ سے سکون پر درج ہونا شروع ہوا، اس عہد کے چند روپیہ ایشیاٹک سوسائٹی بمبئی کے ذخیرہ مین موجود ہین جنپر سنہ جلوس ثبت نہین ہے،

سنہ الٰہی ۲ کی دو طلائی مہرین اس عہد کی پائی جاتی ہین، ایک مہر برٹش میوزیم مین ہے، اور دوسری مہر لاہور میوزیم مین، ان پر یہ عبارت نقش ہے،

سنہ ۱۰۴۶ھ کا ایک روپیہ ہے جس پر عبارت کا ایک حصہ وسطی مربع جگہ مین ہے اور بقیہ عبارت اس کے چارون طرف درج ہے، نمونہ درج ذیل ہے،

اس سکہ مین سنہ ہجری و سنہ جلوس دونون پشت کی طرف درج ہین،

سنہ ۱۰۴۷ھ کا ایک طلائی سکہ (مہر) ایشیاٹک سوسائٹی بمبئی کے ذخیرہ مین موجود ہے، جس پر سنہ جلوس رُو اور پشت دونون طرف ثبت ہے،

سنہ ۱۰۴۸ھ کا ایک روپیہ ہے جس پر سنہ جلوس بجائے پشت پر مربع حصہ مین درج ہونے کے رو کی جانب داہنی طرف حاشیہ پر اس طرح درج ہے، محمد صاحب ۱۲، عبارت بالکل نمبر ۸ کی طرح ہے،

سنہ ۱۰۵۲ھ سے سنہ ۱۰۶۷ھ تک جتنے روپیہ مسکوک ہوئے ان پر عبارت تو مثل نمبر ۸ کے ہے لیکن سنہ جلوس عموماً رو کی جانب مربع حصہ مین داہنی طرف گوشہ مین درج ہے، دار الضرب سورت کے شاہجہانی سکّے عموماً اسی نمونہ کے ہین،

عہد شاہجہانی کے مربع سکّے بھی دو ایک ذخیرون مین پائے جاتے ہین، غالباً وہ سکّے سنہ ۱۰۵۵ھ یا سنہ ۱۰۵۹ھ کے ہین،

سنہ ۱۰۵۷ھ ۲۱ جلوس کے روپیہ اور اٹھنی پر یہ عبارت اس طرح نقش ہے،

نمبر۹

رو

پشت

سنہ ۱۰۶۷ھ ۳۱ جلوس کا ایک روپیہ ہے جس پر یہ عبارت نقش ہے،

نمبر۱۰

رو

پشت

۲۱ جلوس سنہ ۱۰۶۸ء کا ایک روپیہ ہے جس پر پشت کے حاشیہ کی عبارت داہنی طرف سے شروع ہوتی ہے،

انڈین میوزیم کے ذخیرہ مین ایک روپیہ ۳۱ جلوس سنہ ۱۰۶۸ء کا ہے جس پر ۳۱ کا ہندسہ رو کی جانب لفظ شاہ کے

نیچے درج ہے، پشت کی عبارت مثل نمبر ۱ کے ہے،

عہد شاہ جہانی کے دو فلوس (مسی) سنہ ۲۹، ۳۰ جلوس کے بعض بعض ذخیرون مین پائے جاتے ہین،

ان کی عبارت ایک ہی ہے جو حسب ذیل ہے،

نمبر ۱

رو		پشت
شاہ جہانی فلوس ۳۰	مراد بخش سنہ ۱۰۶۸ھ ۱۶۵۷-۵۸ء	سورت ضرب سنہ ۳۰ ۱۰۶۷

شاہجہان جب مرض الموت مین مبتلا ہوا تو شاہزادہ مراد بخش یہ خبر سنتے ہی تخت سلطنت پر جلوس

کیا اور اپنا لقب مروج الدین قرار دیکر اپنے نام کا سکہ اور خطبہ جاری کیا، مراد بخش کے عہد مین دو اقسام

کے روپیہ اور اشرفی مسکوک ہوئے جنپر علی الترتیب یہ نقوش ہین،

نمبر ۱۲

رو: مراد شاہ غازی / محمد سکندر ثانی / زر صاحبقران ثانی / گرفت احد / ارث سنہ

پشت: لا الہ الا اللہ / محمد / رسول اللہ / ضرب / سورت / ۱۰۶۸

مراد بخش کا ایک فلوس بھی جس پر یہ عبارت درج ہے (جرنل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال سنہ ۱۹۰۲ء ضمیمہ مسکوکیات)

نمبر ۱۳-

رو: بادشاہ غازی / محمد مراد بخش / مروج الدین / سنہ ۱ جلوس

پشت: لا الہ الا اللہ / محمد / رسول اللہ / وعدل عمر

نمبر۱۴ رو مراد شاہی فلوس | سورت احد ضرب پشت

اورنگ زیب عالمگیر

سنہ ۱۰۶۹ھ ۱۶۵۹ء تا نہایتہ سنہ ۱۱۱۸ھ ۱۷۰۷ء

سنہ جلوس ۱، سنہ ۱۰۷۰ھ مین جو سکّے مسکوک ہوئے ان پر یہ شعر نقش ہے

سکہ زد درجہان چو بدر منیر | شاہ اورنگ زیب عالمگیر

نمبر ۱۵ رو: اورنگ عالم گیرزیب / شاہ / زدچو بدر منیر / سکہ / درجہان ۱۰۷۰

پشت: بندر مبارک سورت / ضرب / میمنت مانوس / جلوس احد

یہ سکّہ اس لحاظ سے بہت دلچسپ ہے کہ صرف اسی سنہ کے سکہ پر سورت کا لقب بندر مبارک درج ہے، اس لقب کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس وقت سورت ہی وہ بندر تھا جہان سے ہندوستانی حجاج بغرض حج مکہ جاتے تھے، اور اسی مناسبت سے اس بندر کا لقب بندر مبارک رکھا گیا،

ڈاکٹر فرائر جو بغرض سیاحت سنہ ۱۶۷۴ء مین سنہ ۱۶۷۴ء مین ہندوستان آیا وہ لکھتا ہے کہ "اورنگ زیب کے چار جہاز ہمیشہ سورت مین تیار رہتے تھے اور حاجیون کو حج کے لیے بلا کرایہ لے جاتے تھے"،

سنہ ۱۰۷۱ھ ۲ جلوس مین جو سکّے مسکوک ہوئے ان کی عبارت تو اوّل الذکر سکہ کے مثل ہے صرف کسی قدر الفاظ کی نشست مین فرق ہے، ان سکون پر رو اور پشت کے نقش اس طرح پر ہین،

نمبر ۱۶ رو: اورنگ عالم زیب گیر / شاہ / زدچو بدر منیر ۱۰۷۱ / سکہ / درجہان

پشت: سنہ ۲ جلوس / میمنت / مانوس / ضرب / سورت

سنہ جلوس ۸ کی ایک مہر برٹش میوزیم کے ذخیرہ مین موجود ہے (کٹلاگ میوزیم، نمبر ۷۰)

اس سنہ مین جو مہرین، روپیہ اور اٹھنیان مسکوک ہوئین ان پر یہ نقش درج ہے،

نمبر ۱۷ رو

پشت

سنہ ۱۰۷۹ھ جلوس ۱۱ و سنہ ۱۰۸۰ھ جلوس ۱۲ مین جو روپیہ مسکوک ہوئے ان پر بعض مین پشت کی عبارت مثل نمبر ۱۶ کے ہے اور بعض مین مثل نمبر ۱۷ کے،

سنہ ۱۰۸۹ھ جلوس ۲۲ مین جو سکے مسکوک ہوئے ان پر عبارت اس طرح نقش ہے،

نمبر ۱۸ رو

پشت

مثل نمبر ۱۷

سنہ ۱۱۰۴ھ جلوس ۳۶ کا ایک روپیہ ہے جس پر عبارت اس طرح نقش ہے،

نمبر ۱۹ رو

پشت

مانوس
میمنت
سنہ ۳۶ جلوس
ضرب
سورت

سنہ ۱۰۹۰ھ جلوس ۲۲ سے سنہ ۱۱۱۸ھ جلوس ۵۱ تک جتنی مہرین، روپیہ اور اٹھنیان دار الضرب سورت سے مسکوک ہوئین وہ عموماً اسی نمونہ کی ہین، انڈین میوزیم مین تین مہرین سنہ ۲۹ جلوس، سنہ ۳۰ جلوس اور سنہ ۴۲ جلوس کی ہین،

اورنگ زیب کے عہد مین دار الضرب سورت سے دو نمونے کے مسی فلوس مسکوک ہوے جن پر علی الترتیب یہ عبارت درج ہے،

اعظم شاہ

سنہ ۱۱۱۸-۱۹ھ / ۱۷۰۷ء

اعظم شاہ کا ایک روپیہ سنہ ۱۱۱۹ھ کا ہے جسپر یہ شعر درج ہے،

سکہ زد در جہان بدولت و جاہ بادشاہ ممالک اعظم شاہ

شاہ عالم اول

سنہ ۱۱۱۹ھ / ۱۷۰۷ء لغایتہ سنہ ۱۱۲۴ھ / ۱۷۱۲ء

اس عہد مین دار الضرب سورت سے مہرین، روپیہ، اور اٹھنیان مسکوک ہوئین جنپر عبارت اس طرح نقش ہے، شاہ عالم اول کی ایک مہر انڈین میوزیم کے ذخیرہ مین موجود ہے (کٹلاگ صفحہ ۵ نمبر ۱۰۹۰)

جہاندار شاہ

سنہ ۱۱۲۴ھ / ۱۷۱۲-۱۳ء

جہاندار شاہ کے روپیہ اور اٹھنی پر یہ شعر نقش ہے،

بزد سکہ برزر چو صاحب قرآن

جہاندار شہ بادشاہ جہان

نمبر ۲۳

رو: جہاندار شہ بادشاہ جہان چو صاحب قران سکہ بزد برزر ۱۱۲۴ — پشت: مثل نمبر ۱۹

ایک دوسرا روپیہ اس عہد کا پایا جاتا ہے جسپر رو کی جانب بجائے لفظ زر کے مہ ہے،

اس عہد کی مہرون اور روپیون پر یہ شعر بھی درج ہے ؎

در آفاق زد سکہ چو مہر و ماہ ابوالفتح غازی جہاندار شاہ

نمبر ۲۴

رو: ابوالفتح غازی جہاندار شاہ چون مہر و ماہ سکہ در آفاق زد — پشت: مثل نمبر ۱۹

جہاندار شاہ کا ایک فلوس ذسی بھی دارالضرب سورت کا ہے جسپر یہ عبارت درج ہے؛

نمبر ۲۵

رو: جہاندار فلوس بادشا — پشت: سنہ احد جلوس ضرب سورت

فرخ سیر

۱۱۲۴-۱۱۳۱ھ

۱۷۱۳-۱۷۱۹ء

دارالضرب سورت سے چاندی کے جو سکّے فرخ سیر کے عہد مین مسکوک ہوئے ان پر یہ شعر نقش ہی

سکہ زد از فضل حق بر سیم و زر

بادشاہ بحر و بر فرخ سیر

نمبر۲۶ رو: بحر و بر فرخ سیر شاہ / از فضل حق باد / زد بر سیم و زر سکہ ۱۱۲۸ — پشت: مثل نمبر ۱۹

ایک فلوس بھی اس عہد کا پایا جاتا ہے جسپر یہ عبارت درج ہے،

نمبر۲۷ رو: فرخ سیر شاہ / فلوس باد — پشت: مثل نمبر ۱۹

رفیع الدرجات

سنہ ۱۱۳۱ھ / ۱۷۱۹ء

رفیع الدرجات نے اپنے چند ماہہ دورِ حکومت مین حسب ذیل مہتم بالشان بیت کو اپنے روپیون کی زیب و زینت مین صرف کیا، وہ شعر یہ ہے،

زد سکہ بہند با ہزاران برکات شاہنشہ بحر و بر رفیع الدرجات

نمبر۲۸ رو: ۱۱۳۱ رفیع الدرجا / برکا شاہنشہ بحر و بر / زد با ہزاران / سکہ بہ ہند — پشت: مثل نمبر ۱۹

ایک فلوس بھی اس عہد کا ہے جسپر یہ عبارت درج ہے،

نمبر۲۹ رو: رفیع الدرجا — پشت: ضرب سورت سنہ احد جلوس

شاہ جہان دوم

سنہ ۱۱۳۱ھ / ۱۷۱۹ء

اس عہد مین جو سکّے مسکوک ہوئے ان پر یہ عبارت درج ہے،

نمبر ۳۰

شاہ جہان ثانی
بادشاہ غازی
سکہ مبارک ۱۱۳۱

رو

مثل نمبر ۱۹

پشت

محمد شاہ

سنہ ۱۱۳۱ھ ۱۷۱۹ء لغایۃ سنہ ۱۱۶۱ھ ۱۷۴۸ء

اس عہد مین مہرین، روپیہ اور پیسے مسکوک ہوئے، ایک مہر برٹش میوزیم (کٹلاگ نمبر ۹۵۳) کے ذخیرہ مین موجود ہے، مہر اور روپیہ پر ایک شعر درج ہے، وہ شعر یہ ہے ؎

سکہ زد در جہان بلطف الہ　　بادشاہ جہان محمد شاہ

روپیہ پر یہ شعر اس طرح درج ہے،

نمبر ۳۱

بلطف الہ محمد
شاہ
بادشاہ زمان
سکہ
در جہان ۱۱۳۱

رو

مثل نمبر ۱۹

پشت

اسی عہد کی ایک اور مہر (دیکھو کٹلاگ برٹش میوزیم نمبر ۹۶۷ الف) اور روپیہ ہے جن پر یہ نقش ثبت ہے،

نمبر ۳۲

۱۱۳۳ محمد شاہ
بادشاہ غازی
سکہ مبارک

رو

مثل نمبر ۱۹

پشت

دو نمونے کے مسی فلوس اس عہد مین مسکوک ہوئے جنکے نمونے یہ ہین،

نمبر ۳۳　رو　محمد شاہ
فلوس پادشاہ ۱۱۴۲　مثل نمبر ۱۹　پشت

نمبر ۳۴　محمد شاہ غازی
فلوس......　مثل نمبر ۱۹

احمد شاہ

سنہ ۱۱۶۱ھ لغایۃ سنہ ۱۱۶۷ھ
۱۷۴۸ء ۱۷۵۴ء

اس عہد کا ایک روپیہ پایا جاتا ہے جس پر یہ نقش درج ہے،

نمبر ۳۵

رو: احمد شاہ بہادر
بادشاہ غازی
سکۂ مبارک

پشت: مثل نمبر ۱۹

عالمگیر ثانی

سنہ ۱۱۶۷ھ لغایۃ سنہ ۱۱۷۳ھ
۱۷۵۴ء ۱۷۵۹ء

ایک عہد کا ایک ڈبل روپیہ اور روپیہ پایا جاتا ہے جنپر یہ عبارت نقش ہے.

نمبر ۳۶

رو: ۱۱۰۰۰ عالمگیر
بادشاہ غازی
سکہ مبارک

پشت: مثل نمبر ۱۹

شاہ جہان سوم

سنہ ۱۱۷۳-۱۱۷۴ھ
۱۷۵۹-۱۷۶۰ء

اس عہد مین روپیہ اور اٹھنیان مسکوک ہوئین، عبارت اس طرح نقش ہے،

نمبر ۳۷

رو: ۱۱۷۰۰ شاہ جہان
بادشاہ غازی
سکہ مبارک

پشت: مثل نمبر ۱۹

شاہ عالم ثانی

سنہ ۱۱۷۳ھ لغایۃ سنہ ۱۲۲۱ھ
۱۷۵۹ء ۱۸۰۶ء

اس عہد مین ڈبل روپیہ، روپیہ، اٹھنی اور دوانی مسکوک ہوئے، روپیہ پر یہ عبارت نقش ہے،

نمبر ۳۸

رو — ۱۱۹۷ شاہ عالم بادشاہ غازی سکہ مبارک

پشت — مثل نمبر ۱۰

۱۲۱۵ھ ۱۸۰۰ء سے شاہ عالم کے نام کے سکے ایسٹ انڈیا کمپنی کی طرف سے مسکوک ہونے لگے،
رو اور پشت کی نقش بالکل شاہ عالم کے روپیہ کی نقل ہے، کمپنی مذکور کا آخری سکہ جو شاہ عالم
کے نام سے مسکوک ہوا، اس پر ۴۶ سنہ جلوس درج ہے، اس کے بعد کا کوئی سکہ نہین پایا جاتا،

ایسٹ انڈیا کمپنی کی طرف سے ۱۲۱۵ھ ۱۸۰۰ء مین اکبر کے نام سے محمودی سکے بھی دوبارہ مسکوک ہوئے
اور دو سال تک مسکوک ہوتے رہے، اس کے بعد یہ سکہ بھی مسکوک ہونا بند ہوگیا،

سیرۃ النبی

حصۂ سوم

جس کے مقدمہ مین نفس معجزہ کی حقیقت اور اس کے امکان و قوع پر فلسفۂ قدیمہ، علم کلام، فلسفۂ
جدیدہ اور قرآن مجید کے نقطہ ہائے نظر سے مبسوط بحث و تبصرہ ہے، اور اس کے بعد خصائص نبوت
یعنی مکالمۂ الٰہی، وحی، نزول ملائکہ، عالم رؤیا، معراج اور شرح صدر کا بیان ہے، پھر وہ آیات و معجزات ہین جنکا
ذکر قرآن مجید مین ہے، بعد ازین وہ ہین جو مستند روایات سے ثابت ہین، پھر معجزون کی نامعتبر روایات
کی تنقید کا باب ہے، اور اس کے بعد وہ بشارات نبویہ ہین جو صحف سابقہ مین موجود ہین، اور جنکے حوالے
قرآن مجید و حدیث مین مذکور ہین، اور آخر مین خصائص محمدی کا باب ہے،

طبع اول تقطیع کلان، ضخامت ۵۹۶، قیمت باختلاف کاغذ عہ/ سے ؏/

"منیجر"

ہندوستان کی معاشی حالت پر ایسٹ انڈیا کمپنی کا اثر،

از

مولوی ابو الخیر صاحب مودودی، رکن دار الترجمہ جامعۂ عثمانیہ

ذیل کا دلچسپ اور پر از معلومات مضمون آیا ہوا، کاغذات مین پڑا رہ گیا تھا، صاحب مضمون کی داد دینی چاہیے کہ انھون نے "صبر ایوبی" سے کام لیا، اور دستور زمانہ کے مطابق انھون نے اسکی اشاعت کا کبھی تقاضا نہین کیا، آج ہم اس امانت کو اصل مالکون (ناظرین) تک پہنچانے کا فرض ادا کرتے ہین، صاحب مضمون بہتر ہوتا، اگر اس کے اصل ماخذ کا پتہ بھی بتا دیتے، کہ حوالہ اور مزید استفادہ مین آسانی ہوتی،

"معارف"،

کمپنی کی ابتدا سولھوین صدی کا آخری دن، انگلش ایسٹ انڈیا کمپنی کا پہلا دن تھا، انگلستان کے تاجر مشرق کی زرخیز منڈی، اور خاصکر ہندوستان کی بے پایان دولت کے افسانے سن سنکر للچا رہے تھے، جس پر ایک صدی سے ان کا بحری رقیب (پرتگال) بلا شرکت غیرے قابض تھا، اور اس کی زبردست قوت ان کی نوخیز جوشیلی امنگون کو طمع دلا رہی تھی کہ یہ بھی اپنے استعمار بحری کی کوششون کا مرکز اسی کے ساحلون کو بنائین، اگرچہ انگریز تاجرون کے کاروبار جزائر شرق الہند مین اب بھی پھیلے ہوئے تھے، لیکن اول تو اتنے دور دراز مقامات مین تجارت کی انفرادی کوششون کے لیے کامیابی کے مواقع بہت کم تھے، دوسرے اس زمانہ مین پرتگال مشرق کا تنہا بحری مالک

بنا ہوا تھا، جس کی منتظم قوت کے مقابلہ مین انگریز تاجرون کی انفرادی جد وجہد کسی طرح بار آور نہین ہوسکتی تھی،
اسلیے لندن کے انگریز تاجرون نے یہ محسوس کیا کہ انھین متحدہ قوت اور سرمایہ سے باقاعدہ تجارت کرنی چاہیئے، اور
حکومت سے علاوہ تجارت کی اجازت کے جان و مال کی حفاظت کے لیے دفاعی قوتین رکھنے کا بھی اختیار
حاصل کرنا چاہیئے، اس زمانہ مین انگلستان کے تخت پر ملکہ الزبتھ متمکن تھی، جو اپنی قوم کو دنیا کے چپہ چپہ پر پھیلا ہوا
اور آباد و خوش حال دیکھنا چاہتی تھی، اس نے انگریز تاجرون کے اس ترقی خواہ شوق کی قدر کی، اور ۳۱ دسمبر
۱۶۰۰ء کو اپنی: "قوم کی عزت، رعایا کی دولت، جہاز رانی کی ترقی اور مرتب و منتظم تجارت کے ذریعہ دولت عامہ
کے ازدیاد" کی خاطر کمپنی کو ایک منشور عطا کیا، جو راہ ترقی مین انگریز قوم کا پہلا مگر مضبوط ترین قدم تھا، اور جس کا نتیجہ
ہندوستان پر برطانی حکومت ہے، یہ کمپنی لندن کے (تقریبًا) ۲۰۰ تاجرون نے ارل آف کمبرلینڈ کی رہنمائی مین
۷۰ ہزار پاؤنڈ کے سرمایہ سے قائم کی تھی، اور اس کا نام: "جزائر شرق الہند مین تجارت کرنے والے لندن کے
گورنر اور تاجر" تھا، کمپنی کو اس منشور کی رو سے، راس امید سے میجلان کی آبناؤن تک، (عیسائی حکومتون کے
مقبوضات کو چھوڑ کر) تمام آبادیون مین تجارت کی اجازت ملگئی، انفرادی تجارت بند کر دی گئی، اور ان انگریز
تاجرون کو جو بحر ہند مین کمپنی سے علٰحدہ رہ کر تجارت کر رہے تھے تاج کا نافرمان قرار دیا گیا، اسی کے ساتھ کمپنی
کو جنگی جہازون، بحری فوج اور سامانِ جنگ کے متعلق بھی خاص رعایتین عطا کین، اور یہ حق بھی دیا کہ جو
انگریز تاجر بحرِ ہند مین انفرادی تجارت کرتے پائے جائین، ان کا مال و متاع معہ جہازون کے ضبط کر لے،
کمپنی کا کام | کمپنی نے منشور حاصل کرتے ہی سواحلِ ہند کے ادنیٰ افسرون سے ملکر مختلف مقامات پر کار و بار
پھیلا دیئے، اور پھر جگہ بجگہ زمینین لے لے کر کوٹھیان بحری اسٹیشن، اور مال گودام بنانے شروع کر دیئے لیکن
بغیر شاہی حکومت کی اجازت کے، اس طرح زیادہ مدت تک کام نہین چل سکتا تھا، اور کاروبار مین ترقی و
توسیع کی تو بالکل کوئی صورت ہی نہ تھی، اس لیے کمپنی نے اپنی ملکہ سے شہنشاہ اکبر کے دربار مین سفارت بھیجنے
کی درخواست کی، سر جان ملڈن ہال، الزبتھ کا پہلا سفیر تھا جو ۱۶۰۳ء مین آگرہ پہنچکر ۱۶۰۵ء تک مقیم رہا،

بیان کیا جاتا ہے کہ وہ اکبر سے ویسی ہی مراعات حاصل کرنے مین کامیاب ہوگیا تھا جیسی مراعات کچھ عرصہ قبل دولت عثمانیہ سے انگریز تاجرون کو حاصل ہو چکی تھین، لیکن یہ بات قابل اعتبار نہین ہے، ملڈن ہال کے بعد ہاکنس، کیننگ، کیرج اور ایڈورڈ یکے بعد دیگرے سفیر ہو کر آئے، مگر وہ مشرق کے درباری آداب سے ناواقف ہونے کے باعث کوئی اثر پیدا نہ کر سکے، آخر ۱۶۱۵ء مین چارلس اول نے سرطامس رو کو سفیر مقرر کرکے بھیجا، وہ اس سے پہلے عثمانی دربار مین رہ کر مشرقی آداب سے واقف ہو چکا تھا، اس لیے وہ بہت کامیاب رہا، اور اس نے جہانگیر کی حکومت مین اچھے اثرات پیدا کرکے انگریزی تجارت کے لیے بہت سی رعایتین حاصل کرلین،

اتفاق سے اسی زمانہ مین کچھ ایسے اسباب پیدا ہو گئے، جنھون نے مغل فرمانرواؤن کو ان کی طرف مائل کر دیا، پرتگالی قزاق بحری ایک عرصہ سے بحر ہند مین پھیلے ہوئے تھے، اور ہمیشہ ہندوستان کے ساحلون پر چھاپے مارتے رہا کرتے تھے، حکومت مغلیہ اپنے انتہائی عروج کے زمانہ مین بھی، سمندرون مین کمزور تھی، اسلیے ان قزاقون کا تدارک اسکی قدرت سے باہر تھا، اسکی وجہ سے یہان کی بحری تجارت بالکل برباد ہو رہی تھی، اور حج کی راہ بھی اتنی پرخطر ہو گئی تھی کہ صرف وہی لوگ طواف کعبہ کا ارادہ کرتے تھے جنھین راہ حج مین شہادت کی تمنا ہوتی تھی، ایسی صورت مین نوخیز انگریزی قوت کا ہندوستان کے ساحلون پر نمودار ہونا بہت بروقت تھا، جو حسن اتفاق سے پرتگال کی رقیب تھی، اس پر انھون نے ساحلی حاکمون سے اپنا اس طرح تعارف کرایا کہ (۱۶۱۲ء کے اواخر مین) پرتگالیون کے ایک زبردست بیڑے کو اپنی مختصر سی قوت سے تاپتی کے دہانہ پر شکست فاش دے کر بھگا دیا، مغلی حاکمون پر ان کی اس فتح کا بہت اچھا اثر ہوا، انھین پرتگال کے بحری قزاقون کا قلع قمع کرنے کے لیے جس قوت کی ضرورت تھی، وہ ان مین موجود تھی، اسلیے وہ انھین ایک کارآمد قوم سمجھنے لگے، اور بندرگاہ سورت، کیمبے، گوگو، اور احمد آباد مین کوٹھیان بنانے کی اجازت دیدی،

پرتگالیون نے ۱۶۱۴ء مین اس ہارے ہوئے میدان کو پھر جیتنا چاہا، اور اپنی ساری قوتین جمع کرکے پھر اسی جگہ لڑائی کی ٹھانی، جہان شکست کھائی تھی، انگریزون مین اس مقابلہ کا بالکل دم نہ تھا، مگر قسمت نے

ان کی مدد کی، پرتگالیون نے حماقت سے دریا کے کنارے پر ریگستانی سواحل کے پرپیچ رستون مین اپنی زبردست قوت کو آوارہ کرکے برباد کر دیا، یہ دیکھ کر انگریزون کی ہمتین بڑھ گئین، اوران کی مٹھی بھر فوج نے پرتگالیون کو ایسی شکست دی جو نومبر ۱۲ء کی شکست سے بھی زیادہ فاش اور فیصلہ کن تھی، اس کے بعد بحرِ عرب مین پرتگال کی قوت روز بروز کمزور ہوتی گئی، آخر ۱۶۳۲ء کی آخری شکست نے میڈرڈ کا صلح نامہ مرتب کرایا، جس مین پرتگال نے مشرق کا میدان بالکل ہار دیا، اور انگلستان کے لیے ہندوستان کی تجارت کا رستہ بہت کچھ صاف کر دیا،

کمپنی کی ترقی | پرتگالیون کو شکستین دے کر ان کی بحری قوت کو توڑ دینے کی وجہ سے کمپنی کو مغلون کی بحری پولیس کا درجہ حاصل ہوگیا، اوراس پوزیشن نے اسے فطری چالاکیون کے باعث ہندوستان کے ساحلون کا مالک بنا دیا، پہلی ہی کوشش مین ایک اچھا بحری موقف (سورت) اس کے ہاتھ آگیا تھا، مگر یہ برابر اسی کوشش مین لگی رہی کہ تمام اچھے اچھے ساحلی اور غیر ساحلی مقامات مین اپنی کوٹھیان قائم کر دے، اور بالآخر اس مین کامیاب ہوئی، ۱۶۱۶ء مین زیمرین نے اپنے پایۂ تخت کالی کٹ مین جگہ دی، ۱۶۲۰ء مین ہگلی پر کوٹھی قائم کرنے کی اجازت ملی، ۱۶۲۶ء مین مدراس سے ۷۰ میل اوپر ارگیمان مین کوٹھی اور قلعہ بنانے کی منظوری ملی، ۱۶۳۴ء مین ہگلی (بنگال) مین تجارتی مرکز قائم کرنے کا فرمان ملا، اور ۱۶۳۹ء مین چندرگری کے راجہ سری رنگا رائل نے فرانسس ڈے کو ترجیاپٹم مین قلعہ بنانے کی اجازت دی، جو سینٹ جارج کے نام سے مشہور ہے، اور جسے موجودہ شہر مدراس کا بنیادی پتھر کہنا چاہیئے، پھر ۱۶۶۱ء مین چارلس اول نے پرتگال کی شہزادی کیتھرائن برگانزا سے شادی کرکے جہیز مین بمبئی کا بہترین قدرتی بندرگاہ حاصل کیا، اور فوراً ہی ۱۰ پونڈ سالانہ (لگان) پر کمپنی کو دے دیا، اس کے بعد ۱۶۹۰ء مین جاب چرنک نے فورٹ ولیم تعمیر کیا، جو ترقی کرکے کلکتہ کا عظیم الشان شہر بنگیا،

مقبوضات کی تنظیم | اس روز افزون ترقی وکامیابی نے کمپنی کے حوصلے بہت بڑھا دیئے اور اب اس نے

تمام کوٹھیون کے ساتھ تھوڑے تھوڑے علاقے ملحق کرکے ان کو بحری استحکامات سے مستحکم کرنا شروع کر دیا، اس کو سر انجام کرکے اپنے مقبوضات مین چھوٹی چھوٹی حکومتین قائم کین، اور مدراس و بمبئی کو ان کا مرکز قرار دیا، ان مین ایک کے ماتحت مشرقی ساحل تھے اور دوسری کے ماتحت مغربی، بات یہ بھی کہ یہ مقامات دارالسلطنت سے بہت دور تھے، اور حکومت کو ان کی طرف کچھ زیادہ توجہ بھی نہ تھی، اسلیے یہان کمپنی کو من مانے عمل دخل کا موقع مل گیا، مگر بنگال کے علاقہ مین اسکی گنجائش نہ تھی، کیونکہ وہان حکومت کی قوت پوری طرح مضبوط تھی، اور اس کے سوا چارہ نہ تھا کہ مغلئی گورنر کے ماتحت محدود تجارت کرے،

یورپین حریف قوتین کمپنی نے جب ہندوستان کے ساحلون پر قدم رکھا تو یہان بحری تجارت کا میدان اس کے لیے خالی نہ تھا، بہت سی یورپین قوتین اسکی حریف تھین، معاملات مین دوست دشمن تھے، کمپنی کو کامل ڈیڑھ سو برس اپنے ان حریفون سے مقابلہ کرنے پڑے، اور بالآخر وہ نہایت شدید معرکون کے بعد اپنا تفوق قائم کرنے مین کامیاب ہوگئی، یہ معرکے جن حریف رقیبون سے ہوئے ان مین ڈچ، پرتگیز اور فرنچ خاص طور پر نمایان ہین،

سترہوین صدی کے اوائل مین ڈنمارک نے مشرقی تجارت کا حصہ دار بننا چاہا، اور ۱۶۱۲ء مین ایسٹ انڈیا کمپنی قائم کرکے کاروبار شروع کر دیا، مگر تھوڑے ہی دنون مین تجارت نے مذہبیت اختیار کر لی، اور ڈچ پادری ٹناولی، تنجور، بالاسورا اور سیرام پور وغیرہ مین مذہبی تبلیغ کرنے لگے، تاہم ان لوگون نے نہایت عمدہ اصولون پر تجارت کی، اور اگر مرکزی حکومت کمپنی پر قبضہ کرکے نااہل منتظم مامور نہ کرتی، تو بہت ممکن تھا کہ یہ کمپنی برٹش ایسٹ انڈیا کمپنی کا چراغ نہ جلنے دیتی،

دوسری حریف قوت پرتگال تھی، جو ایک صدی سے بحرِ ہند کی تجارت پر قابض تھی، لیکن اس کے مذہبی تعصب لوٹ مار، قتل و غارت اور وحشیانہ برتاؤ نے ملک و حکومت کو اس سے متنفر کر دیا تھا، اس لیے سواحلِ ہند پر انگریز کمپنی کے نمودار ہوتے ہی بڑے تپاک سے اس کا خیر مقدم کیا گیا، اور اس طرح

یہ آغاز ہی مین اپنے ایک زبردست حریف کو دبا لینے مین کامیاب ہوگئی،

لیکن انگریزی تفوق کے سب سے زیادہ حریف فرانسیسی ثابت ہوئے، پہلے پہل ۱۶۶۸ء مین فرنچ ایسٹ انڈیا کمپنی نے سورت اور گول کنڈہ مین کوٹھیان بنائین، پھر ۱۶۷۴ء مین پانڈے چری کو خرید کر وہان قلعہ اور کوٹھی تعمیر کی، انگریزون کی طرح ان کا مطمح نظر بھی یہی تھا کہ ہندوستان کی بحری تجارت پر قبضہ کرین، اور بحر ہند مین کسی ایسی قوت کو نہ رہنے دین جو کسی وقت ہمارے تفوق کو چیلنج دے سکے، یہان دونون مین یہ خیال تھے کہ وہان دونون کے درمیان ایک طویل جنگ جاری ہوگئی، جس کے بہانے تو بہت تھے، مگر اصل مقصد وہی بحری ویری تفوق تھا، اس وقت فرانس کی استعماری پوزیشن ہر جگہ بہت بڑھی ہوئی تھی، جسے دیکھ کر ولیم آرنج کو رشک پیدا ہوا، اور اس نے فرانس کی استعماری کامیابیون کو روکنے کے لیے دول یورپ سے سازباز کئے، جس کا نتیجہ جنگ صد سالہ (۱۶۸۹ تا ۱۸۰۲) تھا، یہ عداوت ہندوستان کے انگریز اور فرنچ تاجرون مین بھی منتقل ہوئی، وہ ایک دوسرے کے خلاف کوششین اور سازشین کرنے لگے، مگر ۱۷۴۰ء تک دونون کے درمیان کوئی اہم تصادم نہین ہوا، حالانکہ یورپ مین اب تک دو جنگین (ہشت سالہ ۱۶۸۹ء تا ۱۶۹۷ء اور یازدہ سالہ: ۱۷۰۲ء تا ۱۷۱۳ء) ہو چکی تھین، اور تیسری کی طیاری تھی، آخر یہان بھی دلون سے غبار نکلے، کرناٹک کے مسئلے نے دونون آتشگیر مادون کو ٹکرا دیا، اور ۲۰ برس کے لیے جنوبی ہند کو آتش زار بنا دیا، کرناٹک کی پہلی جنگ ۱۷۴۴ء مین شروع ہوئی، (یہ وہ زمانہ تھا جب یورپ کے میدان مین انگلستان، آسٹریا کی حمایت مین لڑ رہا تھا) اور ٹھیک اس زمانہ مین ختم ہوئی جب یورپ مین ایکس لاچیپل کی صلح (۱۷۴۸ء) ہوئی، اس لڑائی مین فوجی تصادم کے لحاظ سے اگرچہ فرانسیسی کامیاب اور انگریز ناکام تھے، مگر نتائج کے اعتبار سے غالب و مغلوب دونون برابر تھے، فرانسیسیون کی کامیابی کی بڑی وجہ یہ تھی کہ ان کا قائد اعظم، ڈوپلے ایک مدبر جنرل تھا، اور اس نے ہندوستانی سپاہیون کو فرنچ طریقہ پر تربیت دے کر اپنی قوت بہت بڑھالی تھی، دوسری جنگ ۱۷۴۹ء مین شروع ہوئی، اب کے انگریزون کے پاس کلائیو جیسا پیدائشی جنرل

تھا، اور فرنچ گورنمنٹ نے ڈوپلے کی راہ مین انتہائی مشکلات پیدا کرکے اسے بالکل نہتا کردیا تھا، اس لیے انگریز غالب اور فرانسیسی مغلوب تھے، انھون نے ترچناپلی مین ہتیار ڈالدیے، (۱۷۵۲ء) لیکن فرنچ گورنمنٹ کی آنکھین اس کے بعد بھی نہ کھلین، اس نے ۱۷۵۴ء مین ڈوپلے کو واپس بلالیا، اور اسکی جگہ ایک ایسا نااہل گورنر بھیجا، جس مین نہ حالات کو سمجھنے کی صلاحیت تھی، نہ قوتِ عمل، اس کا نقطۂ نظر بالکل تاجرانہ تھا، اور وہ اس اصول سے قطعاً بے خبر تھا کہ ایک ایسی قوم کے مقابلہ مین جو تلوار سے اپنا تجارتی تفوق قائم کرنا چاہتی ہو، صرف تلوار ہی سے اپنی تجارت کو قائم رکھا جاسکتا ہے، اس کے بنیئے پن اور فرنچ گورنمنٹ کی کمزور پالیسی نے فوراً اپنا اثر دکھایا، ڈوپلے کے جاتے ہی سانڈرس کی گورنمنٹ نے اعلان جنگ کردیا، کرناٹک کی تیسری جنگ بھی اپنے فیصلہ کن نتائج کے ساتھ شروع ہوگئی (جنوری ۱۷۶۰ء) اور سرآئرکوٹ نے وانڈی واش پر فرنچ قوت کو بالکل توڑ دیا، پھر ۱۷۶۱ء مین ایرکوٹ کے آگے فرنچ انڈیا کا دارالحکومت (پانڈیچری) بھی تسلیم کردیا گیا، اور آخر ۱۷۶۳ء کی صلح پیرس پر کرناٹک کی جنگ مع ڈوپلے، بسی، اور لالی کی پریشان خوابیون کے ختم ہوگئی،

اب ہندوستان انگریزون کے تمام یورپین حریفون سے خالی تھا،

کمپنی کا مقصد

لیکن باوجود ان فوجی کاروائیون کے نہ صرف سترھوین بلکہ اٹھارھوین صدی کے اوائل تک انگریزون کو ہندوستان پر حکومت کرنے کا خیال نہ تھا، اور نہ مغلون کی عظیم الشان قوت کی موجودگی مین انھین اپنے چند جنگی جہازون پر اتنا غرہ ہوسکتا تھا، ایک صدی تک ان کا مقصد محض تاجرانہ تھا، اوران کی ساری کوششین اسی مقصد کی کامیابی مین مرکوز تھین، وہ اس سے زیادہ کچھ اور نہ چاہتے تھے کہ بحرِ ہند سے تمام یورپین رقیبون کو نکال کر ہندوستان کی تجارت کو اپنے لیے مخصوص کرلین،

لیکن پھر سوال یہ ہے کہ یہ تجارتی مقصد حکومت اور ملک گیری کی صورت مین کیسے بدل گیا؟ یہ مسئلہ ہندوستان کی تاریخ کا ایک دلچسپ باب ہے، مگر یہان اتنی گنجائش نہین ہے کہ اس پر تفصیلی

بحث کیجائے، یہ گفتگو ایک مستقل صحبت چاہتی ہے، یہان قارئینِ کرام کے لیے اتنا اشارہ کافی ہے کہ یہ مطمحِ نظر انگریزون کا اپنا نہ تھا، بلکہ ایک فرنچ مدبر سپاہی کا تھا، جس نے متخیلۂ دماغ مین فرنچ امپائر کا قصر تعمیر کرنے کا منصوبہ باندھا تھا، انھون نے یہ عظیم الشان سلطنت اسی کے نظامِ عمل کو دلیلِ راہ بنا کر حاصل کی ہے،

دولت مغلیہ کا تنزل | ۱۷۰۷ء مین، اورنگ زیب کی آنکھ بند ہوتے ہی دولت مغلیہ جسم بے جان ہو گئی، اورنگ زیب نے اس پورے ملک کو ایک علم کے نیچے لانے کے لیے جو زبردست کام شروع کیا تھا، موت نے اس کے سرانجام سے پہلے ہی مستقبل کے آگے اسکو سر جھکانے پر مجبور کر دیا، اس کے بعد اس کے جانشینون مین ایک بھی ایسا نہ ہوا، جو مزید فتوحات نہ سہی، کم از کم اپنی حاصل منزلت ہی کو قائم رکھ سکتا، آخر اصل کارفرما قوت کے روز افزون ضعف سے سلطنت کا شیرازہ بکھر گیا، نئی نئی قوتین ابھرنے لگین، سارا ملک خود مختاری و لامرکزیت کے جراثیم سے ماؤف ہو گیا، شاہی دربار کی بدعنوانیون سے صوبہ دارون کو خود مختاریون کے اعلان پر مجبور ہو جانا پڑا، دکن مین نظام الملک آصف جاہ نے، اودھ مین سعادت علی خان برہان الملک نے، اور بنگال مین جعفر خان مرشد قلی نے اپنی اپنی آزاد حکومتین قائم کین، مرہٹون کی نوخیز بجلی قوت جس کو پوری طرح کھلنے سے پہلے اورنگ زیب کا انتقال ہو گیا تھا، پھر ابھری، اور اس شدومد سے ابھری کہ سارے ملک مین پھیل گئی، اور اگر پانی پت کے میدان مین احمد شاہ ابدالی سے ٹکرا کر پاش پاش نہ ہو جاتی تو شاید آج سارا ہندوستان اسی کی روندن مین ہوتا، پنجاب مین سکھون کی جوان قوت نے غیر معمولی جنگی روح کے ساتھ جنم لیا، اور بدامنی کا ایک مستقل سلسلہ قائم کر دیا، غرض ایک طرف سارا ہندوستان خود مختاریون، اور نئی نئی قوتون کے باہمی تصادم سے پامال ہو رہا تھا، اور دوسری طرف دہلی شاہجہانی تخت پر ایسے کمزور و آرام طلب بادشاہ متمکن تھے جو بادشاہ گر جنرلون، خود غرض وزیرون، نمک حرام دربارین اور محلسرا کی عورتون کے ہاتھون مین کٹھ پتلی کی طرح حرکت کرتے تھے،

تجارت سے ملک گیری | ان حالات مین ایک امنگون بھری نوخیز قوت کے لیے کسی زرخیز ملک کو فتح کرنے کا

خیال ایک فطری بات ہے، فرنچ الیسٹ انڈیا کمپنی کے ڈائرکٹر جنرل، ڈوپلے نے اس موقع سے بہترین فائدہ اٹھانے کے لیے ہندوستان کی حریف قوتون کو "تفریق و حکومت" کے اصول پر باہم ٹکرانے اور حکومت کرنے کی اسکیم طیار کی، اس نے ایک حکومت کے دو دعوے دارون مین سے کمزور کا ساتھ دینے اور اس کو برائے نام تخت پر بٹھا کر عملاً خود حکومت کرنے کا سلسلہ شروع کر دیا، اور اس مین خاصا کامیاب رہا، لیکن انگریزون کا ستارہ عروج پر تھا، فرنچ گورنمنٹ نے اپنے لیے یورپ کے میدان کو زیادہ مفید سمجھا اور ڈوپلے کو واپس بلا لیا، مگر انگریزون نے تجویز کے اس نقشہ پر پورا پورا عمل کیا، اور اسی مین اپنی تمام قوتین مرکوز کر دین، جسکا نتیجہ صرف یہی نہین ہوا کہ فرنچ قوت کا ہندوستان سے کلیۃً استیصال ہو گیا بلکہ اسکی وجہ سے انگریز قوم سارے یورپ کے علی الرغم ایک شاندار مستقبل کے حاصل کرنے مین کامیاب ہو گئی،

غاصبانہ فتوحات | کمپنی نے اس سلسلہ مین پہلا ہاتھ بنگال پر مارا، جو اسکی تمناؤن کا دیرینہ کاشانہ تھا، اور ۱۷۵۷ء مین سراج الدولہ کو آخری شکست دے کر بنگال، بہار، اور اڑیسہ کو ٹھیکہ پر دینے لگی، پھر ۱۷۶۵ء مین شاہ عالم ثانی سے "دیوانی" کی سند لیکر نوابی کا برائے نام سلسلہ بھی ختم کر دیا، ۱۷۷۵ء مین نواب آصف الدولہ سے بنارس کا علاقہ لے کر راجہ جیت سنگھ کو آئے دن کے گرانقدر مطالبون سے تنگ کر دیا، اور جب اس نے انکی ادائی سے معذوری ظاہر کی تو معزول کر کے قید کر دیا، میسور کی زبردست قوت، جو یکے بعد دیگرے حیدر علی اور ٹیپو سلطان کی قیادت مین کمپنی کے لیے ایک زبردست خطرہ تھی، ۱۷۹۹ء مین ٹیپو کی جان کے ساتھ ختم ہو گئی، سعادت علی خان شجاع الدولہ کو طرح طرح سے مجبور کیا کہ وہ اپنے ملک کا پورا انتظام کمپنی کے حوالہ کر دے، یا کم از کم اس کا نصف حصہ ہی انگریزی کنٹنجنٹ کے اخراجات کے لیے دیدے، اور آخر زبردستی اسی دوسری بات کو منوا کر ۱۸۰۱ء مین علاقۂ دوآبہ پر قبضہ کر لیا، کرناٹک کے نواب محمد علی کے مرتے ہی اسکی ریاست پر قبضہ جما لیا، اور جب اس کا بھائی اپنے حق سے دست بردار ہونے پر طیار نہ ہوا تو ایک دوسرے دعویدار کو کھڑا کر کے اسے پنشن لیکر چپ ہو رہنے پر مجبور کر دیا، فرخ آباد کا نا بالغ نواب بلوغ کو پہنچنے والا ہی تھا

کہ زبردستی اسکی پنشن کرکے ریاست کو اپنے انتظام مین لے لیا، ۱۸۱۸ء مین مرہٹون کی طوفانی قوت بھی غبار ہوگئی، پیشوا، بھونسلا کے وسیع علاقے بمبئی اور صوبہ متوسط کے ساتھ ملحق ہوگئے، سندھیا، ہلکر، گیکواڑ نے برطانی اطاعت قبول کرلی، اس کے بعد ۱۸۴۹ء مین پنجاب بھی قبضہ مین آگیا، اور پھر ۱۸۵۶ء مین وہ آخری کانٹا بھی نکل گیا جو اگرچہ ہندوستان پر انگریزی تسلط کی تکمیل مین کچھ بھی حارج نہ تھا مگر تاہم سنگِ راہ تھا، اور اس لیے وجہِ خلش تھا،

الفاروق

علامہ شبلی رح

حضرت فاروق اعظم کی لائف اور طرزِ حکومت، اگرچہ مسخ شدہ صورت مین معمولی کاغذ پر اس گران پایہ کتاب کے بیسیون اڈیشن فروخت ہو رہے ہین، مگر اہل نظر کو ہمیشہ اس کے اعلیٰ اڈیشن کی تلاش تھی، مطبع معارف نے نہایت اہتمام و سعی بلیغ سے اس کا نیا اڈیشن تیار کرایا ہے، جو حرف بحرف نامی پریس کانپور کی نقل ہے، نہایت عمدہ کتابت، اعلیٰ چھپائی، عمدہ کاغذ دنیائے اسلام کا رنگین نفیس نقشہ، مطلا ٹائیٹل، ضخامت ۲۱۲ صفحے، قیمت للعہ

المامون

علامہ شبلی رح

خلیفہ مامون الرشید کے عہدِ سلطنت کے حالات، اب تک اس کے بازاری نسخے عام طریقے سے فروخت ہوتے تھے، اب مطبع معارف نے خاص اہتمام سے طبع کراکے شائع کیا ہے، کاغذ اور لکھائی چھپائی بہترین ہے. ضخامت ۲۲۴ صفحے قیمت عہ؍

"منیجر"

سوشیالسٹ حکومت

از

مولانا عبد السلام صاحب ندوی

(۳)

سوشیالزم اگر سوشیالسٹ گروہ کی خواہشون کے مطابق کامیاب ہوگی، تو ایک ایسی جمہوری حکومت قائم ہو جائے گی، جس سے بہتر جمہوریت کا تخیل قائم نہین کیا جا سکتا، لیکن اس حالت مین اصلی سوال یہ ہے کہ سوشیالزم کے اصول مساوات اور اصول جمہوریت مین باہم توافق و اتحاد ہو سکتا ہے یا نہین؟

فلسفہ طبعی کا یہ ایک متداول مسئلہ ہے کہ جب ماحول مین بتدریج مستمراً تغیر پیدا ہوتا ہے، تو اس سے انسانی، حیوانی اور نباتاتی زندگی مین بھی تغیر پیدا ہو جاتا ہے، ماحول کا ایک فوری اور کلی تغیر تو بے شبہ ہلاکت و بربادی کا سبب ہوتا ہے، لیکن استمراری طور پر خفیف تدریجی تغیرات سے ترقی ونشو ونما ہوتی ہے،

فطرت کا یہ ایک ابدی قانون ہے اور وہ صرف محسوسات ہی پر نافذ نہین ہے، بلکہ اجتماعی زندگی پر بھی حاوی ہے، اسلیے فتوحات و محاربات سے اجتماعی زندگی مین جو فوری اور کلی تغیر پیدا ہو جاتا ہے، وہ جس طرح تمدن و تہذیب کو تباہ و برباد کر دیتا ہے، اسی طرح ایک مستمر اور تدریجی تغیر جو مختلف اسباب کا نتیجہ ہوتا ہے تمدن و تہذیب مین ایک ایسا معتدل لطیف اور لچکدار تغیر پیدا کرتا رہتا ہے، جس سے انسان نہایت آہستہ آہستہ اس جدید تمدن کے لیے اپنے آپ کو موزون بنالیتا ہے، آج تک دنیا سے قدیم اور دنیائے جدید مین اسی اصول کے مطابق، غیر محسوس طور پر تدریجی تعلق پیدا ہوا ہے لیکن اس زمانے مین علمی اختراعات اور صنعتی تغیرات نے موجودہ فضا مین ایک ایسا غیر معمولی کلی اور فوری تغیر پیدا کر دیا ہے، جسکی نظیر سے دنیا

کی تاریخ خالی ہے، کیونکہ یہ تمدنی فضا اس قدر جلد بدل گئی ہے کہ انسان کو اسقدر کافی وقت نہین مل سکا ہے، جس مین وہ اپنے آپ کو اس کے لیے موزون بنا سکے، اس لیے ایک فوری اور کلّی تغیر و انقلاب کی مہلک صورت پیدا ہو گئی ہے، اسلیے جو قدیم تمدنی اصول، دنیائے جدید کے نو پیدا تمدنی اصول کے ساتھ تدریجاً توافق واتحاد پیدا کر لیتے تھے، اب باہم مناقض اور حریف نظر آتے ہین، اور دنیائے جدید دنیائے قدیم سے بالکل الگ اور بے میل ہو گئی ہے، لیکن بہرحال اتنا یقینی طور پر معلوم ہے کہ اجتماعی زندگی کوئی مصنوعی چیز نہین ہے بلکہ اس کو بھی اسی قانون نے پیدا کیا ہے، جو انسانی، حیوانی اور نباتاتی زندگی کو عالمِ وجود مین لایا ہے، اور وہی قانون اپنی ہلاکت آفرین صورت مین اس کو تباہ و برباد بھی کر سکتا ہے، لیکن شورشِ فرانس کے زمانے تک علوم جدیدہ نے بہت کم ترقی کی تھی، اسلیے اس شورش کے بانیون نے فلاسفہ کے خواب و خیال کو حقیقت سمجھ کر "اصولِ انسانیت" کی تائید کی، اور بڑی بڑی عمارتون پر حریت، مساوات اور اخوت کے دلفریب الفاظ کندہ کئے، یہ اصول قائم کر لئے کہ "انسان کی فطری حالت یہی تھی" اور "انسان کی فطری اصلاح کا یہی طریقہ ہے"، "تمدن نے بے شبہہ اس فطری حالت کو بدل دیا ہے، لیکن خود اس ظالمانہ اور غیر مساویانہ تمدن کو بدلا جا سکتا ہے، گویا ان کے نزدیک تمدن ایک مصنوعی چیز تھا، جسمین قانونی و سیاسی حیثیت سے تغیر و انقلاب پیدا کیا جا سکتا تھا، لیکن مسئلۂ ارتقا نے ان کے ان مساویانہ نظریات و خیالات کو دفعۃً متزلزل کر دیا، کیونکہ اس مسئلہ سے نہایت واضح طور پر یہ ثابت ہو گیا کہ دنیا مین ایک دائمی جنگ قائم ہے، جو ضعیفون کو ہمیشہ تباہ و برباد کرتی رہتی ہے، اور گو یہ ایک نہایت ظالمانہ اور خونریز جنگ ہے، لیکن اسی سے دنیوی ترقی وابستہ ہے، اور اگر اُس کا وجود نہ ہوتا تو انسان دورِ وحشت سے نکلکر تمدنی مرغزارون مین گلگشت کرتا ہوا نظر نہ آتا،

اس فطری جنگ کی بنا پر قوانینِ فطرت سے زیادہ کوئی چیز تخفیف پسند نہین، اسلیے ایک شخص نے کس قدر سچ کہا ہے کہ:۔

جس طرح انتخاب، انواع کا اصول ہے، اُسی طرح شخصیت اجتماع انسانی کا قانون ہے"

لیکن یہ خونریز علمی نظریہ جمہوری اصول محبت و اخوت کے دلفریب خواب سے، بالکل مختلف ہے، اور ان دونون مین بظاہر کسی طرح توافق و اتحاد نہین پیدا ہو سکتا، لیکن باین ہمہ یہ تناقض و تضاد صرف نظری حیثیت رکھتا ہے، عملی طور پر اگر جمہوریت کی صحیح تعریف کردیجاے تو ان دونون مین کوئی اختلاف باقی نہین رہتا کیونکہ مسئلہ ارتقا کے موافق جمہوریت بھی شخصیت پسند واقع ہوئی ہے، یعنی وہ انسان کے بہترین اوصاف کا جنمین حسب و نسب کا ظاہری شرف بھی شامل ہے، انتخاب کرتی ہے، اس لیے وہ بھی قدیم شخصی حکومتون کی طرح انسانون کے منتخب برگزیدہ، اور طاقتور گروہ کو ترجیح دے کر قانون فطرت کے ساتھ توافق و اتحاد پیدا کرلیتی ہے، لیکن اس حقیقت کے واضح کرنے کے لیے ہم کو جمہوریت کی لفظی تعریف کو چھوڑ کر اسکی روح سے بحث کرنی چاہیئے، اور موسیو (بورجیہ) نے اس روح کی تشریح ان الفاظ مین کی ہے،

"شخصیت اکابر کی ایک مختصر سی جماعت کو نمایان کرتی ہے، اور جمہوریت جمہور کی تہذیب و تربیت کرتی ہے، اور ان کی زندگی کو ترقی دیتی ہے، اسلیے شخصیت خواص کی ایک جماعت کو جو ہزارون فرمانبردار لوگون کا خلاصہ ہوتی ہے، پیدا کرتی ہے، اور جمہوریت ایک ایسے اجتماع عام کو عالم وجود مین لاتی ہے جس مین علمی، اور عمل کی پیدا کردہ نعمت انسانون کی ایک بہت بڑی تعداد پر تقسیم ہوجاتی ہے،،

اس بنا پر علمی اور نظری حیثیت سے جمہوریت اصولاً حقوق و آزادی مین کامل مساوات پیدا کرتی ہے لیکن اس مساوات سے طاقتور لوگون کے سوا دوسرا کون متمتع ہو سکتا ہے؟ اُن لوگون کے سوا جو لوگ موروثی قابلیت رکھتے ہین، اور تربیت اور دولت نے جنکی اس قابلیت کو ترقی دی ہے ان کے سوا ان حقوق کا حق دار کون ہو سکتا ہے؟ بلکہ جمہوری حکومت مین ان لوگون کے انتخاب کی شخصی حکومت سے بھی زیادہ گنجائش نکل آتی ہے، اسلیے اجتماعی زندگی مین جمہوریت اور ہر قسم کے طرزِ حکومت سے زیادہ ناہمواری پیدا

کرتی ہے، شخصی حکومت تو صرف یہ کرتی تھی کہ جو محدود ناہمواری پہلے سے موجود تھی اسکو قائم رکھتی تھی، لیکن جمہوریت ایک غیر محدود ناہمواری پیدا کرکے صرف منتخب برگزیدہ اور طاقتور لوگون کو فائدہ پہنچاتی ہے کیونکہ قدیم زمانے کی شخصیت جس طرح مخصوص موروثی اوصاف کی بناپر انسانون کے مختلف مدارج اور مختلف طبقات قائم کردیتی تھی، بعینہ اسی طرح جمہوریت بھی اسی قسم کے مدارج اور طبقات قائم کردیتی ہے، چنانچہ موسیو (تارو) فرماتے ہین،

"ہمارے نظام جمہوریت کی طرح ہر جمہوری نظام مین مستقل و مستمر مدارج، یا نو پیدا مراتب یقینی طور پر پائے جاتے ہین اور اب جو چیز قدیم حسب کی قائم مقام ہوگئی ہے، اس سے واقف ہونا دشوار نہین ہے، کیونکہ یہ چیز ان دفتری مراتب کا سلسلہ ہے جو اپنے مختلف مدارج کے لحاظ سے نہایت بیدار ہوگیا ہے، اور وہ جنگی سلسلہ بھی اسی کی ایک کڑی ہے جسکو موجودہ زمانے مین یورپ کی حکومتون نے مجبوراً عام فوجی نظام کے قالب مین ڈھال لیا ہے، پادریون، امیرون، رہبانون، شریفون، گرجون، اور قدیم یادگار عمارتون کو اپنے درجون سے صرف اسلیے گرایا گیا ہے کہ اخبارون کے اڈیٹر، سرمایہ دار، ارباب فن، مدبرین سیاست بھٹیے، بنک، شراب خانے، اور فوجی چھاؤنیان اور اس قسم کی دوسری شاندار عمارتین جو ان دار السلطنتون مین قائم ہین جو شہرت کا مرکز ہین انکے زوال سے فائدہ اٹھائین، کیا شہرت اور شرف ان بلند مراتب کے سلسلے سے الگ ہین جسپر جمہور قابض ہین؟ اسی بناپر ہم یہ کہتے ہین کہ جمہوری انقلاب شاندار شخصیت کے شرف یعنی جگمگاتے ہوئے تخت وکرسی کی عزت کو کم نہین کرتا بلکہ اونکی عظمت کو اور بڑھاتا ہے۔"

ان تصریحات کی بناپر یہ تسلیم کرنا پڑیگا، کہ جمہوریت اور شخصیت دونون یکسان طور پر انسانی گروہ کو مختلف مدارج وطبقات مین تقسیم کرتے ہین، البتہ ان دونون مین صرف یہ فرق ہے کہ جمہوری نظام مین ہر شخص اپنے آپ کو کسی طبقہ کی طرف منسوب کرسکتا ہے، لیکن جب تک موروثی قابلیتین اس کو ان لوگون

سے ممتاز نہ کرسکین، جوان قابلیتون سے محروم ہین، وہ کسی ممتاز طبقے مین کیونکر شامل ہوسکتا ہے؟ اب لامحالہ یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جمہوری نظام بھی منتخب اشخاص کا خیر مقدم کرتا ہے، اس لیے اس سے صرف منتخب گروہ مسرت اندوز ہوسکتا ہے،

شخصیت اور جمہوریت کے ان یکسان اور ہموار نتائج کے ساتھ جمہوریت کی حقیقت دوسرے خطرات سے بھی گھری ہوئی ہے جن مین

۱- پہلا خطرہ یہ ہے کہ جمہوری نظام حکومت نہایت قیمتی گران اور کثیر المصارف ہے، چنانچہ (لیون سی) کہتا ہے کہ عنقریب نظامِ جمہوریت ہر نظام حکومت سے گران قیمت ہوجائیگا، اور ایک اخبار نے حسب ذیل الفاظ مین نہایت خوبی سے اسکی تفصیل کی ہے،

> شخصی حکومت کی فضول خرچی، اور بادشاہ کے مشیر کارون پر جواس کو فضول خرچی پر اسلیے آمادہ کرتے تھے کہ وہ ان پر دولت اور وظائف کی بارش کرتا رہے، رائے عام بالکل صحیح طور پر غضبناک ہوتی تھی، لیکن جب سے خود قوم بادشاہ ہوگئی ہے، کیا یہ مشیر کار فنا ہوگئے ہین، ؟ کیا اُن پریسیڈنٹون کی خواہش کے مطابق جنسے کوئی بازپرس نہین کیجاسکتی ان مشیر کارون کی تعداد مین اضافہ نہین ہوگیا ہے؟ تاریخی محل فرساے مین جہین بادشاہ کے تمام زرین مشیر کار سماجاتے تھے بے شبہہ یہ مشیر کار باقی نہین رہے، لیکن اب ہمارے شہرون، ہمارے دیہاتون، ہمارے ضلعون، اور ان تمام مقامات مین جہان انتخاب عام کو خود تھوڑا بہت حاکمانہ اقتدار حاصل ہے، اور وہ دوسرون کو تھوڑا بہت اقتدار عطا کرسکتا ہے، ان مشیر کارون کی تعداد بڑھ رہی ہے، اس اقتدار کو جہان کہین محتاج کردینے والی فیاضی کی بشارت ملتی ہے، یا وہ زائد از ضرورت ملازمت کے ایجاد کرنے اور غیر مفید کام اور پبلک ملازمون کے دست دینے کا موقع پاتا ہے، اپنے ساتھ ان مشیر کارون کو بھی لے چلتا ہے،

ان مشیر کارون کا اصطلاحی نام جمہوری نظامِ حکومت مین ووٹر رکھا گیا ہے، اور ان ووٹرون کے مطالب و مقاصد اگرچہ بعض حالتون مین نہایت غیر معتدل ہوتے ہین لیکن انتخابات کے ایک امیدوار کو مجبوراً ان کا احترام کرنا پڑتا ہے، اور گو بسا اوقات اس کے انتخاب کرنے والے شراب فروش چھوٹے چھوٹے سوداگر، اور ضعیف العقل لوگ ہوتے ہین لیکن اسکو ان کے سامنے سر جھکانا پڑتا ہے، اسیلے اگر انتخاب کرنے والا ایک امر محال کی بھی خواہش کرتا ہے، تو وہ اس کے پورا کرنے کا وعدہ کر لیتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ہم قبل از وقت اصلاحات کی تائید کر دیتے ہین، اور اس کے نتائج سے بالکل آنکھ بند کر لیتے ہین، کیونکہ جو پارٹی جمہوری حکومت کے اختیارات پر قبضہ کرنا چاہتی ہے، وہ یہ جانتی ہے کہ جب تک وہ اپنی حریف پارٹیون سے زیادہ وعدے نہ کریگی اس کو کامیابی حاصل نہ ہو سکے گی،

۲- جمہوری نظامِ حکومت مین عوام کی مداخلت، کا صرف یہی نتیجہ نہین ہوتا کہ مصارف مین غیر معمولی اضافہ ہو جاتا ہے بلکہ اس نظامِ حکومت مین جو اجتماعی دشواری بھی پیش آجاتی ہے، عوام کے نزدیک قانون پاس کر دینے سے ان کا ازالہ ہو سکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ پارلیمنٹون مین نہایت کثرت سے قوانین وضع کئے جاتے ہین، اور مختلف نظام بنائے جاتے ہین، لیکن ان کا نتیجہ اس کے سوا اور کچھ نہین ہوتا کہ افراد کی آزادی پہلے سے زیادہ شکنجے مین جکڑ جاتی ہے، اور اس دشواری مین اور بھی شدت پیدا ہو جاتی ہے، چنانچہ اقتصادی عالم موسیو لوزاتی لکھتے ہین کہ:-

"حکومت جو نظام قائم کرتی ہے وہ نہ ہماری بدبخت فطرت مین کوئی تغیر پیدا کرتا، نہ ہم مین وہ فضائل پیدا کرتا جن کی ہم کو ضرورت ہے، نہ مزدوری مین اضافہ کرتا کہ دولت مین اضافہ ہو اور روپیہ پس انداز کیا جا سکے، اور یہ سب کچھ اسیلے ہوتا ہے کہ ہم عام قومی اقتصادی قوانین کے آگے سر جھکا دیتے ہین جو نہایت سخت ہوتے ہین،

۳- جمہوری نظامِ حکومت مین وزارتین بھی جلد جلد بدلتی رہتی ہین جس سے بہت سے نقصانات

پیدا ہوتے ہین، البتہ ان نقصانات کی تلافی اس طرح ہو جاتی ہے کہ یہ تبدیلی حقیقی اقتدار کو متعدد دفترون مین محدود رکھتی ہے جو ایک وزیر کی نگرانی مین ہوتے ہین، لیکن اس تبدیلی سے اسکو اتنا وقت نہین ملتا کہ وہ قدیم نظام اور قدیم طریقون کو جو ان دفترون کی طاقت کا اصلی ذریعہ ہوتے ہین بالکل بدلدے، اس لیے اس تغیر سے نظامِ حکومت مین کوئی مضر تغیر نہین پیدا ہونے پاتا، اس کے ساتھ ہر وزیر کو کام کرنے کا وقت چونکہ کم ملتا ہے، اسلیے اوسکی یہ کوشش ہوتی ہے کہ اس مختصر سے زمانے مین وہ اپنی کوئی عمدہ یادگار چھوڑ جائے، اسلیے وہ بہت سے شریفانہ مطالبات کو نہایت فراخدلی کے ساتھ قبول کرلیتا ہے، اس تبدیلی سے شورشین بھی بہت کم پیدا ہوتی ہین، اور اس سے قوم کو بہت فائدہ پہنچتا ہے،

۴۔ جمہوری نظامِ حکومت کا سب سے بڑا عیب یہ ہے کہ وہ نہایت معمولی سمجھ کے لوگون کو اربابِ حل وعقد کے زمرے مین شامل کردیتا ہے جنھین صرف یہ قابلیت ہوتی ہے کہ بغیر غور وفکر کے ہر موضوع پر تقریر کرنے کے لیے تیار رہتے ہین اور کثرتِ دلائل سے اپنے حریفون کو خاموش کردیتے ہین، اسلیے عالی دماغ لوگون کو جو بولنے سے پہلے غور وفکر کے عادی ہوتے ہین، نیابتی حکومتون مین کوئی جگہ نہین مل سکتی، اور پاسکال اور نیوٹن جیسے دماغ رکھنے والے لوگ بھی مردود و ناکاران سے الگ کردیئے جاتے ہین،

اس پرگوئی کے علاوہ ان معمولی اشخاص کے نفوذ واثر کی ایک وجہ یہ بھی ہو کہ جمہوری حکومتون مین تفوق وامتیاز کو نہایت ناگواری کے ساتھ دیکھا جاتا ہے، اسلیے جو لوگ قوم کی نمائندگی کرتے ہین وہ قوم مین صرف اسطرح بارسوخ ہوسکتے ہین کہ وہ قومی خواہشون اور ضرورتون کی تائید و توصیف مین اپنی پرگوئی سے کام لین، اور قوم سے غیر ضروری وعدے کرین اور چونکہ انسان فطرۃً اپنے ہی درجہ کے لوگون سے انس ومحبت رکھتا ہے، اسلیے جمہوری حکومتون مین اس قسم کے معمولی لوگون کو نہایت آسانی کے ساتھ بار مل جاتا ہے، چنانچہ ایک سیاسی اور نیابتی اخبار لکھتا ہے، کہ:۔

"جماعت پست دماغ لوگون کو عالی دماغ لوگون پر ترجیح دیتی ہے، اور خاموشی کے ساتھ

غور و فکر کرنے والون سے زیادہ شور کرنے والون اور بہت بولنے والون کی طرف مائل ہوتی ہے، جسکی وجہ وہ یہ بیان کرتی ہے کہ یہ خاموش غور و فکر کرنے والے اپنی رائے اور انتخاب کا اظہار مشکل سے کرتے ہین، اس طرح جو معاملات پیش کئے جاتے ہین، جو احکام نافذ ہوتے ہین، جن کامون کے کرنے کا ارادہ کیا جاتا ہے، جن اشخاص کی حمایت مین آواز بلند کیجاتی ہے اور جو اسباب ان لوگون کو مدد دیتے ہین، ان سب کی سطح نہایت پست ہوجاتی ہے اور ہم اس کو اپنی آنکھون سے دیکھتے ہین،

۵- جمہوری نظام حکومت کی ایک اور نمایان خصوصیت رشوت خواری ہے، جسکا رواج امریکہ مین اس قدر زیادہ ہوگیا ہے کہ ہر قسم کا عہدہ، ہر قسم کا ووٹ، اور ہر قسم کا تفوق و امتیاز روپیہ کے ذریعہ سے خریدا جاسکتا ہے، چنانچہ مجلہ عصریہ کے ایک مضمون سے معلوم ہوتا ہے کہ ولایاتِ متحدہ مین صدر جمہوریہ کے انتخاب پر ... ۲ ملین صرف کیا جاتا ہے، اور یہ رقم وہان کے دولتمند لوگ ادا کرتے ہین، اور جو پارٹی انتخاب مین کامیاب ہوجاتی ہے اس کو اس سے زیادہ رقم حاصل ہوجاتی ہے، جتنی اس نے اپنی انتخابی جدوجہد مین صرف کی ہے، کیونکہ یہ کامیاب پارٹی سب سے پہلے قدیم عہدہ دارون کو علحدہ کر دیتی ہے تاکہ یہ عہدے اسکی جگہ جدید پارٹی کے ممبرون کو حاصل ہوسکین، پارٹیون کے لیڈر اس سے بھی زیادہ حریص ہوتے ہین، اور انتخابات مین ان کے سامنے بڑی بڑی رقمین پیش کیجاتی ہین، اگرچہ یورپ بھی امریکہ ہی کی طرح مال و دولت کا حریص ہے، لیکن ابھی یورپ مین اس علانیہ رشوت ستانی کا رواج نہین ہوا ہے کیونکہ یورپ مین قدیم رسم و رواج کی بنا پر ابھی تک اہل ثروت نہایت حقیر نگاہون سے دیکھے جاتے ہین اور ان کو "خوش قسمت ڈاکو" کا لقب دیا جاتا ہے، اسلیے وہ علماء، ارباب فن، اور افسران جنگ کے برابر نہین خیال کئے جاتے، اور جب اُن کو مالی تفوق و امتیاز کی بنا پر کامیابیان ہوجاتی ہین، تو ان کو رشک و حسد کی نگاہون سے دیکھا جاتا ہے، لیکن امریکہ مین انسان کی اجتماعی قدر و قیمت کا معیار صرف روپیہ ہے

اور وہان اسی کے ذریعہ سے انسانون کے مختلف مدارج قائم کیے جاتے ہین، اسلیے یورپ مین عقلی و دماغی تفوق نے جو انسانی طبقے قائم کر دیئے ہین، ان کا امریکہ مین وجود نہین ہے، صرف تجارت اور صنعت وحرفت کی گرم بازاری ہے، اور ایک جج کی وقعت ایک معمولی تاجر سے زیادہ نہین ہے بلکہ سرکاری عہدون کی قدر و قیمت کا اندازہ صرف تنخواہ کی مالی فوائد سے لگایا جاتا ہے، اور سیاست و پالیٹکس کو ہر امریکن ایک تجارتی چیز خیال کرتا ہے، اسلیے جو شخص یہ تجارت کرتا ہے وہ غیر معمولی معاوضہ کا مستحق سمجھا جاتا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ امریکہ مین اگرچہ مدبرین سیاست کا عقلی اور اخلاقی پایہ اس قدر پست ہو گیا ہے کہ لوگ ان کو غارتگر سمجھتے ہین، لیکن باین ہمہ ان سے ناراضی ظاہر نہین کرتے، لیکن چونکہ وہان مدبرین سیاست وقعت کی نگاہ سے نہین دیکھے جاتے اس لیے اس کا کچھ بہت زیادہ نقصان بھی نمایان نہین ہونے پاتا، کیونکہ ولایات متحدہ مین حکومت کی مداخلت نہایت محدود ہے، اس لیے مدبرین سیاست، اور بعض تجارت پیشہ اور اہل حرفہ لوگون کے سوا یہ اخلاقی انحطاط عام طور پر نظر نہین آتا، اور اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جمہوری نظام حکومت صرف انہین قومون مین کامیاب ہوتا ہے، جو خود اعتمادی اور قوت ارادی کے اوصاف سے متصف ہوتی ہین، اور حکومت کی مداخلت کے بغیر بھی اپنے قومی مشاغل کو جاری رکھ سکتی ہین، حکومت کا یہ محدود اقتدار سرکاری عہدہ دارون کی رشوت خواری کو بھی بہت زیادہ عام اور بہت زیادہ نقصان رسان نہین ہونے دیتا، لیکن جہان حکومت کے اختیارات وسیع اور غیر محدود ہو جاتے ہین، وہان اس اخلاقی پستی کا اثر ہر چیز مین نظر آتا ہے، اور لوٹ مار کا بازار عام طور پر گرم ہو جاتا ہے، یہ تو جمہوری حکومتون کی کیفیت ہے، جو صرف منتخب اور برگزیدہ لوگون کی جد و جہد سے قائم ہوتی ہے، اسلیے سوشیالسٹ حکومت جو محض عوام کے زورِ بازو سے قائم ہو گی اس مین یہ خطرات اور بھی زیادہ سخت ہو جائین گے

یادگار عماد الملک

ابن رشد کی تصنیفات

نواب عماد الملک مرحوم کا ایک غیر مطبوع مضمون

نواب عماد الملک مرحوم کے علمی و ادبی مضامین کا مجموعہ "رسائل عماد الملک" کے نام سے تو ان کی زندگی ہی مین شائع ہو گیا تھا، لیکن بعض کار آمد اور مفید چیزین جنکے طبع کرنے کا خیال غالبًا نواب صاحب مرحوم کو تھا رہگئی ہین، علامہ ابن رشد کے مصنفات کی ایک مختصر فہرست تو رسائل مین شائع ہو گئی ہے، لیکن ایک دوسری فہرست بھی ہم کو نواب صاحب مرحوم کے مسودات مین ملی ہے، جو معلوم نہین کن اسباب کی بنا پر رسائل کے ساتھ شائع نہ ہو سکی، علامہ ابن رشد کی تصانیف کا تذکرہ ہماری تاریخی کتابون مین خال خال نظر آتا ہے، اسلیے یہ اہم فہرست ارباب علم کی دلچسپی کے لیے شائع کیجاتی ہے،

سید ہاشم ندوی

جامع تذکرۂ عماد الملک،

دائرۃ المعارف حیدرآباد، دکن ،

ذکر مصنفات ابن رشد بطور اجمال

رینان لکھتا ہے کہ موجودہ پائے تخت ہسپانیہ (مادرڈ) کے شاہی کتاب خانہ مین ایک فہرست شیخ رئیس اور
فارابی اور ابن رشد کے تصنیفات کی دیکھنے مین آئی جسمین اس حکیم کی اکثر کتابون کا نام موجود ہے، عیون الانبا،
مین پچاس کتابون کا ذکر ہے، ذہبی کی فہرست اسی کتاب سے منقول ہے، ابن آبار فقط چار ہی کا نام لیتا ہے، رینان
نے جو فہرست یورپ کے کتاب خانون سے تیار کی اوسکی نقل ذیل مین درج کیجاتی ہے، اس مین شروح ارسطو شامل
نہین ہین، ان کا تذکرہ علٰحدہ کیا جائے گا،

فلسفیات،

تہافت التہافت، امام غزالی کے تہافت الفلاسفہ کے جواب مین نفس کتاب تین برس کے آگے مصر مین
چھپی ہے، اس کا عبری اور لاطینی ترجمہ یورپ مین موجود ہے،

مقالۃ فی الجرم السماوی، اس بحث مین کئی رسالہ ابن رشد نے تحریر کئے ہین اور یہ کتاب ان کا مجموعہ ہے،
ترجمہ لاطینی اور عبرانی مین موجود ہین،

اتصال العقل بالانسان مین دو کتابین ہین، لاطینی اور عبرانی ترجمہ انکے بھی موجود ہین،

کتاب فی الفحص ہل یمکن العقل الذی فینا وہو المسمّٰی بالہیولانی ان یعقل الصور المفارقۃ بآخرہ اولا یمکن ذلک
وہو المطلوب الذی کان ارسطاطالیس وعدنا بالفحص عنہ فی کتاب النفس،

یہ کتاب جو اتنے طول طویل نام سے مذکور ہے عبری مین ترجمہ ہوئی تھی اور رسالۃ فی العقل الہیولانی نام رکھا
گیا تھا، لاطینی مین بھی ترجمہ اس رسالہ کا اور اسی مبحث مین اور دو رسالون کا موجود ہے، معلوم ہوتا ہے کہ ابن
رشد نے اس مبحث پر چار مستقل رسالے تحریر کیے ہین، اور علاوہ اس کے ارسطو کی کتاب کے باب روح کی
تیسری فصل کی شرح مین بہت طویل بحث اسی مسئلہ پر لکھ گیا ہے،

شرح[۶] رسالہ اتصال العقل بالانسان لابن الصائغ،

بعض[۷] مقامات منطق ارسطو پر بحث، اس نام کے دو رسالہ عبری مین موجود ہین،

مقالۃ[۸] فی المقاییس الشرطیہ،

کتاب[۹] علی المقولۃ الاولی،

کتاب[۱۰] الضروری فی المنطق،

المقدمات[۱۱] الفلسفیہ اسکا اصل عبری نسخہ ناڈرڈ کے شاہی کتاب خانہ مین موجود ہے، یہ بارہ مقدمات پر مشتمل ہے، باین تفصیل، (۱) مقدمۃ فی الموضوع والمحمول (۲) فی المعرف (۳) فی انا لوطیقا الاول والثانی (۴) فی القضایا (۵) فی القضیۃ من حیث الصدق والکذب (۶) فی القضایا الضروریۃ والنظریۃ (۷) فی البرہان (۸) فی لزوم الانتاج (۹) فیما یقول الفارابی فی برہان (۱۰) فی القوی العقلیۃ (۱۱) فی الحواس (۱۲) فی الصفات الاربعۃ،

[۱۲] جوامع سیاست افلاطون، یہ کتاب افلاطون کی "ریپلک" کی شرح ہے، اسکا ترجمہ عبری اور لاطینی زبان مین موجود ہے،

[۱۳] مقالۃ فی التعریف بجہۃ نظر ابی نصر فی کتبہ الموضوعۃ فی صناعۃ المنطق التی بایدی الناس وبجہۃ نظر ارسطو فیہا ومقدار ما فی کتاب کتاب من اجزاء الصناعۃ الموجودۃ فی کتب ارسطاطالیس ومقدار ما زاد الاختلاف فی نظرہما،

کلام[۱۴] علی قول ابی نصر الفارابی فی المدخل والجنس والفصل، اس مین فارابی کے بعض منطقی مسائل کی شرح شامل ہے،

کتاب[۱۵] فی ما خالف ابو نصر لارسطو فی کتاب البرہان من ترتیبہ وقوانین البراہین والحدود،

مقالۃ[۱۶] فی الرد علی ابی علی بن سینا فی تقسیمہ الموجودات الی الممکن علی الاطلاق والممکن بذاتہ والی الواجب بغیرہ والواجب بذاتہ،

تلخیص[۱۷] الالہیات لنیقولادس،

مسئلۃ[۱۸] فی ان اللہ تبارک وتعالی یعلم الجزئیات،

مقالۃ[۱۹] فی الوجود السرمدی والوجود الزمانی،

کتاب[۲۰] فی الفحص عن مسائل وقعت فی العلم الالہی فی کتاب الشفاء لابن سینا،

مقالۃ[۲۱] فی فسخ شبہۃ من اعترض علی الحکیم وبرہانہ فی وجود المادہ الاولی وتبین ان برہان ارسطو ہو الحق المبین

مسئلۃ[۲۲] فی الزمان،

مسائل[۲۳] فی الحکمۃ،

مقالۃ[۲۴] فی العقل والمعقول، اسکا عربی نسخہ ماڈرڈ کے شاہی کتاب خانہ مین موجود ہے (نمبر ۱۰ ہ کتابخانہ اسکوریل)

شرح[۲۵] مقالۃ الاسکندر الافرودیسی فی العقل، اسکا عبری ترجمہ موجود ہے،

مسئلۃ[۲۶] فی العلم النفس سئل عنہا فاجاب فیہا،

مقالۃ[۲۷] فی العلم النفس ومقالۃ[۲۸] اخری فی علم النفس، یہ دونو رسالہ ہین،

کلام[۲۹] علی مسئلۃ من السماء والعالم،

علم کلام

فصل[۱] المقال فیما بین الحکمۃ والشریعۃ من الاتصال، اس کا عربی نسخہ مونخ مین طبع ہوا ہے، اصل نسخہ ماڈرڈ مین موجود ہے، (نمبر ۶۲۹ کتاب خانہ اسکوریال) اور عبری ترجمہ پیرس اور لندن مین موجود ہے۔

فصل[۲] المقال کا ایک خلاصہ موسو مولر نے طبع کیا ہے، یہ وہی صاحب ہین جو خود فصل المقال کے چھاپنے کے تہیہ مین ہین،

مقالۃ[۳] فی ان ما یعتقدہ المشاؤن وما یعتقدہ المتکلمون من اہل ملتنا فی کیفیۃ وجود العالم متقارب فی المعنی

کتاب[۱] مناہج الادلہ، یہ میڈرڈ مین کتاب خانہ اسکوریال مین موجود ہے (نمبر ۶۲۹) اسکو مسٹر موسو مولر چھاپنے والے ہین،

شرح[۲] عقیدۃ الامام المہدی، یہ شاید عبداللہ محمد ابن تومرت، بانی دولت موحدین سے متعلق ہے،

فقہ

نہایۃ[۱] المقتصد و غایۃ المجتہد فی الفقہ،

اختصار[۲] المستصفی للغزالی،

ایک[۳] کتاب تین جلدون مین جسمین بعض فتاوی کی خطاؤن سے بحث ہے، اسکا پتہ لاؤن افریقی کی کتاب مین ملتا ہے،

فتاوی[۴] تین جلدون مین، اسکا عربی نسخہ کتاب خانہ اسکوریال مین موجود ہے، نمبر (۹۸۸)،

کتاب[۵] جامع فقہ مین، اسکا عربی نسخہ اسی کتاب خانہ مین موجود ہے، (نمبر ۱۰۲۱ و ۱۰۲۲)

کتاب[۶] کفارہ ایضاً نمبر (۱۱۲۶)

کتاب[۷] خمس ایضاً ایضاً

ایک[۸] کتاب منافع ناجائز کے بیان مین، ایضاً (نمبر ۱۱۲۰)

ان کے علاوہ صاحب عیون الانبا فی طبقات الاطبا، اور دو کتابون کو ابن رشد کے ساتھ منسوب کرتا ہے، ایک کتاب التحصیل فی الفقہ اور دوسری المقدمات فی الفقہ مگر مونک اور ڈوزی کی تحقیق سے بطور یقین کہا سکتا ہے کہ یہ کتابین ابن رشد کے دادا ابو لولید کی تصنیفات سے ہین،

ہئیت

مختصر[۱] المجسطی اسکا عبری ترجمہ بہت سے کتابخانون مین موجود ہے،

مایحتاج[۲] الیہ من کتاب اقلیدنوس فی المجسطی (لفظ اقلیدنوس فہرست اسکوریال مین مشکوک ہے،

رینان لکھتا ہے کہ شاید اس سے گلدویس مراد ہے، مگر ممکن ہے کہ اقلیدس ہو)

کلام[۳] علی حرکۃ الجرم السماوی،

کلام[۴] علی رویۃ الاجرام الثابتۃ بادوار

علوم عربیہ

الضروری[۱] فی النحو،

کلام[۲] علی الکلمۃ والاسم المشتق،

طب

الکلیات[۱]، سات جلدون مین چھٹی جلد اسکوریال کے کتاب خانہ مین موجود ہے،

شرح[۲] الارجوزۃ السینائیۃ اس کے عربی نسخے کئی کتابون مین موجود ہین،

مقالہ[۳] فی التریاق، اسکا عربی نسخہ کتاب خانہ اسکوریال مین موجود ہے (نمبر ۸۷۹)

مقالہ[۴] فی الاسہال،

تلخیص[۵] کتاب الحمیات لجالینوس،

تلخیص[۶] القوی الطبیعیہ لجالینوس،

تلخیص[۷] کتاب العلل والاعراض لجالینوس،

یہ تینون تلخیص کتاب خانہ اسکوریال مین موجود ہین (نمبر ۸۷۹)

تلخیص[۸] کتاب التشخیص لجالینوس،

شرح[۹] کتاب الاسطقسات لجالینوس،

تلخیص[۱۰] کتاب المزاج لجالینوس،

تلخیص[۱۱] کتاب الادویۃ المفردۃ لجالینوس،

کتاب[۱۱] علی مسئلۃ من العلل والاعراض،

مقالہ[۱۲] فی المزاج اصل عربی نسخہ کتاب خانہ اسکوریال مین موجود ہے،

مقالہ[۱۳] فی المفردات،

مقالہ[۱۵] فی المزاج المعتدل

مقالہ[۱۶] فی الادویۃ المسہلۃ

مسئلہ[۱۷] فی نوائب الحمی،

مقالہ[۱۸] فی الحمیات العفن،

المراجعات[۱۹] والمباحث مابین ابی بکر بن الطفیل وبین ابن رشد فی رسمہ الدوا فی کتابہ الموسوم بالکلیات ․

عربی کی دو نادر تاریخی کتابین

عربی زبان کی دو تاریخی کتابین مطبوعۂ یورپ ہمارے یہان زیادہ آگئی ہین، جن صاحب کو ضرورت ہو ان کو خرید سکتے ہین، ایک عبدالواحد مراکشی کی المعجب فی تلخیص اخبار المغرب مراکش اور اسپین کی تاریخ ہے، مجلد مطبوعۂ لیڈن قیمت سے

دوسری خطیب بغدادی کی تاریخ بغداد کا مطبوعہ ٹکڑا ہے، جسکو جارجیس سالون نے ۱۹۰۴ء مین شائع کیا تھا، غیر مجلد مطبوعۂ پیرس، قیمت سے

یہ دونون قیمتین یورپ کی اصلی ہین

"منیجر"

حکیم ٹالسٹائے اور مشرقی اثرات

مترجمہ:- جناب مصطفیٰ کامل صاحب بی ہے، سپروائزر اردو اسکولز، کراچی،

مندرجہ ذیل مضمون مسٹر پال بیروکف کا لکھا ہوا ہے جو ٹالسٹائے کے اواخرِ زندگی مین ان کے رفیقِ سفر رہے، اور وفات کے بعد سچے شاگرد کی طرح اس کوشش مین مصروف ہین کہ اپنے پیشرو کی اعلیٰ زندگی کو نمایان کرنے کے لیے جملہ خطوط، تصانیف اور دیگر قیمتی دستاویزات کو منظرِ عام مین لائین جو ابھی تک ماسکو کے عجائب خانہ اور ٹالسٹائے کے کتب خانہ سے باہر نہین نکلین "ٹالسٹائے اور مشرقی اثرات" مصنفہ بیروکف سے یہ امر بخوبی روشن ہے کہ ٹالسٹائے اوراپنے اوائلِ زندگی ہی مین مشرقی اثرات سے متاثر ہو گئے تھے، جنپر آخر وقت مضبوطی کے ساتھ قائم رہے، یہ مضمون اسی کتاب کے دیباچہ کا ترجمہ ہے؛

"مترجم"

حیات ٹالسٹائے کی زبردست تصنیف ختم کرنے کے بعد مناسب ہوگا کہ اس عظیم الشان ہستی کی زندگی کے مخصوص پہلوؤن پر گہری نظر ڈالی جائے، سب سے پہلے مین اس ملک کو لیتا ہون جسکی بابت خود ٹالسٹائے کو کافی واقفیت اور چشم بصیرت حاصل تھی اور جو آجکل تمام دنیا کی توجہ کا مرکز بنا ہوا ہے، مجھے امید ہے کہ اس فلاسفر کی زندگی کا بست سالہ تجربہ کافی طور پر میری رہنمائی کریگا،

مغربی تہذیب پر جو الزامات وارد کیے جاتے ہین کسی سے پوشیدہ نہین، ملزمین و متہمین کا خیال ہے کہ مشرق کو صرف اس وجہ سے کہ ابھی تہذیب جدید کی زہریلی ہوا سے محفوظ ہے، مغربی اثرات سے پاک

وصاف رکھا جائے تاکہ وہ دور گذشتہ کی طرح روحانی تروتازگی کا واحد سرچشمہ بن سکے، ٹالسٹائی کی نگاہین بھی بار بار مشرق کی طرف اٹھتی تھین، ان کے خطوط، یادداشتون اور دیگر تحریرون کا مطالعہ کیجئے، خود معلوم ہوجائیگا کہ ٹالسٹائی کو کس درجہ تک مشرق سے وابستگی تھی،

جب ہم ٹالسٹائی کی سوانح عمری پر نظر ڈالتے ہین، اور اس یادداشت کو دیکھتے ہین جو بچپن کے حالات مین قلمبند کیگئی ہے تو یہ بات صراحۃً معلوم ہو جاتی ہے کہ ٹالسٹائی کو شروع ہی سے مشرق کے ساتھ ایک قسم کا لگاؤ پیدا ہوگیا تھا، وہان لکھتے ہین کہ "جب مین اپنی دادی کی خوابگاہ مین جاتا اور ایک نابینا پیر مرد سے ٹمٹماتی ہوئی روشنی مین روزانہ الف لیلہ کی عجیب وغریب داستانین سنتا تو مجھپر بہت اثر ہوتا تھا" ان افسانون نے خوف وبیم کا جو گہرا اثر ٹالسٹائی کے دل پر چھوڑا عمر بھر زائل نہ ہوا یہی وجہ ہے کہ قازان کالج کی تعلیم کے زمانہ مین انھون نے اول مشرقی علم ادب کو اپنے مطالعہ کے لیے انتخاب کیا، اور پھر بعض ناکامیون کی وجہ سے علم فقہ کو آخر جب اس مین بھی کامیابی نہ دیکھی تو بردا شتہ ہو کر دو سال کے بعد دار العلوم کو خیرباد کہہ دیا،

ٹالسٹائی نے اوائل یادداشت مین ۱۸۴۷ء کا ایک واقعہ قلمبند کیا ہے کہ جب ایک معمولی بیماری کے باعث چند دن قازان کے شفاخانہ مین گذارنے پڑے تو وہین ایک زخمی لامہ بھی پڑا ہوا تھا جسے راستہ مین کسی ڈاکو نے لوٹ لیا تھا، ٹالسٹائی کو یہ سنکر تعجب ہوا کہ لامہ کے بدھ مت کا پیرو ہونے کی حیثیت سے نہ صرف ڈاکو کا مقابلہ کرنے کو گناہ خیال کیا بلکہ آنکھین بند کر کے التجا اور شتیاق کے ساتھ موت کا انتظار کرنے لگا، اس واقعہ نے نوجوان ٹالسٹائی کو بہت متاثر کیا اور اسی وقت سے مشرق کی قدر ومنزلت ان کے دل پر نقش ہوگئی،

قازان سے واپس ہو کر ٹالسٹائی نے جوانی کے چند سال رنگ رلیون مین گذارے تھے، کہ بڑے بھائی کے کہنے پر اسکو کوہ قاف جانا پڑا، اور وہان اسکو مشرقی تمدن اور مشرقی آبادی سے عموماً اور مسلمانون سے خصوصاً مدت تک واسطہ رہا، اور ہمیشہ کے لیے مسلمانون کے توکل، تدبر اور پرہیزگاری کا گرویدہ ہوگیا، "کوہ قاف" "حاجی مراد" اور اپنی دیگر تصانیف مین ٹالسٹائی نے ان تجربات کا خوب خاکہ کھینچا ہے، ۱۸۵۶ء مین فوجی ملازمت

سے علحدگی اختیار کی، جسکے بعد کئی سال تک وہ مشرقی ممالک سے بالکل بے تعلق اور مغربی اقوام سے متحد و متفق رہا، لیکن قلب مضطرب کو طمانیت و سکون کا کوئی پہلو نصیب نہین ہوا،

سنہ ۱۸۶۲ء مین جب خرابیِ صحت کی بنا پر تعلیمی سرگرمیون کو خیرباد کہنا پڑا اور بہ سلسلۂ علاج سمارا کی گھاٹیون پر قوم باشقر (ایک ترکی تاتاری قوم) کے درمیان رہنے کا اتفاق ہوا تو خانہ بدوش باشقرون اور تاتاری مسلمانون کے ساتھ خیمہ مین رہا کرتا تھا اور گھوڑی کے دودھ کے پنیر پر زندگی گذارتا تھا، وہ تمام رسم و رواج جو اس کی تصانیف مین مذکور ہین انھین دوستون سے اوسکو حاصل ہوئے تھے،

جنگ و صلح، و اینا کرینیا، کی تصنیف کے زمانہ مین ٹالسٹائے نے کہانیون کا جو سلسل نصاب مرتب کیا اس مین ہندی و عربی قصص کی موجودگی اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اس وقت ٹالسٹائے مشرقی علم ادب سے بخوبی واقفیت رکھتا تھا، مذہبی اعتقادات مین فتور آنے سے پہلے ٹالسٹائے کو مشرق سے روحانی تعلق تھا، اور اس کے بعد جب اسکی نظر ہندوستانی مذہب کے تنگ دائرہ سے نکل کر عالمگیر ہوگئی تو بھی روحانی شغف کے آثار اس مین موجود رہے،

اعترافات کو دیکھئے یہ ثابت کرنے کے لیے کہ رازِ حیات تک رسائی محال ہے عام انسانی زندگی اور اپنی خاص زندگی کی حالت کا نقشہ کھینچنے مین، مسافر، اژدہا، شیر اور چوہیا کے مشرقی قدیمی قصے بیان کئے ہین اور اپنی سرگذشت کے ہر تاریک موقع پر مشرقی خیالات سے استنباط کیا ہے،

مندرجۂ بالا نقطۂ خیال کی بنا پر ٹالسٹائے نے تمام پادریون سے جداگانہ ایک نیا عیسائی عقیدہ وضع کیا اور اپنی طرف سے پیش قدمی کرکے بالاعلان تمام دنیا کو ریاضت و مجاہدۂ نفس کی طرف دعوت دینی شروع کی، چونکہ عیسائیت کے اصول اوسکی روحانی تسلی و تشفی مین عاجز تھے، اس لیے مشرقی مذاہب کا مطالعہ کرنا ناگزیر ہوا، اور بالآخر یہین سے کمالِ انسانیت حاصل کرنے کا مسالہ اسکے ہاتھ لگا،

اس سلسلہ مین سب سے پہلے ٹالسٹائے نے چینی فلسفہ کی سیر کی، اور مشرقی کتب مقدسہ کا مطالعہ کرکے

متعدد یادداشتین اپنی ڈائری مین درج کین، چنانچہ ۱۸۵۳ء کی ایک عبارت ذیل مین درج کیجاتی ہے،

"کنفیوشش کا اصول سلامت روی، نیچر کی تکمیل کے لیے ایک عجیب وغریب عقیدہ ہے، جسے دانائی طاقت اور زندگی کا سرچشمہ نیز تکمیل فہم وادراک کا خاموش ذریعہ کہہ سکتے ہین، اس طریقہ کے پیرو مضبوطی کے ساتھ اپنے راستے پر قائم رہتے ہین، آئندہ فوائد کا علم تو خدا کو ہے، لیکن اتنا ضرور کہون گا کہ تمیز صفات، راستبازی اور یگانگت مین مجھے اس سے بڑا نفع پہنچا، اس کا قول ہے کہ حق وصداقت صفات خداوندی ہین"،

قدیم چینی مذہب کا مطالعہ کرنے کے بعد ٹالسٹائے نے ہندی فلسفہ پر نظر ڈالنی شروع کی، میکسمولر، برنوف، ریسڈیوڈز، سبھدر بھکشو وغیرہ کی تصانیف کو دیکھا، اور حیات بدھ کا خاکہ بھی تیار کرنا شروع کیا، جو دیگر مشاغل کی وجہ سے حد تکمیل کو نہ پہنچ سکا، وہ چاہتا تھا کہ آفتاب فلسفۂ مشرق کی شعاعین سرزمین روس تک پہنچنی چاہئین، چنانچہ اس نے ارادہ کیا کہ ہر ایک کے اصول اتحاد کو روشن کرنے کے لیے تمام مذاہب کا نچوڑ ایک کتاب کی صورت مین تیار کرے، مگر یہ تجویز بھی عملی جامہ سے مبرا رہ گئی، اور صرف "خیالات حکما" ترتیب دیئے جاسکے، جس مین حضرت عیسیٰ کے علاوہ سقراط، بدھ، کرشن، لازسے، ہیگل وغیرہ رشیون کے اقوال نقل کئے گئے ہین،

گذشتہ صدی کے اختتام یا بالفاظ دیگر آئندہ صدی کے آغاز مین ٹالسٹائے بین الاقوامی مدبر تسلیم کر لیا گیا، تمام دنیا نے یکسان طور پر رجوع کیا اور ہر خطہ کے مصنفین اور فلسفی نہ صرف اپنی تصانیف بھیجنے لگے بلکہ باہمی خط وکتابت بھی ہونے لگی، بایںہمہ ٹالسٹائے مشرق کا مدح سرا تھا، اور سوامی دویکانند کے فلسفۂ تصوف بابا بھارتی کے کرشن، اور سری کرشنا چاریہ کے ویدانت پر تصنیفات ہر وقت ان کے روبرو رہتی تھین؛ ٹالسٹائے کے تعلقات ان لوگون کے ساتھ بہت زیادہ تھے جو استعمال قوت کو پسند نہین کرتے، وہ مشرقی اقوام سے پرزور اپیل کرتے ہین، کہ اس قدیمی جوہر کو خاک مین نہ ملاؤ، مغربی خطرات نگاہ مین رکھو، اور حکومت کے تنخواہ دار عیسائی پادری قلوب کو مذہبی روشنی سے منور نہین کر سکتے،

رہنمایان و مصنفین مشرق کے ساتھ متواتر رابطۂ اتحاد و تبادلۂ خیالات رہنے سے ٹالسٹائی نے یہ ضرورت محسوس کی کہ حق و صداقت کے اصول یکجا جمع کرنے کی غرض سے "حلقۂ مطالعہ" تصنیف کیجائے، اپنی زندگی کے آخری سال انھون نے اس کام مین صرف کئے اور رفتہ رفتہ یہ تصنیف اس قابل نکلی کہ دنیا مین ایک ایسے عالمگیر مذہب کی بنیاد پڑ سکے جس مین قوم و ملت کا امتیاز نہ ہو، اگرچہ دوران تالیف مین موصوف کا انتقال ہوگیا، تاہم کتاب مذکور اس قابل ہے کہ طبع ہوسکے اور اس طرح تمام بنی نوع انسان ٹالسٹائی کے روحانی ورثہ سے متمتع ہون،

جب ہم ٹالسٹائی کے مذہبی خیالات کی ارتقائی کیفیت پر غور کرتے ہین تو معلوم ہوتا ہے کہ اس نے وہ تمام مروجہ رسوم اور ظاہری اختلافات یکے بعد دیگرے ترک کر دیئے جنکی وجہ سے انسان حق و صداقت کی تلاش مین بٹ جاتے ہین،

پادریون کی مجلس نے ٹالسٹائی کو مرتد قرار دیا، تو انھون نے نہایت فصاحت کے ساتھ اپنے خیالات کو ظاہر کیا، کہ اوائل مین قومی مذہب اختیار کرنا جذبات خود غرضی کے ماتحت تھا مگر بعد مین عیسائیت کی ہمہ گیر تعلیمات کے طفیل مین نے پاک بے مثل اور عالمگیر حقانیت حاصل کر لی،

ٹالسٹائی کی پہلے سال کی یادداشت مین یہ الفاظ درج ہین، چونکہ "میرا مذہب تمام قیود سے پاک و صاف اور ہمہ گیر ہے اس لیے اگر بین الاقوامی کہا جائے تو کوئی تعجب نہین"

ہم امید کرتے ہین کہ جب دنیا اس مغربی فلاسفر کے مشرقی خیالات کا مطالعہ کریگی تو حقیقی امن و فلاح کا دور دورہ شروع ہو جائے گا، اور دنیا کے قدیم و جدید کی مختلف راہین ایک متحدہ اور عام شاہراہ پیدا کرسکینگی،

ہندوستان کے شہرۂ آفاق شاعر ٹیگور کا خیال ہے کہ "ہندوستان کی بڑی کرامت ہوگی، اگر یہان کے بڑے بڑے مذاہب مثلاً ہندو، اسلام، بدھ، اور عیسائیت سب متحدہ ہوجائین گے، یہ اتحاد و تسنذ یا قابل نفرین خود فراموشی سے پیدا نہ ہوگا، بلکہ مختلف افراد قوم و ملت کے باہمی تعاون و یکدلی کا نتیجہ ہوگا"

امید ہو کہ ہماری یہ کتاب اس نیک نتیجہ مین مدد و معاون ثابت ہوگی، **مہاتما گاندھی**
کو اس بات کا فخر حاصل ہے کہ وہ براہ راست ٹالسٹائے سے خط و کتابت کرتے رہے ہین اور مسلسل تبادلۂ خیالات
سے جو تقویت مہاتما گاندھی کو اپنی قومی جد و جہد مین اس روسی شاعر کے خیالات سے پہنچی وہ خود معترف ہین،
ٹالسٹائے کے جوابات ہمیشہ مؤثر اور مجاہدانہ انداز مین ہوتے تھے،
واقعی ہندوستان ایک ایسا ملک ہے جس سے ٹالسٹائے کو خصوصیت کے ساتھ لگاؤ تھا،
اس لیے ہم اس کتاب کو ہندوستان کی قومی جد و جہد اور اس عظیم الشان ہستی کے نام نامی پر معنون کرتے ہین،

کتاب الفلاحۃ

اندلس کے مسلمانون نے فن زراعت مین جو ترقی کی تھی اس کا یہ آئینہ ہے یحییٰ اشبیلی کی یہ تصنیف ہے،
جس کا ترجمہ مولوی سید ہاشم صاحب ندوی نے کیا ہے اور معارف پریس مین چھپا ہے، تاریخ
اور فن دونون کی حیثیت سے یہ پڑھنے کی چیز ہے، حجم ۶۱۶ صفحے، قیمت للعہ

نفسیات ترغیب

مصنفہ

پروفیسر تاج الدین صاحب اورنگ آباد کالج،

کسی انسان کو کسی کام، یا چیز، یا تحریک کیلئے ہم کیونکر آمادہ کر سکتے ہین، اور اسکو ترغیب اور شوق دلا سکتے ہین،
اس کے نفسیاتی اصول کیا ہین، اس کتاب مین انھین اصول کی تشریح ہے، تجارت، اشتہارات اور تقریر و وعظ مین ہر جگہ ان
اصول کی رعایت کی ضرورت ہے، اسلیے تجارت کے مشتہرین، واعظین، مدرسین اور وکلا سب کو اس کتاب کی ضرورت
ہے، قیمت عاؔر

"منیجر"

تلخیص و تبصرہ

چین کی تعلیمی زبان

ایک مصری ادیب حسین آفندی لبیب نے چین کے موجودہ انقلاب اور جنگ آزادی کی مناسبت سے وہان کے تعلیمی جدوجہد پر ایک مقالہ لکھا ہے جو المقتطف ماہ جون ۲۷ء میں شائع ہوا ہے، وہ لکھتے ہین

عربی، فرانسیسی، انگریزی اور دیگر متعارف زبانون مین حروف تہجی سے الفاظ اور جملون کی ترکیب ہوتی ہے، لیکن چین کی زبان ان سب سے بالکل مختلف ہے، اس مین حروف تہجی کے بجائے بعض شکلین اور اشارے ہین، جو علٰحدہ علٰحدہ کسی خاص معنی ومفہوم کے لیے مخصوص ہین، اسلیے چینی زبان تلفظ کی زبان ہونے کے بجائے فکری ومعنوی زبان ہے، چنانچہ جس طرح ہندسون کا ایک خاص عدد ایک خاص معنی کے لیے معین ہے، اسی طرح چینون مین جس قدر معانی اور مفہوم ہین اسی قدر ہر ایک کے لیے جداگانہ اشارے اور شکلین متعین ہین، اہل علم نے مہل، غیر مستعمل اور مترادف شکلون کو حذف کرکے ایسی ۲۵ ہزار شکلین یا اشارے شمار کئے ہین، جو ۲۵ ہزار معانی کے لیے مستعمل ہین، درحقیقت یہ ۲۵ ہزار شکلین متعارف زبانون کے حروف تہجی کے مانند ہین، اسلیے چینی طالب علم کے لیے ان اشارون اور شکلون کا حفظ کرلینا اسی طرح ناگزیر ہے، جس طرح عام زبانون کے سیکھنے والون کو ان کے ۲۱ سے ۳۲ تک حروف تہجی کا یاد کرلینا، اس سے اندازہ ہوگا کہ چینی طلبہ کو اپنی زبان سیکھنے کے لیے کتنی صعوبتین برداشت کرنی پڑتی ہین،

اس کے علاوہ ایک اور خاص دشواری یہ ہے کہ اس مین نہ افعال کے اشتقاق ہین اور نہ اسمار کے لیے تذکیر وتانیث اور جمع و واحد ہین، اسلیے ان تمام چیزون کے لیے یا تو جداگانہ اشارے معین ہین،

یا تلفظ مین وصل، فصل، ادغام، عدد وغیرہ جیسے طریقے اختیار کرتے ہین، ان وجوہ سے اس کی صرف و نحو بھی نہایت دشوار ہے، مگر دراصل ان شکلون کی کتابت کا طریقہ اس سے بھی زیادہ دشوار ہے، کیونکہ چینی زبان کی کتابت کل چھ خطوط مین منحصر ہے انھین خطوط کو ہیر پھیر کر اتنی شکلین تیار کیجاتی ہین اس پر مستزاد یہ ہے کہ جس زبان کا تذکرہ ہو رہا ہے وہ وہان کی صرف علمی و تعلیمی زبان ہے ورنہ وہان کی جو ملکی زبان ہے جس مین عام طور پر بات چیت کیجاتی ہے، وہ اس سے بالکل اسی طرح مختلف ہے، جس طرح انگریزی سے لاطینی اور یونانی زبانین مختلف ہین، اور ان دونون مین تو پھر بھی کچھ نہ کچھ تلفظ اور حروف یکسان ہوتے ہین، لیکن چین کی ان دونون زبانون مین ایک حد تک یہ قدر مشترک بھی موجود نہین ہے، اس لئے چینی طلبہ کے لئے وہان کی اس علمی و تعلیمی زبان کی تحصیل اسی طرح دشوار ہے جیسی کسی غیر ملکی طالب علم کے لئے ہوسکتی ہے،

چینیون کے پاس اعلیٰ ادبی سرمایہ یہ ہین چند مذہبی کتابین ہین جن کا حجم قرآن مجید سے زیادہ نہ ہوگا، اور ان کے علاوہ ان کے مشہور فلسفی کونفوشیس اور اس کے شاگردون کے چند آثار ہین، پھر اسی زبان مین بودھ مت اور ان کے ایک دوسرے مشہور فلسفی طاؤ (المولود ۶۰۴ ق م) کے فلسفہ و حکمت پر بھی چند کتابین ہین، بس یہی سرمایہ اس زبان کے ادبیات عالیہ کا لقب رکھتا ہے،

اور یہی کتابین اور ان کی شرحین وغیرہ وہان کے مدرسون مین پڑھائی جاتی ہین، زبان کی تحصیل کے بعد طلبہ کا جو وقت بچتا ہے وہ ان کتابون کے پڑھنے اور ان کے ازبر کرنے مین صرف ہوتا ہے، چنانچہ وہان علم و فن کے بلند ترین رتبہ پر وہی سرفراز ہوگا جسکی نوک زبان پر ان کتابون کا ایک ایک حرف چڑھ جائے،،

پھر مضمون نگار وہان کے مدرسون کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے، دیہاتون مین جا بجا چھوٹے چھوٹے مدرسے قائم ہین، جن مین یہی چیزین پڑھائی جاتی ہین، لیکن وہان مدرسون

کے لئے مستقل عمارتوں کا اب تک دستور نہیں ہوا ہے، بلکہ کسی کے سکونتی مکان میں سے ایک دو کمرے لیکر وہاں اساتذہ اور طلبہ بیٹھ جاتے ہیں، اور درس وتدریس کا سلسلہ جاری ہو جاتا ہے اور نہ وہاں متمدن ممالک کیطرح مدارس میں درجے قائم ہیں اور نہ مدارس میں اعلیٰ اوسط، اور ادنیٰ کی کوئی تقسیم ہے۔

ہمیں سخت حیرت ہے کہ یہ مقالہ یورپ کے پروپیگنڈے کا ایک مظہر ہے، یا یہ سب صرف مقالہ نگار کی ناواقفیت پر مبنی ہے، کیونکہ چینی زبان کے یہ حالات اور مدارس وغیرہ کی یہ تقسیمیں چین کے موجودہ انقلاب کے سلسلہ میں بیان کئے جاتے ہیں، وہ تقریباً ربع صدی پیشتر کے واقعات ہیں، اور ہم نے اس موقع پر اس مضمون کی تلخیص اس لئے ضروری سمجھی کہ اس سے وہاں کے ربع صدی پیشتر کے تعلیمی حالات کا پتہ چلتا ہے، ورنہ چین کی موجودہ بیداری کی ابتدائے آفرینش ہی وہاں کی علمی و تعلیمی ترقی کے بعد ہوئی ہے، جبکہ ہزاروں چینی طلبہ یورپ اور امریکہ کے جدید و قدیم علوم و فنون سے بہرہ اندوز ہوکر اپنے وطن واپس آئے، اور ملک میں رفتہ رفتہ ابتدائی ثانوی اور اعلیٰ تعلیم گاہوں کے علاوہ متعدد و بلند پایہ یونیورسٹیاں قائم کرکے سب کو ایک دوسرے سے منسلک کردیا، چنانچہ ایک سال ہوتا ہے کہ نانکنگ یونیورسٹی کے چانسلر پروفیسر کاڈھ نے "انقلاب چین" کے عنوان سے یورپ کے کسی رسالہ میں بسیط مضمون لکھا تھا، اور اس کا خلاصہ مصر ہی کے کسی رسالہ نے درج کیا تھا، اور ہم انہیں صفحات تلخیص وتبصرہ میں "چین کی موجودہ بیداری اور اس کے اسباب" کے عنوان سے اس خلاصہ کی تلخیص ماہ اپریل ۲۶ئ میں پیش کرچکے ہیں،

پروفیسر کاڈھ نے اس مضمون میں اس قدیم چینی زبان کا اجمالی ذکر کرکے اس کی اصلاح اور چین کی موجودہ علمی و تعلیمی زبان کا تذکرہ کیا تھا چنانچہ اسی مضمون میں ہے،

"قدیم چینی زبان کے دشوار گذار مرحلہ کو یوں طے کیا گیا کہ پکنگ کالج کے پروفیسر ڈاکٹر سوہوہ نے وہاں کی عام فہم زبان کو جس میں ملک کے عام باشندے گفتگو کرتے ہیں، ضبط تحریر

مین لانے کے لئے جدید طریقے وضع کئے، اور اس طرح عوام کی زبان قدیم زبان کے بجائے وہان کی علمی اور تحریری زبان بن گئی،، اور اسی کے بعد چین مین عام تعلیمی جدوجہد کا سلسلہ جاری ہوا، یہان تک کہ عام مزدورون اور کاشتکارون کے لئے تعلیم کا انتظام کیا گیا، جس سے رفتہ رفتہ ملک کی آبادی کا بڑا حصہ تعلیم یافتہ ہوگیا،

اس زبان کی حیرت انگیز ترقی کا پتہ صرف اس سے چلایا جاسکتا ہے کہ اس زبان کی تدوین اور فوری نشر و اشاعت کے بعد ہی ۴۰۰ اخبارات بیک وقت اسی زبان مین نکلنے لگے، اور پھر بعد کے سالون مین تو اس مین اور زیادہ حیرت انگیز ترقی ہوئی،

اتحادِ اسلام

"ر"

ایشیاٹک ریویو (لندن) کے اپریل ۱۹۲۶ء کے پرچہ مین پین اسلامزم پر ایک مضمون شایع ہوا ہے، اس کی تمہید مین اسلام کی مساوات پسندی اور مذہبی اخوت کا اعتراف ان الفاظ مین کیا گیا ہے،

ابتدا ہی سے اسلام نے اپنے پیروون کے سامنے اتحاد باہمی کا ایک نصب العین پیش کیا ہے، قرآن کریم مین ہے کہ تمام مسلمان آپس مین بھائی بھائی ہین، حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے نہ صرف ایک مذہب کی بنیاد رکھی بلکہ ایک ایسا سیاسی نظام قایم کیا، جس مین ایک عقیدہ پر ایمان رکھنا اس کی لازمی شرط تھی،

یہ صحیح ہے کہ یہودیون اور عیسائیون کے ساتھ رواداری برتی گئی اور انھین ان کے آبائی دین پر قایم رہنے دیا گیا، لیکن پھر بھی وہ بہ حیثیت "ذمی"، کے سمجھے جاتے تھے، جنھین مسلمانون کی طرح حکومت کے تمام حقوق و مراعات سے فائدہ اٹھانے کا حق نہ تھا، یہ صرف دینِ اسلام پر ایمان لانے کی شرط تھی،

جس کے ذریعہ سے اس نئی ریاست کے تمام افراد باہم متحد و متفق تھے، اور اس دین کا چھوڑ دینا صرف ارتداد ہی نہین ہوتا تھا بلکہ ایک قسم کی بغاوت سمجھی جاتی تھی، اور جو مسلمان اپنے مذہب سے دوسرے مذہب مین چلا جاتا تھا، وہ قتل کا مستحق سمجھا جاتا تھا جبکہ مسلمان علماء نے باقاعدہ طور سے مسلم ریاست کا نظریہ پیش کیا تو انھون نے ممالک کی دو قسمین قائم کین، ایک "دار الاسلام" دوسری "دار الحرب"، اوائلِ عہد کے نظرئیین نے مسلمانون کا یہ فرض قرار دیا تھا کہ وہ کم سے کم سال مین ایک بار غیر مسلمون کے ممالک پر فوج کشی کرین، بشرطیکہ امام وقت اس فوج کشی کو عام مفاد کے موافق سمجھتا ہو،

پہلی صدی ہجری مین جب تک عرب فتوحات کا سیلاب بڑھتا رہا اس وقت تک اس نظریہ پر عمل پیرا ہونا ممکن بھی تھا، اور جب جدید سلطنت وجود مین آئی تو اس وقت متعدد غیر مسلم اقوام مثلاً ایرانی، شامی، مصری، افریقی، اسپینی، اور ترک حلقۂ اسلام مین داخل ہو چکی تھین، اور انھین برابر کے حقوق مل چکے تھے، اور حکومت کا ہر عہدہ ان کے لئے کھلا تھا، یہ صحیح ہے کہ عربون کے خود سرانہ جذبات ان غیر عربی اقوام کے ساتھ ملنے جلنے مین بہت حد تک حائل ہوتے تھے، تاہم انھین یہ گوارا کرنا ہی پڑتا تھا اور اپنے سیاسی نظریے کی رو سے انھین سب کو مساوی تسلیم ہی کرنا پڑتا تھا، قرآن کریم مین ہے کہ "وہ لوگ جو ایمان لائے اور انھون نے نیک عمل کئے، وہ بہترین لوگ ہین"، تاہم ان کا یہ نظریہ ڈیڑھ صدی سے کچھ زیادہ عرصہ تک نہین قائم رہا، اور اس عرصہ مین اسلامی حکومت نے جو ترقی و عروج حاصل کیا اس نے آج تک مسلمانون کی آنکھون کو خیرہ کر رکھا ہے،

چھٹا حاسّہ؟

اب تک حکمائے قدیم کے تمام تجربات و نظریات مین سے "حواس خمسہ" پر دورِ حاضر کے تمام حکماء و ماہرین کو عام اتفاق تھا، لیکن اب یورپ کے جدت پسند طبقہ کو قدیم حکماء کی یہ تقلید بھی گوارا نہین اس لئے وہ کسی چھٹے اور ساتوین حاسّہ کے انکشافات اور اس کو قبولِ عام بنانے کی فکر مین ہین،

چنانچہ اب تک صرف یہ مسلمہ تھا کہ بعض حیوانات مین اپنے اپنے طبائع اور جبلت کے لحاظ سے بعض حاسے زیادہ طاقتور ہوتے ہین، چیونٹی مین سونگھنے کی طاقت زیادہ ہوتی ہے، کتون مین سننے کی قوت تمام حیوانون اور انسان سے زیادہ ہوتی ہے، اور چیلون کی قوت بصارت سب سے تیز ہے، لیکن اب یہ سوال زیر بحث ہے کہ آیا کسی حیوان یا انسان مین کوئی چھٹا یا ساتوان حاسہ بھی موجود ہے، یا پیدا ہونے کی اُمید کی جا سکتی ہے ؟

حکمائے مغرب اس سلسلہ مین کم از کم یہ ادعا کرنے لگے ہین کہ بعض حشرات الارض کے حالات کے استقرار سے پتہ چلتا ہے کہ ان مین ایک چھٹا حاسہ بھی پایا جاتا ہے، جس سے انسان اور دیگر حیوان قطعی طور پر محروم ہین، اور وہ اپنے اس نظریہ کو تجربہ کی شکل مین یون پیش کرتے ہین کہ کسی مادہ پروانہ کو شیشہ کی کسی ڈبیا مین بند کرکے اس کے سرپوش کو سریش یا گوند وغیرہ سے اس طرح بند کردو کہ نہ اندر کی آواز باہر آنے پائے اور نہ باہر کی آواز اندر جانے پائے، اس کے بعد اس ڈبیا کو کسی دوسری ڈبیا مین اسی طریقہ سے بند کرو، اور پھر پے در پے اسی طرح ایک کو دوسرے مین بند کرتے جاؤ، یہان تک کہ اندر سے ہوا کے آنے جانے اور کسی طرح اندر کی چیز کے دکھائی دینے کا احتمال باقی نہ رہ جائے، یہ سب کچھ کرنے کے بعد اس کو کسی جگہ پر رکھدیا جائے، تو کچھ ہی دیر مین نر پروانے اس ڈبیا کے گرد گردش کرتے دکھائی دینگے، اور اس کے اندر پہونچنے کے لئے اپنی انتہائی جدوجہد کرین گے،

اسی تجربہ کی بنا پر علمائے حشرات کو یقین ہے کہ ان مین ایک چھٹا حاسہ بھی پایا جاتا ہے جس کے ذریعہ سے وہ مقید پروانہ کے پرون کی پھڑپھڑاہٹ محسوس کر لیتے ہین، "ر"

لغاتِ جدیدہ

چار ہزار جدید عربی الفاظ کی ڈکشنری، قیمت عہ

اخبار علمیہ

انکشاف دفینہ کا نیا ذریعہ، خاکنائے پناما (امریکہ) مین ابھی حال مین بعض دفینون کے دریافت کرنے کا ایک نیا طریقہ عمل مین آیا ہو، بیان کیا جاتا ہے کہ ایک عرصہ سے اس خطہ مین بعض دفینے تھے، لیکن کسی کو ان کا کہین پتہ نہ لگتا تھا، اب کچھ انگریزون اور امریکیون نے ملکر گورنمنٹ سے اسکا لائسنس حاصل کیا اور بہت تلاش و جستجو کے بعد اس خزانہ کا پتہ لگا لیا، کہا جاتا ہے کہ اس کے علاوہ ابھی اور بھی بہت سے دفینے ہین جنکی تلاش مین یہ ماہرین برابر گشت لگا رہے ہین، ریڈیو جسکے اکثر کرشمون سے دنیائے سائنس واقف ہو چکی ہے، اس جدید انکشاف کا بھی باعث ہے، بجائے اس کے کہ کسی نقشہ اور خاکہ کے ذریعہ سے اس کا پتہ لگایا جاتا، ریڈیو کی مدد سے وہ تمام رموز و اسرار جو زمین اپنے سینہ کے اندر چھپائے ہوئے ہے، اس طرح منکشف ہو جاتے ہین، جسطرح زمین کے اوپر کی اشیا، ظاہر اور عیان نظر آتی ہین،

قدرت کی کرشمہ سازیان، جس طرح انسان اپنی انجینیری کے نئے نئے کارنامے دکھاتا ہے، قدرت کا ہاتھ اس سے کہین زیادہ حیرت انگیز کرشمے ہمارے سامنے پیش کرتا ہے جنھین دیکھکر، بڑے بڑے ماہرین فن کی عقل دنگ رہجاتی ہے، کچھ عرصہ ہوا نواہو پہاڑ (NAWAHO) کے شمال مغربی ڈھال کی جانب ایک نہایت عظیم الشان، وسیع اور مضبوط پل کا پتہ چلا ہے جسکے محراب کی لنبائی ۲۷۸ فیٹ ہو اور جو سطح آب سے ۳۰۹ فیٹ بلند ہو اور اس کے بلند ترین حصہ کا حجم ۴۲ فیٹ ہے، اپنی عظمت، تناسب اور رنگ کے اعتبار سے یہ دنیا کے تمام قدرتی پلون سے بڑھکر مانا جاتا ہے، اسی قسم کا ایک اور پل اریزونا (ERIZONA) سے دو میل جنوب و مغرب جانب واقع ہے جسکی وسعت، تناسب اور رنگ بھی نہایت خوب ہے۔

"درمیانی کڑی" کا پتہ، ابھی حال مین صحرائے گوبی (منگولیا) مین بعض ان عظیم الشان جانورون کے سرون کی ہڈیان دریافت ہوئی ہین جنکے متعلق علمائے ارتقا کا خیال ہے کہ تمام ذی روح حیوانات حتی کہ انسان کی نسل بھی انھین سے پیدا ہوئی ہے، یہ دریافت امریکن عجائب خانہ کی ایک جماعت نے کیا ہے، جو رائے چیپمین اینڈریوز کی سرکردگی مین اسی قسم کے آثار قدیمہ کا پتہ لگانے کے لیے نکلی تھی، مسٹر اینڈریوز کا خیال ہے کہ ان ہڈیون کی دریافت انسان کی ارتقائی منازل کا پتہ چلانے مین ان انڈون سے کہین زیادہ مفید اور کار آمد ہے جنکی دریافت کا سہرا بھی انھی موصوف کے سر ہے، ان کا قول ہے کہ انسان کے ارتقائی منازل کی "درمیانی کڑیان" حقیقت مین یہی ہین جسکے بعد اب انکی تلاش کی کوئی ضرورت نہین رہجاتی،

ریڈ انڈینون کی نسلی تباہی، عام طور سے یہ خیال کیا جاتا تھا کہ امریکہ مین ریڈ انڈینون کی تعداد برابر بڑھ رہی ہے لیکن ڈاکٹر ہیون امرسن، پروفیسر کولمبیا یونیورسٹی نے جو اعداد و شمار ابھی حال مین شائع کئے ہین، ان کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ امریکہ کی اس کثیر التعداد قوم مین شرح اموات کس قدر تیزی کے ساتھ سال بہ سال بڑھ رہی ہے،

سنہ	فی ہزار	سنہ	فی ہزار
سنہ ۱۹۲۱ء	۱۷،۵	سنہ ۱۹۲۳ء	۲۲/۵
سنہ ۱۹۲۲ء	۱۹/۲	سنہ ۱۹۲۴ء	۲۵/۹

یہ شرح بعض ایسے مقامات پر جہان ریڈ انڈینون کی تعداد زیادہ ہے، اور بھی زیادہ حیرت انگیز ہے،

نام مقام	فی ہزار	نام مقام	فی ہزار
مونٹانا	۳۴/۵	واشنگٹن	۳۴/۵
شمالی ڈکوٹا	۳۴	دیومنگ	۸۶/۱

اس کثرتِ اموات کی بڑی وجہ ایک یہ ہے کہ اکثر بچے شیرخواری و صغر سنی ہی کے زمانہ مین انتقال کر جاتے ہین، عام آبادی مین یہ شرح ۱۹۲۲ء مین فی ہزار ۸۰، ۷ رہی ہے، لیکن ریڈانڈینون مین یہی شرح بڑھکر ۱۹۰، ر ہو گئی ہے،

جانورون کی عمر، انگلستان مین ایک بلی تھی جسکی عمر ۴۲ سال کی تھی اور جب یہ ۷ ا برس کی ہوئی تو اس کے ایک بچہ ہوا جو اپنی ماں کا اکیلا بچہ تھا، بعض بلیان ایسی بھی ہین جنکی عمر ۲۵، ۲۶ سال کی ہے، اسکرینگھم (SCRINGHAM) مین ایک بلی ہے جسکے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ وہ ۳۰ سال کی ہوکر مری،

کتون کی عمر بھی تقریباً بلیون ہی کے برابر ہوتی ہے اور یہی حال بھیڑون کا بھی ہے، گھوڑے اور خچر کی عمر البتہ ۴۰، ۵۰ سال کے درمیان ہوتی ہے، بعض مضبوط قسم کے ٹٹوؤن کی عمر ۵۵ اور ۶۰ کے درمیان ہوتی ہے، جن گھوڑون سے زیادہ محنت مشقت کا کام لیا جاتا ہے وہ ۲۰ تک پہنچتے پہنچتے یا دو تین سال بعد مر جاتے ہین، گائین اور سور مشکل سے ۳۰ سال تک زندہ رہتی ہین،

شمالی امریکہ کے گھڑیالون کے متعلق خیال ہے کہ وہ ۱۰۰ سال سے اوپر تک زندہ رہتے ہین، اور بعض بڑے کچھوے ۲۰۰ سال تک رہتے ہین، لندن کے عجائب خانہ مین مار ماڈیوک نامی ایک کچھوا ہے جسکے متعلق مشہور ہے کہ وہ چارلس دوم (CHARLES) کے زمانہ سے ہے، وہین چھپکلی کے قبیل کا ایک جانور ہے جسکی عمر ۲ ۵ سال کی ہے،

مرغیون کی عمر ۲۰ سال تک یا اس سے زیادہ بھی ہوتی ہے، بعض طوطے سو سال تک زندہ رہتے ہین، کنگسٹن (KINGSTON) مین ایک طوطا ہے جسکی عمر ۱۲۰ سال کی ہے،

اسی طرح بعض کیڑے، مکوڑون کی عمر کے متعلق بھی عجیب و غریب معلومات ہوئے ہین، مدغاسکر

مین علم الحیاتیات کا ایک ماہر ہے جس نے تجربہ کے بعد معلوم کیا ہے کہ ۴۸ ایسی سر بریدہ تتلیون کی عمر ایک یا دو ہفتہ ان ۴۸ تتلیون سے زیادہ ہوئی ہے جنکے سر سلامت تھے، سر کے کٹ جانے سے غالبًا اس جسمانی قوت کا استعمال کم ہوگیا تھا جو زندگی کا باعث ہوتی ہے،

دنیا مین سب سے زیادہ بارش کہان ہوتی ہے؟ اس سوال کا جواب مختلف مقامات کے ان اعداد و شمار مین مل سکتا ہے جو سالانہ بارش کے موقعون پر لکھ لیے جاتے ہین بعض ممالک مین یہ اعداد و شمار ۵۰ سال سے لیکر ۵۰۱ تک کے ملتے ہین، جن مقامات پر یہ اعداد و شمار لیے جاتے ہین، وہان ایک مشین ہوتی ہے جس سے ایک متعین وقت کے اندر پتہ چل جاتا ہے کہ کتنی بارش ہوئی، یہ اوقات کبھی ۲۴ گھنٹہ، کبھی ایک گھنٹہ اور کبھی ایک منٹ کے ہوتے ہین، ۲۴ گھنٹہ کے اندر دنیا مین سب سے زیادہ بارش جس مقام پر ہوئی، وہ باگویو (جزائر فلیپائنس) ہے یہان کی پیمائش بارش کی مشین سے معلوم ہوا ہے کہ ۱۴ جولائی ۱۹۱۱ء کی دوپہر سے لیکر ۱۵ جولائی ۱۹۱۱ء کی دوپہر تک کل ۴۶ انچ بارش ہوئی ہے، ریاستہائے متحدہ مین عام طور سے جتنی بارش ہوتی ہے، اس سے یہ مقدار کہین زیادہ ہے، چیراپونجی (آسام) جو کثرتِ باران کے لیے دنیا مین سب سے زیادہ مشہور تھا، وہان ۱۴ جون ۱۸۷۶ء کو ۴۱ انچ بارش ہوئی، اسی مقام پر اگست ۱۸۴۱ء مین ۵ دن مسلسل ۳۰۰ انچ یا اس سے کچھ زیادہ بارش ہوئی ہے، ۲۴ گھنٹہ کے اندر ریاستہائے متحدہ مین بارش کا شمار ۲۳/۱۱ انچ جو ٹیلر اور ٹیکساس مقامات پر ۹، ۱۰ ستمبر ۱۹۲۱ء کو ہوئی، ایک گھنٹہ کے اندر سب سے زیادہ بارش جنوبی کیلیفورنیا مین ہوئی ہے جہان کیمپو مقام پر اس قلیل عرصہ مین ۱۱½ انچ پانی برسا، پورٹو بیلو مین ۲۹ نومبر ۱۹۱۱ء کو ۲ بجے ۳ منٹ کے اندر ۲/۴ انچ پانی برسا، کثرتِ بارش کا جہان تک تعلق ہے، یہ مثال غالبًا آپ اپنی نظیر ہے، گو ابھی حال مین یہ پتہ چلا ہے کہ جنوبی کیلیفورنیا ہی مین ایک مقام اوپڈ کیمپ پر ۵ اپریل ۱۹۲۶ء کو ایک منٹ کے اندر ۰۲/۱ انچ پانی برسا ہے،

باب التقریظ والانتقاد

اردو کے نئے اخبارات اور رسالے

پچھلی ششماہی مین بھی اردو کے نئے اخبارات اور رسالون کی مزید ترقی ہوئی، اخبارات مین سب سے زیادہ انقلاب انگیز واقعہ لاہور سے روزنامۂ **انقلاب** کا ظہور ہے، زمیندار کے نظام شمسی سے دو ستارے ٹوٹ کر الگ ہو گئے، اور انھون نے اپنا ایک الگ نظام شمسی قائم کیا، یہ دو ستارے مہر اور سالک ہین، اور انکی گردش قلم سے جو نیا نظام شمسی قائم ہوا اسکا نام انقلاب ہے، یہ روزانہ اخبار چند ماہ سے نہایت خوبی، عمدگی اور کامیابی کے ساتھ لاہور سے نکل رہا ہے، اپنے مسلک اور سیاسیات کے اعتبار سے آزاد اور حقگو، تاہم متین اور سنجیدہ ہے، اس نے تھوڑے ہی دنون مین اچھی مقبولیت حاصل کرلی ہے، زمیندار کے افکار و حوادث کا عنوان اب سالک کے ساتھ ساتھ زمیندار سے نکل کر انقلاب کے صفحات پر نمودار ہوا ہے، اسلامی مسائل پر خصوصیت سے بحث کرتا ہے، وقت پر شائع ہوتا ہے اور ایک اچھے روزانہ اخبار کے تمام اوصاف کا جامع ہے، لکھائی چھپائی کاغذ عمدہ تقطیع بڑی، قیمت سالانہ ۱۲؎ ر،

گذشتہ شش ماہی مین اردو صحافت نے کچھ جغرافی وسعت بھی حاصل کی، یوپی کے ایک بعید مشرقی ضلع بستی سے **آئین** ہفتہ وار جاری ہوا، جو نہایت خوبی کے ساتھ اسلامی اور ملکی مسائل پر بحث کرتا ہے اور شاید پس پردہ کسی طرف سے اسکو اچھی خاصی قلمی اعانت حاصل ہوتی ہے، پورب کی ناموافق ہوا کو دیکھتے ہوئے اس کی زندگی کے لیے دعاگو ہین،

دوسری طرف "سرزمین بے آئین" صوبہ سرحدی سے دو اخبار نکلے ہین جس کے اڈیٹر

ہمارے جامعہ ملیہ کے تعلیم یافتہ ہین، صوبۂ سرحد مین ایک دو اچھے اخبارون کی سخت ضرورت تھی جو لوگون کو صحیح تعلیم دے سکین اور صحیح خیالات کی ان مین اشاعت کرسکین، **ترجمانِ سرحد** کے نام سے ایک اخبار ایک سال سے نکل رہا ہے، جس کے اڈیٹر امیر عالم اعوان (جامعہ) ہین، قیمت سالانہ للعہ پتہ راولپنڈی

دوسرا اخبار **شہاب** ہے جسکے اڈیٹر مولوی غلام ربانی صاحب لودی (جامعہ) اور ملک محمد عالم صاحب بی اے (جامعہ) ہین، مولوی غلام ربانی صاحب انگریزی اور عربی دونون سے واقف، کامیاب مترجم اور زمیندار وغیرہ مین رہکر کام کا تجربہ حاصل کرچکے ہین، امید ہے کہ وہ اپنی اس نئی خدمت مین کامیاب ہون گے، قیمت سے پتہ راولپنڈی

لیکن اردو صحافت کا سب سے اہم واقعہ، مولانا ابوالکلام کے مشہور ہفتہ وار صحیفہ الہلال کی حیات ثانیہ ہے، سالہا سال کے انتظار شدید کے بعد آخر کلکتہ کے افق سے یہ "ہلال" نمودار ہوا، اور مشتاق نگاہون کے لیے صبح عید کا پیام لایا، الہلال کا پہلا طلوع اس وقت ہوا تھا، جب مسلمانون مین جوش و خروش اور ولولۂ جنون تھا، اسکی روشنی نے بہتون کو ہدایت کا راستہ دکھایا، اور مایوسون کے دلون مین امید کا چراغ روشن کیا، اب اس کا دوبارہ احیار ایسی حالت مین ہوا ہے، جب پہلا جوش، سکون سے بدل چکا ہے اور عزم و ارادہ اور قویٰ مین گذشتہ جدوجہد تگاپو اور سعی و محنت سے تکان پیدا ہے، یہی وقت الہلال کی بروقت دعوت اور پکار کے لیے موزون ہے، دعا ہے کہ خدا اسکی آواز مین تاثیر اور اسکی دعوت مین برکت پیدا کرے، کہ مسلمان ایک نئے سفر کے لیے اس صدائے رحیل اور بانگ درا کو سنکر آمادہ ہوسکین،

الہلال کے دو نمبر اب تک آئے ہین، مضامین کی بلند آہنگی اور زور وہی ہے جو پہلے تھا، تاہم زبان نسبۃً پہلے سے آسان اختیار کیگئی ہے، کہ فائدہ کی تعمیم ہو سکے،

ابھی آدھا پرچہ ٹائپ مین اور آدھا لیتھو مین چھپتا ہے، شذرات، مقالات، مطبوعات، عالم شرق و اسلام، بصائر و حکم، تفریح و ترویح وغیرہ عنوانات باب ہین، جو مذہبی سیاسی، ادبی، علمی ہر شعبۂ حیات کو محیط ہین، چندہ سالانہ عہ پتہ نمبر ۱ بالی گنج سرکلر روڈ کلکتہ،

اہل حدیث کی طرف سے گو اہل حدیث امرتسر اور محمدی وغیرہ اخبارات نکل رہے ہین، مگر ان مین زیادہ تر مناظرانہ شان ہے، ضرورت تھی کہ ایک ایسا اخبار بھی انکی طرف سے نکالا جائے جس مین سنجیدگی اور متانت کے ساتھ اصل دعوت کی تبلیغ کیجائے، حال مین امرتسر سے مولانا محمد داؤد غزنوی نے ہفتہ وار **توحید** کا نا شروع کیا ہے، جو مناظرات سے پاک ہو اور اپنے عقائد و مسائل کی تبلیغ واشاعت کا سادہ فرض انجام دے رہا ہے، امید ہے کہ اس کے ذریعہ سے اہل حدیث اصحاب کی طرف سے بہت سے شکوک زائل ہون گے، لیکن ضرورت ہے کہ اظہار مدعا مین بیجا سختی اور درشتی نہ ہو، قیمت سالانہ صہ پتہ امرتسر کوچہ غزنویہ،

آج کل کے ہنگامۂ رستخیز مین سب سے بڑی نعمت غیر ترقیبہ **اتحاد** لاہور ہے، یہ لاہور سے ہفتہ وار شائع ہوتا ہے، اسکی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کے جمع و ترتیب کے فرائض ہندو اور مسلمان دونون کے ہاتھ انجام دیتے ہین، اسی سے یہ اخبار ان فرقہ دار زہرون سے پاک ہے جس سے "ریاست" کے سوا شاید ہی کوئی اخبار محفوظ ہو قیمت سالانہ ؎ پتہ دفتر اتحاد، انارکلی لاہور، ہندوستان کو اس قسم کے اخبارون کی خاص قدر کرنی چاہیئے،

جمہور بمبئی کا ہفتہ وار باتصویر پرچہ ہے، جس مین علاوہ مضامین اور خبرون کے عکسی تصویرین بھی ہوتی ہین، مضامین زیادہ تر عام پسند اور دلچسپ ہوتے ہین قیمت سالانہ للعہ پتہ دفتر جمہور رجب بے ہاسپٹل بمبئی نمبر ۹،

ماہوار رسائل مین بھی خاصی ترقی ہوئی ہے **نیرنگ خیال**، جو شاید گذشتہ سال لاہور سے نکلا ہے تیزی کے ساتھ ترقی کر رہا ہے خصوصاً خاص خاص نمبرون کی اشاعت کی دوڑ مین وہ سب سے آگے ہے، اس کے خاص نمبرون مین بھی خصوصیت کے ساتھ اس کا عید نمبر ہر طرح لائق ستائش ہے، کئی سو صفحون کی ضخامت، مضامین کا تنوع، مناسب نظمون کی دلچسپی، ٹائیٹل کی دلکشی، تصاویر کی نیرنگی، ہر چیز اس مین وصف کے قابل ہے، اس کے محنتی اور لطیف الذوق اڈیٹر حکیم یوسف حسن صاحب اس کے لیے ہر طرح مبارکباد کے مستحق

ہین، قیمت سالانہ ہے، پتہ بارود خانہ لاہور،

ماہوار تنظیم کا مقصد قوم کی اخلاقی، اقتصادی اور علمی اصلاح ہے حقیقت یہ ہے کہ یہی قومی ترقی کی اصلی راہ ہے، مگر افسوس ہے کہ ہماری قوم کا جوش طلب دماغ، ایسے بے مزہ نغمہ سے خوش نہین ہوسکتا، وہ روزانہ سے ہفتہ وار اور اب ہفتہ وار سے ماہانہ ہوگیا ہے، اور مسلمانون کا یہی جمود رہا تو شاید وہ ماہانہ سے سالانہ ہوکر ہمیشہ کے لیے غائب نہ ہوجائے، قیمت سالانہ ؟ پتہ دفتر تنظیم امرتسر،

مخزن لاہور کی یاد ہندوستان کے ادب دوست طبقہ کے دلون مین اب تک تازہ ہوگی، ہم ان کو بشارت دیتے ہین کہ جناب ابو الاثر حفیظ جالندھری کی ادارت مین وہ اب پھر شائع ہونے لگا ہے، پہلے سے اس دور جدید نے نمایان ترقی کی ہے، امید ہے کہ آئندہ اس کا معیار اور بلند ہوگا، قیمت سالانہ للعہ پتہ دفتر مخزن لاہور،

دلکش صرف ادبی پھولون کا گلدستہ ہے، سید عابد علی صاحب عابد بی اے ال ال بی کی ادارت مین لاہور سے شائع ہوتا ہے، زیادہ تر شعر و شاعری اس کا موضوع ہے، اس کا حلقہ ادارت بھی اسی نعمت غیر مترقبہ (ہندو مسلم یگانگت) کا مرقع ہے جسکی ملک کو سخت ضرورت ہے، قیمت سے رسالانہ پتہ منیجر دلکش لاہور

پنجاب کی جدید علمی پیداوار مین ایک **جہان نما** ہے اس کا موضوع صنعت و دستکاری اور محنت و مزدوری کی حمایت اور تشویق ہے، مضامین آسان اور مفید ہوتے ہین، کاش طباعت بھی قابل تعریف ہو، ہم امید کرتے ہین کہ ملک نے قدر کی تو یہ پرچہ آئندہ کچھ اور مفید اور بلند ہوجائیگا قیمت ؟ پتہ جہان نما امرتسر

جہان نما کے ساتھ ساتھ **جام جہان نما** پر بھی نظر پڑتی ہے، بظاہر دونون کو ایک ہونا چاہیئے، لیکن اختلافِ موضوع نے دونون کو باہم بیگانہ رکھا ہے، یہ جناب افقر موہانی کی ادارت مین لکھنؤ سے شائع ہوتا ہے، موضوع اس کا محض ادبیات ہے لیکن اس محدود حلقہ سے باہر کی باتین بھی اس مین ملتی ہین، قیمت ہے سالانہ پتہ لکھنؤ پرنٹنگ پریس حسین گنج لکھنؤ،

حیدرآباد دکن کی اردو صحافت مین ایک نیا اضافہ نظام کالج اردو میگزین ہے، یہ جناب مولوی غلام حیدر صاحب کی ادارت مین حیدرآباد سے شائع ہوا ہے، حیدرآباد کے انگریزی کالج نظام کالج کے طلبہ کا آئینۂ خیال ہے، امید ہے کہ نوجوان اہل قلم اپنی نوجوان ہمتون کا ثبوت بہم پہنچائین گے، قیمت سالانہ للعہ پتہ نظام کالج اسد باغ حیدرآباد دکن،

ریاست رام پور سے بھی جناب بیخود موہانی نے دنیائے ادب کے سامنے ایک **نیرنگ** پیش کیا ہے، جس مین زیادہ تر شعر و سخن کے مباحث پر تنقید و تبصرہ ہوتا ہے، عروض و قوافی، اور دیگر انواع ادب پر بھی اس مین مضامین ہوتے ہین، غزلین بھی شائع ہوتی ہین، سالانہ سے پتہ دار الاشاعت ریاست رامپور،

بہار باوجودیکہ اردو کے قدیم گھوارون مین ہے لیکن اردو کی خدمت مین سب سے پیچھے ہے، خوشی کی بات ہے کہ وہان سے **الامین** نام کا ایک پرچہ جاری ہوا ہے، جو علمی، ادبی، اخلاقی، اور صوفیانہ مضامین کا مجموعہ ہے قیمت سالانہ سے منیجر الامین رفاہ المسلمین بہار شریف، پٹنہ،

الکامل دہلی بقول اپنے یہ ہر قسم کے مفید مضامین کا مجموعہ ہے، اس کے نام کو ہمارے ضلع اعظم گڈہ سے خاص مناسبت ہے، ولید پور مین ایک بزرگ مولانا محمد کامل پورن گذرے ہین، ہمارے ہین ان کے معتقدین کا حلقہ وسیع ہے، الکامل کے اڈیٹر ابو علی آزاد بہاری اور ان کے دست راست ابو العلا بہاری اسی حلقہ کے آدمی ہین، یہ پرچہ اپنے طریق کار اور انداز عمل مین خواجہ حسن نظامی صاحب کے بہت سے پرچون کا متبع نظر آتا ہے، چندہ سالانہ عہ پتہ دفتر چشمۂ کامل دہلی،

ستارۂ صبح، تھیوسوفیکل سوسائٹی کا ماہوار رسالہ ہے، اس کا موضوع سخن صرف تصوف ہے، مگر ہمارا قدیم تصوف یا یوگ نہین، بلکہ یہ تمام مذاہب کا معجون مرکب ہے، یہ مذہب کی جگہ اخلاق کو دینا چاہتا ہے، اس کا ایک مضمون (خدا کا دیدار) دنیا کو بشارت دیتا ہے کہ ڈاکٹر بسینٹ کے تقدس مآب کرشنا مورتی مین، حلول مسیح کا عمل شروع ہو گیا، چندہ سالانہ عمار پتہ:- منیجر ستارۂ صبح نواب گنج، کانپور، "ج"

مطبوعات جدیدہ

رسائل ابن تیمیہ، مولنا عبدالرزاق صاحب ندوی ملیح آبادی اڈیٹر روزنامۂ پیغام کلکتہ نے شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ کے قلم سے نکلے ہوئے ایک ایک حرف کو اردو مین منتقل کرنے کا بیڑا اٹھایا ہے، چنانچہ اسی سلسلہ مین ہمین تین نئے رسالے موصول ہوئے ہین، جو "حسینؓ و یزید"، "مناظرۂ ابن تیمیہ" اور "صداقتِ رسولؐ" کے نام سے موسوم ہین، رسالہ "حسینؓ و یزید" کا موضوع ان دونون کے حق مین اہل سنت و جماعت کا صحیح نقطۂ نظر پیش کرنا ہے، جس مین سب سے پہلے بتایا گیا ہے کہ خلفائے راشدین کے بعد جن فرمان روایانِ اسلام کو "خلیفہ" کا لقب دیا گیا، ان کے لیے ضروری نہین کہ وہ عدل و انصاف، تقوی اور خشیتِ الٰہی سے بھی سرفراز ہون، بلکہ مقصود صرف یہی تھا کہ وہ اپنے عہدِ حکومت مین خود مختار تھے، صاحبِ سیف تھے، حدودِ شرعی قائم کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے اور کفار سے جہاد کرتے تھے، اور اسی لحاظ سے یزید بھی خلفاء کی جماعت مین داخل ہے، پھر واقعۂ کربلا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا گیا ہے "صحابہؓ اور ائمۂ صالحینؒ نے بعض خلفاء کی بداعمالیون کے باوجود محض مصالحِ امت کے لیے ان کی اطاعت کی.... اور جن لوگون نے خروج کیا اس سے امت کو سراسر نقصان پہنچا،... اگرچہ ان مین بڑے بڑے اخیار و فضلا بھی شامل تھے، مگر ان کی نیکی و خوبی سے ان کا فعل مفید نہین ہو سکتا.... اس لیے آپ (حضرت امام حسینؓ) کے خروج اور پھر قتل سے جتنے مفاسد پیدا ہوئے وہ ہرگز واقع نہ ہوتے اگر آپ اپنی جگہ بیٹھے رہتے، کیونکہ وہ جس خیر و صلاح کے قیام اور شر و فساد کے دفعیہ کے لیے اٹھے، ان سب سے کچھ حاصل نہ ہوا،.... اور اللہ کسی ایسے فعل کا حکم نہین دیتا جس سے نہ دنیا کا بھلا ہو نہ دین کا،" اصل یہ ہے کہ علامہ موصوف نے یہ سب کچھ شیعون کے غالی فرقہ کے رد مین لکھا ہے اس لیے ردِ عمل کے موجب

خود بھی کہین کہین جادۂ اعتدال سے ہٹ گئے ہین، یہ صحیح ہے کہ حضرت امام حسینؑ کی پیش قدمی کامیاب نہین ہوئی، اسلیے نہ دین کا بھلا ہوا نہ دنیا کا، لیکن واقعات کے نتائج وعواقب سے ان کے حسن وقبح پر بحث نہین کیجا سکتی، کیونکہ کسی جابر، ظالم، اور غیر مستحق فرمانروا کے خلاف پیش قدمی فی نفسہ مذموم نہین قرار پا سکتی، کہ پیش قدمی کرنے والے کے پیش نظر اس وقت "دنیا کا بھلا بھی ہوتا ہے اور دین کا بھی" اس کے بعد رسالہ کی مختلف فصلون مین ان دونون کے متعلق مختلف موضوع رِوایتون اور ان کے متعلق مختلف فرقون کے اقوال اور طرزِ عمل کی تردید کیگئی ہے، اسی رسالہ کے آخر مین ایک دوسرا مفید رسالہ بے محل طور پر منسلک ہے جسمین مسلمانون کے تمام دینی و دنیاوی امور کے انصرام کو مسجد ہی مین انجام دینے کی تلقین کیگئی ہے، رسالہ کا حجم چھوٹی تقطیع پر ۴۰ صفحے، اور قیمت ۵ ر ہے، دوسرا رسالہ "مناظرۂ ابن تیمیہ" ہے جسمین متصوفین مین سے فرقہ رفاعیہ کی قلعی کھولی گئی ہے، کیونکہ اس فرقہ کا علامہ موصوف کے عہد مین بڑا زور تھا، یہ اکثر و بیشتر اپنے شعبدون کو کرامات کے نام سے پیش کرکے نہ صرف عام مسلمانون کو بلکہ امرا، رؤسا، اور اربابِ حکومت کو دامِ تزویر مین پھنساتا تھا، اس لیے علامۂ موصوف نے اس فرقہ کے استیصال کا بیڑا اٹھایا، اربابِ حکومت اور مسلمانون کے عام مجمع مین اس سے مناظرہ اور مقابلہ کرکے ان کے تمام شعبدون کا پردہ چاک کیا، اور حکومت نے اس فرقہ کو اسکی شکست کے بعد اس کے وعدہ کے مطابق کتاب و سنت کی پیروی پر مجبور کیا، علامۂ موصوف نے اسی مناظرہ و مقابلہ کے تفصیلی حالات اس رسالہ مین قلمبند کئے ہین، دورِ حاضر مین بھی ایسے شعبدہ باز متصوفین کہین کہین موجود ہین، اس لیے یہ رسالہ اس وقت بھی اسی درجہ کارآمد ہے، حجم ۴۰ صفحے قیمت ۵ ر اسی سلسلہ کا تیسرا رسالہ "صداقتِ رسول" ہے جو الجواب الصحیح کی ایک فصل کا خلاصہ ہے، جسمین آنحضرت صلعم کی سیرت ایسے اسلوب مین پیش کیگئی ہے، جس سے آپ کی صداقت، دیانت، غلامون پر شفقت، مظلومون کی دادرسی، خلائق سے ہمدردی اور اسی طرح تمام اخلاق و شمائل کا گہرا اثر دل پر قائم ہوتا ہے، ضرورت ہے کہ اربابِ تبلیغ اس رسالہ کو "تبلیغی کتابون" مین داخل کرکے زیادہ سے زیادہ تعداد مین غیر مسلمون

کے درمیان تقسیم کرین، کہ "چتر جیون" اور "رنگیلا ...." جیسے زہر آلود رسالون کے یے تریاق ثابت ہو، حجم ۳۲ صفحے تقطیع چھوٹی، قیمت ۴ر لکھائی چھپائی اور کاغذ تمام رسالون کا عمدہ ہے، اور یہ سب رسالے ہند بک ایجنسی نمبر ۱۱ بالی گنج سرکلر روڈ کلکتہ سے ملین گے،

طیبیہ، جناب علی احمد صاحب زاہد جبل پوری کی کتاب طبیبہ حصہ اول پر معارف ماہ اگست ۱۹۲۶ء مین ہم تفصیلی تبصرہ کر چکے ہین، اب اس کتاب کا دوسرا حصہ شائع ہوا ہے جسکو جناب مؤلف نے موضوع کی مناسبت سے "ہمدرد اطفال" کے نام سے موسوم کیا ہے، اس حصہ مین بچون کی پیدائش ان کے نہلانے اور دودھ پلانے کے طریقے بیان کرکے ان کی پرورش و پرداخت کے متعلق طبی نقطۂ نظر سے تفصیلی ہدایتین درج کیگئی ہین، پھر بچون کو کسنی مین جو بیماریان بالعموم ہوتی رہتی ہین، انکی علامتین بتا کر کتاب کے حصہ اول کے طرز پر نسخے اور طریقۂ علاج بتائے گئے ہین، ضخامت ۴۰ صفحے، لکھائی چھپائی اچھی اور سرورق خوشنما ہے، قیمت عہ، پتہ:- ایس لے احمد اینڈ کمپنی جامع مسجد جبلپور،

مرقع عبرت، یہ رسالہ بھی جناب زاہد جبل پوری کا مرتب کیا ہوا ہے جس مین انھون نے اردو کے دور حاضر کے مختلف شعرا کی بعض ایسی نظمین یکجا کی ہین جنمین دنیا کی بے ثباتی کا نقشہ کھینچا گیا ہے، حجم ۴۰ صفحے قیمت ؟ یہ رسالہ بھی اسی پتہ پر دستیاب ہو گا،

رسائل جاوید، جناب جاوید نے بچون کے یے چند تاریخی واقعات کا یہ سٹ شائع کیا ہے جسمین سے ایک زنجیر عدل ہے جسمین جہانگیر کے عدل و انصاف کے چند واقعات، دوسرے رسالہ "ذہانت" مین جعفر برمکی اور ابو یعقوب نجومی کے بعض قصے تیسرے رسالہ "پیام رسول" مین بارگاہِ نبوت اور دربار ہرقل کی خط و کتابت اور چوتھے رسالہ "سخاوت" مین حاتم طائی کی داستان بیان کی ہے، بچون کی مناسبت سے سلاست، روانی، در طرز ادا کی صفائی موجود ہے، اور امید ہے کہ بچے ان کو دلچسپی سے پڑھین گے، تمام رسائل ۲۲، ۲۴ صفحون پر ختم ہوتے ہین، کاغذ اور لکھائی چھپائی اچھی ہے، ان مین سے ہر ایک کی قیمت ۲ر پتہ:- جہانگیر بک کلب چابک سواران، لاہور،

"ر"

مجلد بستم | ماہ صفر المظفر ۱۳۴۶ھ مطابق ماہ اگست ۱۹۲۷ء | عدد دوم

مضامین

ہندوستان کی آزاد قومی درسگاہون مین جامعہ ملیہ دہلی ایک ایسی درسگاہ ہے جس نے اپنا نصب العین ایسے اشخاص کا پیدا کرنا قرار دیا ہے، جو مذہبی واقفیت کے ساتھ ساتھ انگریزی زبان اور ضروری جدید علوم کی تعلیم سے بہرہ ور ہون اور اپنے دل مین ملک وملت اور قوم ومذہب کا درد رکھتے ہون، اور جو ان کی خدمت اپنا مشغلۂ زندگی بنا سکین، اور اسی کے ساتھ اپنے ہاتھ سے اپنی روزی کا سامان پیدا کر سکین، جامعہ کے قیام کو ابھی صرف سات برس ہوئے ہین، یہ مختصر مدت اس فیصلہ کے لیے کافی نہین کہ وہ اپنے نصب العین مین کہانتک کامیاب ہوا ہے، (یا بقول اصحاب جامعہ ہوئی ہے)،

اس مدت مین اس جامعہ کی طرف سے متعدد طلبہ کامیاب ہوکر عملی میدان مین قدم رکھ چکے ہین، اور اُنھون نے عموماً قومی خدمت کے لیے یا تعلیم وتدریس یا تحریر وانشا اور اخبار نویسی کی زندگی اختیار کی ہے، سادگی، حسن خلق، اپنے وطن اور مذہب کے ساتھ محبت انھون نے اپنا ممتاز شعار قرار دیا ہے، ان کی مذہبی پابندی بھی تمام دُنیاوی درسگاہون کے طلبہ سے اچھی ہے،

اس کی بڑی خوش قسمتی یہ ہے کہ اسکو چند ایسے ایثار کرنے والے لائق مسلمان اساتذہ مل گئے ہین، جنھون نے نہایت خوشی سے اُس کے لیے اپنی زندگیان وقف کی ہین، اور وہ شب وروز اس کی دھن مین مصروف ہین، جب تک اُن کا یہ ایثار، اخلاص اور انہماک باقی ہے، اُس کی کامیابی غیر مشکوک ہے،

جامعہ نے اتنے ہی دنوں میں اپنا ایک اچھا خاصہ شرقی و مغربی علوم کا کتب خانہ قائم کرلیا ہے، اور اکاڈیمی کے نام سے ایک علمی مجلس کی بنا ڈالی ہے، علمی و سیاسی و اقتصادی مسائل کے لیے جامعہ نام ماہوار رسالہ اور تعلیم کی اشاعت کے لیے پیام تعلیم پندرہ روزہ صحیفہ جاری کیا ہے، ساتھ ہی مفید تصانیف و تراجم کا سلسلہ بھی شروع کر رکھا ہے جس میں اس کو روز بروز خاصی کامیابی ہو رہی ہے۔

یکم اگست سے جامعہ کا نیا تعلیمی سال شروع ہوا ہے، اس میں طلبہ کے داخلہ اور قیام اور تعلیم کے مفصل قواعد مطبوعہ موجود ہیں، اور وہ دفتر جامعہ ملیہ قرول باغ دہلی سے مل سکتے ہیں، ایک طالب العلم کے لیے مختلف قسم کی فیسوں کی مجموعی تعداد پندرہ روپیہ کے قریب ہے، جو نسبتہً انگریزی کالجوں سے ارزاں ہے، اس وقت اس کے ابتدائی، ثانوی اور انتہائی درجوں میں دو سو طلبہ تعلیم پا رہے ہیں، اور امسال مزید اضافہ کی توقع ہے۔

اس سلسلہ میں نامناسب نہ ہوگا اگر اصحاب جامعہ کی خدمت میں چند مخلصانہ گذارشیں پیش کی جائیں، ہمیں یہ ڈر ہے کہ اس کی مختصر مذہبی و عربی تعلیم میں "مجتہدیت" کی شان پیدا کرنے کی نہ کوشش کی جائے، کہ اگر ایسا ہوا تو جامعہ کے یہ پڑھے جن "مسلم یونیورسٹی کے ان پڑھ جنوں سے زیادہ خطرناک ثابت ہو سکتے ہیں، اور اسی طرح یہ بھی خطرہ ہے کہ اسکی معاشرت و سیاسیت میں "ہندویت" کا رنگ نمایاں نہ ہو، "فرنگیت" اور "ہندویت" اسلام سے مغایرت میں دونوں یکساں ہیں، ان میں فرق صرف بدیشی اور سودیشی کا ہے، جامعہ کے افتتاح کے وقت حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے نصب العین کے متعلق جو الفاظ فرمائے تھے، ضرورت ہے کہ وہ ہر وقت اس کے ہر استاد اور طالب العلم کے سامنے رہیں،

نیز یہ بھی پیش نظر ہے کہ جامعہ یورپ کے صرف سیاسی استیلا سے آزادی کی تحریک نہیں، بلکہ اس سے بدرجہا بڑھ کر اس کے دماغی و ذہنی استیلا سے آزادی کی تحریک ہے، اس سے یہ مقصود نہیں کہ ہم یورپ سے اس کے

نئے علوم اور سائنس کے سبق نہ سیکھیں، لیکن اسکے یہ معنی بھی نہیں ہیں کہ ہم اپنے مذہبی حقائق، مشرقی علوم اور اُن میں اصلاح و تجدید کا درس بھی اُسی سے حاصل کریں، اور اس کی تصدیقی سند دیکر ہم اُن کے لیے صحت کا معیار جانیں "پیرس کے جامعی طالب العلم" کے شائع شدہ خیالات اس راز کی غمازی کر رہے ہیں، دیکھیں ہمارا "یوسف" مصر سے جب کنعان آتا ہے تو اہل وطن کیلئے کیا تحفہ لاتا ہے، دعا ہے کہ "برہان باری" اسکے "دامن خیال" کو کشمکش کے نتیجہ سے محفوظ رکھے،

جامعہ اس وقت قوم کے ارباب نظر کی نگاہوں میں آزمایش اور امتحان کے دور میں ہے، ضرورت ہے کہ وہ ہر راہ میں پھونک پھونک کر قدم رکھے، تاکہ دوسرے چالیس برس کے بعد مسلمانوں کو یہ فیصلہ نہ کرنا پڑے کہ ہم پھر غلط راستہ پر چل کر آئے ہوے ہیں اور منزل مقصود کی سمت اور ہے،

اسی کے ساتھ اس کے متعلق کچھ قوم کے بھی فرائض ہیں، اُس کے ماہوار مصارف بڑی کفایت شعاری کے بعد اب ڈھائی تین ہزار ماہوار ہیں، بظاہر اسکی آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں، جناب حکیم صاحب کی بڑی دوڑ دھوپ اور محنت و جانفشانی کے بعد بعض ریاستوں سے اس کو کچھ ماہوار امدادیں ملی ہیں، کچھ دہلی سے مقامی اعانتوں کا سامان ہوا ہے، کچھ لوگ باہر سے کبھی کبھی کچھ بھیجدیتے ہیں، کچھ فیس کی رقمیں ملجاتی ہیں، مگر یہ صورت حال کبتک قائم رہ سکتی ہے، اس پراگندہ روزگاری سے پراگندہ دلی کا پیدا ہونا لازم ہے، ہماری قوم کو شکایت تھی کہ ہمارے جدید تعلیمیافتہ نوجوان ایثار نہیں کرتے، مگر اب ہمارے تعلیمیافتہ نوجوان ایثار کرنیوالوں کو یہ شکایت نہو جائے کہ قوم ہماری ذرا بھی قدردانی نہیں کرتی،

اس وقت خواہ دینی ہو یا دنیاوی آزاد قومی درسگاہوں کا قائم رکھنا سخت مشکل ہو رہا ہے، ملک کے طول وعرض میں اس وقت جتنے غیر سرکاری عربی مدرسے ہیں، ان میں جو چند عمومی حیثیت رکھتے ہیں، اُن کی زندگی کا سہارا صرف حیدرآباد اور بھوپال کی ماہوار امدادیں ہیں، اور اسکے بعد دہلی، بمبئی، کلکتہ اور رنگون کے بعض مسلمان تاجروں کی

ہمتین ہین، اور اُن کے بعد زکوۃ کی رقمین اور چرم قربانی کی قیمتین ہین، ہمارے عربی مدرسون کی آمدنی کے یہ چار ذریعے ہین لیکن روز بروز اب یہ مشکل پیدا ہوتی ہو کہ لوگون کی توجہ اُن کی طرف سے ہٹتی جاتی ہی،

ایک مرکزی دینی عربی درسگاہ **دارالعلوم** ندوۃ العلماء لکھنؤ کے اہتمام و انتظام کا بار ہمارے سپرد بھی ہے، خدا جانتا ہے کہ اُس کے مصارف و ضروریات کے پورا کرنے کی فکر کس طرح شب و روز اس کے کارکنون پر مسلط رہتی ہی مگر کامیابی کا کوئی ذریعہ نہین سوجھتا، اُس کی عظیم الشان درسگاہ سالہا سال سے نامکمل پڑی ہی جون تون کرکے ہم نے زور لگا کر اس کے دارالاقامہ کا سلسلہ شروع کیا گیا، پچاس طلبہ کیلئے کمرے کو کسی طرح تیار ہو گئے، مگر بیچ کا دارالمطالعہ ہنوز نا تمام، اور اسپر بھی ایک ہندو ٹھیکہ دار کے سات ہزار کے ہم مقروض، اور صرف اُس کے رحم و کرم کے تقاضے پر آج ایک سال سے جی رہے ہین، پچھلے سال کانپور کے اجلاس مین جن جن صاحبون نے جو کچھ لکھایا وہ بار بار کے تقاضون کے بعد بھی ہنوز ایفاے عہد کا منتظر.....

یون ہون مین شکوہ سے یُر راگ سے جیسے باجا اک ذرا چھیڑیئے پھر دیکھیے کیا ہوتا ہے

قوم کے حساس دل اصحاب کو متنبہ رہنا چاہیے کہ اگر ہمارا یہی تغافل قائم رہا تو یہ عربی درسگاہین ایک ایک کرکے حکومت کے تعلقات مین گرفتار ہوتی چلی جائینگی، بہت سی چلی گئی ہین، اور کچھ جانے کو تیار ہین کہ اُن کے کان کو ان کا وجود بہرحال عزیز ہے، ایسی حالت مین قوم کے خدمتگذار اور دین و مذہب اور اسکے علوم کے خدام کا وجود بھی مفقود ہو جائیگا، صرف تمام ملک مین "مولوی" کے بجائے "ہیڈ مولوی" ہی "ہیڈ مولوی" نظر آئینگے، اس دردناک منظر کا تخیل آپ کے سامنے ہے؟ اور اگر ہے تو اُس کے لئے کچھ کرنا چاہتے ہین؟

انگریزی استیلا کے بعد جہان انگریز سپاہیون نے ہندوستان کا ملک فتح کیا، وہان انگریز عالمون نے یہان کے دماغون کو فتح کرنے کی کوشش کی، انگریزی اسکولون اور کالجون کے جال سے اگر کوئی شکار محفوظ تھا تو وہ بیچارے

عربی فارسی وغیرہ مشرقی علوم پڑھنے والے ہندوستان کے دو کثیر التعداد مسلمان صوبون مین سب سے پہلے ان کے لیے پھندے بچھائے گئے یعنی پنجاب اور بنگال مین حکومت انگریزی نے مشرقی علوم کی سرپرستی کے لیے اپنا دست شفقت پھیلایا، بنگال مین تو مدرسۂ عالیہ کا جال ایسا پھیلا کہ آج تک بنگال مرغ تہ دام ہے، پنجاب مین لاٹنر صاحب کی مہربانی سے اورنٹیل کالج قائم ہوکر مولوی عالم اور مولوی فاضل کی سندین بٹنے لگین، اور ان کو یہ کامیابی نصیب ہوئی کہ آج تک پنجاب کے بڑے بڑے علما "مولوی فاضل" کا خطاب فخراً اپنے نام کے ساتھ بالالتزام لکھتے ہین،

یہ مشرقی علوم کی ایسی درسگاہین قائم ہوئین جن کا سارا نظم ونسق اور تانابانا انگریزون کے ہاتھون یا انگریزون کے برابر مشرقی واقفیت کی علمی سند رکھنے والون کے ہاتھون مین رہا اور جہانتک ممکن ہوا دینیات کی کتابون سے ان کو خالی رکھا اور اس طرح نظری اور عملی دونون حیثیتون سے وہان کے طلبہ کو اسلامیت سے پاک رکھکر خالص عربی علوم سکھلائے گئے، نتیجہ یہ ہوا کہ پنجاب مین عربی جاننے والے تو بہت ہوگئے، مگر علما کم ہوگئے، پنجاب مین مذہب مین جدت پسندی کی جو بدعتین چالیس برس کے عرصہ مین جاری ہوئی ہین ہم تو ان سب کی اصل اور جڑ اسی غیر مذہبی عربی تعلیم کو قرار دیتے ہین،

پھر اس کے ساتھ مزید ترغیب و تحریص کی شکلین پیدا کی گئین، یونیورسٹی کی سندون سے ممتاز کیے گئے، اسکولون اور کالجون مین ان کی مدرسی کا حق مرجح تسلیم کیا گیا، رجسٹراری اور وکالت وغیرہ کا ان کو حق ملا، یونیورسٹی کے انگریزی امتحانون مین صرف انگریزی ادب مین امتحان پاس کرلینے پر دوسرے عام انگریزی طلبہ کے برابر ان کو بی اے اور ایم اے کی ڈگریان دی جانے لگین، اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ پنجاب اور بنگال مین کوئی بڑی آزاد عربی درسگاہ باقی نہ رہی، اور نہ استحقاقات کے مقابلہ مین وہ قائم رہ سکتی تھی، پنجاب کی اس عظیم الشان اسلامی آبادی مین جہان تقریباً ہر ضلع مین ایک انگریزی اسلامی اسکول موجود ہی، پورے صوبہ مین بھی کوئی عربی کی بڑی قابل ذکر درسگاہ ہو تو ہو، لیکن بنگال تو جہان کے عربی مدرسہ یکسر اب تک وہ مدرسۂ عالیہ کے پنجۂ نظام مین گرفتار رہے،

اب تک بہار اور صوبہ متحدہ جہاں عربی کے بڑے بڑے مدرسے ہیں، اس جال سے محفوظ تھے، ان دونوں صوبوں میں ان مدرسوں کو سرکاری قابو میں لانے کے لیے ایک ساتھ کام شروع ہوا، بہار میں مدرسہ شمس الہدیٰ (پٹنہ)، ایک ذاتی حیثیت سے شروع ہو کر رفتہ رفتہ مدرسۂ عالیہ کے نظام میں پھنس کر وہ خود اس صوبہ کا ایک مستقل مرکزی نظام تعلیم ہو گیا، اور اسی کے پرواز پر اب اس کے تمام کل پرزے حرکت میں ہیں، صوبہ کے اکثر مدارس میں اس کا نصاب چل رہا ہے، اور اس صلہ میں مالی امداد اور استحقاقات سے وہ نوازے جا رہے ہیں جس عت سے اسکو ترقی ہو رہی ہے، اُتنی ہی سرعت سے آزاد مدارس کی کمزوری اور فنا کے دن قریب آ رہے ہیں، دعنقریب اس علم و فن کی سرزمین میں بھی ہی پنجاب اور بنگال کا موسم نمودار ہونے والا ہے، چنانچہ یہاں بھی گو پہلے الہ آباد یونیورسٹی نے استحقاقات کے دانے چھینٹے اور مشرقی امتحانات کا جال بچھایا مگر اس صوبہ کے اہل علم نے یہ ثابت کر دیا کہ ع بدام و دانہ نہ گیرند مرغ دانا را،

آخر کار مزید اہتمام کی ضرورت پیش آئی، گورنمنٹ نے دار العلوم ندوہ کی مالی اعانت سے عربی مدرسوں کی مالی امداد کی نئی روش کا آغاز کیا، اس کے بعد ان مدارس کی دیکھ بھال کے لیے ایک عربی داں گورنمنٹ فاضل کا انتخاب ہوا، اور اس عہدہ پر بالفعل ہمارے عزیز دوست مولوی ضیاء الحسن صاحب ندوی ایم اے ممتاز ہیں، انھوں نے نہایت محنت سے ان مدارس کی تنظیم کی ہے، اُن کے لیے ایک نیا نصاب تجویز ہوا ہے، اور اس نئے نظام کے تحت میں بہت سے عربی مدارس آگئے ہیں، اور انھوں نے نہایت خوشی سے اس کو قبول کر لیا ہے، چنانچہ اب وہاں کے امتحانات ملا فاضل و مولوی فاضل کے کامیاب علماء کو "ہیڈ مولوی" بننے کا استحقاق حاصل ہو گیا ہے،

سب سے آخر میں ہمارے صوبہ کی سب سے نوعمر لکھنؤ یونیورسٹی نے اسمیں قدم رکھا، اس نے چند سال سے فاضل ادب و فاضل حدیث وغیرہ کے نام سے امتحانات کھولے ہیں، طلبہ اور دوسرے عربی مدارس سے پڑھ کر اُن امتحانات میں شریک ہو رہے ہیں، جون کے اواخر میں یونیورسٹی نے مزید ترغیب پیش کی ہے کہ اپنے یہاں کے مشرقی امتحانات کے کامیاب طلبہ کو

اپنے کالج مین پنجاب کی طرح صرف انگریزی امتحان دیکر بی اے اور ایم اے کی ڈگری حاصل کرنے کی اجازت دیدے یہ بجلی کسی اور مدرسہ کے خرمن پر گرے یا نہ گرے مگر ہمارے مدرسہ کے خرمن پر تو گرکر رہیگی کہ یہ آگ ہمارے خرمن کے دامن ہی مین لگی ہے، (لکھنؤ یونیورسٹی اور دارالعلوم ندوہ دونون ہمسایہ واقع ہین) طلبہ نہایت آسانی کے ساتھ ان امتحانات مین شریک ہوکر استحقاقاتِ ملازمت حاصل کررہے ہین اور یہ شعبدہ بازی عین اسوقت کی جارہی ہے جبکہ پنجاب یونیورسٹی کے مشرقی امتحانات کی بلندبانگی کا طلسم ہماری آنکھون کے سامنے ٹوٹ رہا ہی اور یہ استحقاقات سال بسال سلب ہورہے ہین، چنانچہ صرف انگریزی ادب کا امتحان دیکر بی اے اور ایم اے کی ڈگری حاصل کرنیکی رعایت بھی غائب ہوچکی ہے اور تاہم وہی کھیل جو پنجاب مین کھیلا گیا، ہمارے صوبہ مین کھیلا جارہا ہی اور ہم نہایت خوشی کے ساتھ خود اس کھیل مین شریک ہین،

اس صوبہ کے عربی مدرسے سمجھ لیجیے کہ تمام ہندوستان مین مذہبی علوم و فنون اور دینی اخلاق و تربیت کا بار اٹھائے ہوے ہین، اور یہین سے علما، مدرسین، واعظین، خطبا، مناظرین اور قوم و مذہب کے خدمتگذار نکل نکل کر پھیل رہے ہین اور درحقیقت وہی اس پورے ملک کی مسلمان قومیت کے اصلی کارکن اور رہنما ہین اگر پنجاب بنگال، بہار کی طرح اس صوبہ مین بھی قومی عربی مدارس کی تخریب کی یہ تدبیر آپکی غفلت، ناتوجہی اور عدم امداد سے کارگر ہوگئی تو پھر ہندوستان مین اسلامی و شرعی علوم کا اللہ مالک ہے،

مقالات

کیا ولی کی اجازت کے بغیر کوئی عورت نکاح نہیں کرسکتی؟

(۴)

ہم اس مسئلہ کی اہمیت کو تسلیم کرنے کے بعد بھی اسپر قلم اُٹھاتے ہوئے اس لیے جھجکتے تھے، کہ یہ فقہانہ بحثین لوگون کو بے مزہ معلوم ہون گی مگر وقت کی نزاکت اور حالات کے تقاضے نے قلم اٹھانے پر مجبور کردیا، تاہم اب یہ دیکھکر خوشی ہوئی کہ عوام اور خواص دونون طبقون مین ان مباحث کو دلچسپی سے پڑھا جارہا ہے کہ مسلمانون کی بہت سے معاشرتی و اجتماعی حالات کا درست ہونا ان مباحث کے سلجھانے پر موقوف ہے نیز مسلمان عورتین جو اپنے حقوق سے روز بروز واقف ہوتی جاتی ہین ضرورت ہے کہ تحقیق کے ساتھ اُن کو ان کے جائز حقوق بتادیے جائین، اور وہ سیلاب بلا جو مغرب اور مشرق سے مسلمان عورتون کے حدود حرم مین داخل ہورہا ہے اسکے انسداد کی صورت پیدا ہو،

اس سے پہلے مضمون کے تین نمبر گذر چکے ہین اب یہ چوتھا نمبر ہے،

اس بحث کے قطعی فیصلہ کے لیے صرف ایک مسئلہ کا ذکر باقی ہے، اور وہ یہ کہ عاقل و بالغ لڑکی کے نکاح مین ولی کی اجازت کی ضرورت ہے یا نہین؟ امام شافعی اس کے قائل ہین کہ کسی عورت کا کوئی نکاح خواہ وہ کنواری ہو، بیوہ ہو، مطلقہ ہو، بالغہ یا نابالغہ کوئی ہو بغیر ولی کی اجازت کے جائز نہین، اور یہ اجازت نکاح سے پہلے یا نکاح کے وقت ہونی چاہیئے، اور اگر ولی نے بعد کو اجازت دی تو دوسرا نکاح بعد کو ازسرنو پڑھوانا ہوگا، کیونکہ پہلا نکاح باطل و بیکار تھا، غرض امام شافعی کے نزدیک کنواری لڑکی کیلیئے

صرف باپ کی رضامندی کافی ہے، لڑکی کی رضامندی ضروری نہین، اور اگر لڑکی ثیبہ (یعنی بیوہ یا مطلقہ) ہے تو لڑکی کی رضامندی کے ساتھ ولی جائز کی رضامندی بھی شرط ہے، تاہم ولی کا فرض یہ ہے کہ لڑکی جس سے نکاح کرنا چاہے اُس سے زبردستی نہ روکے، اگر وہ روکے گا تو لڑکی کو حق ہے کہ وہ عدالت مین دعوی کرکے اس سے بزور اجازت حاصل کرلے،

امام مالک کی رے یہ ہے کہ نیچے طبقہ اور ادنی خاندان کی اگر لڑکی ہے تو ولی کی اجازت بغیر وہ نکاح کرسکتی ہے لیکن اعلیٰ اور شریف خاندان کی لڑکی کے لیے ولی کی اجازت ضروری ہے کہ یہ لازمۂ شرافت ہے،

امام ابوحنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ ولی کی اجازت اور رضامندی کی شرط صرف کمسن اور نابالغ لڑکی کیلیے ہے عاقل بالغ لڑکی خواہ وہ کنواری ہو، یا ثیبہ اعلیٰ ہو یا ادنی اس کے نکاح کے جائز اور صحیح ہونے کے لیے ولی کی اجازت اور رضامندی قانوناً ضروری نہین ہے، البتہ اخلاقاً ایک سعادتمند لڑکی کا فرض یہ ہے کہ اپنے ولی کی اجازت اور رضامندی اس باب مین ضرور حاصل کرے، اگر لڑکی نے ایسا نہ کیا، اور ولی کی رضامندی اور اجازت کی پروا نہ کی اور نکاح کرلیا تو ولی کو اعتراض کا کوئی حق حاصل نہین ہے، الا یہ کہ لڑکی نے اپنے سے فروتر اور عیب دار خاندان مین شادی کرلی یا خاندانی دین مہر سے کم دین پر شادی کرلی، توچونکہ لڑکی کے اس فعل کا اثر خاندان کی عزت اور وقعت پر پڑتا ہے اس لیے ایسی لڑکی کے خلاف ولی کو عدالت مین چارہ جوئی کا حق حاصل ہے اور ولی کی درخواست پر قاضی کے فیصلہ سے ایسا نکاح فسخ کرایا جا سکتا ہے،

جہانتک ثیبہ لڑکی کا تعلق ہے ان دونون امامون کی راے کے مطابق عملاً اس کی آزادی اور حقوق پر کوئی اثر نہین پڑتا، اگر پڑتا ہے تو صرف اس قدر کہ امام ابوحنیفہ لڑکی کی راے اور مرضی کے مقابلہ مین ولی کو کسی قسم کا حق مداخلت نہین دیتے،

ل کتاب الام امام شافعی جلد ۵ صفحہ ۱۴۹،

امام شافعی کے نزدیک یہ ہے کہ ایسی صورت مین لڑکی سلطنت یعنی قاضی کے یہان مرافعہ کرکے اپنی مرضی کے مطابق اجازت حاصل کریگی اور اسوقت ولی کی راے اور مرضی کا کوئی اعتبار نہ کیا جائیگا،

البتہ کنواری لڑکی کے حق مین ان دونون مجتہدین کے درمیان سخت تخالف ہے، امام اعظم کنواری لڑکیونکی مرضی کے مقابلہ مین بھی ولی کی مرضی اور اجازت کو قانوناً کوئی ضروری چیز نہین سمجھتے اور امام شافعی ضروری سمجھتے ہین، اور ولی کی اجازت کے بغیر کسی کنواری لڑکی کا نکاح نادرست کہتے ہین، ولی نہو تو خاندان کا بڑا یا قاضی وقت اس کا ولی قرار دیا جائیگا،

امام مالک کا مسلک گو معتدل ہے تاہم علاوہ گویا امام ابوحنیفہ ہی کے مسلک کے قریب ہے کہ ادنی اور اعلے طبقہ کا فرق کرکے ادنیٰ درجہ کی لڑکی کے حق مین ولی کی مرضی کے بغیر نکاح کو درست کہنا اور اعلے طبقہ کی لڑکی کے لیے اس کو نامناسب سمجھنا، ولی کی اجازت کے مسئلہ کو قانونی حیثیت سے گراکر محض اخلاقی حیثیت قرار دیتا ہے، نیز ادنیٰ اور اعلیٰ کا فرق کرنا اور اس کا معیار مقرر کرنا عملاً نہایت مشتبہ ہے[1]،

امام شافعی نے اپنے مسلک پر قرآن، حدیث اور قیاس سے استدلال کیا ہے، قرآن پاک سے اُن کا استدلال یہ ہے، کہ قرآن پاک مین ہے،

فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ　　تو عورتون کو اپنے شوہرون سے نکاح سے نہ روکو،

امام شافعی کہتے ہین کہ اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ معقل بن یسار ایک صحابی کی بہن کو اُن کے شوہر نے طلاق رجعی دی تھی، مگر عدت کے اثنار مین شوہر دوبارہ اُن کو اپنی زوجیت مین لانا چاہتا تھا، وہ بی بی بھی یہی چاہتی تھین مگر اُن کے بھائی معقل بن یسار اپنے بہنوئی کے اس فعل سے ناراض ہوکر دوبارہ نکاح کی اجازت نہین دیتے تھے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی، کہ اولیا رکو عورت کی مرضی کے خلاف نہ کرنا چاہیے، امام شافعی کہتے ہین کہ اگر ولی کو روکنے کا حق نہوتا، تو معقل کیون روکتے اور کیونکر روک سکتے تھے،

[1] بغدادی مالکیون نے امام مالک کی راے امام شافعی کے موافق بھی نقل کی ہے، واللہ اعلم،

اور اس آیت کے اُترنے ہی کی کیا ضرورت تھی؟ اس سے معلوم ہوا کہ ولی کو روکنے کا حق حاصل ہے لیکن حتی الامکان عورت کی مرضی کے خلاف اُسکو نہ کرنا چاہیئے؛

امام شافعی کے اس استدلال پر جسکو خود اُنھون نے کتاب الام مین لکھا ہے، نہ صرف احناف بلکہ مالکیون نے بھی سخت اعتراض کیے ہین، اور ثابت کیا ہے کہ اس آیتِ پاک سے تو اُلٹا یہ ثابت ہوتا ہے کہ عورت کی مرضی کے خلاف مرد کو روکنے کا حق حاصل نہین ہے، قاضی ابوالولید بن رشد مالکی نے اپنی کتاب بدایۃ المجتہد مین نہایت خوبی سے اسکو ثابت کیا اور امام ابن الہمام نے بھی یہی لکھا ہے،

اس استدلال کا آسان جواب یہ ہے کہ جاہلیت مین مردون کو عورتون پر جو جابرانہ حقوق حاصل تھے، ان مین سے ایک یہ بھی تھا کہ ولی جس سے چاہتے تھے، نکاح کر دیتے تھے اور جس سے چاہتے تھے نہین کرنے دیتے تھے، حضرت معقل بن یسارؓ اسی رواج و عمل کے مطابق کسی شرعی حق سے نہین بلکہ زبردستی اور زور سے بہن کو یہ نکاح نہین کرنے دیتے تھے، قرآن پاک نے اس آیت سے اس رسم و رواج کو توڑ کر عورتون کو اُن کا مغصوبہ حق واپس دلایا، اس لیے اس آیتِ پاک سے امام شافعی کا اپنے مسلک پر استدلال میرے نزدیک صحیح نہین؛

اس کے بعد اُنھون نے اپنی تائید مین دو حدیثین نقل کی ہین، بیہقی اور دارقطنی نے سنن مین اور متعدد حدیثین ان کی تائید مین اضافہ کی ہین، مگر حق یہ ہے کہ امام شافعی کی پیش کردہ دو حدیثون کے علاوہ اور سب کی سب تمام تر ضعیف، کمزور اور مجروح ہین، امام شافعی نے جو دو حدیثین پیش کی ہین، ان مین ایک حضرت عائشہؓ سے اور دوسری حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے مروی ہے، پہلی حدیث یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ کہتی ہین کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا،

ایما امرءۃ نکحت بغیر اذن ولیھا فنکاحھا باطل ثلثا، فان دخل بھا فلھا	جو عورت اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرے تو اسکا نکاح باطل ہے، باطل ہے، باطل ہے،

المھر بما استحل من فرجھا فان اشتجروا — اگر شوہر نے خلوت کرلی ہو تو اسکو مہر ادا کرنا ہوگا اور اگر عورت اور

فالسلطان ولی من لا ولی لہ — اسکے ولی مین جھگڑا ہو تو حاکمِ وقت اسکی ولی ہے جس کا ولی کوئی نہو

یہ حدیث ترمذی، ابوداؤد، دارقطنی اور ابن ماجہ مین ہے، دوسری حدیث یہ ہے کہ حضرت ابوموسیٰؓ

کہتے ہین کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا،

لا نکاح الا بولی — کسی ولی کے بغیر کوئی نکاح نہین ہے،

یہ حدیث ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، دارقطنی او ر مسند احمد مین ہے، ان دونون حدیثون

کے متعلق پہلی بات یہ ہے کہ آج سے نہین بلکہ پہلی ہی صدی ہجری سے یہ بحث

چلی آتی ہے کہ یہ صحیح ہین یا نہین، چنانچہ یہ عجیب بات ہے کہ ایسے ضروری مسئلہ کے متعلق

نہ یہ اور کوئی صاف اور غیر مشتبہ حدیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم مین موجود ہے، اور غالباً جو اعتراضات ان

دونون حدیثون کی صحت پر کیے جاتے ہین انھین کی بنا پر امام بخاری اور امام مسلم نے صحیحین مین ان کو قبول

نہ کیا، اور امام مالک نے بھی موطا مین اس کے متعلق کوئی مرفوع حدیث نقل نہین کی، حالانکہ یہ ایک ایسا

مسئلہ ہے جس کی ضرورت ہر خاندان مین عموماً پیش آتی رہتی ہوگی،

بہرحال ان دونون حدیثون کا بھی یہ حال ہے کہ ان مین سے ایک بھی شکوک و شبہات اور اعتراضات

سے خالی نہین ہے، امام حاکم نے مستدرک مین مختلف طریقون سے ان حدیثون کے صحیح ثابت کرنے کی

بے انتہا کوشش کی ہے، امام ترمذی نے بھی ان اعتراضات کو صفائی کے ساتھ لکھا ہے، اور مختصراً جواب

دیا ہے، امام طحاوی عینی اور ابن ہمام نے ان جوابات پر مفصل تنقید کی ہے،

حضرت عائشہؓ کی حدیث حضرت عائشہ صدیقہؓ والی حدیث کا سلسلہ یہ ہے کہ ان سے عروہ، عروہ سے زہری،

زہری سے سلیمان بن موسیٰ اور سلیمان سے ابن جریج اور ان سے اور لوگ روایت کرتے ہین غرض اس کے

مرکزی راوی تنہا زہری ہین، زہری کے علاوہ اور کسی نے اس کو عروہ سے نقل نہین کیا ہے، ابن جریج نے

پہلے یہ روایت خود زہری سے نہین سُنی تھی، بلکہ اُنکے شاگرد سلیمان سے سُنی تھی، ابن جریج کہتے ہین کہ اسکے بعد مجھے خود زہری سے ملنے کا اتفاق ہوا تو مین نے اُن سے یہ حدیث دریافت کی تو اُنھون نے کہا مین نے اس قسم کی کوئی روایت بیان نہین کی ہے، اسکے بعد اس روایت کی کیا حیثیت رہجاتی ہے۔

سلیمان بن موسی (اموی) جو اس حدیث کا زہری سے سننا بیان کرتے ہین، وہ بہت بڑے فقیہ ہین اور محدثین کے ہان بھی وہ ثقہ مانے جاتے ہین، مگر ساتھ ہی وہ مدلس اور روایتون مین بے پروا تھے، اسی لیے ان کے ہان کمزور بلکہ منکر روایتین بھی ملتی ہین، اور ایسی روایتین بھی ملتی ہین جن کی تصدیق اُن کے ہم درس رفقاء نہین کرتے، امام بخاری کہتے ہین "عندہ مناکیر" یعنی ان کی حدیثون مین منکر روایتین بھی ہین، ابو حاتم کا قول ہے کہ انکی جگہ سچائی کی ہے، ان کی حدیث مین کچھ اضطراب ہوتا ہے، اور مکحول کے شاگردون مین ان سے بڑھکر اور کوئی مجھے نہین معلوم" امام نسائی کی ان کی نسبت یہ راے ہے کہ "وہ فقہاء مین سے ایک ہین، لیکن حدیث مین قوی نہین" ایک اور جگہ وہ کہتے ہین کہ "ان کی حدیث مین کچھ ہے" ابن عدی نے کہا ہے کہ "وہ فقیہ راوی ہین، ثقات نے اُن سے روایتین کی ہین، شام کے علماء مین سے ایک ہین، اور اُنھون نے چند ایسی حدیثین روایت کی ہین جن مین وہ تنہا ہین، اُن کے سوا کسی اور نے نہین روایت کی ہین اور وہ میرے نزدیک ثابت اور سچے ہین" ابن المدینی کا بیان ہے کہ مرنے سے پہلے ان کا حافظہ خراب ہو گیا تھا،

ان بیانات کے بعد اس خاص روایت پر غور کیجیے کہ وہ امام زہری سے اس کا سننا بیان کرتے ہین، اور وہ اس سے انکار کرتے ہین اور اُن کا مسلک بھی اس کے خلاف ہے، حضرت عائشہؓ کی طرف یہ روایت منسوب کی جاتی ہے، حالانکہ اس کے خلاف ان کا عمل صحیح مستند ذریعہ سے ثابت ہے، اس روایت مین دو باتین ایسی ہین، جن کی تصدیق کسی اور روایت سے نہین ہوتی، ایک کہ ولی کی وساطت کی نہین بلکہ ولی کی اجازت اور اذن کی قید، اور دوسرے یہ تحتی کہ اگر کسی عورت نے ولی کی اجازت اور اذن کے بغیر نکاح کر لیا تو وہ نکاح باطل ہے، باطل ہے" باطل ہے" حالانکہ اس سے زیادہ مستند اور صحیح حدیثون کے رو سے کم از کم ثیبہ کیلئے اس اجازت اور اذن کا غیر ضروری ہونا غیر مشتبہ طریقہ سے ثابت ہے، جیسا کہ اس مضمون کے گذشتہ نمبرون مین بہ تفصیل گذر چکا ہے،

اس حدیث کے بعض طرفداروں نے دو جوابات دیے ہیں، ایک یہ کہ ممکن ہے کہ امام زہری کو اپنی یہ روایت سلیمان بن موسی سے بیان کرنے کے بعد یاد نہ رہی ہو، اس قسم کا واقعہ اور بزرگوں کو بھی پیش آیا ہے، دوسرے یہ کہ ابن جریج سے زہری کے اس انکار کے راوی ابن علیہ (اسماعیل بن ابراہیم بن مقسم) ہیں، ان ابن علیہ کی نسبت یہ کہا ہے کہ وہ حدیث کے ماہرین میں نہ تھے، پہلا جواب اس وقت تک قابل قبول نہیں ہو سکتا جب تک امام زہری کے اس سوء حافظہ کی نسبت معتبر لوگوں کی شہادتیں نہ ملیں اور ایسی کوئی شہادت قطعاً موجود نہیں ہے، اور اگر بالفرض ایسی شہادتیں مل جائیں تو معاذاللہ پھر امام زہری کا بھی اعتبار جاتا رہے، حالانکہ علم حدیث کی عمارت کے سب سے بڑے رکن ہیں، ان کے گرنے سے یہ ساری عمارت ہی متزلزل ہو جائے گی، اس موقع پر دوسرے بزرگوں کی اس قسم کی نظیریں پیش کرنا بیکار ہے کہ زید کے سوء حافظہ کے ثبوت سے بکر کا سوء حافظہ ثابت نہیں ہو سکتا،

دوسرا جواب پہلے سے بھی زیادہ لغو ہے، ابن علیہ ان محدثین میں ہیں جو ردو قدح اور اعتراض وجرح سے بالاتر ہیں، ان کی جلالت شان اور مہارت فن پر تمام محدثین کا بلا استثنا اتفاق عام ہے، ان کی یہ شان ہے کہ تمام عمر میں صرف ایک دفعہ ایک نام کی تبدیلی کے سوا اور کوئی غلطی اُن سے نہیں ہوئی، چنانچہ ارباب نقد کی ان کی نسبت رائیں سنیے، شعبہ کہتے ہیں "وہ فقہا کے پھول ہیں، محدثوں کے سردار ہیں" ابن مہدی کہتے ہیں "ابن علیہ ہشیم سے بڑھ کر ہیں" قطان کی رائے ہے کہ "وہ وہیب سے بڑھ کر ہیں" حماد بن سلمہ اُن کے سوا کسی اور کو خاطر میں نہیں لاتے تھے، امام احمد فرماتے ہیں "بصرہ میں علم حدیث کے وہ مرکز و منتہی ہیں" یحیی بن معین کہتے ہیں "ثقہ ہیں، مامون ہیں، مسلم الثبوت راستگو ہیں، پرہیزگار اور متقی ہیں" امام باقر (غندر) کہتے ہیں "میری طلب علم کے زمانہ میں اُن سے بڑھ کر کوئی نہیں سمجھا جاتا تھا" قتیبہ کی روایت ہے کہ "محدثین صرف چار حافظ حدیث تسلیم کرتے تھے، جن میں ایک وہ تھے، ایک دفعہ کوفہ اور بصرہ کے محدثین ایک جگہ جمع تھے، اور دونوں شہروں کی علمی فضیلت کا مناظرہ درپیش تھا، اس وقت کوفہ

کے محدثین نے کہا کہ "تم اپنے مین سے ابن علیہ کو مستثنیٰ کرکے جسکو چاہو ہمارے مقابلہ مین پیش کرو"
زیاد بن ایوب کہتے ہین کہ ہم نے ابن علیہ کے سامنے کتاب نہین دیکھی، اور وہ ایک ایک حرف کو
گن گن کر بولتے تھے" ابو داؤد کہتے ہین کہ "محدثین مین کوئی ایسا نہین ہے جس سے بلا قصد کوئی غلطی
نہ ہوگئی ہوگی لیکن دو شخص اس سے مستثنیٰ ہین، ابن علیہ اور بشر بن مفضل" امام نسائی کا قول ہے کہ "وہ ثقہ اور ثبت
ہین" ابن سعد کی شہادت ہے کہ "وہ ثقہ حدیث مین مستند (ثبت) اور حجت ہین" علی بن المدینی فرماتے ہین کہ
"مین نہین کہہ سکتا کہ حدیث مین ان سے بھی زیادہ کوئی مستند (اثبت) پایا جاتا ہے" عثمان بن ابی شیبہ
کہتے ہین کہ "اہل بصرہ مین کسی کو مین ان پر فضیلت نہین دے سکتا" ان سب باتون پر مستزاد یہ ہے کہ ان کے
خلاف کوئی ایک جرح بھی منقول نہین کیا ایسے شخص کی نسبت کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ اس نے حدیث مین پوری محنت
نہین کی تھی، کما روی الترمذی ولحا نکم عن احمد، وقد قد حا قال فیہ احمد،

اس پوری تفصیل کے بعد اب غور کیجئے کہ زہری سے سلیمان بن موسی جن کا حال آپ سن چکے یہ روایت
کرتے ہین کہ مین نے یہ سنا اور اُن سے سنکر ابن جریج سے یہ روایت بیان کی، ابن علیہ جن کی جلالت و عظمت کا
حال بھی آپ کی نظر سے گذر چکا وہ یہ کہتے ہین کہ ابن جریج نے زہری سے ملکر جب اس روایت کی تصدیق
چاہی تو انھون نے کہا کہ مین نے یہ نہین بیان کیا، اب اعتبار اور استناد کا پلہ کدھر جھکتا ہے اور کس کی تصدیق
و توثیق اس باب مین مقدم ہے، آپ خود فیصلہ کر لیجئے،

اس تمام تفصیل کا نتیجہ یہ نکلا کہ یہ حدیث کہ جس کے رو سے یہ ثابت کیا جاتا ہے کہ ولی کے اذن و اجازت
کے بغیر کوئی نکاح جائز نہین پایۂ اعتبار سے ساقط ہے،

اب رہی دوسری حدیث

حضرت ابو موسیٰ کی حدیث | یہ حدیث حضرت ابو موسیٰ رض سے مختلف طریقون سے روایت کی جاتی ہے کسی مین کوئی

لہ تہذیب التہذیب،

نام بڑھادیا جاتا ہے کسی مین کوئی نام گھٹا دیا جاتا ہے،

حضرت ابوموسیٰ سے اس کے تنہا راوی ابو بردہ ہین، اور اُن سے تنہا راوی ابو اسحاق ہین، ابو اسحاق سے پھر اُن کے متعدد تلامذہ روایت کرتے ہین، اب اس روایت کے اختلاف طرق کو دیکھیے،

۱۔ اسرائیل، شریک اور ابوعوانہ وغیرہ نے اس طریق سے روایت کی ہے، عن ابی اسحاق عن ابی بردۃ، عن ابی موسیٰ، عن النبی صلعم،

۲۔ اسباط بن محمد و زید بن حباب اس طرح نقل کرتے ہین، عن یونس بن ابی اسحاق عن ابی بردۃ عن ابی موسیٰ عن النبی صلعم یونس بن ابی اسحاق کا اضافہ ہے،

۳۔ ابوعبیدالحداد کی روایت، عن یونس بن ابی اسحاق عن ابی بردۃ، عن ابی بردۃ عن ابی موسیٰ، عن النبی صلعم، ابواسحاق کو حذف کردیا،

۴۔ بروایت بعض، عن یونس بن ابی اسحاق عن ابی بردۃ عن النبی صلعم، شروع سے ابواسحاق اور آخر سے ابوموسیٰ کا نام نکل گیا،

۵ شعبہ اور ثوری کا طریقہ یہ ہے، عن ابی اسحاق عن ابی بردۃ عن النبی صلعم،[1] آخر مین حضرت ابوموسیٰ رضؓ کا نام نہین،

ابواسحاق اور ابن ابی اسحاق کے ابتدائی اختلاف سے قطع نظر کرکے اصل خرابی اسمین یہ ہے کہ ابواسحاق سے اکثر اصحاب اس کو موصول روایت کرتے ہین، یعنی ابواسحاق سے آنحضرت صلعم تک سلسل اسحاق، ابوبردہ سے اور ابوبردہ ابوموسیٰ سے اور ابوموسیٰ آنحضرت صلعم سے، مگر بعض لوگ جن مین سب سے اہم شخصیتین شعبہ اور امام ثوری کی ہین، انھون نے اسکو مرسل روایت کیا ہے، یعنی اس طرح کہ وہ ابواسحاق سے اور ابواسحاق

[1] جامع ترمذی کا جو نسخہ ۱۲۶۵ھ مین مطبع العلوم دہلی مین مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری کے زیر تصحیح چھپا ہے، وہ اس موقع پر غلط ہے، اسمین صرف حضرت شعبہ اور ثوری کی روایت کی سند عن ابی اسحاق عن ابی موسیٰ عن النبی صلعم لکھی ہے، اور دوسری سند بھی غلط ہے اس مین عن ابی اسحاق بڑھا دیا ہے، دیکھو طبع مجتبائی دہلی اور فتح الباری ۹ - ۱۵۷ و مستدرک ۲ - ۱۷۰،

ابو بردہ سے اور ابو بردہ اسکو آنحضرت صلعم کی طرف منسوب کرتے ہین، یہ طریقہ مرسل ہی، کیونکہ ابو بردہ تابعی ہین آنحضرت صلعم کو نہین پایا تھا، اب اگر یہ موصول صحیح ہو جیسا کہ اور لوگ کہتے ہین تو یہ حدیث سند کے قابل ہی اور اگر یہ مرسل ہے جیسا کہ شعبہ اور ثوری نے نقل کیا ہے تو یہ حجت نہین ہو سکتی، گو ابو اسحاق سے روایت کرنیوالون کی کثیر تعداد اس کو موصول کرکے نقل کرتی ہے مگر مشکل یہ ہے کہ وثوق حفظ، شہرت اور فضل و کمال کے لحاظ سے ان مین شعبہ اور ثوری کا کوئی ہمسر نہین، اس بنا پر شعبہ اور ثوری جب اس روایت کو مرسل اور غیر مرفوع کہتے ہین تو عام افراد کو اُن کے خلاف ترجیح دیکر اس کو موصول قرار دینے مین بہت سے لوگون کو تامل ہے،

اس روایت کے طرفدارون نے دو کوششین کی ہین، اول یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ گو عام طور سے شعبہ اور ثوری سب سے بہتر ہین، مگر خاص ابو اسحاق کی مرویات مین اسرائیل کو ان پر بھی ترجیح ہے اور اسرائیل نے اس کو موصول نقل کیا ہے، اس لیے یہ موصول ہو کر قابلِ حجت ہے، دوسری کوشش یہ کی ہی کہ یہ کہدیا کہ ثوری نے بھی اس کو موصولاً (عن ابی بردۃ عن ابی موسی) روایت کیا ہے، مگر یہ دوسری کوشش تمامتر لغو ہے، سفیان ثوری نے اپنی جامع مین اس کو مرسل ہی نقل کیا ہے، اسی لیے امام ترمذی نے صاف کہدیا ہے کہ یہ صحیح نہین ہے، البتہ یہ درست ہے کہ ابو اسحاق کی مرویات مین اسرائیل بہت زیادہ مستند ہین، پھر یہ کہ شعبہ اور ثوری دونون نے ایک ساتھ ایک مجلس مین ابو اسحاق سے اس کو سنا ہے، اور دوسرون نے مختلف وقتون اور مختلف مجلسون مین اسکو ابو اسحاق سے سنا، کسی مدرس و محدث کا ایک مجلس مین غلطی کرنا ممکن ہے، اس لیے قرینہ غالب یہ ہے کہ اس بارہ مین شعبہ اور ثوری کے مقابلہ مین دوسرے کثیر اشخاص کی سماعت جو اس کو موصول بیان کرتے ہین، زیادہ صحیح ہو،

اس معنی کی اور بھی متعدد حدیثین لوگون نے حضرت ابن عباسؓ وغیرہ صحابہ سے روایت کی ہین۔ مگر وہ تمامتر مجروح و ضعیف اور بیشتر مراسیل ہین اور محدثینِ احناف نے ان مین سے ہر ایک کا ضعف ظاہر کردیا ہے، تاہم اس مین شک نہین کہ ان کی مجموعی تائید سے ابو اسحاق کی اس روایت کی صحت زیادہ قوی ہو جاتی ہے،

اسی لیے اُن محدثین نے بھی جو اس روایت کو صحت کے اعلیٰ معیار پر نہین جانتے اس کو قبول کرنے کی طرف اپنا میلان ظاہر کیا ہے، چنانچہ امام بخاری نے باوجود اس کے کہ اس کو اپنے شرائط کے مطابق نہ پاکر اپنی کتاب مین درج نہین کیا ہے تاہم ان الفاظ لا نکاح الا بولی کو عنوانِ باب قرار دیکر بعض آیتون اور بعض حدیثون سے اسکو مستنبط کرکے ثابت کرنا چاہا ہے، تاہم چونکہ دلائل زیادہ مضبوط نہ تھے، اس لیے امام موصوف نے اُدھر کے میلان کے باوجود باب کا عنوان یہ رکھا ہے،

باب من یقول لا نکاح الا بولی — ان لوگون کی دلیلون کا باب جو یہ کہتے ہین کہ ولی کے بغیر نکاح نہین،

اس سے معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک بھی دوسرے فریق کے لیے پاؤن ٹیکنے کی جگہ ہے، اس کے بعد امام موصوف نے ان تین آیتون کو نقل کیا ہے جن مین اللہ تعالیٰ نے مردون کو خطاب کرکے مسلمان عورتون کے نکاح اور کافر عورتون کے عدم نکاح کا حکم دیا ہے، مگر ان آیتون کے مقابلہ مین جو دوسری آیتین ہین جن مین خود عورتون کی طرف نکاح کے فعل کو منسوب کیا گیا ہے چھوڑ دیا ہے، پھر تین حدیثین نقل کی ہین جن مین سے ایک معقل بن یسار صحابی کی بہن کا واقعہ ہے، کہ اُن کے بھائی نے ان کی شادی کردی، دوسرا حضرت عائشہؓ کا تاریخی بیان ہے کہ عرب مین چند طرح کے نکاح جاری تھے، اسلام نے ایک کے سوا سب کو حرام کردیا، اور ایک جسکو جائز کیا وہ وہی ہے جس کا آج رواج ہے، یعنی یہ کہ ایک شخص دوسرے شخص کو اس کے زیر ولایت لڑکی یا بیٹی کی نسبت نکاح کا پیغام دیتا ہے، وہ اس کو قبول کرلیتا یا انکار کردیتا ہے، تیسری حدیث اس بدصورت دولتمند یتیم لڑکی والی پیش کی ہے جسکے ولی اس کی بدصورتی کی سبب سے نہ خود نکاح کرتے ہین، اور نہ دولت کے ہاتھ سے نکل جانے کے خوف سے اس کو دوسرے سے بیاہ دیتے ہین، ایسے اولیاء کو اس فعل سے منع کیا گیا ہے، چوتھا واقعہ حضرت حفصہؓ کا پیش کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ان کا نکاح آنحضرت صلعم سے کردیا،

مگر میری راے مین ان مین سے کوئی حدیث اصل مدعا پر منطبق نہین ہوتی، معقل بن یسار کے واقعہ سے یہ ثابت ہوا کہ لڑکی کی مرضی کے مطابق ولی کو حکم الٰہی سے مجبور ہو کر نکاح کردینا پڑا، اور ولی کو مخالفت کا

کوئی اختیار نہ رہا، دوسری حدیث سے مسئلہ کی عام صورت رائج الوقت معلوم ہوئی، جو عموماً آج بھی وہی ہے، اس کا یہ منشا نہیں ہے کہ صرف یہی طریقہ جائز ہے، خود آنحضرت صلعم کے نکاح ہوئے ہین، آنحضرت صلعم نے بعض مسلمان عورتون کے نکاح کیے ہین، خود حضرت عائشہؓ نے اپنی بھتیجیون کے نکاح کیے ہین مگر مخصوص اس صورت پر نہین ہے اور بہت سے صحابہ نے براہ راست عورتون کو پیغام دیے ہین، اس کے لیے اس مین عام رائج کثیر الوقوع صورت کا صرف تذکرہ ہے، دوسری صورت کی ممانعت نہین ہے جو تھا واقعہ صرف اس کو ظاہر کرتا ہے کہ باپ اپنی لڑکی کا پیغام دے سکتا ہے، اور اس کا نکاح پڑھا دے سکتا ہے اور انمین سے کسی بات سے اس کو انکار نہین،

پھر وہی ایک حدیث رہ جاتی ہے کہ لا نکاح الا بولی اس کے صحیح مان لینے کے بعد بھی یہ بحث باقی رہ جاتی ہے کہ اس حدیث کا مطلب اور منشا کیا ہے،

اتحاد (بہار شریف) کا سالگرہ نمبر

صوبۂ بہار کے واحد ہفتہ مین دو بار شائع ہونے والا اخبار اتحاد کا سالگرہ نمبر نہایت اہتمام کے ساتھ ماہ ستمبر مین شائع ہوگا، اسمین مشہور اہل قلم حضرات کے مضامین، اعلیٰ تصویرین، رنگین اور سادہ نقشے اور کارٹون وغیرہ بکثرت ہون گے، اس کا حجم سنو صفحون سے زیادہ ہوگا اور دس ہزار کی تعداد مین چھپے گا، صوبۂ بہار اسلامی ہندوستان کا اہم صوبہ ہے، اسکے حالات سے دوسرے صوبون کے لوگون کو واقف ہونا چاہیئے، جس کا ذریعہ صرف اخبار اتحاد ہے، اسکی عام قیمت سے سالانہ ہے، اور اس کے آئندہ سالگرہ نمبر کی قیمت فی جلد مع محصولڈاک رجسٹری فیس صرف ۱۲؍ مشتہرین کے لیے نادر موقع ہے، اس صوبہ مین ان کے تجارتی سامانون سے واقفیت اسی اخبار سے ہو سکتی ہے، اشتہار کا خاص رعایتی نرخ مینیجر اتحاد بہار شریف (پٹنہ) سے فوراً طلب کیجیے،

امریکہ کولمبس سے پہلے معلوم تھا

از جناب سردار محمد صاحب اسسٹنٹ پروفیسر کیمسٹری زراعتی کالج، لائل پور

معارف جلد ۱۹ نمبر ۲ مین ورلڈ ٹوڈے کے فروری ۱۹۲۷ء کے حوالہ سے ایک مختصر سا نوٹ اس مضمون کا تھا کہ امریکہ کولمبس سے عرصہ پہلے معلوم تھا، مجھے یہ مضمون دیکھنے کا شوق پیدا ہوا، چنانچہ مین نے "ورلڈ ٹوڈے" کا مندرجۂ بالا نمبر منگوایا، مضمون نہایت دلچسپ ہے، اس کے ترجمہ کا خیال پیدا ہوا، لیکن رسالۂ ہذا کے سرورق سے معلوم ہوا کہ مضمون زیر بحث کے ترجمہ کی اجازت نہین ہے، مین نے رسالۂ مذکور کے منیجر کو اجازت کے لیے لکھا وہ خود اجازت نہین دے سکتا تھا، چنانچہ اس نے میری چٹھی ورلڈ ورکس کے کارکنون کے پاس بھیجدی، جنھون نے نہ صرف اجازت ہی دی، بلکہ "ورلڈ ورکس" کے ایک نمبر کا حوالہ بھی دیا، جس مین یہی مضمون اس سے پہلے شائع ہوچکا تھا، یہ مضمون خاص طور پر کالی دنیا کے لوگون کے لیے بہت دلچسپ ہے، کیونکہ امریکہ کی دریافت مین اُن کا بھی بہت سا حصہ معلوم ہوتا ہے، لہذا مضمون ہذا کا اقتباس ہدیۂ ناظرین ہے، مین کارپردازان "ورلڈ ورکس" کا سپاس گذار ہون جنھون نے بڑی خوشی سے مجھے اپنا شوق پورا کرنے کی اجازت دی،

(سردار محمد)

گذشتہ ۴۳۴ سال تک کولمبس کو دنیا بڑی عزت اور احترام کی نظر سے دیکھتی رہی ہے اسے سیرت کا نمونہ اور مردانہ وار کامیابی کی ایک مثال کے طور پر پیش کیا جاتا رہا ہے، بلکہ یہ عزت و احترام ادب اور محبت کے درجہ تک پہنچ چکا تھا، گذشتہ چند سال مین جو تحقیقات ہوچکی ہے وہ بہت ہی حیرت انگیز ہے، کیونکہ اس کے نتائج کے مطابق اگر کولمبس کا نام اپنی تمام شہرت نہ کھو بیٹھے، تو کم از کم اس شہرت مین کمی ضرور واقع ہو جائے گی، نئی تحقیقات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کولمبس گو بہت بڑا اور نہایت اچھا انسان ہو لیکن

لیکن اُس نے امریکہ کو دریافت نہین کیا تھا، بلکہ اب تو کولمبس کی اپنی ذات کے متعلق تحقیقات نہایت ضروری ہوگئی ہے، جن محققون نے اس مضمون پر دماغ سوزی کی ہے، وہ گذشتہ چند سالون سے بکار بکار کر اعلان کر رہے ہین کہ امریکہ کی دریافت کا سہرا کولمبس کے سر پر غلطی سے رکھ دیا گیا ہے، عوام تو ایک طرف اس مضمون مین دلچسپی لینے والے اصحاب نے بھی ابھی تک اس نئی دریافت کی طرف توجہ نہین کی، چنانچہ نتیجہ یہ ہے کہ کولمبس کی شہرت کو ابھی تک معتد بہ صدمہ نہین پہنچا، وجہ یہ ہے کہ تحقیقات کے نتائج تو شایع کئے گئے ہین، لیکن ایسی زبان مین اور ایسی کتابون اور رسالون مین جو عوام مین ہر دلعزیز نہین ہین اور مضامین کے علاوہ جو وقتاً فوقتاً اس موضوع پر شایع ہوتے رہے ہین، حال ہی مین لیو وینر آف ہارورڈ (Leo Wiener of HARVARD) کے قلم سے ایک کتاب تین جلدون مین شایع ہوئی ہے، اس مین نہایت واضح طور پر اور ریزۂ الفاظ مین ثابت کیا گیا ہے کہ کولمبس نے حاشا وکلا امریکہ دریافت نہین کیا، لیکن افسوس یہ ہے کہ یہ کتاب بھی عام فہم نہین، بلکہ عوام کے لیے اس کا مطالعہ شاید ایسا ہی بے لطف ہو، جیسے کہ اقلیدس یا رقبات کے مضمون کا، اور کتاب کا نام یعنی "افریقہ اور امریکہ کی دریافت" ایسا ہے کہ فوراً اس کے پڑھنے سے اس کے اندر کے نفس مضمون کے متعلق گمان تک بھی نہین ہو سکتا،

آج سے چند سال پہلے جب مسٹر وینر نے امریکہ کے اصلی باشندون کی زبان کا مطالعہ شروع کیا تو اس کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی، جو اصحاب وینر کی قابلیت سے واقف ہین انھین خوب معلوم ہے کہ وینر انسانی زبان اور اسکے متعلق قواعد و قوانین کے نہایت اعلیٰ درجہ کے ماہرون مین سے ہے، چھبیس زبانون مین وینر نہایت آسانی سے گفتگو کر سکتا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ امریکہ کی ہر نسل اور ہر قسم کے باشندون کے ساتھ وہ انھی کی زبان مین ہم کلام ہو سکتا ہے، اس کے علاوہ اُسے ہر اس طریقہ کے متعلق جو بنی نوع انسان آپس مین تبادلۂ خیال کے لیے استعمال کرتے رہے ہین، عالمانہ واقفیت ہے، ان معلومات کے

ساتھ اس نے امریکہ کے اصلی باشندون کی زبانون کے متعلق تحقیقات شروع کی چنانچہ اُسے معلوم ہوا کہ ان کی زبان مین غیر ملکی الفاظ کی بہت زیادہ ملاوٹ ہے، غیر ملکی زبانون مین سے جن کے الفاظ امریکہ کی اصل زبان مین مِل چکے ہین، انگریزی، فرانسیسی، ہسپانوی اور پرتگالی زبانین خاص طور پر قابل ذکر ہین، لیکن سب سے پہلے داخل ہونے والے الفاظ عربی زبان کے ہین اور ونیر کا خیال ہے کہ یہ الفاظ امریکہ کی اصل زبان مین ۱۲۹۰ء کے قریب داخل ہوے ہین، یہ سنہ یاد رکھنے کے قابل ہے کیونکہ کولمبس نے امریکہ کی دریافت کا شور دنیا مین اس کے دو سو سال بعد مچایا، ونیر کی مندرجۂ بالا کتابون کے شایع ہونے کے بعد کی تحقیقات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ۱۲۹۰ء سے بھی دو سو سال پہلے غیر زبانون کے الفاظ امریکہ کی اصلی زبانون مین شامل ہو چکے تھے،

حقیقت یہ ہے کہ ونیر سے پہلے چند ایک نہایت ممتاز ہستیان جن مین سے فرانس کا ایک سابق سفیر متعینۂ نیویارک بھی ہے، کولمبس کو امریکہ دریافت کرنے والا خیال نہین کرتی تھین، لیکن علوم السنہ کی بنا پر ونیر کے اعلان سے پہلے اُنھین ایسے اخذ کردہ نتائج پر پورا بھروسہ نہین تھا، چنانچہ اب اُن کے شبہات بالکل دور ہوگئے ہین،

اس مین شبہ نہین کہ مندرجۂ بالا بیان حیرت انگیز ہی نہین، بلکہ ایسا ہے کہ بہت جلدی اس پر یقین کرنے کو طبیعت تیار نہین ہوتی، لیکن ہمین یہ یاد نہین رہتا کہ ہم سے پہلے دنیا مین قومین ہوگذری ہین، اگر اقوامِ سلف کا خیال ہمین آتا ہے، تو صرف اس طرح سے کہ ہم ان کو وحشی اور غیر مہذب خیال کرتے ہین جو بڑی مشکل سے زیست بسری کرتی ہون گی، دراصل چودھوین اور پندرھوین صدی کی اقوام نے جہازرانی مین وہ وہ کارہائے نمایان کیے ہین کہ ان کے متعلق ہمین واقفیت ابھی ہونی شروع ہوئی ہے، کولمبس سے پہلے بحرِ اوقیانوس مین جہازرانی خوب زور شور سے ہوتی تھی، اور مغربی یورپ کے بحری سوداگر نہایت کامیابی سے تجارت کرتے تھے، اُن کے تجارتی بیڑے اچھی طرح

مستحکم تھے، اپنی تجارت کو نئے میدانون مین پھیلانے کی وہ ہمیشہ کوشش کرتے رہتے تھے چنانچہ نئے علاقے قدرتی طور پر دریافت ہوتے رہتے تھے،

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر امریکہ کولمبس سے مدت پہلے دریافت ہو چکا تھا، تو یہ امر صیغۂ راز مین کیون رہا، اور ایسی طرح سے کہ کسی تاریخ مین اس کا ذکر نہین آتا، یہ بات بلاخوفِ تردید ثابت ہو چکی ہے کہ کولمبس سے اگر زیادہ نہین، تو کم از کم ایک سو سال پہلے ڈیپی اور روون (Deppen, Roven) کے فرانسیسی سوداگر افریقہ کے ساحل گینی (Guinea) اور غالباً جنوبی امریکہ کی خلیجون مین سونا، ہاتھی دانت، مسالہ، کھالون اور قیمتی پتھرون وغیرہ وغیرہ کے لیے جایا کرتے تھے، یہ بھی ثابت ہو چکا ہے کہ ان کی تجارت ایسی ہی باقاعدہ اور مستحکم تھی جیسی کہ آج کل کی کمپنیون کی لیکن اس سب تجارت کو جہان تک ہو سکتا تھا خفیہ رکھا جاتا تھا، وجہ یہ تھی کہ اس زمانہ مین تجارت کے علاوہ جنگ وجدال بھی ایک باقاعدہ پیشہ تھا، چھوٹے چھوٹے بادشاہ روزمرہ کی زندگی سے تنگ آ کر کسی قریبی کے ساتھ لڑائی کے میدان مین شہرت کے متلاشی ہوتے تھے لیکن لڑائی مین خواہ وہ شہرت کے لیے ہو، خواہ حفاظت کے لیے، روپیہ کی ضرورت ہے، جس کے لیے سوداگرون پر بہت بھاری ٹیکس لگائے جاتے تھے، عوام کے پاس اس قدر روپیہ نہین ہوتا تھا کہ اُن کے پاس سے ٹیکس وصول کرنے کی زحمت گوارا کی جاتی، چنانچہ سوداگر لوگ اپنی دولت اور اُس کے منبع اور ماخذ کا علم جہان تک ہو سکے کسی اور کو ہونے نہین دیتے تھے، نہایت خاموشی سے جہاز ڈیپی اور روون سے رخصت ہو جاتے تھے، اور ایسے ہی چپکے سے واپس آ داخل ہوتے تھے، سوداگرون کے علاوہ اور کسی کو علم تک نہین ہوتا تھا، کہ جہاز کب اور کہان گئے، اور کب واپس آئے، اب ہمین اچھی طرح سے معلوم ہے کہ ڈیپی کے مقام پر ان سوداگرون کا ایک بحری دفتر تھا، جہان کاروبار کے متعلق ہر قسم کے کاغذات رہتے تھے، اور وہان بھی ان کا محکمۂ اطلاعات تھا، ابھی تک یہ دریافت کرنا باقی ہے کہ اس طریقہ پر کاروبار کتنے عرصہ تک ہوتا رہا، لیکن یہ امر یقینی ہے

کہ کئی صدیون تک ایسا ہوتا رہا، اور وہ زمانہ کولمبس کی پیدائش سے بہت پہلے تھا، اس بحری دفتر مین ہر جہاز کا کپتان سفر سے واپسی پر اپنے سفر کا مفصل بیان اپنے آقاؤن اور دوسرے کپتانون کے آیندہ سفرون مین رہبری کے لیے پیش کرتا تھا، جہازون کے افسر نہایت قابل اور اپنے زمانہ کے چیدہ جہاز ران ہوا کرتے تھے، اور دنیا کے نئے ملکون مین اپنی تجارت کو پھیلانے مین ہر ایک دوسرے پر سبقت لیجانیکی کوشش کرتا تھا، ہر کپتان کو باقاعدہ لائسنس لینا پڑتا تھا، اور بحری تجارت اور اس کی ملازمت نہایت باقاعدہ طریقون پر تھی،

سنہ ۱۶۹۴ء مین اس بحری دفتر پر ایک مصیبت نازل ہوئی، جسکی وجہ سے اس کا کوئی نشان باقی نہ رہا، انگلستان اور فرانس کے درمیان لڑائی کے دوران مین ڈیپی پر گولہ باری ہوئی، اور بحری دفتر اور گودام مع کاغذات کے تلف ہوگئے لیکن خوش قسمتی سے کچھ مواد باقی رہ گیا جس نے اس عقدہ کے حل کرنے مین بہت مدد دی ہے، ہر زمانہ کے تاجرون کی طرح اس وقت بھی تاجرون مین کچھ نہ کچھ باہمی اختلافات ہوا کرتے تھے، چنانچہ ایک موقع پر ایک تنازعہ قانونی عدالت تک گیا، عدالت مین اصلی کاغذات یا اُن کی مصدقہ نقلون کا پیش ہونا ضروری تھا، خوش قسمتی سے ڈیپی کے بحری دفتر کے کچھ کاغذات کی نقول عدالت کی مثلون مین شامل ہوگئین اور وہان محفوظ رہین، ان کاغذات کے مطالعہ سے محققین کو مقصود بحری تجارتی مرکز، اُس کے کاروبار اور اس زمانہ کے متعلق جسمین اس کا کاروبار عروج پر تھا بہت سی معلومات حاصل ہوئی تھین، مثلاً دستاویزات موجود ہین جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ڈیپی مین اور تجارتی کمپنیون کے علاوہ ایک کمپنی تھی جس کا نام انگوٹ برادران تھا، اور یہ سنہ ۱۴۸۰ء سے سنہ ۱۵۱۵ء تک رونق پر رہی، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ مین اس کمپنی کی ایسی ہی شہرت تھی، جیسے کہ آجکل رونتھ چارلڈز (Rothchilds) کی ہے یہ یاد رہنا چاہیے کہ اس کمپنی کا کاروبار کولمبس سے کم از کم پچیس سال پہلے پورے زورون پر تھا، اور ایسی نامی کمپنیان

آناً فاناً ظہور مین نہین آجایا کرتین، بلکہ اُس کے معراجِ ترقی سے عرصہ پہلے کاروبار شروع ہوا ہوگا،

یہ مسلمہ امر ہے، کہ انگوٹ برادران سے ایک مدت پہلے ڈیپ کے جہاز ران ساحلِ گنی سے واقف تھے اور ڈیپ والون کا اس ساحل سے تعارف پرتگال والون کی اس کی سرکاری دریافت سے جو ۱۴۱۹ء مین ہوئی بہت پہلے کا تھا،

جافرل (Gaffarel) کی تحریر کے مطابق ایک فرانسیسی مین کزن (Jean Cousin) نامی ۱۴۸۹ء مین برازیل گیا، اور وہان سے راس امید دگڈ ہوپ کے راستہ سے واپس آیا، اس سفر مین اس کا کوئی نقصان جان نہین ہوا، اس زمانہ کے ادر بیانات سے جافرل کی تصدیق ہوتی ہے ممکن ہے، کزن کا برازیل جانا اتفاقیہ ہو، اس زمانہ مین ماہر جہاز رانون کے پاس مقناطیسی کمپاس وغیرہ آلات ہوتے تھے، جن کی مدد سے وہ راستہ تلاش کرلیتے تھے، کزن کے زمانہ مین افریقہ کے مغربی کنارے کے ساتھ ساتھ پانی کے اندر بہت سے چھوٹے چھوٹے جزیرے تھے، جزائرِ کیزی (Canary Islands) کی دریافت ان خطرات سے نکلنے کے لیے نہایت ضروری تھی، صرف تجربہ اور عادت کی بنا پر جہاز ران جزائرِ کیزی سے مغرب کی جانب چل نکلتے تھے، اچھی خاصی دور جاکر جنوب کی سمت مُڑتے تھے، تجربہ اور عرض بلد کے علم سے ان کو معلوم ہوجاتا تھا کہ وہ سونا پیدا کرنے والے ساحل کے بالمقابل پہونچ گئے ہین، وہان سے سیدھے مشرق کی جانب چلے جاتے تھے، افریقہ کے سب سے مغربی اور امریکہ کے سب سے مشرقی نقاط کے درمیان صرف ۱۵ سو میل کا فاصلہ ہے، ان دونون کے درمیان خلیجی رو (Gulf Stream) جسکا اس وقت کسی کو علم نہین تھا، پہلے شمالاً بعد مین غرباً بہتی ہے، ممکن ہو سکتا ہے، کہ کزن جیسا جہاز ران اس کے چکر مین پھنس کر رَو کے ساتھ ہی بہ نکلا ہو،

اس تمام واقعہ کی تفصیل اور برازیل کی دریافت نہایت دلچسپ ہوگی، لیکن کزن کے واپس

آنے کی رپورٹ ان سب سے زیادہ دلچسپ اور سبق آموز ہے سفر پر جاتے وقت گرزن اپنے ساتھ
ہسپانوی نسل کے ایک ماہر جہازران پنزن ر (PINZON) نامی کو اپنے ساتھ لے گیا، پنزن کا
کولمبس کے سلسلہ مین یاد رکھنا ضروری ہے جیسا کہ ابھی معلوم ہو جائیگا، اس سفر کی رپورٹ سے
معلوم ہوتا ہے کہ واپسی سفر مین ایک موقع پر سامانِ خورد و نوش ختم ہونے کو تھا، اور ساحلِ افریقہ کے
ساتھ ساتھ خوراک اور پانی لینے کی خاطر ایسے باشندون سے جن کے متعلق پہلے کوئی حالات معلوم
نہین تھے ٹکرانا پڑا، اس کام پر پنزن کی تعیناتی ہوئی، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پنزن نہایت دلیر انسان
تھا، لیکن ساتھ ہی تیز مزاج بھی تھا، یا تو خوراک بالکل ملتی ہی نہین تھی، یا اس کی تیزی اس پر غالب
آگئی، نتیجہ یہ ہوا کہ اس کا دیسی باشندون کے ساتھ جھگڑا ہو گیا، جسپر پنزن نے گولی چلانے کا حکم دیا،
اور دیسی باشندون کو جنگل مین بھگا دیا، جہاز مین واپس آنے پر کپتان نے یہ حال سن کر پنزن کو زجر و
توبیخ کی، کیونکہ ایسے واقعات تجارت کے فروغ مین حائل ہوتے ہین، اور جو لوگ سونا اور ہاتھی دانت
بیچنے کے لیے آئے ہین اُن پر گولی برسانا بہت ہی نا واجب ہے، چنانچہ ڈیپی آکر گرزن نے پنزن کے
برخلاف باقاعدہ شکایت کی، نتیجہ یہ ہوا کہ پنزن کا لائسنس ضبط ہو گیا، ڈیپی سے کسی جہاز کے ساتھ
اُسکو جانے کی اجازت نہ رہی، اور اسکو باعلان فرانسیسی بحری ملازمت سے علٰحدہ کیا گیا، یہ صاف ظاہر ہے
کہ اس سلوک سے اس کی تیز مزاجی مین کمی کیا ہوئی ہوگی، اور اُسے مجبوراً پیادہ براستہ پرتگیز
اسپین واپس آنا پڑا،

پنزن کی تیز مزاجی ایک معمولی امر معلوم ہوگا، لیکن کولمبس کے برخلاف جو مواد جمع ہو رہا ہے
اس مین اس کا نہایت ضروری حصہ ہے، امریکہ کے پہلے سفر مین کولمبس اسی نام کے تین بھائیون کو
ساتھ لے گیا، اور تینون تجارتی مال مین حصہ دار تھے، کاغذات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ان مین سے
ایک کو تین جہازون مین سے ایک کا کپتان بنانے کے قابل سمجھا گیا، اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ

امیرالبحر اس کپتان پنزن سے ہر معاملہ میں مشورہ لیتا تھا، پہلے سفر کے بیان میں کولمبس خود اس امر کی شہادت مہیا کرتا ہے، چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ سب عملہ اس بات سے ناراض اور ہراسان تھے، کہ پنزن جہاز کو متواتر جنوب کی طرف لیے جارہا تھا، جنوب کی طرف وہی برازیل کا ملک تھا، جہاں پنزن پہلے بھی ہو آیا تھا، اس کے علاوہ اس کپتان پنزن اور کزن کے نائب کے ایک ہونے کی ایک اور شہادت بھی ہے، کولمبس بھی اس کی تیز مزاجی کی شکایت کرتا ہے،

آخرکار جب کولمبس ساحل پر پہنچا، تو من چلا پنزن بلا اجازت اور شاید صریح احکام کی خلاف ورزی کرکے اپنے جہاز کو لیکر جنوب کی طرف چلا گیا، اور تین ہفتے اس کی کوئی خبر نہ ملی، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ برازیل کے متعلق اپنی پوری تسلی کرنا چاہتا تھا، اتفاق سے کولمبس کیوبا (Cuba) کے ساحل کے ساتھ ساتھ جاتا ہوا پنزن سے مل گیا،

یہ واضح رہے کہ کولمبس کی امریکہ کی دریافت کے برخلاف صرف پنزن کی تیز مزاجی ہی ایک شہادت نہیں، خواہ پنزن نے کولمبس کی رہبری کی ہو یا نہ، اب یہ خوب اچھی طرح سے معلوم ہے، کہ کولمبس کو علم تھا کہ وہ کہاں جارہا ہے، اور اس کو کون سا ملک دریافت کرنا ہے، کیونکہ اس سے پہلے بہت سے لوگ وہاں جاچکے تھے، اور کولمبس اس سے ناآشنا نہیں ہوا تھا، اور یہ سب شہادتیں کولمبس کی اپنی تحریروں سے ملتی ہیں،

کولمبس کے پہلے نقشے | سنہ ۱۴۹۲ء سے کئی سال پہلے سے یورپ میں نئے ملکوں کی دریافت کے متعلق افواہیں گرم تھیں، اور کولمبس بے وقوف نہیں تھا، کہ اُسے ان افواہوں کا علم نہ ہوتا، ایک دفعہ کولمبس مڈیرا (Madeira) گیا، جہاں اس کی محنت اور تیمارداری سے ایک بیمار رہبا، جانبر ہوا، اس شخص کے پاس اپنی شکرگذاری کے اظہار کے لیے کوئی چیز نہیں تھی سوائے ایک نقشے کے جو اُس نے تحفہ کے طور پر کولمبس کو دیا، اس نقشہ پر جزائر غرب الہند اچھی خاصی طرح دکھائے

ہوے تھے، یہی نقشہ یا اس کی نقل یا اس زمانہ کا ایک اور نقشہ جس پر جزائر غرب الہند اور ایک اور جزیرہ جو یقیناً نیو فونڈ لینڈ ہوگا، دکھائے گئے ہین، حال ہی مین ایم ڈی لا رونکیر (M. de la Roncière) کو ملے ہین، اور رونکیر کے تشریحی نوٹ کے ساتھ کیمیون (Cameron) نے اسے شائع بھی کر دیا ہی، اس کا انگریزی ترجمہ مع رنگین تصاویر کے عنقریب شائع ہوجائیگا،

جن لوگون نے اس نقشہ اور اس سے پہلے زمانہ کے نقشہ پر عرق ریزی کی ہے، ان مین سے بیبکوک (Babcock) کا پایہ بہت بلند ہے، اس کی رائے یہ ہے،

(۱) آئرلینڈ کے باشندے سویڈن اور ناروے والون سے بھی پہلے نیو فونڈ لینڈ پہونچے،

(۲) آئس لینڈ کے باشندون نے سنہ ۱۰۰۰ء کے قریب امریکہ دریافت کیا،

(۳) سنہ ۱۳۶۷ء سے پہلے کسی سال برٹین (Breton) سے ایک مہم امریکہ کے ساحل تک گئی،

(۴) سنہ ۱۴۲۵ء تک اسپین، پرتگال کا کوئی جہاز کیوبا کے ساحل تک پہنچ چکا تھا،

(۵) اور جہاز ران راس ورڈی (Cap Verde) سے جنوبی امریکہ سنہ ۱۴۴۳ء مین گئے،

کولمبس کے زمانہ مین بحر اوقیانوس کی جہاز رانی پردۂ راز سے نکل کر نہ صرف بادشاہون کے علم و توجہ مین آچکی تھی، بلکہ بادشاہون نے اس کی سرپرستی بھی شروع کردی تھی، پرتگال کے بادشاہ کو اس امر مین اتنی زیادہ دلچسپی تھی کہ تمام یورپ مین اسے ہنری جہاز ران کہا جاتا تھا، اس نے کولمبس کی مہم کی تیاری مین مدد کے طور پر کوئی روپیہ نہین دیا، بلکہ اس نے یہ کہا کہ اسے اس زمین کے متعلق سب حالات معلوم ہین، اور وہ اس کی ملکیت ہے،

امریکہ کے متعلق اسوقت سے پہلے علم کی کولمبس کسی حد تک خود شہادت دیتا ہے، تیسرے سفر سے واپس آنے کے بعد وہ بیان کرتا ہے، اُسے وہان حبشی باشندون سے سابقہ پڑا، بلکہ پہلے سفر کے بعد ہی وہ کہتا ہے، کہ وہان کے اصلی باشندون نے اسے سونے کے ٹکڑے (Guanin) دیئے، چنانچہ

سونے کے سکے اس تمام کہانی مین حبشیون سے بھی زیادہ دلچسپی پیدا کردیتے ہین گوئینس (Guanin)
اس وقت کی افریقہ کی زبان مین سونے کے ٹکڑون کو کہتے تھے جن کی شکل مین سونا ساحل گنی سے
یورپ مین لایا جاتا تھا، قدرتی طور پر یہی ٹکڑے دیکھ کر کولمبس کی حیرت کی انتہا نہ رہی کیونکہ حقیقت الامر
یہ ہے کہ کولمبس نئے ملک دریافت کرنے نہین گیا تھا، بلکہ اس کا منتہاے نظر بھی سونا، ہاتھی دانت اور
قیمتی مال تھا، جو کہ وطن مین منافع پر بیچا جاسکتا تھا، نئے ملکون کی دریافت ایک اتفاقی امر تھا، کولمبس
نے امریکہ کے باشندون سے دریافت کیا، کہ انھون نے وہ سونا کہان سے لیا، اُن کے جواب سے کولمبس
خود شرمندہ ہوا ہوگا، کیونکہ اس کے اپنے بیان کے مطابق اُن کا جواب یہ تھا :-

"ہم نے یہ سونا کالے سوداگرون سے لیا ہے، جو کہ جنوب مشرق سے یہان آئے تھے" کولمبس کو
یہ خیال پیدا ہوا کہ وہ لوگ سونے کا اصلی منبع بتانے سے گریز کرتے ہین، چنانچہ تیسرے سفر مین اس نے
اپنے سوال کو دہرایا اور پھر وہی جواب ملا، بعد کے واقعات نے ثابت کردیا کہ انڈین کا جواب درست
تھا ابتدائی گوئینس (Guanin)، جو فرانسیسی اور پرتگالی ساحل گنی سے لاتے تھے، خالص
سونے کے نہین ہوتے تھے، وجہ یہ تھی کہ افریقہ کے اصلی باشندون کے خیال مین خالص سونا ایک
نکمی چیز تھی، وہ سونے کو صرف زیور کے طور پر استعمال کرتے تھے، اور اس مطلب کیلئے بھی سونا بیکار تھا،
کیونکہ اسمین کوئی چمک دمک نہین تھی، یہ نقص رفع کرنے کے لیے وہ اس مین ہموزن تانبا ملا دیتے تھے، جب
کولمبس کی لائی ہوئی گوئینس کا کیمیائی امتحان کیا گیا، تو ان مین سونے اور تانبے کا وہی تناسب نکلا
جو گنی کے ساحل سے لائے ہوئے گوئینس مین تھا،

چنانچہ امریکہ کے اصلی باشندون نے کولمبس کے سامنے کوئی غلط بیانی نہین کی تھی، امریکہ کی
گوئینس دراصل افریقہ سے ہی آئی تھین، ایسے ہی حبشی بھی جو کہ کولمبس کو وہان ملے افریقہ سے آئے
ہونگے، سونا بھی اُن کے متقدمین کے ساتھ آیا ہوگا، لیکن سوال یہ ہے کہ امریکہ مین افریقہ سے حبشی کیسے

پہونچ گئے، حبشیون کی کہانی جلد ختم ہو جائیگی، اور اگر اُن کے متعلق جو نظریہ قائم کیا گیا ہے درست ہو تو اُن کے ساتھ ہی کولمبس کی دریافت کا قصہ بھی ختم ہو جاتا ہے،

جہازون کے کپتانون کے ہر سفر سے پایا جاتا ہے کہ حبشیون کی موجودگی ضروری تھی، کیونکہ انھین بطور ترجمان استعمال کیا جاتا تھا، اور وہ طریقہ جس سے وہ اس کام کے اہل قرار دیے گئے بہت عجیب ہے، بعض دفعہ ایسا ہوتا تھا کہ ڈیپی سے ایک جہاز کا کپتان ہاتھی دانت اور سونے کی تلاش مین افریقہ کے ساحل کے ساتھ ساتھ چلتا ہے، کسی بندرگاہ پر جاکر اسے معلوم ہوتا ہے کہ مال کافی تعداد مین موجود نہین، وہان وقت ضائع کرنے کے بجائے وہ اور آگے نکل جاتا ہے، اور جہاز بھر لیتا ہے، واپسی پھر ان بندرگاہون پر ٹھہرتا ہے، جن سے پہلے کافی مال نہین ملا تھا، دوراندیش کپتان ایسی بندرگاہون جہان سے کافی مال نہ ملا ہو، اپنے کسی آدمی کو چھوڑ جاتے تھے تاکہ وہ مال کی فراہمی کی نگرانی کرے، اس کام کے لیے نہایت من چلے آدمیون کی ضرورت تھی، جہاز کی غیر حاضری مین ایسے اشخاص اکثر دفعہ اپنی نئی زندگی کو پسند کرنے لگ گئے ہون گے، اور ان کی اعلےٰ قابلیت اور دیسی آبادی کی نسبت ہر صیغہ مین برتری کی وجہ سے لوگ اُن کو عزت اور خوف کی نگاہون سے دیکھتے ہون گے اور دیسی عورتین اُن سے شادی کرنے مین عار نہین سمجھتی ہون گی، جہاز کی واپسی پر ممکن ہے، اکثر دفعہ ایسے اشخاص واپس جانا پسند ہی نہ کرتے ہون، انھین خود عیش اور عزت کی زندگی اور کمپنی کے لیے ایک مستقل کارکن مل جاتا ہے، ڈیپی کی ترقی کے زمانہ مین افریقہ کے ایسے ایجنٹ تجارت کے لیے نہایت ضروری ہو گئے تھے، اور اُن کی دوغلی نسل کی قدر و قیمت اِن سے بھی کہین بڑھ چڑھ کر تھی، کیونکہ ان کی اولاد دو زبانون اور دو قسم کی صنعت کاری سے واقف تھی، افریقہ کے سب علوم کے ساتھ انھین پوری واقفیت تھی اور اپنے سفید باپون کی سب عیاریان سیکھ جاتے تھے، ڈیپی کے

سوداگرون نے اپنی دوغلی نسل کی قدر بہت جلدی پہچانی، اور نہ صرف انھون نے انکی دونسلی قابلیت
سے بحیثیت ترجمان فائدہ اُٹھانا شروع کیا، بلکہ ان کی نسل کشی کی طرف بھی خاص توجہ دی، اور انھین
غلام بناکر رکھنا شروع کیا، رفتہ رفتہ یہ دوغلی نسل بحیثیت ترجمان ایک علحدہ جماعت بن گئی اور اُن کے
پیشہ کو کچھ عزت بھی حاصل ہوگئی، کوئی جہازران اُن کے بغیر سفر نہین کرتا تھا اور کولمبس بھی ان مین
سے چند ایک کو پہلے سفر مین ساتھ لے گیا، تاکہ مختلف مقامات پر تجارت کو فروغ دینے کے لیے انھین
چھوڑتا جائے، امریکہ جاکر اسے معلوم ہوا کہ ایسے حبشی پہلے بھی موجود تھے، یہی وہ لوگ تھے جن کو جنوب
مشرق کے سیاہ سوداگر کہا جاچکا ہے، اُنھین کے ساتھ امریکہ مین گوئینس گئے، اور انھین کے ساتھ عربی
الفاظ، عربی پودے، اور عربی تہذیب وہان پہنچی، امریکن انڈین کی زبان مین عربی کی ملاوٹ سے
وینر کو بہت زیادہ استعجاب ہوا، اب ماہران آثارِ قدیمہ محققانِ السنہ کے ساتھ مل گئے ہین، اور دونون گروہون
نے ثابت کردیا ہے کہ امریکہ مین عربی تہذیب کا اثر کولمبس سے بہت پہلے پایا جاتا تھا، اور بیچارے کولمبس
کی امریکہ کے دریافت کے سلسلہ مین کوئی حیثیت باقی نہین رہی، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نئی دنیا عربی
اور افریقی تہذیب کے بہت حد تک زیر اثر رہ چکی ہے، اور بحیرۂ اوقیانوس مین جہازرانی بہت زمانہ
سے ہوتی چلی آئی ہے، ازٹک (Aztec) اور مائن (Mayan) تہذیبین دراصل امریکہ مین
افریقہ کی عربی تہذیب کی نقلین تھین، اور اُن کا زمانہ ۱۱۵۰ء سے ۱۲۰۰ء تک قرار دیا جاتا ہے گو اس سے
پہلے ان تہذیبون کا زمانہ اس سے بہت پہلے خیال کیا جاتا رہا ہے، یہی وقت ہوگا جب بحر اوقیانوس
کو عبور کرکے لوگ امریکہ مین داخل ہوئے، لفظ ٹولٹک (Toltec) اس خیال کی تائید کرتا ہے،
ابتدا مین اس کے معنی کسی جماعت یا قوم اور اُن کی تہذیب لیے جاتے رہے ہین لیکن وینر اور
سپنڈن نے (H. J. Spinden)، جو مائن تہذیب کا ایک ناطق ماہر خیال کیا جاتا ہے، یہ معلوم کیا
ہے کہ دراصل یہ لفظ افریقہ کی ابتدائی زبان مین کسی بڑے سردار کے معنون مین استعمال کیا جاتا تھا،

اور امریکہ کا ٹولٹاک کوئی بڑا بادشاہ ہوا ہے جسکو ۱۱۹۰ء کے قریب عروج ہوا تھا، سپنڈن نے یہ خیال ظاہر کیا ہے، کہ مائن تہذیب ازٹک کے بعد مین آئی، نہ کہ اس سے پہلے، مائن تہذیب کے کتبے پڑھنے مین اس لیے دقت پیش آتی ہے کہ وہ دراصل ازٹک علوم کا جو کہ اس وقت ناپید ہو چکے تھے، بطریق مختصر نویسی خلاصہ ہے مائن نقاشی مین شامی اشکال پائی جاتی ہین اور مائن یادگارون کی شکل غباری ہے، نئے امکانات اور نئی تحقیقات کے مطابق ان سب کے نئے ہی معنی نکلتے ہین، جسکو علم السنہ سے بہت زیادہ مدد ملتی ہے،

عربی تہذیب نوین صدی مین اپنے معراج پر تھی، اور ۱۰۱۱ء مین صحرا ے اعظم کو عبور کرکے افریقہ کے مغربی ساحل پر منڈینگو (Mindingo) کا تجارتی صوبہ قائم کر چکی تھی، اس کے مقابل مین امریکہ کا صوبہ مچوکن (Michoucan) تھا۔ جو خلیج مکسیکو کے ساحل پر واقع تھا، عربی الفاظ کی ملاوٹ سب سے پہلے مچوکن مین پائی جاتی ہے، اور وہی الفاظ منڈینگو کی زبان مین ملتے ہین، اور یہ امر خاص طور پر ذکر کے قابل ہے کہ یہ الفاظ ایسے ہین، جو ایک تجارتی کارندہ یا سیاح استعمال کرتا ہے، مثلاً جادو، اودیہ، مذہب اور نظام حکومت کے متعلق یہ نتیجہ کہ منڈینگو اور مچوکن کے درمیان آمد ورفت تھی لابدی ہے، ہر طرح سے تازہ تحقیقات اس کی تائید کرتی ہے، ازٹک اور مائن تہذیبون کا یکلخت انحطاط اس کا ایک اور ثبوت ہے، چونکہ یہ ایک طرح سے نوخیز تہذیبین تھین، جس وقت ان کا اپنے اصلی مرکز سے قطع تعلق ہوگیا، ان مین تنزل آنا شروع ہوگیا، یہ امر کہ یہ تعلق صرف تجارتی تعلق تھا، اس بات سے ثابت ہوتا ہے، کہ عربی تہذیب کا اثر مچوکن مین داخل ہو کر صرف تجارتی راستون کے آس پاس ہی پایا جاتا ہے، اور یہ صرف خالص عربی تہذیب کا اثر تھا، کیونکہ خلیفہ ہارون رشید کے زمانہ کے عربون نے غیر معمولی طور پر ترقی کی تھی، یورپ اسی وقت قعرِ ضلالت مین غرق تھا اور سکنڈے نیویا ابھی تک ابجد خوانی مین محو تھا، جو اس سے کبھی ختم نہ ہوئی،

یہ بات کہ سب سے پہلے امریکہ کون گیا، شاید کبھی بھی معلوم نہ ہوسکے، لیکن یہ یقینی امر ہے کہ اس دریافت کا سہرا کولمبس کے سر نہین، بلکہ اس سے کئی سو سال پہلے کسی عرب جہازران کے سر ہوگا، بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ ولادت مسیح سے پہلے ہی ادقیانوس عبور ہوچکا ہو، فونیشیا کے جہازران انگلستان سے قلعی لینے جایا کرتے تھے، وہ بھی مسیح سے پہلے افریقہ کے گرد چکر لگا چکے تھے، یہ بھی خیال کیا جاتا ہے کہ امریکہ کے اصلی باشندون مین سے ایک گروہ سویڈن ناروے کی نسل سے ملتا جلتا ہے،

اگر یہ سب باتین درست ہین، اور یاد رہے کہ زمانۂ گذشتہ کے جہازرانی کی کہانی محض بیہودہ گوئی نہین جسکو محض شرارت کی بناپر سائنس کا نام دے دیا گیا ہے، بلکہ اُس کے متعلق واقفیت اور نتائج لوگون کی محنت شاقہ کا ثمرہ ہین، تو کولمبس کی کوئی حیثیت باقی نہین رہ جاتی، اور اس مین کوئی مضائقہ بھی نہین اس نے امریکہ دریافت نہین کیا، لیکن اس کی ہمت سے امریکہ کے متعلق علم عام ہوگیا، اور دوسرے پہلو سے اسی کی شہرت ویسی کی ویسی ہی قائم رہ جاتی ہے، اس نے بادشاہون کو تجارت کا شوق دلایا اور موجودہ تجارت کی بنا ڈالی، کسی چیز کو شہرت دینے کے کئی طریقے ہوسکتے ہین، اس نے تجارت کو فروغ دینے کے لیے یہی طریقہ اختیار کیا اور وہ اس مین خوب کامیاب ہوا،

الفاروق

علامہ شبلیؒ

حضرت فاروق اعظمؓ کی لائف اور طرز حکومت، اگرچہ مسخ شدہ صورت مین معمولی کاغذ پر اس گران پایہ کتاب کے بیسیون ایڈیشن فروخت ہو رہے ہین، مگر اہل نظر کو ہمیشہ اس کے اعلیٰ ایڈیشن کی تلاش تھی، مطبع معارف نے نہایت اہتمام وسعی بلیغ سے اس کا نیا ایڈیشن تیار کرایا ہے جو حرف بحرف نامی پریس کانپور کی نقل ہے، نہایت عمدہ کتابت، اعلیٰ چھپائی، عمدہ کاغذ دنیائے اسلام کا رنگین نفیس نقشہ، مطلا ٹائٹل ضخامت ۱۲ ۳ ۴ صفحے، قیمت للعہ/

ہندوستان کی معاشی حالت

پر

ایسٹ انڈیا کمپنی کا اثر

از مولوی ابو الخیر صاحب مودودی، رکن دار الترجمہ جامعۂ عثمانیہ

(۲)

کمپنی کے پانچ دور

یہ کمپنی کی تدریجی ترقی کا اجمالی تبصرہ تھا جس سے آپ کو اس بات کا ایک سرسری اندازہ ہو گیا ہوگا کہ کمپنی نے کس طرح ایک تاجر جماعت کی حیثیت سے بروز کیا، کس طرح تجارت کے ساتھ ساتھ اس کی حفاظت کے لیے فوجی قوتین بہم کین، کس طرح اپنی مختصر قوت سے زبردست حریفون کا مقابلہ کرکے ان کو نیچا دکھایا، کس طرح ہندوستان کی صحیح صورتِ حال کو سمجھ کر دیسی قوتون سے ٹکرائی، اور ملک گیری کا کام شروع کرکے ایک صدی کے اندر اندر ہندوستان کی مالک بن گئی، فلسفۂ تاریخ کے نقطۂ نظر سے ان ڈھائی صدیون کے واقعات کا تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ کمپنی اس مدت مین اپنی تاریخ کے پانچ دورون سے گذری ہے، یہ پانچ دور مع اپنے نمایان واقعات کے حسب ذیل ہین،

پہلا دور ۱۶۰۰ء سے شروع ہو کر ۱۷۵۷ء پر ختم ہوتا ہے، اس مین کمپنی اپنی تجارت اور اُسکی برتری کے لیے کوشش کرتی ہے اور بالآخر اپنے یورپین رقیبون کو شکست دے کر بحرِ ہند کی تنہا مالک بن جاتی ہے،

دوسرا دور ۱۷۵۷ء سے شروع ہو کر ۱۷۸۴ء پر ختم ہوتا ہے، یہ کلایو اور وارن ہسٹنگز کے جنگی اقدامات اور سیاسی دسائس کا زمانہ ہے، تاجرون کی ایک کمزور جماعت کو زبردست قوت بنا دینا

اس دور کا سب سے بڑا کارنامہ ہے،

تیسرا دور ۱۷۸۴ء سے شروع ہو کر ۱۸۱۸ء پر ختم ہوتا ہے، اس کے ہیرو کارنوالس ولزلی اور لارڈ ہسٹنگز ہین، اس زمانہ مین کمپنی کا تجارتی اور سیاسی تفوق ایک مسلمہ واقعہ ہو چکا تھا، ٹیپو کی فتح، مرہٹون کا استیصال، مہاراشٹر کا الحاق، بھونسلا کا انجام اس دور کے اہم واقعات ہین جنھون نے کمپنی بہادر کو ہندوستان کی شاہی قوت بنا دیا،

چوتھا دور ۱۸۱۸ء سے شروع ہو کر ۱۸۳۶ء پر ختم ہوتا ہے، یہ امن وصلح، نظم ونسق، اصلاح و اقتصاد کا عہد ہے، منرو، الفنسٹن اور بنٹنگ اس کے درخشندہ ستارے ہین، اور اس بہتر سے بہتر نظام ملکی کا نمونہ پیش کرتے ہین جس کی ایک تاجر گورنمنٹ سے توقع کی جا سکتی ہے، اس عہد کا آخری واقعہ انگلستان کے تخت پر ملکۂ وکٹوریہ کا جلوہ گر ہونا اور لارڈ آکلینڈ کا گورنر جنرل ہو کر ہندوستان آنا ہے،

پانچوان دور ۱۸۳۶ء سے شروع ہو کر ۱۸۵۸ء پر ختم ہوتا ہے، اور ہندوستان کی قسمت کو تاج برطانیہ کے ساتھ وابستہ کر جاتا ہے، یہ وہ دور ہے جسمین ہندوستان نے ایک غیر ملکی طاقت کو اپنے اوپر مسلط ہوتا دیکھ کر اپنی زندگی کا ثبوت دینا چاہا، مگر خود اُس کے فرزندون نے اُسے ایک نامعلوم مدت کے لیے غلامی کی بیڑیان پہننے پر مجبور کر دیا، یہ کمپنی گورنمنٹ کی تاریخ مین پے در پے غلطیون، حریصانہ کوششون اور غیر معمولی لوٹ کا ظالمانہ دور ہے، اس کے ہیرو آکلینڈ، ڈلہوزی اور لارڈ لارنس ہین،

اس صحبت کی گفتگو کا موضوع صرف آخر الذکر چار دورون کی تاریخ کا مطالعہ ہے، جسمین ہندوستان کی معاشی تباہی کے خونین واقعات ہین، پہلا دور خارج از بحث ہے، اس کو ہندوستان کے معاشی مستقبل کی تباہی سے بلا واسطہ کوئی تعلق نہین ہے، اور اگر ہے تو صرف اتنا ہے جتنا ایک ڈاکٹر کو کسی مریض کی موت سے ہوتا ہے،

اٹھارھوین صدی سے پہلے

لیکن کمپنی کے تباہ کن اثرات کے صحیح اندازہ کے لیے اٹھارھوین صدی سے پہلے

ہندوستان کو دیکھنا چاہیئے کہ اس وقت اس کی کیا حالت تھی، کیونکہ کسی موثر کے اثرات پوری طرح اسی وقت معلوم ہوسکتے ہیں، جب متاثر کی پیش از تاثر حالت پوری طرح معلوم ہو، بغیر اس کے اثر کی نوعیت وکمیت پوری طرح متحقق نہیں ہوسکتی،

اکبر اور شاہجہان کے وقتون کا تو ذکر ہی نہیں، کہ یہ زمانے ہندوستان کی ایسی خوش حالی کے تھے جن کو معاشیات کے صحیح نقطۂ نظر سے دیکھا جائے، تو آج ان کی نظیر دنیاے مغرب کے خوشحال ترین ملکون مین نہین مل سکتی، لیکن حقیقت یہ ہے کہ کمپنی گورنمنٹ کے عہد سے وہ وقت بھی بدرجہا بہتر تھا جب حکومت کی باگ اورنگ زیب کے نااہل جانشینون کے ہاتھ مین تھی، اور جب کسی مستقل نظام حکومت کے نہ ہونے سے سارے ملک پر بدامنیون، خانہ جنگیون، طوائف الملوکیون کا راج تھا، صنعتین برباد ہو رہی تھین، اہل ہنر کا کوئی قدردان نہ تھا، لوگ خوش حالی کو ترسنے لگے تھے، اگلے وقتون کو یاد کر کر کے روتے تھے، تاہم اس تباہی بخش و پر از اضطراب زمانہ مین بھی ہر قسم کی صنعتی پیداوار کی اتنی کثرت تھی کہ نہ صرف گھر کی ضروریات ہی پوری ہوتی تھین، بلکہ باہر کی ضرورتین بھی یہین سے پوری ہوتی تھین، لاہور، کشمیر، برہان پور، پٹن، سنار گاؤن، آگرہ، فتحپور، بنارس، ست گاؤن، تنجور، ٹانڈا، کرناٹک، داورد، چیناپٹم، بنگلور، کولار، سلاگوٹا، سیرا، پٹنہ، شاہ آباد، بھاگلپور، گیا، گورکھپور، دیناج پور، پرنیا، صنعتون کے گھر اور تجارتون کے مرکز تھے، جہان سے دور دراز ملکون کے تاجر لاکھون کا سامان خرید کرلے جاتے تھے،

قاسم بازار بنگال کا ایک معمولی تجارتی مرکز تھا، مگر وہان بھی اتنی بکری تھی کہ ۲۲ لاکھ پونڈ سالانہ صرف ریشمی کپڑے کی برآمد تھی، ۱۷۵۳ء مین جب ہسٹنگز معمولی کلارک کی حیثیت سے کمپنی کی کوٹھی مین ملازم ہوکر یہان آیا تو اس نے تعجب کے ساتھ دیکھا کہ "پوری بستی ریشم اور ہاتھی دانت کا کام کرنے والون سے آباد ہے . . . . اور سب نہایت خوش حال ہین" ڈھاکہ کی سب سے بڑی تجارت ململ اور چکن کی تھی، کیونکہ یہ دونون چیزین یہان سے اچھی کہین اور نہ بنتی تھین، اور صرف ان ہی دونون کی

سالانہ برآمد دو کروڑ تھی جو بعد مین ۱۸۳۲ء مین گھٹ کر ایک کرور رہ گئی، جس مین ۳۰ لاکھ کی چکن کا خریدار انگلستان تھا، فرانس مین ہندوستان کے ریشمی کپڑون کی اتنی مانگ تھی کہ اونچی ناک والے انگلستان کے ریشمی کپڑون کو کوئی پوچھتا بھی نہ تھا، مسٹر جوزف کا بیان ہے کہ ۱۸۳۲ء سے ۱۸۳۹ء تک صرف سات برسون مین فرینچ تاجرون نے ہندوستانی ریشمی رومال ۸۹۴۰۰ پونڈ کے خریدے جو بازار مین جاتے ہی ہاتھون ہاتھ نکل گئے، حالانکہ انہی سالون مین انگلستان کا کل ریشمی کپڑا فرانس مین ۷۹۰۰ پونڈ کا خریدا گیا،

اٹھارھوین صدی کے نصف آخر مین جب ہندوستان مین کمپنی گورنمنٹ نے اور انگلستان مین برٹش گورنمنٹ نے دیسی صنعت و تجارت کو تباہ و برباد کردینے مین کوئی دقیقہ اٹھا نہین رکھا تھا، ۱۸۴۷ء تک ہندوستان جزائر برطانیہ کی ضروریات زندگی کا چوتھا حصہ پورا کرتا تھا، اس چوتھے حصہ کا سرسری اندازہ اس امر واقعہ سے ہوسکے گا کہ ہر سال صرف سوتی کپڑے کی ۱۵ ہزار گانٹھین کلکتہ سے انگلستان جاتی تھین، جن مین کم و بیش ۳۰۶۰۸۶ تھان ہوتے تھے، فرانس، امریکہ، اسپین، پرتگال، ڈنمارک، ماریشس اور سواحل خلیج فارس و ممالک عرب آخر تک ہندوستانی مال کے گرگر لینے والے گاہک تھے، ۱۸۰۸ء تک ان ملکون کو ۲۲۸۰۴۸ پونڈ کا ریشمی کپڑا جاتا تھا، اور انتہا یہ ہے کہ ۱۸۵۸ء تک باوجود سخت قیود کے خود انگلستان مین ہندوستانی کپڑے کے بکثرت خریدار موجود تھے، حالانکہ اس زمانہ مین کمپنی کے ہاتھون یہان کی صنعت بالکل تباہ ہوچکی تھی،

صنعت سے زیادہ زراعت مین ہندوستان ضرب المثل تھا، ساری دنیا مین اس کی قدرتی پیداوارون کی شہرت تھی، فصلین اتنی ہری بھری اور سیر حاصل ہوتی تھین کہ چھوٹے چھوٹے کھیتون کے مالک بھی نہال رہتے تھے، اور ارزانی کا یہ عالم تھا کہ اناج کی کوئی قیمت ہی نہ سمجھی جاتی تھی، بڑے بڑے کنبے دس دس پانچ پانچ روپے مہینے کے اناج مین پلتے تھے، چھوٹے چھوٹے خاندانون مین دو چار کی جنس سر آتی، پا دن جاتی تھی،

اقتباسات ذیل اُن بیانات کی تصدیق کرینگے جوانہون کی من مانی تعریفین نہین ،
غیرون کے کم سے کم اعترافات ہین :-

ولیم ویری لسٹ William Varelst ، جوایسٹ انڈیا کمپنی کے ابتدائی گورنرون مین تھا لکھتا ہے "بنگال کے ریشمی کپڑے اتنے اچھے ہوتے ہین کہ اپنا جواب نہین رکھتے، اسی وجہ سے دُور دُور اُن کی مانگ ہے ...... اصفہان تک جاتے ہین ...... لاکھون کی نکاسی ہے"

مسٹر کارڈس نے ۱۸۳۳ء مین پارلی منٹری سب کمیٹی کے سامنے شہادت دیتے ہوے کہا کہ "ہندوستان کی ذہانت بعض صنعتون مین بے نظیر ہے، ململ، شال، چکن، ریشمی رومال، سونے چاندی اور ہاتی دانت کا کام اتنا نفیس اور لاجواب ہوتا ہے کہ برطانوی صناع اس کا مقابلہ نہین کرسکتا"

لارڈ مکالے بنارس کے ریشمی کپڑون کی تعریف مین لکھتے ہین "وہ اتنے اچھے ہوتے ہین کہ لوگ سینٹ جیمز اور ورسلز کے رقص خانون مین انھین فخریہ پہن کرجاتے ہین"

پروفیسر لیکی لکھتے ہین "سترھوین صدی کے نصف آخر تک انگلستان مین ہندوستانی ململ، چھینٹ اور ایک خاص قسم کے چھپے ہوے کپڑون کی اتنی مانگ تھی کہ اس کی وجہ سے انگلستان کے اونی اور ریشمی جلاہون کی روزی خطرے مین پڑ گئی تھی،،

گرین لکھتا ہے "باہر کے تاجر ہر سال لاکھون روپے کی شالین کشمیر اور لاہور سے لیجاتے ہین، آگرہ کا قالین اپنی خوبیون مین ایرانی قالین سے کم نہین ہوتا، برہان پور، پٹن اور سنار گاؤن کا سوتی کپڑا بہت پسند کیا جاتا ہے، خاصکر سنار گانون کی ململ اتنی اچھی، نرم اور باریک ہوتی ہے کہ دوسری جگہ کے ریشمی کپڑون کو مات کرتی ہے"

مانٹ گمری مارٹن (Mantegomri martin) لکھتا ہے "مین نہین سمجھتا کہ ہندوستان زراعتی ملک ہے وہ جتنا زراعتی ہے اتنا ہی صنعتی بھی ہے .... وہ ایسا صناع ملک ہے،

جس کی صنعتین مدتون سے زندہ ہین، اور جہان کہین اُن کو شریفانہ مقابلہ کا موقع ملا ہے وہ ہر قوم کی صنعتون سے بہتر پائی گئی ہین، اس سے میری مراد صرف ڈھاکہ کی ململ اور کشمیر کی شال ہی نہین ہی، بلکہ وہ تمام مصنوعات ہین جو ہر حیثیت سے دنیا کی مصنوعات پر سبقت لے گئی ہین"

سر تھامس مانرو نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے معاملات کی تحقیقاتی کمیٹی کے سامنے شہادت دیتے ہوے کہا کہ "اگر کسی ملک کی تہذیب سے مراد اس کا بہترین طریق زراعت اور اعلیٰ درجہ کی صنعتی ذہانت ہے تو ہندوستان ایک اعلیٰ درجہ کے مہذب یورپین ملک سے کم نہین ہے ...... وہان کا مال یہان آکر بہت فائدہ دیگا .... کیونکہ وہ بہت سستا، اچھا اور پائدار ہوتا ہے، یہ خوبیان یورپین مال مین نہین ہین"

صناعات ہند کے تحقیقاتی کمیشن کی رپورٹ کا آغازی جملہ ہے " جبکہ جدید صنعتون کا وطن مغربی یورپ وحشی قبائل کا مسکن تھا، ہندوستان نہایت متمدن تھا، اور اس کی صنعتی قابلیتین ساری دنیا مین مشہور تھین، جب مغربی تاجرون نے پہلے پہل یہان قدم رکھا تو اس وقت یہان کی صنعتی حالت یورپ کی سب سے زیادہ ترقی یافتہ قوم سے کم نہ تھی" (۱۹۱۸ء)

اس صنعتی ذہانت، اس تجارتی چہل پہل، اور اس زراعتی سرسبزی کا یہ نتیجہ تھا کہ ہر شخص خوشحال تھا، بیکاری سے کوئی آشنا نہ تھا، مرد عورتین، بچے بوڑھے سب کام سے لگے ہوے تھے، خالی بیٹھنا عیب سمجھا جاتا تھا، ہر چیز ارزان تھی، بازار بہترین ملکی مصنوعات سے پٹے پڑے تھے، اور کہین ڈھونڈھے سے بھی باہر کی چیزین نہ ملتی تھین، منڈیون مین غیر ملکی تاجرون کے گماشتون کا میلا لگا رہتا تھا، کسان دولتمند تھے، افراد کی دولت کا کچھ ٹھکانا نہ تھا، اجتماعی دولت بے اندازہ تھی، ڈاکٹر رابرٹسن لکھتا ہے "ایک خوشحال زندگی کے لیے جتنے بے نیاز ہندوستانی ہین، شاید روے زمین پر کہین اور کے باشندے نہ ہون گے" عمدہ آب و ہوا، زرخیز زمین، اور اس کے ساتھ اعلیٰ درجہ کی مفید ذہانت، یہ سب ایسی باتین تھین جن کی

وجہ سے وہ جس بات کی خواہش کرتے انھین مل جاتی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ دُور دُور کی دولت یہان بھی چلی آتی ہی اور اُس کے بدلے یہان کی صنعتی پیداوار بن وہان جاتی ہین"۔

۱۸۲۶ء کے ایسٹ انڈیا گزٹ مین والٹر ہملٹن نے (نیم سرکاری حیثیت سے) لکھا تھا "جعفر خان اور شجاعت خان کی چہل سالہ گورنری مین بنگال نہایت سرسبز و شاداب تھا، دہلی کی مرکزی حکومت کو ایک کرور سالانہ خراج بھیجا جاتا تھا، مگر لوگون کو ٹیکس ذرا بھی گران نہ ہوتے تھے، زمیندار اتنے مالدار تھے کہ علی وردی خان کو (غصب حکومت کے بعد) ایک کرور کا نذرانہ دیا، اور جب مرہٹون کی مدافعت کیلئے روپے کی ضرورت ہوئی تو فوراً پچاس لاکھ روپیہ جمع کر دیا"،

کلائیو جب پہلے پہل مرشد آباد گیا تو وہان کی دولت و ثروت کو دیکھ کر حیران رہ گیا لکھتا ہے:

"یہ شہر لندن کے برابر وسیع آباد اور دولتمند ہے، مگر فرق یہ ہے کہ یہان عام آبادی کی دولت اتنی ہے جتنی وہان شاید خاص آبادی کی بھی نہو"

جارج اسمتھ نے مدراس کی دولتمندی کے متعلق ہاؤس آف کامنز سب کمیٹی کے سامنے کہا کہ:

جب مین وہان گیا تو وہ نہایت خوشحال اور ہندوستان کے بہترین مقامات مین سے تھا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کرناٹک کا علاقہ نہایت سرسبز و شاداب آباد و پُر ثروت اور تجارت کا مرکز بنا ہوا تھا، آبادی کی عام حالت بہت اچھی تھی" (۱۸۰۶ء)

تنجور کی دولت کے متعلق مسٹر پٹری نے اس کمیٹی کے سامنے کہا کہ "یہ علاقہ اندرونی و بیرونی تجارت کا مرکز تھا بنگال سے ریشم بمبئی اور سورت سے روئی، سماترا اور ملاکا وغیرہ مشرقی جزائر سے مسالے، پیگو سے سونا، گھوڑے، ہاتی، کشمیر اور چین سے مختلف چیزون کی درآمد تھی اور اُن کے بدلے یہان سے ململ، چھینٹ، رومال، ڈوریا، دھوتیان اور ایک خاص قسم کا چھپا ہوا کپڑا، اور اسی قسم کی دوسری چیزین افریقہ، امریکہ (جنوبی) اور جزائر غرب الہند تک جاتی تھین ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ زراعت کی حالت

بہت اچھی تھی، کوئی کھیت آب پاشی سے محروم نہ تھا، نہرین، تالاب اور کنوئین اس کثرت سے تھے، کہ زمین کا ایک ایک چپہ سیراب تھا، مین سمجھتا ہون کہ شاید اس زمانہ مین ہندوستان کا کوئی حصہ ایسا شاداب نہ ہوگا"

اسی لیے ایک دنیا اپنے کاشانۂ "امن و راحت" پر اس خانہ جنگیون کے گھر کو ترجیح دیتی تھی جن مین ایک برٹش ایسٹ انڈیا کمپنی بھی تھی۔ ورنہ "بہترین فائدے اور بکثرت دولت" کے متلاشیون کو کیا پڑی تھی کہ یہان آتے اور اس کے سدھارنے کے لیے اپنی جان جوکھون مین ڈالتے؟ ایف جی شور لکھتا ہے:
"ہماری حکومت کا مقصد ہر ممکن طریقہ سے ہندوستان کو لوٹ کر اپنا پیٹ بھرنا، اور اس کو حد سے زیادہ محصولون کے بوجھ کے نیچے دبا دینا ہے، ہمارے بھائی انگلستان سے صرف اس لیے یہان آتے ہین کہ یہان سے بہت سا روپیہ لیکر جائین، اور اسی لیے ان کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ وہ ہندوستانی والیان ریاست کے مقابلہ مین بہت زیادہ ٹیکس وصول کرتے ہین"

بردکس آدم لکھتا ہے "دولت مند ہندوستان کی بے شمار دولت نے ایک طرف ہمارے نقد قومی سرمایہ مین غیر متوقع اضافہ کردیا، اور دوسری طرف اہل ہنر کی ہمتین بڑھا کر ترقی کی رفتار تیز کردی، جنگ پلاسی کے بعد بنگال کی لوٹ لندن پہنچنی شروع ہوگئی اور اُس نے فوراً اپنا اثر دکھایا . . . .
انیسوین صدی کو جس حرفتی انقلاب نے اپنے ماقبل سے جدا کردیا، وہ ۱۷۶۰ء سے شروع ہوتا ہے جبکہ پلاسی کی جنگ ختم ہوچکی تھی، یہ انقلاب جتنی تیزی سے ہوا اس کی نظیر ملنی مشکل ہے . . . . شاید اس دنیا مین آج تک کسی قوم کو کسی کام نے اتنا فائدہ نہین پہنچا یا جتنا فائدہ انگلستان کو ہندوستان کی دولتمندی نے پہونچایا ہے"

اس دولت مندی کی کیا مقدار تھی؟ ولیم ڈگبی لکھتا ہے اس کا صحیح اندازہ مشکل ہے، لیکن گمان غالب ہے کہ وہ رقم جو پلاسی اور واٹرلو کے معرکون کے درمیان ہندوستان سے انگلستان کے بنکون مین منتقل ہوئی،

۵۰ کرور پونڈ یا ایک ارب پونڈ سے کم نہ تھی،

تمام شریف اور ایمان دار انگریز، ہندوستان کے اس احسان کو مانتے ہین، سر جارج برڈوڈ (George Bard) نے لکھا ہے "ہم تا ابد ہندوستان کے ممنون رہین گے........ اس نے کرۂ ارض کے ان جزیرون (انگلینڈ) جو جزائرِ جاپان کی طرح غیر معروف تھے، گمنامی کے پردہ سے نکالکر دنیا کی عظیم ترین سلطنت بنادیا"

کمپنی کا تباہ کن اثر لیکن کمپنی گورنمنٹ کے آتے ہی یہ ہوا بالکل بدل گئی، اہل حرفہ کے گلے گھونٹ دیے گئے، صنعتین بیٹھ گئین، تجارت کی کساد بازاری ہوگئی، زراعت پر اوس پڑ گئی، کسانون پر عرصۂ زندگی تنگ ہوگیا، زرعی وصنعتی روح بیدردی سے کچل ڈالی گئی، اور ظالم خودغرضون نے اس غریب کو ضرورت کی ایک ایک چیز سے محتاج کرکے اپنے ملک کی فلاح کے لیے خام پیداوار کی ایک ایسی قحط زدہ منڈی بنادیا کہ "تنہا زرعی ملک" کا جفاکش کسان، آج دنیا مین سب سے زیادہ محنتی ہونے کے باوجود سب سے زیادہ مفلس ہے، اور انتہا یہ ہے کہ غریب اپنے اس خرمن کے کم از کم فوائد سے بھی محروم ہے، جسے وہ اپنے خون سے سینچتا ہے،

اتنے جلدی ایسا عظیم الشان انقلاب کیسے ہوگیا؟ اس کا جواب غارت گرون کی جماعت کے نیک دل افسرون کی زبان سے سنیئے "سرمنہری اسٹرچی نے ۱۸۱۳ء مین کورٹ آف ڈائرکٹرز کے سامنے جواب دیتے ہوے کہا کہ "بنگال کی تجارت کا ایک بڑا حصہ پچاس برس سے بالکل یورپین ہاتھون مین ہے.......... مزدورون اور کاریگرون کو نہایت قلیل اجرت پر کام کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے، وہ بات بات پر مارے اور باندھے جاتے ہین"

اسی سنہ مین سر تھامس مونرو نے دار العوام کی سلیکٹ کمیٹی کے سامنے بیان کیا کہ "جلاہون کو زبردستی کمپنی کے کارخانون مین کام کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے، انھین کمپنی کے کارندے قید کرکے اُن پر

سپاہی مسلط کردیتے ہیں .... اگر کام میں دیر ہوجاتی ہے تو اُن پر مقدمہ چلایا جاتا ہے"

سر چارلس ٹریوین Charles Trivalean نے ۱۸۴۰ء میں دار العوام میں سلیکٹ کمیٹی کے سامنے بیان دیتے ہوئے کہا کہ "ڈھاکہ، جو کسی زمانہ میں ڈیڑھ لاکھ کی آبادی کا ایک مختصر سا پُر رونق شہر تھا، اب ۳۰-۴۰ ہزار نفوس کا بدحال قصبہ ہے، پہلے وہاں ململ اور چکن بنانے والے رہتے تھے اب وہ رہتے ہیں جو افلاس اور ملیریا کا شکار ہیں"

ولیم بولٹس اپنے چشم دید واقعات بیان کرتا ہے "ملک کی اندرونی تجارت ظلم وجور کا افسوسناک منظر پیش کرتی ہے اُس کے مسموم اثرات کو ہر جلاہا محسوس کررہا ہے، ملک میں جتنا مال تیار ہوتا ہے سب پر کمپنی کا اجارہ ہے، کمپنی کے کارندے خود ہی یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ کس کو کتنا مال تیار کرنا چاہیئے اور یہ بھی کہ اُس کے معاوضہ میں وہ کتنی اجرت پانے کا مستحق ہے، اگر وہ اس اجرت پر کام نہیں کرتا تو اسے بنیوں سے مارا جاتا ہے اور قید کردیا جاتا ہے .... یہ لوگ عموماً ۱۵ فی صدی اور کبھی کبھی ۴۰ فیصدی کم قیمت مقرر کرتے ہیں اور پھر اُن غریبوں کو اتنی اجازت بھی نہیں دیتے کہ وہ کسی دوسرے کا مال تیار کریں، اور کم از کم اپنی ضروریات ہی کو پورا کریں، اگر وہ کسی وجہ سے کمپنی کا کام کرنے سے انکار کرتے ہیں تو ان کا مال ضبط کرکے نیلام کردیا جاتا ہے"

مانٹ گمری مارٹن لکھتا ہے "ہندوستان کی تجارت کو نہ صرف انگلستان بلکہ تمام ممالک خارجہ کے ساتھ بڑی بے انصافی سے بند کیا گیا ہے .... ہم نے ایک چوتھائی صدی میں ہندوستان کو اس کی صنعتیں مٹا کر مجبور کردیا ہے کہ وہ ہماری مصنوعات خریدے، ہم اپنا مال تو ہندوستان میں بلا محصول درآمد کرتے ہیں مگر ہم نے اپنے ہاں ہندوستانی مال پر ۱۰ فیصدی سے ... ۱ فیصدی تک کے محصول عائد کررکھے ہیں .... سورت، ڈھاکہ، اور مرشد آباد وغیرہ صنعتی مقامات جس طرح تباہ کیے گئے اس کا ذکر نہایت افسوسناک ہے"

ولسن لکھتا ہے "یہ ایک واقعہ ہے کہ انگریزی صنعت کو فروغ دینے کے لیے ہندوستانی صنعت کو انتہائی ناانصافی سے مٹایا گیا ہے، اگر برطانوی صناع، ہندوستانی صناع سے صرف صناع کی حیثیت سے مقابلہ کرتا تو ہرگز کامیاب نہ ہوسکتا"

شور لکھتا ہے :- ہندوستان کے اچھے دن گذر گئے، وہ دولت جس کا کبھی وہ مالک تھا لوٹ لی گئی، وہ قابلیت و ذہانت جس کا دنیا جہان مین شہرہ تھا، تباہ و برباد کردی گئی، اور ظالمانہ طریق حکومت سے اس کے فوائد کو اپنے فوائد پر قربان کردیا گیا"

لیکن سب سے زیادہ دردانگیز زراعت کی تباہی ہے جس نے اس بدنصیب ملک کے باشندون کو مردون سے بھی بدتر کردیا ہے، آج اس کے بچے، معصوم بچے! مٹھی بھر اناج کے لیے ایڑیان رگڑتے ہین اور نہین پاتے، سسکتے ہین اور مرجاتے ہین! اس زمانہ کا معمولی کسان وہ ہوتا تھا جس کے پاس ۴۰ بیل، ۵۰ گائین، چھ سات بھینس اور تقریباً ۱۰۰ بھیڑ بکریان ہوتی تھین، فاقہ اور تنگ دستی کا وہ نام بھی نہ جانتا تھا، اس مین اتنی مقدرت ہوتی تھی کہ آب پاشی کی تمام ضروریات خود مہیا کرلیا کرتا تھا، نہرون اور تالابون کی مرمت عموماً وہ خود ہی اپنے صرف سے کیا کرتا تھا، چین اور روحانی طمانیت کی مسرت اُسکے چہرے پر ہمہ وقت کھیلتی رہتی تھی، حکومت کا برتاؤ اس کے ساتھ نرم تھا، مال گذاری منافع کی چوتھائی یا حد سے حد تہائی (جو اصل پیداوار کا دسوان حصہ ہوتی تھی) لی جاتی تھی، وقت بے وقت اس کی مدد کی جاتی، قحط کے زمانہ مین مال گذاری کم کردی جاتی یا بالکل ہی نہ لی جاتی، اور بقایا کے متعلق تو ہمیشہ یہ ہوا کہ معاف کردیا گیا، مگر کمپنی گورنمنٹ کے عہد مین یہ کبھی نہین ہوا، اس نے آب پاشی پر کبھی ایک پیسہ خرچ نہ کیا، اور مزارعین پر ہمیشہ سختی کی، اُس نے جب ہندوستان پر قبضہ کیا ہے تو یہان گوشہ گوشہ مین آب پاشی کے ایسے ذرائع موجود تھے کہ اگر وہ ان کو بحال رکھتی تو اس ملک کو یہ روز بد نہ دیکھنا پڑتا، لیکن اس کی تاریخ ایسے واقعات سے شرمندہ نہین ہے، اُس نے اس ملک کی آمدنی کو اس ملک پر لگانے کے

بجائے اپنے منافع پر لگایا، اور اس ملک کو تباہ و برباد کر دیا، اس کی حکومت کے پہلے ۲۵ سال مین پانچ، دوسرے مین دو، تیسرے مین چھ اور چوتھے مین اٹھارہ قحط پڑے، جن مین ۳ کرور ۲۵ لاکھ جانین ضائع ہوئین، اس کی وجہ سے زراعت مین غیر معمولی کمی ہو گئی، مزارعین خانمان برباد ہو گئے، مگر مالگذاری کو معاف کرنا تو الگ رہا، نہایت سختی سے وصول کی گئی، ۱۷۶۹ء مین جبکہ سارا بنگال قحط سے متاثر تھا، وصولی مین مار پیٹ سے کام لیا گیا، ۱۷۷۰ء کا قحط جس نے آبادی کا تیسرا حصہ ہلاک کر دیا، مالگذاری کی فطری کمی کو دوسرے سال کی ناجائز بیشی سے پورا کیا گیا اور اسپر اظہارِ مسرت کیا گیا کہ باوجود سال گذشتہ کے شدید قحط اور نقصان آبادی کے، سال رواں کے بند وبست مین قابل لحاظ بیشی ہوئی ہے" قابل لحاظ بیشی" کا یہ ظالمانہ سلسلہ برابر جاری رہا، جو اتنا بڑھ گیا کہ حاصلات کے نصف پر وصول کیا جانے لگا، اور بیش از بیش کی ہوس نے اسپر بھی بس نہ کی، اور مختلف قسم کے ٹیکس لگا کر وصولی کی مقدار کہین ۶۰ اور ۷۰ فیصدی اور کہین ۸۴ فیصدی تک پہنچا دیا کمپنی کا ایک افسر لکھتا ہے "موجودہ شرح مالگذاری بہت زیادہ ہے جسکی وجہ سے اس ملک کے کسانون کی حالت بہت افسوسناک ہو گئی ہے انھین ایسی حالت مین زمینین جوتنی پڑتی ہین جب ان کے پاس اس کا سامان تک نہین ہوتا، مگر کمپنی تمام قابل کاشت زمینون سے مالگذاری وصول کرتی ہے، خواہ وہ جوتی گئی ہون یا نہ جوتی گئی ہون مسٹر آسمی کا اندازہ ہے کہ" زمیندارون سے عام طور پر جو مالگذاری وصول کی جاتی ہے وہ ان کے زرلگان کا ۸۴ فیصدی حصہ ہوتی ہے، جسے اگر وہ ادا نہ کرسکین تو گرفتار کرکے حوالات مین بھیجدیے جاتے ہین، اور اسوقت تک رہا نہین ہوتے جب تک کمپنی کی مطلوبہ رقم ادا نہ کردین" کرنل برگس اس تباہ کن قانون مالگذاری کے مضر اثرات سے متاثر ہو کر لکھتا ہے کہ "ایسی مالگذاری جو آج کل ہندوستان مین مقرر ہے زمیندار کی پوری آمدنی چٹ کر جاتی ہے، یورپ یا ایشیا کی کسی حکومت مین کبھی نہین دیکھی گئی" اس معاشی ظلم نے ہندوستانی کسان کو کھوکھلا کر دیا، اس مین جان نہ رہی، چہرے پر مصیبت و فلاکت برسنے لگی، قرض مین

بوٹی بوٹی بندھ گئی، اور غریب پیسہ پیسہ سے محتاج ہوکر ان حالون کو پہونچ گیا کہ اس کے بچے بھوکون مرنے، جاڑون ٹھٹھرنے لگے، پہلے وہ ایک فصل بوتا تھا اور چین سے زندگی بسر کرتا تھا، اب بارہ مہینے اپنی ہڈیان پیلتا، اور خون پسینہ کرکے ٹپکاتا ہے مگر پھر بھی روٹی کپڑے کو محتاج رہتا ہے، پہلے وہ فرصت کے دنون مین دستکاری بھی کیا کرتا تھا، لیکن اب دن رات بیگار مین جان مارتا ہے، مسٹر ولیم بولٹس نے لکھا ہے "کسان جو اس ملک کا کاشتکار بھی ہے، اور دستکار بھی، کمپنی کے گماشتون کے مظالم سے تنگ آگیا ہے، جب وہ کمپنی کے کارخانون مین کام کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے، تو اُسے کاشت کا موقع نہین ملتا، اور مال گذاری کی ادائی دشوار ہوجاتی ہے لیکن وہ غریب اس پر بھی مجبور ہے، اس لیے جب اس کے پاس کچھ نہین ہوتا تو کبھی تو وہ گھر بار چھوڑ کر بھاگ جاتا ہے اور کبھی اپنے بال بچون کو بیچ ڈالتا ہے"

یہ حقیقت کس قدر تلخ و افسوسناک ہے، جو ملک دنیا کا بہترین صنعتی ملک ہو، جس کی مصنوعات ساری جہان کی مصنوعات پر سبقت لے گئی ہون، جس کی خام پیداوار کا دور دور شہرہ ہو، جہان اجناس کی اتنی ریل پیل ہو، کہ ایک کمانے والے پر گھر کے گھر پلتے ہون، جس کی زمین سونا اگلتی ہو، اور جہان دولت کی نہرین بہتی ہون، وہ ملک ایک صدی کے اندر اندر اتنا مفلس، اتنا قلاش، اتنا بدحال اور فلاکت زدہ ہوجائے کہ اس کی آبادی کا ایک تہائی حصہ نان شبینہ کو محتاج ہو، اور پوری نصف آبادی جاڑے گرمی مین ڈھنگ کا کپڑا نہ پہن سکے؟ کیا کسی قوم کے لیے جو انصاف، انسانیت، شرافت، تہذیب اور بنی نوع انسان کی ہمدردی و غمخواری کی بلند بانگ دعویدار ہو، اس سے زیادہ کوئی بات شرمناک ہوسکتی ہے؟ یہی وہ جگر دوز صورتِ حال تھی جس کو دیکھ کر ایک دردمند مورخ کا دل بھر آیا، وہ لکھتا ہے:-

"یہ لوگ اس ملک کی خوشحالی سے بالکل بے پروا ہین، ان کی حکومت مین ہر طرف مظلومیت کی چیخ پکار ہے، آبادیان بن ہوگئی ہین، امیر غریب کوئی چین سے نہین، صناع و خانمان برباد ہین، کھیت

ہو حق کا میدان ہو رہے ہین، مفلسی، مصیبت اور قحط نے ستم زدون کو بے دم کر دیا ہے، اے خدا! اپنے مظلوم بندون کی مدد کو پہونچ اور ان کو ان مظالم سے بچا، اس جور و ستم سے نجات دے جو ہم نے کبھی دیکھے نہ سُنے،

لیکن اگر یہ سچ ہے کہ کسی ملک کی فلاکت و بدحالی اُس کے حکمرانون کی نا اہلی و بدکرداری کا نتیجہ ہوتی ہے تو ہمین اپنے ملک کی اس افسوسناک حالت کو بھی کمپنی گورنمنٹ کے نظام کار، اصول حکومت اور سطح نظر مین تلاش کرنا چاہئے:

کمپنی گورنمنٹ کا سطح نظر آپ جانتے ہین اگر کوئی بنیا کسی ملک کا بادشاہ بنا دیا جائے تو وہ کیا کرے گا؟ ایسٹ انڈیا کمپنی تاجرون کی ایک باقاعدہ جماعت تھی، جس کا مقصد اپنی تجارت کی حفاظت، ترقی، حریفون کا استیصال، دولت کی لوٹ، دیسی صنعتون کی بیخ کنی، اور اپنے ملک کی صنعت و تجارت کو فروغ دینا تھا، جب تک اس کے ہاتھ مین انتظامی قوت نہ تھی وہ امن پسند تاجر تھی، اور مغل بادشاہون کی عنایت سے خاص مراعات کے ساتھ وادیِ ہمالہ کے مختلف حصون مین کاروبار کرتی تھی، اور تقریباً اسی کی وجہ سے وہ اپنے یورپین رقیبون کو شکست دینے اور نکالنے مین کامیاب ہوئی، لیکن جنگ پلاسی کے بعد اُس کا رویہ فوراً بدل گیا، اب آزاد تجارت کو وہ اپنا حق سمجھنے لگی، اور مرکزی حکومت کو کمزور دیکھ کر، ملک کے آئین و قوانین اور قواے نظم و نسق کو اپنے تاجرانہ مفاد اور دولت کی بیش از بیش "لوٹ مار" کے تابع کر لیا، اُس نے اپنی ساری توجہ اس مین مرکوز کر دی کہ ہندوستان کی صنعتی روح کو کچل ڈالے، اس کے نقد سرمایہ پر قبضہ کرے، اور اس کو ایک فلاکت زدہ زرعی ملک بنا کر انگلستان کی مصنوعات کے لیے ایک اچھی منڈی بنا دے، اس نے دیسی تاجرون پر منڈیون کے دروازے بند کر دیے، تمام صنعتون کا اجارہ لے لیا، مقامی درآمد برآمد پر بھاری بھاری محصول عائد کر دیے، دستکارون کو طرح طرح کے محصولون اور پابندیون سے جکڑ دیا، قحط کے زمانہ مین زمیندارون سے زبردستی سستا اناج

خریکرچنگا پہنچ گئی اور اُس کے گماشتے اس طرح پھرنے لگے جیسے بادشاہ پھرتے ہین ان کا یہ وتیرہ تھا کہ دست کارون سے چوتھائی قیمت پر مال خریدتے اور پچ گنی قیمت پر بیچتے، کمپنی اور اس کے کارندون کی تجارت چنگی اور دوسرے محصولون سے مستثنیٰ تھی، اور دست کارون کو یہ حکم تھا کہ وہ اپنا مال کسی دوسرے کے ہاتھ نہ بیچین، جو آفت کا مارا ایسا کرتا سخت سزائین پاتا، غرض اس طرح بنگال کی ساری تجارت دیسی تاجرون کے ہاتھ سے نکل گئی اور صنعتین ان کے مظالم سے مٹنے لگین، کمزور میر جعفر تو یہ سب باتین دیکھتا تھا، اور دم نہ مار سکا، مگر غیور میر قاسم سے چپ نہ رہا گیا، اس نے کمپنی کے اعلیٰ افسرون کو گماشتون اور کارندون کی بدعنوانیون کی بارہا شکایتین کین اور پھر صاف لکھدیا کہ کمپنی کو اپنے کارندون کو ہدایت کرنی چاہیے کہ وہ اپنا رویہ بدلین، مین اور میری حکومت اس سے زیادہ توہین برداشت نہین کرسکتی، لیکن جب اس پر بھی کچھ نہ کیا گیا تو اُس نے اپنے علاقہ مین اندرونی تجارت پر محصول معاف کردیا، اور زبردست مالی قربانی کرکے دیسی تاجرون کی مدد کی، اس شرافتِ نفس اور وطن خواہی کی پاداش مین اُسے عہد شکن قرار دیا گیا اور جنگ کرکے (۱۷۶۳ء) تخت سے اُتار دیا، پھر دو برس بعد "دیوانی" لیکر نوابی کا سلسلہ بھی ختم کردیا، جو بنگال کی رہی سہی خوشحالی کے لیے فاقہ اور موت کا پیغام تھا،

یہ تو صرف وہان کا ذکر ہے، جہان کمپنی صرف "دیوان" کی حیثیت سے متصرف تھی، وہان کا ذکر نہین جہان مطلق العنان مالک تھی اور جہان صناعون کے لیے یہ دنیا بدترین دوزخ بن گئی تھی،

لیکن کمپنی کی ظالمانہ کارروائیان یہان بھی ختم نہ تھین، اس نے زیادہ سے زیادہ روپیہ حاصل کرنے کے جنون مین قول و قرار، انصاف و دیانت کو بھی بالائے طاق رکھ دیا تھا اور جنھون نے احسان کیے تھے اُن ہی کے گلے کاٹتی تھی، سراج الدولہ کو اپنی گون کا نہ دیکھ کر، جنگ کرکے اسے تخت سے اتار دیا (۱۷۵۷ء) اور اس کی جگہ ۳۲ لاکھ ۴۰ ہزار پونڈ کے بدلے میر جعفر کو بٹھایا، مگر جب وہ کمپنی کے آئے دن کے مطالبات پورے نہ کرسکا، تو اُسے معزول کردیا، اور میر قاسم کو بردوان، مدناپور،

ہو حق کا میدان ہو رہے ہین ، مفلسی ، مصیبت اور قحط نے ستم زدون کو بے دم کردیا ہے ، اے خدا! اپنے مظلوم بندون کی مدد کو پہونچ اور ان کو ان مظالم سے بچا ، اس جور وستم سے نجات دے جو ہم نے کبھی دیکھے نہ سُنے ،

لیکن اگر یہ سچ ہے کہ کسی ملک کی فلاکت و بدحالی اُس کے حکمرانون کی نا اہلی و بدکرداری کا نتیجہ ہوتی ہی تو ہمین اپنے ملک کی اس افسوسناک حالت کو بھی کمپنی گورنمنٹ کے نظام کار ، اصول حکومت اور سطح نظر مین تلاش کرنا چاہیے :

کمپنی گورنمنٹ کا سطح نظر آپ جانتے ہین اگر کوئی بنیا کسی ملک کا بادشاہ بنا دیا جائے تو وہ کیا کرے گا؟ ایسٹ انڈیا کمپنی تاجرون کی ایک باقاعدہ جماعت تھی ، جس کا مقصد اپنی تجارت کی حفاظت ، ترقی ، حریفون کا استیصال ، دولت کی لوٹ ، دیسی صنعتون کی بیخ کنی ، اور اپنے ملک کی صنعت وتجارت کو فروغ دینا تھا ، جب تک اس کے ہاتھ مین انتظامی قوت نہ تھی وہ امن پسند تاجر تھی ، اور مغل بادشاہون کی عنایت سے خاص مراعات کے ساتھ وادی ہمالہ کے مختلف حصون مین کاروبار کرتی تھی ، اور تقریباً اسی کی وجہ سے وہ اپنے یورپین رقیبون کو شکست دینے اور نکالنے مین کامیاب ہوئی ، لیکن جنگ پلاسی کے بعد اُس کا رویہ فوراً بدل گیا ، اب آزاد تجارت کو وہ اپنا حق سمجھنے لگی ، اور مرکزی حکومت کو کمزور دیکھ کر ، ملک کے آئین وقوانین اور قواے نظم ونسق کو اپنے تاجرانہ مفاد اور دولت کی بیش ازبیش "لوٹ مار" کے تابع کرلیا ، اُس نے اپنی ساری توجہ اس مین مرکوز کردی کہ ہندوستان کی صنعتی روح کو کچل ڈالے ، اس کے نقد سرمایہ پر قبضہ کرلے ، اور اس کو ایک فلاکت زدہ زرعی ملک بنا کر انگلستان کی مصنوعات کے لیے ایک اچھی منڈی بنا دے ، اس نے دیسی تاجرون پر منڈیون کے دروازے بند کر دیے ، تمام صنعتون کا اجارہ لے لیا ، مقامی درآمد برآمد پر بھاری بھاری محصول عائد کردیے ، دستکارون کو طرح طرح کے محصولون اور پابندیون سے جکڑ دیا ، قحط کے زمانہ مین زمیندارون سے زبردستی سستا اناج

غرضکہ بنگال بگڑ گئی اور اُس کے گماشتے اس طرح پھرنے لگے جیسے بادشاہ پھرتے ہیں ان کا یہ وتیرہ تھا کہ دست کارون سے چوتھائی قیمت پر مال خریدتے اور چوگنی قیمت پر بیچتے، کمپنی اور اس کے کارندون کی تجارت چنگی اور دوسرے محصولون سے مستثنیٰ تھی، اور دست کارون کو یہ حکم تھا کہ وہ اپنا مال کسی دوسرے کے ہاتھ نہ بیچین، جو آفت کا مارا ایسا کرتا سخت سزائین پاتا، غرض اس طرح بنگال کی ساری تجارت دیسی تاجرون کے ہاتھ سے نکل گئی، اور صنعتین ان کے مظالم سے مٹنے لگین، مگر میر جعفر تو یہ سب باتین دیکھتا تھا، اور دم نہ مارسکا، مگر غیور میر قاسم سے چپ نہ رہا گیا، اس نے کمپنی کے اعلیٰ افسرون کو گماشتون اور کارندون کی بدعنوانیون کی بارہا شکایتین کین اور پھر صاف لکھدیا کہ "کمپنی کو اپنے کارندون کو ہدایت کرنی چاہیئے کہ وہ اپنا رویہ بدلین، مین اور میری حکومت اس سے زیادہ توہین برداشت نہین کرسکتی، لیکن جب اس پر بھی کچھ نہ کیا گیا تو اُس نے اپنے علاقہ مین اندرونی تجارت پر محصول معاف کردیا، اور زبردست مالی قربانی کرکے دیسی تاجرون کی مدد کی، اس شرافتِ نفس اور وطن خواہی کی پاداش مین اُسے عہد شکن قرار دیا گیا اور جنگ کرکے (۱۷۶۳ء) تخت سے اتار دیا، پھر دو برس بعد "دیوانی" لیکر نوابی کا سلسلہ بھی ختم کردیا، جو بنگال کی رہی سہی خوشحالی کے لیے فاقہ اور موت کا پیغام تھا،

یہ تو صرف وہان کا ذکر ہے، جہان کمپنی صرف "دیوان" کی حیثیت سے متصرف تھی، وہان کا ذکر نہین جہان مطلق العنان مالک تھی، اور جہان صناعون کے لیے یہ دنیا بدترین دوزخ بن گئی تھی،

لیکن کمپنی کی ظالمانہ کارروائیان یہان بھی ختم نہ تھین، اس نے زیادہ سے زیادہ روپیہ حاصل کرنے کے جنون مین قول و قرار، انصاف و دیانت کو بھی بالائے طاق رکھ دیا تھا، اور جنھون نے احسان کیے تھے اُن ہی کے گلے کاٹتی تھی، سراج الدولہ کو اپنی گون کا نہ دیکھ کر، جنگ کرکے اسے تخت سے اتار دیا (۱۷۵۷ء) اور اس کی جگہ ۲۳ لاکھ ۴۰ ہزار پونڈ کے بدلے میر جعفر کو بٹھایا، مگر جب وہ کمپنی کے آئے دن کے مطالبات پورے نہ کرسکا، تو اُسے معزول کردیا، اور میر قاسم کو بردوان، مدناپور،

چٹاگانگ کی آمدنی کے معاوضہ مین "گدی نشین" کیا، پھر اُس سے کرناٹک کی جنگ کے لیے پانچ لاکھ روپے مانگے، جو اس نے دیدیے، یہان تک وہ قابلِ تعریف تھا، لیکن بدقسمتی سے اُسکو اپنے ملک سے محبت تھی، وہ اُسکو خوشحال دیکھنا چاہتا تھا، اور اُس نے دیسی تاجرون کے فائدے کے لیے اپنے ممالک محروسہ مین اندرونی نقل وحرکت پر چنگی معاف کردی تھی، جس کی وجہ سے دیسی تاجرون کو کمپنی کے مقابلہ مین منفعت بخش تجارت کا موقع مل گیا تھا، اس لیے اس کو اس جرم پر "بدعہدی" کی سزا مین تخت سے اُتار دیا، (۱۷۶۳ء) اور ۵۳ لاکھ سالانہ پنشن کرکے حکومتِ بنگالہ کو اپنے انتظام مین لے لیا، جو چند سال مین ۱۶ لاکھ تک گھٹا دی گئی، شاہ عالم کو ۲۶ لاکھ سالانہ خراج دینے کا وعدہ کیا تھا، مگر ہسٹنگز کے زمانہ مین اس کا ایفا فضول سمجھا گیا اور بند کردیا گیا، ۱۷۶۵ء کے معاہدے کی رو سے تنجور کا راجہ کمپنی کا اتحادی تھا، لیکن اس کی دولت پر اس کا دانت تھا، محمد علی نواب کرناٹک کو، جو کمپنی اور یورپین مہاجنون کا بہت مقروض تھا، تنجور کے لوٹنے پر آمادہ کیا۔ راجہ نے ۴ لاکھ پونڈ دیکر نجات حاصل کرنے کی کوشش کی مگر پذیرائی نہ ہوئی، سینٹ جارج کے ارباب حل وعقد یہ فیصلہ کرچکے تھے کہ "صوبۂ مدراس کے عین قلب مین ایسی قوت کا موجود ہونا سخت خطرناک ہے،" اس بنا پر ۲۶ ستمبر ۱۷۷۳ء کو تنجور کا آخری فیصلہ کردیا گیا، کورٹ آف ڈائرکٹرز نے جن وجوہ کی بنا پر اس کی منظوری دی اُن سے ایک حد تک کمپنی کا نقطۂ نظر واضح ہوتا ہے، اس نے لکھا "یہ بات بہت ہی غیر معقول معلوم ہوتی ہے کہ راجہ تنجور ملک کے ایک ایسے زرخیز علاقہ پر قابض رہے جو تنہا ایک پورے لشکر کے مصارف برداشت کرسکتا ہے . . . . ہم تمھین اجازت دیتے ہین کہ تم راجہ پر زور ڈالنے کے لیے نواب کی مدد کرو . . . . . . امید ہے کہ اس سلسلہ مین جو رقم ہاتھ آئے گی اس سے نواب کے کل قرضے بیباق ہوجائین گے" ۱۷۷۵ء مین آصف الدولہ سے بنارس کا علاقہ لیکر راجہ چیت سنگھ سے ۵۰ ہزار پاونڈ کا مطالبہ کیا، اور جب اس نے یہ رقم بے چون وچرا دیدی تو ۵ لاکھ کا اور مطالبہ کیا، جسے وہ پورا نہین کرسکتا تھا، اس لیے اُسے اس "معقول" جرم کی سزا مین

قید کر دیا گیا اور اُس کی جگہ ایک کمزور آدمی کو اس شرط پر گدی نشین کیا کہ وہ مقررہ خراج کے علاوہ مزید روپون سے بھی مدارات کرتا رہیگا، اسی زمانہ مین آصف الدولہ سے ۱۲ لاکھ پونڈ کا مطالبہ کیا اور اس کی ادائی کے لیے اس کو مجبور کیا کہ وہ اپنی مان اور دادی کے خزانون پر قبضہ کرے، حالانکہ ان کی حفاظت کی کمپنی خود ضامن ہوئی تھی، اور آخر کمپنی کی فوجون نے فیض آباد پہنچکر بیگمون کو محل مین قید کر دیا اور اُن کے خزانچیون کو لکھنؤ لیجاکر زبردستی ۱۲ لاکھ پونڈ وصول کیے، کنارا کے راجہ کو کمپنی کے افسرون سے شکایات تھین، جب تھاس مانرو اس علاقہ مین بندوبست کے لیے گیا تو کنارا کے ولیعہد نے اس سے ملکر اپنی حکومت کی شکایات پیش کین، مانرو نے اس سے وعدہ کیا کہ وہ راجہ کے مطالبات کمپنی کے سامنے پیش کر کے اس کے حسب دلخواہ فیصلہ کرادیگا، مگر عملاً یہ کیا گیا کہ راجہ کے تمام اختیارات سلب کر کے اس کے علاقہ کو اپنے انتظام مین لے لیا اور راجہ کو مدد معاش کے لیے تھوڑی سی جاگیر دیدی،

غرض یہ تھا کمپنی کا مطمح نظر، یہ تھے اُس کے اعمال، اور یہ تھے اُن کے تباہی بخش اثرات، حکومت کا کچھ مقصد نہ تھا مگر روپیہ، اس کی طرف سے اجازت تھی کہ جو چاہو کرو مگر روپیہ بہت بھیجو، عمال پہلے ہی یہان کی دولت کو دیکھ دیکھ کر للچا رہے تھے، پروانگی ملتے ہی کھل کھیلے، لوٹ مار مین کوئی کور کسر اُٹھا نہ رکھی، جو نہ کرنا تھا وہ کیا، خود ڈاکٹر کنگھم کو بھی ان ناکردہ کاریون کا اعتراف ہے، انھون نے لکھا ہے "یہ بے پایان دولت ایسے جابرانہ وغاصبانہ طریقون سے حاصل کی گئی ہے جو کسی ملک اور کسی عہد کی تاریخ مین اپنا جواب نہین رکھتے"

کیا یہ واقعات ایسے نہین ہین کہ اُن پر انسانیت خون کے آنسو بہائے؟ یہی وہ بتباہ کن معاشی غارت گری، اور موت آفرین اقتصادی لوٹ تھی، جس نے ہندستان کو ان حالون کو پہنچا دیا، اونچی ناک والے انگلستان کو اپنے اولین اقدام کے یہ خونین واقعات یاد کر کے شرمانا چاہیئے"

معتزلہ کی ایک قدیم تصنیف

الانتصار للخیاط

(جرمن سے ترجمہ کیا گیا)

ترجمہ شیخ عنایت اللہ صاحب ایم اے معلم عربی گورنمنٹ کالج جھنگ (پنجاب)

معارف (جلد ۱۹ نمبر ۲) مین اطالین مستشرق پرنس کائتانی کی تاریخ اسلام پر ایک مختصر تبصرہ شایع ہوا تھا، اس کو پڑھ کر پنجاب کے ایک نوجوان صاحب علم نے ہم کو مخاطب کیا، اور اس تاریخ کے اردو ترجمہ کا مژدہ سنایا، ہندوستان کے موجودہ جمود علمی کو دیکھتے ہوے ہمین اس مژدہ پر تعجب ہوا، لاہور کے پچھلے سفر مین ان سے ملاقات کا لطف بھی حاصل ہوا، یہ نوجوان صاحب علم شیخ عنایت اللہ صاحب، ایم اے ہین، اللہ تعالیٰ نے بعض اشخاص مین عجیب قابلیتین مضمر رکھی ہین، موصوف کو اسلامی تاریخ وتمدن سے بیحد ذوق ہے، اسی ذوق نے ان کی دستگیری کی اور یورپین زبانون کا شوق ان مین پیدا کیا، خوش قسمتی سے ڈاکٹر سیف الدین صاحب کچلو نے اُن کے اس شوق کی رہنمائی کی،

ان کا وطن امرتسر ہے ۱۹۱۶ء مین جب وہ ابھی کالج کی ایف اے کلاس مین تھے، ڈاکٹر سیف الدین کچلو نے یہ سن کر کہ ان کو تاریخ اسلامی کا بیحد شوق ہے، انھون نے کمالِ مہربانی سے اُن کو فرنچ اور جرمن زبانون (جن سے وہ واقف ہین) کی تعلیم کا ذمہ لیا، مگر ان کی تعلیم پر ابھی چند ہی مہینے گذرے تھے اور ابھی ابتدائی کتابین بھی ختم نہ ہوئی تھین کہ ڈاکٹر صاحب سیاسی مشاغل مین مصروف ہوگئے، اور ان کی مشفقانہ تعلیم وتدریس کا زمانہ ختم ہوگیا، مگر چونکہ وہ ان زبانون کی تحصیل کا راستہ دیکھ چکے تھے اور اسی کے ساتھ ہی وہ یورپین مستشرقین کی تصانیف کے مطالعہ کیلیے بیتاب تھے

اس لیے علمی شوق اور مناسبتِ طبع نے خود رہنمائی کی، اور انھون نے ان زبانون کا مطالعہ از خود جاری رکھا، اور بحمداللہ کہ آج وہ اُن سے بخوبی مستفید ہو رہے ہین،

جب وہ بی اے کلاس مین تھے تو اُن کو پیرس کے ایک ناشر الکتب کی طرف سے کائتانی کی کتاب CHRONOGRAPHIA ISLAMICA (کا احوالنامہ پراسپکٹس) وصول ہوا، اگرچہ وہ اس وقت اطالین سے ناآشنا تھے مگر احوالنامہ مین نمونہ کے جو چند صفحے شمول تھے اُن سے کتاب کی ترتیب اور جامعیت اور راُس کے ازحد مفید اور پر از معلومات ہونے کا اندازہ کرکے اُنھون نے اطالین سیکھنے کا مصمم ارادہ کر لیا، چنانچہ ایم اے کلاس مین جب وہ عربی کی تحصیل مین مصروف تھے، ساتھ ساتھ اطالین کے مطالعہ کو جاری رکھا، اور دو سال مین اتنی لیاقت پیدا کر لی کہ وہ اس زبان سے ترجمہ کرنے پر قادر ہو گئے، اب وہ مغربی زبانون مین انگریزی کے علاوہ جرمن، فرنچ، اطالین مین اور یورپی زبانون سے استفادہ کر سکتے ہین، مشرقی زبانون مین، عربی، اور فارسی زبانون سے واقف ہین، یہ ایک ایسا مجموعۂ اوصاف قابلیت ہے جس پر مسلمان فخر کر سکتے ہین، شیخ صاحب گاہے گاہے اپنے تراجم سے معارف کو بھی مشرف کرنے کا عزم رکھتے ہین اور اس سلسلہ مین اپنے متعدد تراجم انھون نے بھیجے ہین جن مین سے ایک آج ہدیۂ ناظرین ہے،

معارف جلد ۱۷ نمبر ۲ کے شذرات مین الانتصار نامی ایک عربی کتاب کا تذکرہ کیا گیا تھا، اب انھون نے اس کتاب کے متعلق اس کے شائع کنندہ جرمن مستشرق کا یہ تبصرہ جرمنی سے ترجمہ کرکے بھیجا ہے جس کے لیے ہم اُن کے شکر گذار ہین، انشاء اللہ آیندہ ہمارے ناظرین کو اُن کی قابلیت کے مزید نمونے دیکھنے کا اتفاق ہوتا رہیگا،

علمی حلقون مین یہ خبر دلچسپی سے پڑھی جائے گی کہ حال ہی مین معتزلہ کی ایک قدیم تصنیف روزِ روشن مین آئی ہے، اس کا عنوان کتاب الانتصار و الرد علی ابن الراوندی الملحد ہے اور یہ ابو الحسین عبد الرحیم بن محمد بن عثمان الخیاط کی تصنیف ہے، اُپسالا یونیورسٹی (سویڈن) کے ایک استاذ ڈاکٹر نیبرگ نے اس کو

قاہرہ کے کتب خانۂ سلطانی کے ایک نادر اور واحد نسخہ سے لیکر ایک مفصل عربی دیباچہ کے ساتھ مصر سے ۱۹۲۵ء
مین لجنۃ التالیف و الترجمہ والنشر کے خرچ پر شایع کیا، چند ماہ ہوے صاحب موصوف نے اُس کے مضامین
کی نوعیت اور اہمیت کے متعلق ایک مختصر تحریر جرمن زبان مین شائع کی تھی جس کا ترجمہ ذیل مین ہدیۂ ناظرین ہے،

فرقۂ معتزلہ کا آغاز اس کی قدیم تاریخ، تا حال تاریکی کے پردہ مین مستور رہی ہے، کیونکہ اب تک ہمین
اُن کے عقائد و کلام کی کوئی قدیم العہد کتاب معلوم نہ تھی، یہ سچ ہے کہ بغدادی شہرستانی اور ابن حزم نے
ملل ونحل پر جو کچھ لکھا ہے، اس مین اس فرقہ کی تاریخ کے متعلق بھی کچھ مواد چھوڑا ہے، مگر یہ مواد بہت قلیل اور
ناکمل ہے، اُس کے علاوہ عدم روا داری اور تعصب نے اس مین اس قدر تصرف کیا ہے کہ قدیم معتزلی متکلمین کے
اصلی اور حقیقی عقائد و مقاصد تک پہنچنا محض روایات کی نہایت سخت تنقید کے بعد ممکن تھا، اور اس کا نتیجہ یہ
ہوا کہ معتزلہ کی اصل حقیقت یورپ کے علماے محققین سے بھی مخفی رہی، معتزلی علما کو کسی نے آزاد خیال اور
کسی نے زاہدان مرتاض تصور کیا ہے اور کسی نے یہ سمجھا ہے کہ یہ وہ لوگ تھے جو دنیا سے الگ تھلگ، بیفائدہ
اور لاحاصل موشگافیون اور باریک بینیون مین منہمک رہتے تھے، لہذا اہل تحقیق کے لیے اس امر سے
زیادہ خوش آئند اور کیا بات ہو سکتی تھی کہ اُنھین قدیم معتزلہ کا بیان خود انھین مین سے ایک کے ہاتھ کا لکھا
ہوا دستیاب ہو جائے، اس مضمون کے متعلق جو کمی ہمارے علم مین تھی اس کو مذکورۂ بالا کتاب بطریقِ احسن
پورا کرتی ہے،

یہ کتاب ایک مشہور معتزلی عالم یعنی خیاط کی تصنیف سے ہے، جو کعبی کا استاد تھا، اور جو علما کی
راے کے مطابق اُن لوگون مین سے تھا، جو اسلام مین دینی عقائد و مسائل کے قدیم ارتقا کے بہترین عالم گذرے
ہین، اس کا سالِ وفات ۳۰۰ھ کے قریب ہے، اور اس کی موجودہ کتاب محض حسن اتفاق سے ہم تک پہنچی
ہے، ہمین اس کا صرف ایک نسخہ معلوم ہے جو مصر کے کتب خانۂ سلطانی کو ۱۹۱۱ء مین شیخ طاہر الجزائری
سے ورثہ مین ملا، اور جو دراصل پہلے دمشق کے کسی کتبخانہ مین وقف تھا، آخری صفحہ پر شام کے ایک فقیہ کی

لکھی ہوئی ایک تحریر ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُسے اس کتاب سے کچھ واسطہ و تعلق رہا ہے، اور ہمارے لیے خوشی کا مقام ہے کہ یہ کتاب متعصب ملاؤں کی حرارت مذہبی سے بچ رہی ہے، کتاب ہذا کا نسخہ بذات خود بڑا نادر اور یادگارِ زمانہ ہے، کیونکہ یہ نسخہ ۳۴۷ھ مین تیار ہوا تھا اور اب بھی اچھی خاصی حالت مین ہے،

جیسا کہ عنوان سے ظاہر ہے یہ کتاب ابن الراوندی کے جواب مین لکھی گئی تھی جو ایک پُراسرار شیعی آزاد خیال گذرا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ خیاط نے اپنی عمر اور اپنے مطالعہ و تحقیق کا بہت سا حصّہ اُس ملحد کے خلاف جنگ کرنے مین صرف کیا تھا۔ اس کتاب کے لکھے جانے کا قصّہ یون ہے کہ متوکل کے عہدِ خلافت مین معتزلہ پر جو جبر و تشدد ہوا، غالباً اسی سے متاثر اور برانگیختہ ہو کر جاحظ نے ایک کتاب "فضیلۃ المعتزلہ" کے نام سے تصنیف کی تھی جسمین اس نے نہ صرف اپنے فرقہ کے اصول کو ثابت کیا تھا، بلکہ شیعہ فرقہ پر بھی بہت درشت حملے کیے تھے، اس کے جواب مین غالباً تیسری صدی ہجری کی اختتام کے قریب ابن الراوندی نے اپنی مناظرانہ کتاب "فضیحۃ المعتزلہ" لکھی اور اس مین جاحظ پر خوب لے دے کی، اب خیاط نے ابن الراوندی کے رد مین اپنی کتاب الانتصار لکھی، اس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ پہلے ابن الراوندی کی تنقید کی ہر فصل کی چھان بین کرتا ہے، اُس کے اعتراض کو اسی کے الفاظ مین نقل کرتا ہے اور اس کے بعد معتزلی علما رجن کو ابن الراوندی نے مورد طعن بنایا تھا) کی اصلی اور حقیقی تعلیم کو نہایت شرح و بسط کے ساتھ بیان کرتا ہے، اس طرح تمام قدیم معتزلہ ہماری نظر کے سامنے سے گذرتے ہین، خیاط اپنے جوابات مین زیادہ تر نظام اور ابو الہذیل العلاف کا ذکر کرتا ہے، یہ پہلا موقع ہے کہ معتزلہ کے آغاز اور عقائد پر جن کو آج تک غلط سمجھا جاتا رہا ہے بالکل نئی روشنی پڑی ہے اور اس اہم فرقہ کے حقیقی مقاصد آشکارا ہوے ہین، کتاب ہذا کے بموجب اس بات مین کچھ شک نہین رہا، کہ اعتزال دراصل ایک مدافعانہ اور مبلغانہ تحریک تھی جو ایک مدت تک جاری رہی، یہ امر بہت دیر پہلے اس نہایت اہم مواد سے بھی معلوم ہو سکتا تھا، جو جاحظ نے کتاب البیان مین داخل

اور عمرو بن عبید کے متعلق روایت کیا ہے،

کتاب الانتصار نہ صرف معتزلہ کی تاریخ کے لیے نہایت اہم ہے، بلکہ اس کے واسطہ سے ابن الراوندی کی فضیحۃ المعتزلہ کے کئی اجزا معلوم ہو سکتے ہیں جن کی مدد سے یہ کتاب تمام کی تمام از سر نو تیار ہو سکتی ہے، اس کے ذریعہ سے ہم ابن الراوندی کی شخصیت کے متعلق بالکل نئی بصیرت حاصل کرتے ہیں اور معتزلہ کے ساتھ اس کے تعلقات کی مکمل تاریخ مسطور پاتے ہیں، اس کے علاوہ ایک قدیم شیعی عالم ہشام بن الحکم پر نئی روشنی پڑتی ہے، ایک اور مزیدار اور ناقابل تردید بات جو اس کتاب سے آشکارا ہوتی ہے یہ ہے کہ بغدادی نے اپنی کتاب الفرق بین الفرق" میں ابن الراوندی کی فضیحۃ المعتزلہ کو بکثرت استعمال کیا ہے،

لہذا کتاب الانتصار اسلام کے قدیم عقائد کی تاریخ کے لحاظ سے ایک اول درجہ کی دستاویز ہے،

اس کتاب کے دیباچہ میں جو عربی میں لکھا گیا ہے، خیاط اور ابن الراوندی کی سوانحمری کے متعلق مسالہ اور مواد یکجا کر دیا گیا ہے، معتزلہ کے متعلق نئے مواد پر بحث کی گئی ہے اور اس فرقہ کی قدیم تاریخ کو از سر نو قلمبند کرنے کی کوشش کی گئی ہے، جس کے مطالعہ سے مشرقی قارئین پر یورپ کے اصول تاریخ نویسی ظاہر ہوں گے، حواشی میں کتاب کے مشکل مقامات کی تشریح کی گئی ہے اور متن میں جن اشخاص کا ذکر ہوا ہے اُن کے حالات زندگی کے متعلق مواد فراہم کر دیا گیا ہے، فہرستوں کے مکمل بنانے میں خاص احتیاط اور محنت صرف کی گئی ہے،

کتاب الفلاحۃ

اندلس کے مسلمانوں نے فن زراعت میں جو ترقی کی تھی اس کا یہ آئینہ ہے، یحیی اشبیلی کی تصنیف ہے جس کا ترجمہ مولوی سید ہاشم صاحب ندوی نے کیا ہے، اور معارف پریس میں چھپا ہے، تاریخ اور فن دونوں کی حیثیت سے یہ پڑھنے کی چیز ہے، ضخم ۱۱۶ صفحہ، قیمت للعہ

تلخیص و تبصرہ

آلہ پارچہ بافی کا انگریز موجد

اور اُسکی

صد سالہ برسی

انگلستان کی تمام دولت و ثروت اور قوت جہانبانی کا راز اس کے کپڑون کی تجارت مین مضمر ہے کیونکہ اس کو دنیا کے تمام ممالک مین صنعت پارچہ بافی مین تفوق حاصل ہوا ہے، اور اسی صنعت سے اس نے اقتصادی و سیاسی تفوق حاصل کیا ہے اور آج دنیا کے سب سے بڑے حصہ پر فرمان روا ہے، لیکن یہ عجیب پر لطف حقیقت ہے کہ انگلستان کی یہ حیرت انگیز صنعتی ترقی صرف ایک شخص سموئل کرمپٹن (SAMUEL CROMPTON) کی رہین منت ہے، جس نے خود نہایت عسرت کی زندگی گذار دی، ۲۶ جون ۱۹۲۷ء کو انگلستان مین اس کی صد سالہ برسی نہایت شان و شوکت سے منائی گئی، مصر کے رسالہ المقتطف مین اسی صد سالہ برسی کی مناسبت سے اس کے حالات زندگی شایع ہوے ہین جس کا خلاصہ ہم درج ذیل کرتے ہین، جسمین انگلستان کی اس حیرت انگیز ترقی کا راز پنہان ہے،

اس کی پیدائش ۱۷۵۳ء مین صوبہ لنکاشائر کے ایک شہر بولٹن کے قریب ہوئی، اس کے والدین نہایت غریب و نادار تھے، اس لیے اُنھون نے اُسکو مجبوراً بچپن سے تعلیمی سلسلہ کی طرف بھیجنے کے بجائے سوت کاتنے مین لگا دیا، اس وقت تک انگلستان مین سوت کاتنے کی دو مشینین ایجاد ہو چکی تھین جن مین سے ایک ہر گریوز کی طرف منسوب ہے، جسمین آٹھ چرخے کام کرتے تھے، جنکو ایک دولابی شکل کا پہیہ بیک وقت

چلاتا تھا، لیکن اس کا سوت نہایت ناقص ہوتا تھا، جو صرف تانے کے کام مین آتا تھا، اس لیے پارچہ بافان بالعموم بانے مین اون یا کتان وغیرہ بھرتے تھے اس لیے ایک ایسی مشین کی شدید ضرورت تھی جو بانے کے لیے بھی روئی کا سوت تیار کر سکے، چنانچہ ایک دوسرے شخص سر رچرڈ آرک رائٹ (SIR RICHARD ARK WRIGHT) نے یہ کمی پوری کردی، اور اس سے ایسا سوت تیار ہونے لگا جو بانے کے کام مین آئے اور اس کے بعد پارچہ بافون کا عام دستور رہا کہ وہ ہرگریوس کے سوت سے تانا تنتے اور سر آرک رائٹ کے سوت سے بانا بھرتے، لیکن ان دونون تار و پود کی تکمیل کے بعد بھی انگلستان کو اقوام عالم کے درمیان صنعت پارچہ بافی مین کوئی خاص امتیاز حاصل نہین ہوا، البتہ اس سے ملکی ضرورتین ایک حد تک پوری ہونے لگین،

اس کے بعد سیموئل کرومپٹن کا دور آتا ہے، یہ فطرۃً نہایت ذہین اور ذکی واقع ہوا تھا، اس کے مصرف مین بھی یہی دونون مشینین تھین، اس نے اپنا مشغلہ جاری رکھتے ہوئے، ان دو مشینون کے نقائص بہت جلد معلوم کر لیے، اور ان کی اصلاح و ترمیم پر غور کرتا رہا، یہان تک کہ ۱۷۷۹ء مین اس کو نمایان کامیابی حاصل ہوئی، اس نے ان دونون مشینون کے اجزار علٰحدہ کیے، اور پھر دونون مین سے مفید اور زیادہ کار آمد اجزار کو یکجا کیا، اور انہین چند چیزین اضافہ کرکے بالکل ایک نئی مشین تیار کرلی اور اس درجہ نمایان کامیابی حاصل کی کہ اب تک قدیم مشینون سے زیادہ سے زیادہ ۱۶۸۰۰ گز طویل سوت کاتا جا سکتا تھا، لیکن اب اسکی مشین ۴۷۷۰۰ میل کا سوت نکالنے لگی، اور یہ اس وقت کا واقعہ ہے جبکہ اس مشین مین ابتدأ صرف تیس چرخے لگائے جاتے تھے، بعد مین اس مین مزید ترقی ہوئی، اور اسمین ۲ ہزار چرخے بیک وقت کام کرنے لگے،

علاوہ ازین اس کا سوت بار یکی، مضبوطی، صفائی اور دیگر خوبیون کے لحاظ سے نہایت بہترین ثابت ہوا، اور بازار مین پہونچتے ہی بہت جلد قبولیت حاصل کرلی، جس کی وجہ سے اس کے ہم پیشہ

لوگون کے کاروبار کو شدید نقصان پہونچا، اور وہ اُس کے درپے آزار ہوگئے، اور اس کی کامیابی کے راز کی جستجو مین لگ گئے، کیونکہ ابتک اُس نے اپنے اس اختراع کو صیغۂ راز مین رکھا تھا، اور اس لیے اُسنے اس اختراع کے سلسلہ کی تمام جد وجہد رات کو بند کمرے مین کیا کرتا تھا، اور مشین کی تیاری کے بعد بھی وہ رات کو کام کرتا رہا، لیکن ایک طرف اس کی ہم پیشہ جماعت اس پر ٹوٹ پڑی اور دوسری طرف انگلستان کے بڑے بڑے تاجرون نے کوشش شروع کی کہ وہ اپنے حق ایجاد سے دست بردار ہوکر کوئی معاوضہ قبول کرے، نتیجہ یہ نکلا کہ سوت کاتنے والون کی ایک بڑی جماعت شبانہ روز اس کے مکان کا محاصرہ کیے بیٹھی رہی، اور اُدھر تاجرون کا اصرار بھی تہدید وتخویف تک پہونچ گیا، اور ان حالات مین اُسکے لیے رات دن مین کسی وقت ایک لمحہ کام کرنا دشوار ہوگیا، بالآخر یہ چیز بہت جلد اُس کے ہاتھون سے نکلکر تمام پارچہ بافون کے یہان پہونچ گئی، اور تاجرون کے تمام وعدے بھی غلط نکلے اور اس سلسلہ مین اس کو صرف ۶۰ پونڈ دستیاب ہوئے،

لیکن اب کرومپٹن کے لیے خود اس کی مشین بیکار ہوگئی، کیونکہ اس کے پاس اتنا سرمایہ نہ تھا کہ وہ وہان کے بڑے بڑے تاجرون کے مقابلہ مین اپنا کارخانہ قائم کرتا، کیونکہ ان لوگون نے اپنے کارخانون مین بہت جلد اس مشین کو رائج کردیا تھا، اس لیے اب کرومپٹن حکومت سے اپنی ایجاد کا معاوضہ طلب کرنے کی کوشش کرنے لگا، اور اس سلسلہ مین ۱۸۱۲ء مین اس کو صرف ۵۰۰۰ پونڈ کی حقیر رقم دی گئی، کرومپٹن اس پر خاموش رہا، لیکن جب ۱۸۰۹ء مین ڈاکٹر اڈمنڈ کارٹرائٹ کو ایک کارگاہ کی ایجاد کے معاوضہ مین جو پانی اور بخارات کی مدد سے چلتا ہے، ۱۰۰۰۰ ہزار پونڈ حکومت کی طرف سے عطا کیا گیا، تو کرومپٹن نے بھی اپنی ایجاد کا حقیقی معاوضہ طلب کرنا چاہا، کیونکہ ڈاکٹر اڈمنڈ کی ایجاد کے مقابلہ مین اس کی ایجاد بہت زیادہ بلند پایہ اور انگلستان کی ثروت مین انقلاب پیدا کرنے والی تھی،

چنانچہ اس نے اس مقصد کے لیے ملک کا دورہ کیا، جس سے اسکو معلوم ہوا کہ اسوقت ملک مین

۶۵۰ ہزار اس کی مشین چلتی ہے، ۱۵۰ ہزار ہرگریٹس کی اور ۳۰۰ ہزار آرک رائٹ کی مشین ہے حالانکہ اس کی مشین ابھی بالکل نوایجاد تھی،

اُس نے یہ اعداد و شمار ارباب حکومت کے سامنے پیش کیے اور مسٹر اسپنسر رئیس الوزراء نے کرومپٹن کو ۲۰ ہزار انعام دیے جانے کی ایک تحریک پارلیمنٹ مین پیش کرنے کا فیصلہ کیا لیکن کرومپٹن کی شومیِ قسمت سے عین اسی دن جبکہ یہ تحریک پیش ہونے والی تھی مسٹر اسپنسر پارلیمنٹ کو جارہے تھے کہ ان پر کسی نے شدید جارحانہ حملہ کیا، اور کرومپٹن کی شخصیت ایک مرتبہ پھر پارلیمنٹ کی نظرون سے اوجھل ہوگئی لیکن مدت کی خاموشی کے بعد پارلیمنٹ نے اس کو دوبارہ یاد کیا، اور ۵ ہزار پونڈ کا انعام دیے جانے کا فیصلہ کیا، کرومپٹن نے اس سرمایہ سے اپنا کاروبار جاری کیا لیکن اس کو نقصان اٹھانا پڑا، اور جسکی وجہ سے اس کا سرمایہ بھی ضایع ہوگیا، اور اُس کے فقر و فاقہ کی زندگی پہلے سے زیادہ سخت ہوگئی اسی حالت مین گذر رہی تھی کہ ۱۸۲۲ء مین اُس کے بعض احباب نے اس کے نام سے کچھ سرمایہ جمع کردیا جس کا ۶۲ پونڈ سالانہ منافع اُنکو ملنے لگا، اور اب یہی اس کی ساری کائنات تھی جسپر وہ بسراوقات کرتا تھا، اور بالآخر انگلستان کو دولت و ثروت اور سیاست مین تمام اقوام عالم پر سربلند کرنے والا کرومپٹن اسی تنگدستی و فاقہ مستی مین ۲۶ جون ۱۸۲۷ء مین موت کے پنجہ مین گرفتار ہوگیا،

اس کی وفات کے بعد ہی اس کے ہموطن باشندگانِ بولٹن کی آنکھین کھلین اور اس کی قدر افزائی اپنے لیے باعثِ فخر سمجھنے لگے، شہر مین عام سڑکون پر جابجا اس کے مجسمے نصب کیے گئے اس کی سالانہ برسی منائی جانے لگی جسمین تمام انگلستان نہایت خلوص سے شرکت کرتا، یہانتک کہ اس سال اسکی صدسالہ برسی اس کروفر اور دھوم دھام سے ۲۶ جون کو منائی گئی کہ شاہ فواد فرمانروائے مصر، ثروت پاشا وزیر اعظم مصر کو ساتھ لیکر اس کی شرکت کے لیے مصر سے انگلستان گئے، کیونکہ انگلستان کی صنعتِ پارچہ بافی مین مصر کی روئی کی زراعت کو خاص اہمیت حاصل ہے شاہ فواد کا انگلستان مین

نہایت شان وشوکت سے شاہی استقبال ہوا، اور وہ شاہی جلوس کے ساتھ بلوٹن جاکر اس تقریب میں شریک ہوے، کرذمپٹن کے ہاتھ کی بنائی ہوئی سب سے پہلی مشین آج انگلستان کے عجائب خانہ میں نہایت عزو افتخار سے رکھی ہوئی ہے

" ر "

عربون کے شمسی مہینے

عربی زبان مین قمری مہینون محرم صفر وغیرہ کے علاوہ شمسی مہینے بھی استعمال کیے جاتے ہین یہ شمسی مہینے عرب مین اسلام سے پہلے یہودیون کے ذریعہ سے گئے، اور اس وقت سے آجتک برابر استعمال کیے جاتے ہین چنانچہ اسوقت بھی عرب مصر اور شام وغیرہ مین قمری مہینون کے پہلو بہ پہلو یہ مہینے بھی لکھے جاتے ہین جو بہ ترتیب حسب ذیل ہین،

تشرین اول، تشرین ثانی، کانون اول، کانون ثانی، شباط، اذار، نیسان، ایار، حزیران، تموز، آب، اور ایلل یا ایلول،

بصرہ کے ایک یہودی صاحب قلم یوسف ہرمن نے ان مہینون کا ماخذ کلدانی زبان کو قرار دیا ہے، اور اسی لحاظ سے اُن کے نامون کی توجیہ پیش کی ہے، جس کا مطالعہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا:-

تشرین کلدانی کے لفظ (شرا) سے نکلا ہے جس کے معنی شروع اور ابتدا کرنے کے ہین، اور اسی مہینہ سے آغازِ سال ہوتا ہے، کانون کا لفظ (کانونا) سے ماخوذ ہے، جس کے معنی کلدانی مین انگیٹھی کے ہین، اور ان دونون مہینون کا نام اس لیے پڑا کہ ان مین سردی ہوتی تھی اور لوگون کو انگیٹھیون کی ضرورت پیش آتی تھی،

شباط خالص کلدانی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی "سوط" یعنی کوڑے کے ہین، اس مہینہ کو اس لفظ سے اس لیے تعبیر کیا گیا کہ سورج اپنی کرنون کے کوڑون سے کانون کے دونون مہینون کے

بچنے کے جاڑون کھار بھگاتا ہی" "آذار" کے معنی کلدانی مین "چھینٹے" کے ہین کہ اسی مہینہ مین پانی کی بوچھارین پڑنے لگتی تھین "ایار" کے معنی "جاگنے" "یا" جگانے والے" کے ہین کہ اس مہینہ مین کسان اپنی کھیتی کو بچانے کے لیے راتون کو جاگ کر کاٹتے تھے "نیسان" کے معنی "تجربہ" کے ہین اس مین درخت اور کھیت کی صلاحیت کا اندازہ لگایا جاتا تھا اس سے وہ ابر نیسان اور قطرۂ نیسان فارسی مین مستعمل ہے "حزیران" کے معنی محنت اور کوشش" کے ہین کہ اسی مہینہ مین کسان کڑاکے کی دھوپ مین کھیتی کے کام کاج مین ان تھک لگے رہتے تھے "تموز" کے معنی "دوانئین" کے ہین کہ اس مہینہ مین کسان کھیت کاٹ کر دوانیان کرتے تھے "آب" کھجور کو کہتے ہین کہ اسی مہینہ مین کھجورین پکتی تھین اور اسی لیے عربی مین اس مہینہ کو ابوالفا کہہ بھی کہتے ہین "ایلول" کہتے ہین" ولولہ اور بکا" کو کیونکہ اس مہینہ مین کسانون کے گھر کی پونجی ختم ہو جاتی ہے اور اس کے ساتھ جاڑے کے دن بھی آجاتے ہین جس سے بہت دکھ اور رنج مین رہتے تھے اسی طرح لفظ "شہر" جس کے معنی عربی مین مہینہ کے ہین دراصل کلدانی کا لفظ "سہرا" یعنی چاند ہے مگر جب یہ لفظ عربی مین آیا تو چاند کے معنی مین لیے جانے کے بجائے چاند کے ایک دور یعنی مہینہ کا نام رکھ دیا گیا، " ر "

یورپ اور روزہ

"یورپ" اور "روزہ" بظاہر ان دونون لفظون مین آج تضاد نظر آتا ہے، مگر ایک زمانہ تھا جب آج کا "مصنوعی عیسائی یورپ" حقیقی عیسائی یورپ تھا، اسوقت وہان مذہبی حیثیت سے لوگ اسی طرح روزے رکھتے تھے جیسے آج بھی مذہبی مشرق مین لوگ روزے رکھتے ہین، اور اُسکے لیے سلطنتین اُسی طرح تاکیدی احکام نافذ کرتی تھین جس طرح اسلامی ملکون مین آج بھی سلطنتین رمضان کے احترام کے احکام جاری کرتی ہین، مگر بڑھتی ہوئی عیش پسندی اور روحانیت سے تنفر اور بے اعتمادی نے نہ صرف یورپ سے بلکہ عیسائیت سے بھی اسکو خارج کر دیا،

حضرت عیسیٰ ؑ نے خود بھی روزے رکھے تھے، اور اُن کے پیرو بھی روزے رکھا کرتے تھے، تاہم ان کے زمانہ کے یہودیون کو اسپر بھی اعتراض تھا کہ اُن کے پیرو بہت کم روزے رکھتے ہین، حضرت عیسیٰ ؑ نے اُنکے اس اعتراض کا بھی جوابدیا، مگر حضرت عیسیٰ اگر آج ہوتے تو دیکھتے کہ یہودیون کا اعتراض انیس سو برس کے بعد اُن کے پیروؤن پر پورا صادق آگیا، عیسائی فرقون مین بہت کم روزے پروٹسٹنٹ فرقہ مین ہین اور غالباً عملی حیثیت سے اسی تحریک نے عیسائی ملکون مین روزے کی اہمیت کم کردی، حالانکہ اس کے بانی لیوتھر نے روزون کی ترویج کی کوشش بھی کی تھی اور اس کے باعث اسپر "ترکون کے مذہب" یعنی اسلام کی متابعت کا الزام قائم کیا گیا تھا، لیکن یورپ مین مذہب کے تدریجی انحطاط کے ساتھ ساتھ روزون کی عملی اہمیت بھی کم ہوتی گئی، گذشتہ زمانہ مین جب وہان مذہب کے تمام احکام اور ممنوعات حکومت کے قوانین کے طور پر نافذ ہوتے تھے تو روزون کے احترام کے متعلق احکام جاری ہوتے تھے، ۸۰۹ء مین فرانس کے بادشاہ شارلمان نے ایک فرمان جاری کیا تھا کہ جو شخص بغیر کسی عذر کے روزے کے دنون مین روزے نہ رکھیگا اسکو موت کی سزا دیجائیگی، اور عذر بھی اسوقت تک قبول نہ ہوگا جب تک کسی مجبوری کی تصدیق مین اسقف کی تحریری شہادت نہ پیش کی جائیگی اور افطار کی اجازت ملنے کے بعد نہایت پوشیدہ طور پر افطار کرنا ہوگا، پھر ہنری جارج نے بھی اسی حکم کی تجدید کی، اس کے بعد رفتہ رفتہ اس حکم مین آسانی ہوتی گئی، یہان تک کہ ۷ فروری ۱۵۹۵ء کو عام شاہراہ پر اعلان لگا یا گیا کہ روزے کے دنون مین گوشت کھانے والون کو شدید سزا دیجائیگی، اور اگر کوئی قصائی گوشت بیچتا نظر آئے گا تو اس کے لیے موت کی سزا ہوگی، پھر سترھوین صدی مین بھی اسی قسم کے اعلانات کی تجدید ہوئی، مگر جب اٹھارھوین صدی آئی، تو ۱۷۷۴ء مین پولیس نے ایک مقام پر مختلف قسم کے گوشتون کی ایک بڑی مقدار پکڑی جو ملک کے امرا اور رؤسا کیلئے مہیا کی گئی تھی، لیکن حکومت کیطرف سے گوشت ضبط کرلینے کے علاوہ اور کسی قسم کی بازپرس نہین ہوئی، اسی کے بعد روزون کے متعلق تمام امتناعی احکام رفتہ رفتہ کالعدم ہونیلگے یہانتک کہ آج ہم "یورپ" اور "روزہ" دو متضاد مفہوم سمجھتے ہین،

"ر"

اخبارِ علمیّہ

ہندوستانی ایکڈیمی (صوبہائے متحدہ) کی کونسل نے اپنے پہلے اجلاس منعقدہ ۳۰ مارچ ۱۹۲۷ء میں یہ طے کیا تھا کہ قبل اسکے کہ کوئی علمی کام کیا جائے اُردو ہندی کے موجودہ لٹریچر کی جانب سے واقفیت حاصل کرنا ضروری ہے، چنانچہ دو کمیٹیاں ایک اردو کے لیے اور دوسری ہندی کے لیے اس غرض سے مقرر کی گئیں کہ دو مہینہ کے اندر ایکزیکیٹو کمیٹی کے سامنے وہ ان لٹریچروں کی رپورٹ پیش کریں، دونوں کمیٹیوں نے اپنی اپنی رپورٹیں بھیجیں، اور ایکزیکیٹو کمیٹی نے ان رپورٹوں پر، جولائی ۱۹۲۷ء کو غور کرکے ایکڈیمی کے حصول اغراض کے مناسب طریقوں پر بحث کی، ایک اسکیم سال رواں کے اخراجات کی تیار کی گئی جسکی روسے پانچ ہزار روپیہ ان لوگوں کے لیے منظور کیا گیا جو نئی کتابیں لکھیں اور دو ہزار روپیہ اُن لوگوں کے لیے جو سال رواں کے اندر بہترین کتاب تیار کریں، تین ہزار چھ سو روپیہ ان لوگوں کی تنخواہ کیلیے جو دارالتالیف میں ایکڈیمی کی جانب سے ملازم رکھے جائیں اور ایک ہزار روپیہ اُن علماء و فضلاء کے اخراجات کے لیے جسکو ایکڈیمی لکچر دینے کے لیے مدعو کرے،

کمیٹی نے یہ طے کیا ہے کہ دو کتابیں ہندوستان کے ادبی، تمدنی، اخلاقی اور سیاسی حالت پر، ایک ہندوؤں کے زمانہ کی، اور دوسری مسلمانوں کے عہد کی تیار کرائی جائیں، ایک کمیٹی چند ممبروں کی اس غرض سے متعین کی گئی کہ وہ ایسے ادیب کا انتخاب کرے جو اس کام کے لائق ہو اور جب کتاب تیار ہو جائے تو اس کی طباعت کا اہتمام کرے،

دارالتالیف کے مستقل اشخاص کے تقرر اور لکچرر کے انتخاب کے لیے بھی کمیٹیان مقرر کی گئین،
دو انعامات بھی تجویز کیے گئے ہین ایک سال رواں کی بہترین اُردو نثر کی کتاب اور اردو نظم کی کتاب کیلئے
اور اسی طرح ہندی کے لیے بھی دو انعامات مقرر کیے گئے ہین،

اکیڈیمی کے صدر سرتیج بہادر سپرو نے اپنی فیاضی سے ایک ہزار روپیہ اس غرض سے اکیڈیمی کو عطا کیا ہے کہ وہ
اس رقم کو اس فاضل کی خدمت مین بطور نذر کے پیش کرے جو ہندوستان کے اسلامی عہد کی معاشرتی
اور تمدنی حالت پر تین خطبے پڑھے کمیٹی نے اس عطیہ کو شکریہ کے ساتھ قبول کیا، اور ایک ہزار روپیہ
اپنے فنڈ سے اس لکچرر کو نذر دینے کے لیے علحدہ تجویز کیا ہے، جو تین لکچر ان موضوعات پر جن کو اکیڈیمی تجویز
کرے گی تیار کرے،

مرض سرطان آج کل مغرب کے حکما کو مرض سرطان کے متعلق تحقیق و تدقیق کا خاص شوق پیدا ہوا ہے
چنانچہ ہر مہینہ مین وہان کے بلند پایہ علمی وطبی رسائل مین اس مرض کی تشریح، اس کے پیدا ہونے کے اسباب،
اس سے محفوظ رہنے کی تدبیرین، اس کے طریقۂ علاج، اور مختلف طریقۂ علاج کے مختلف تجربات وغیرہ پر
مفید مضامین اور اعداد وشمار شائع ہوتے رہتے ہین، چنانچہ اسی سلسلہ مین اس کا سیسہ کے ذریعہ سے جو علاج
ہوتا ہے اس کے اعداد وشمار شایع ہوے ہین، جن سے پتہ چلتا ہے کہ صرف ایک شہر لیورپول مین گذشتہ
پانچ سالون کے اندر ۲۲۷ اشخاص اس مرض مین مبتلا ہو کر زیر علاج آئے جن مین ۳۱ مریضون کو صحت
ہوئی، ۱۰ مریضون مین مرض کی ترقی کی رفتار رُک گئی، اور ۱۰۸ مریضون نے وفات پائی، جن مین سے ۱۰۲
تو اس مرض ہی کی وجہ سے ہلاک ہوئے اور باقی ۶ مریضون کی جان سیسہ سے علاج کرنے کی وجہ سے ضایع ہوئی،

سونے کی مقدار، اس وقت مختلف ممالک مین سونے کی جو مقدار جمع ہے اس کے اعداد و شمار حسب ذیل ہین :-

امریکہ	۵۸۰	ملین پونڈ	ارجنٹائن	۸۲	ملین پونڈ
فرانس	۱۲۲	" "	جرمنی	۵۸	" "
انگلستان	۱۲۰	" "	اٹلی	۴۴	" "
جاپان	۱۱۷	" "	کناڈا	۴۰ یا ۴۵	" "
اسپین	۸۸	" "	ہالینڈ	۱۸	" "

آفتاب مین داغ، ماہرین فلکیات کا بیان ہے کہ چند دن گذرے کہ آفتاب کے روشن چہرے پر ایک بہت بڑا داغ نمایان ہوا، جو یکم جون سے ۱۵ جون تک قائم رہا، اس داغ کی پیمائش سے معلوم ہوا کہ یہ دو ہزار مربع میل کو محیط تھا، لیکن اسی رقبہ مین اس بڑے داغ کے علاوہ بعض اور چھوٹے چھوٹے داغ بھی شمار کر لیے گئے،

کہکشان کے ستارون کی تعداد، امریکہ کے رسالہ مین جو ایک خاص مجلس علمی کا آرگن ہے ڈاکٹر ایبٹ کا ایک مضمون شائع ہوا ہے جسمین انھون نے کہکشان کے ستارون سے بحث کی ہے اور اُنکی مجموعی تعداد کا تقریباً ۳۰ ہزار ملین اندازہ لگایا ہے، اور اس کے سب سے طویل قطر کا اندازہ ایک لاکھ سال نوری اور اُس کے سب سے کم قطر کا اندازہ ۲۰ ہزار سال نوری کیا گیا ہے،

لاسلکی کی ایک اور علمی ترقی، ہم نے معارف ماہ مئی مین "لاسلکی کی نئی ترقیان" کے عنوان

سے مسٹر ہابرڈ کے ایک جدید اختراع کا تذکرہ کیا تھا، جس کے ذریعہ سے انسان دور دراز کی چیزون کی اصلی شکل وصورت، وضع قطع اور صحیح نقل وحرکت کو دیکھ سکتا ہے، اب اس آلہ نے آزمائش اور تجربہ کے دور سے گذر کر عمل کے دور مین قدم رکھا ہے، اور اُسکے لیے یورپ مین جابجا اسٹیشن قایم ہو رہے ہین، چنانچہ اس کا ایک اسٹیشن آئرلینڈ کے دارالحکومت ڈبلن مین بنا ہے، جو آئرلینڈ کا جنوبی حصہ ہے، اور دوسرا اسٹیشن اس کے شمالی حصہ مین شہر بلفاسٹ مین قایم ہوا، ان کے علاوہ جابجا دیگر مقامات پر متعدد اسٹیشن بنائے گئے ہین لیکن ابھی تک ان مین سے دو اسٹیشنون کے درمیان کی مسافت ۱۶۳ میل سے زیادہ نہین ہونے پائی تھی، اور خیال تھا کہ شاید اس سے زیادہ مسافت مین مزاحمت پیش آئے، مگر بالکل آخری اطلاع سے پتہ چلا کہ لندن اور گلاسگو مین بھی اسٹیشن قایم ہوگئے ہین، جن کی مسافت تقریباً ۳۰۵ میل ہے،

اقوام عالم کی مردم شماری دنیا کی آبادی مین، ابتک دنیا کی تمام آبادی مین سے ۳/۴ حصہ کی مردم شماری ہو سکی ہے، اور باقی ۱/۴ حصہ محض اندازہ پر مشتمل ہے، چنانچہ اس لحاظ سے دنیا کی سب سے آخری مردم شماری کے اعداد و شمار حسب ذیل قرار پائے ہین، :-

یورپ -	۳۵۱۰۰۰۰۰۰	شمالی امریکہ -	۱۴۴۰۰۰۰۰۰
ایشیا -	۹۵۶۰۰۰۰۰۰	جنوبی امریکہ -	۹۷۰۰۰۰۰۰
افریقہ -	۱۳۲۰۰۰۰۰۰	اوقیانیکا -	۶۹۰۰۰۰۰
			۱۸۱۹۰۰۰۰۰۰

اس تمام آبادی مین عیسائیون کی مجموعی تعداد تقریباً ۶۵۰ ملین ہے لیکن مسلمانون کی تعداد مین اختلاف ہے، بعض لوگ ۲۲۰ ملین کہتے ہین، اور بعض ماہرین ان کی تعداد ۳۵۰ ملین سے بھی زیادہ بتاتے ہین، اور یہودیون کی تعداد تقریباً ۱۴ ملین ہے،

"ر"

نغمۂ شاد

از

یمین السلطنت مہاراجہ کشن پرشاد شاد صدر اعظم دولت آصفیہ

آرزو مدت سے یہ تھی دردِ دل پیدا کرین — دردِ دل سے اب تڑپتے ہین تمنا کیا کرین

منحصر ہے ایک آنسو پر ہماری مغفرت — وہ اگر چاہین تو اس قطرہ کو اک دریا کرین

دل پہ جب چرکے لگائے تھے نہ آیا ان کو رحم — اب مسیحا بن کے آئے ہین کہ زخم اچھا کرین

خود فراموشی کی اپنی کرتے ہین ہر روز مشق — شغل کچھ تو چاہیے بیکار بیٹھے کیا کرین

حسرتِ ایفائے وعدہ - وعدۂ صبر آزما — دونون ہین موجود پھر اسپر تقاضا کیا کرین

دیدہ و دل اپنے دونون ہو چکے رسوائے خلق — اے جنون! اب کون باقی ہے جسے رسوا کرین

بھیس بدلین جتنے چاہین مجھ سے چھپ سکتے نہین — اور اُس پر اُن کی خواہش ہے یہی پردا کرین

ہم نے تو روز ازل سے دل بتون کو دیدیا — اب اگر دل لیکے ترساتے ہین ترسایا کرین

دین و دنیا دونون اپنے جیب و دامان گیر ہین

اس دو روزہ زندگی مین شاد ہم کیا کیا کرین

غزالِ چہارچشم

از

جناب شیخ مشیر حسین صاحب قدوائی، بیرسٹرایٹ لا، تعلقدار گدیہ

ہمارے شیخ صاحب کو جب سیاسیات سے فرصت ملتی ہے، تو ہنگامۂ نظم برپا کرتے ہیں، چنانچہ نالۂ مشیر کے نام سے ان کا مجموعۂ کلام شائع بھی ہو چکا ہے، اس نظم کا عنوان خود جناب شاعر نے "غزالِ چہارچشم" تجویز کیا ہے، شیخ صاحب کو ان چار آنکھوں سے نینی تال کی بلند سطح سے "آزادیِ عالم" کا جو سمان نظر آیا ہے، اس نظم میں وہ اوروں کو بھی دکھایا ہے، اگر ہم خاک نشینوں کو تو دکھانے سے بھی یہ نظر نہیں آتا، کاش شیخ صاحب کی یہ پیشینگوئی حرف حرف پوری اترتی، شاعر نے جس "بحرِ ناپیداکنار" میں شناوری کی ہے، اُسکی "سلامتی" کے ہم ذمہ دار نہیں۔

"معارف"

آئی ہے بہار آزادی کی، پھر غنچۂ دل کھلتا ہے مرا
چھائی ہیں گھٹائیں ساون کی، اور چلنے لگی ہی سرد ہوا

گل ہنستا ہے خوش ہو ہو کر۔ لائی ہے یہ پیغام صبا
آئی ہے بہار آزادی کی، پھر غنچۂ دل کھلتا ہے مرا

—— (:) ——

خوشبو سے مہکتا گلشن ہے، اور منگل ہے ہر جنگل میں
طاؤس ہیں فرطِ شوق سے رقصاں، کیسا منڈلاتا ہی بھونرا

اب قیدِ قفس سے چھوٹی بلبل۔ پھرتی ہے وہ نغمہ کناں
آئی ہے بہار آزادی کی۔ پھر غنچۂ دل کھلتا ہے مرا

—— (:) ——

پیدا ہے ہر دل میں محبت، رکھتا ہے اب کون عداوت
بند ہوا پروانہ کا جلنا۔ شمع کا شعلہ سرد ہوا،

باقی نہ رہی کانٹوں کی خلش۔ اب شکوہ کا ذکر نہیں
آئی ہے بہار آزادی کی، پھر غنچۂ دل کھلتا ہے مرا

اب شاہ وگدا مین فرق نہین ہے۔ غربت ہے نا پید جہان سے | ہمت ہے ہر دل مین سمائی۔ چھوڑ دیا بزدل نے بھی ڈرنا
دورہ ہے اب امن و امان کا۔ جنگ وجدل کا اب نہین غوغا | آئی ہے بہار آزادی کی۔ پھر غنچۂ دل کھلتا ہے مرا

---(:)---

اب مشرق و مغرب ایک ہوئے ہین۔ بن گئے ہین سب بھائی بھائی | دوست ہوئے ہین دشمن جو تھے۔ عشق کا بجتا ہے ڈنکا
ہر سمت ہے چرچا علم و ہنر کا، ہر اک کو ترقی کا ہے سودا | آئی ہے بہار آزادی کی۔ پھر غنچۂ دل کھلتا ہے مرا

---(:)---

ہر سو ہے صدا آزادی کی۔ زندان کے کھلے سب در ہین ششدر | ہے خوف کسی کا اب نہ خطر ہے۔ پاک ہوئی ہے ظلم سے دنیا
چہرے ہین بشاش سبھون کے۔ لب پر رہتا ہے یہ ترانہ | آئی ہے بہار آزادی کی۔ پھر غنچۂ دل کھلتا ہے مرا

جامِ صہبائی

از

جناب اثر صہبائی بی اے

ہر چند ہے شغلِ مے دینا اچھا | چھپ چھپ کے ہے پینے سے نہ پینا اچھا
مینا کی روح سے ہے ہستی ہستی | مر مر کے تو جینے سے نہ جینا اچھا

شوقِ چمن و نگار و مینا ہے مجھے | پیتا ہون کہ چند روز جینا ہے مجھے
کیون بادۂ ناب سے نہ سرمست ہون آج | کل زہرِ فنا کا جام پینا ہے مجھے

انجامِ تمنا پہ ملامت نہ کرین | بیکار مجھے وقفِ ندامت نہ کرین
جو کچھ بھی ہوا اثر بہت خوب ہوا | تقدیر کی احباب شکایت نہ کرین

اک نقطۂ موہوم ہے ہستی میری | لیکن ہے عجیب چیز مستی میری
چھوڑا جو خدا تو خود پرستی ہے اثر | جاتی ہے کہین یہ بت پرستی میری،

باب التقریظ والانتقاد

شاہ عزیز صاحب صفی پوری
کی
فارسی تصنیفات

موجودہ دور مین جبکہ فارسی زبان ہندوستان مین تقریبًا مردہ ہوگئی ہے، یہ دیکھکر تعجب اور تعجب کے ساتھ مسرت پیدا ہوتی ہے کہ ملک مین بعض افراد ایسے بھی ہین جنھون نے فارسی زبان مین نظم و نثر کا کافی ذخیرہ فراہم کر دیا ہے، جناب مولانا محمد عزیز اللہ شاہ عزیز معروف بہ منشی ولایت علی خان ولایت صفی پوری انھین افراد مین ہین، وہ ایک صاف باطن صوفی ہونے کے ساتھ فارسی زبان کے ناظم و ناثر بھی ہین، مرزا غالب کا زمانہ پایا ہے، اون سے مشورۂ سخن بھی لیا ہے، اور ہمارے پچھلے دور کے مشاہیر، مولانا حالی، مولانا شبلی، اکبرالہ آبادی وغیرہ سے انکی معاصرانہ مراسلت تھی، اور انھون نے انکی نظم و نثر کی بیحد داد دی ہے، اسوقت انکی حسب ذیل فارسی نظم و نثر ہمارے پیش نظر ہے

دیوانِ ولایت اس مین غزل، قصیدہ، واسوخت، رباعی وغیرہ اکثر اصناف شاعری موجود ہین، ضخامت ۲۸۶ صفحہ کی ہے،

دیوانِ عزیز اس مین قصائد، غزلیات، رباعیات اور ایک آدھ نعتیہ

	مثنوی شامل ہین بعض قصائد مین صنعت مہملہ کا التزام کیا گیا ہے، ضخامت ۱۵۲ صفحہ کی ہے،
مجموعۂ ختم فکر	اس مین کچھ صوفیانہ غزلین، زیادہ نعتیہ قصائد و قطعات اور اخیر مین کچھ اردو غزلین ہین، ضخامت ۷۶ صفحہ،
نورِ تجلی	اس مین اہل تصوف کے مذاق کے مطابق نعتیہ غزلین ہین، ضخامت ۴۰ صفحہ،
حسرتِ دل	مثنوی ہے۔ اور اس مین رسول اللہ صلعم سے اپنی خواہشون کا اظہار کیا گیا ہے ضخامت ۲۴ صفحہ،
نعتِ محبوب	جیسا کہ نام سے ظاہر ہے نعتیہ غزلون کا مجموعہ ہے، اخیر مین چند چھوٹی چھوٹی مثنویان، قطعات و رباعیات بھی ہین، ضخامت ۷۰ صفحہ،
ذکرِ جمیل	ایک عاشقانہ مثنوی ہے، نام سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی نعتیہ مثنوی ہو گی، لیکن ایسا نہین ہے، بلکہ جمیل اس مثنوی کا ہیرو ہے، ضخامت ۵۹ صفحہ،
مقصد الابرار	اس مین مثنوی مولانا روم کے طرز پر بہت سی حدیثون کی تشریح کیگئی ہے، ضخامت ۷۹ صفحہ،
فتحِ مبین،	یہ گویا اسلامی شاہ نامہ ہے جسمین رسول اللہ صلعم کے غزوات کا بیان ہے، ضخامت ۱۹۳ صفحہ،
محامدِ حامد،	یہ ۸ صفحہ کا ایک نعتیہ قصیدہ ہے جو قاآنی کے قصیدہ پر صنعت

سوال و جواب مین لکھا گیا ہے،

نظم کے بہ نسبت نثر کا حصہ بہت کم ہے، اور اس مین حسب ذیل چھوٹے چھوٹے رسائل ہین۔

نور ہان — یہ ۴۸ صفحہ کا رسالہ ہے جو نظم و نثر دونون پر مشتمل ہے، اور حضور نظام کی خدمت مین بطور درخواست کے گذرانا گیا ہے۔

ارمغان — یہ بھی اسی قسم کا ۴۴ صفحہ کا رسالہ ہے جو بطور درخواست کے سر وقار الامراء بہادر کی خدمت مین گذرانا گیا ہے،

پیشکش شاہجہانی — یہ بھی اسی قسم کا ۴۴ صفحہ کا رسالہ ہے جو بطور درخواست کے نواب شاہجہان بیگم والیۂ بھوپال کی خدمت مین گذرانا گیا ہے،

جہان تک عاشقانہ کلام کا تعلق ہے، ان کی غزلین بری نہین ہین، اگرچہ ان مین ہندوستانیت پائی جاتی ہے، اور کسی خالص ایرانی شاعر کا کلام نہین معلوم ہوتا، مثلاً

آخر این رنگ بے فتنہ بپا خواہد کرد — سینہ پرخون ہمہ از سرخی پانے کہ مراست

دل بدستم نیست تا خلخال در پائے شماست — فتنۂ محشر مگر پابوس بالائے شماست

کرا مجال کز ان سمت ہوشیار آید — صبا ز کوئے تو چون مست بادہ خوار آید

تاہم بہت سے اچھے شعر ان کے دیوان مین موجود ہین مثلاً

حسنت امروز ز لیلا و ز شیرین بیش ہست — گہ غم قیس کنم گہ غم فرہاد کنم

حکایتے ز طواف در تو عرضہ دہیم — ز راہ کعبہ بے کاروان اگر دانیم

روم بوادیِ مجنون و لے چگونہ روم — بقدر حوصلہ پہنائے آن بیابان نیست

ولایت آنکہ رساند تا خدا اے مرا — اگر بہ غور بہ بینی ہمان خدائے من است

بعض بعض اشعار مین لفظی مناسبتین بھی پائی جاتی ہین، جو نہایت خوبی کے ساتھ استعمال کی گئی ہین مثلاً

سراز پایم چہ می پرسی کہ ہمچون قطرۂ اشکے | براہش قطرہ زن ہستم نہ پا وارم نہ سر دارم

انکہ طشتم زلب بام بیفتاد ازد | باز در جلوہ چو خورشید لب بامے ہست

قصائد مین بہت کچھ زور طبع دکھایا ہے، بعض قصیدے صنعت مہملہ مین لکھے ہین، ایک قصیدے مین خاقانی، انوری، اور خسرو نے چاند کا ذکر تشبیب مین کیا ہے اور چاند کے متعلق نہایت نادر تشبیہین پیدا کی ہین، عزیز نے بھی ایک قصیدے مین ان کا تتبع کیا ہے، اور چاند کی تشبیہات مین بہت کچھ ندرت پیدا کرنی چاہی ہے، مثلاً

اے ماہ کہ از گوشہ ہر ماہ برآئی | جرم تو چرا کاست کہ انگشت نمائی

محراب مناجات شدی چون خم ابرو | مانند حرم قبلۂ ارباب دعائی

یا از پئے دریوزۂ حسنے ز حسینے | گردید سراپائے تو کچکول گدائی

یا حلقۂ گوشے شدۂ کج کلہے را | زان زود کہ دہد ناز دران حلقہ رسائی

یا پیکرت از خم شدہ شمشیر کہ شوخے | زیب کمر خود کند از کافر نقائی

نعتیہ غزلون مین زیادہ تر صوفیانہ رنگ ہے، مثلاً

من خرابا تیم و خواری، میخواری عشق | این صفاتم ز ازل مادۂ ذات آمد

من نیم آنکہ نامم کہ پشان ایدم | نفی چون نفی شد اثبات با ثبات آمد

مظہر لیس کمثلہ بود آدم ارے | ہمتش را ہمہ اشکال چو مرأت آمد

مثنویات مین سب سے زیادہ مفصل مثنوی فتح مبین ہے، جس مین رسول اللہ صلعم کے غزوات وسرایا کا بیان ہے جو تمامتر مدارج النبوۃ سے ماخوذ ہے،

ہمہ اقتباس از مدائح کنم | جز این ہرچہ بود است خارج کنم

اور اس مین شاعری سے زیادہ آداب نبوت کا لحاظ رکھا گیا ہے،

نگفتم بیارنیہ رسم عجم | کہ ساقی بیارد مئے جام جم
شدم محو فکر سخن گستری | بہ تکریم تاریخ پیغمبری
سرودم بہ انجام ہر داستان | درودے بہ پیرایہ راستان

اس طرح سادہ طور پر رسول اللہ صلعم کے ۲۴ غزوات کو نظم کر دیا ہے۔

نوشتم ہمہ غزوہا بست و چار | سریہ ہا از چہل زائد اندر شمار
حدیبیہ بیرون ز اشعارہا ست | طراز یدہ در ضمن گفتار ہا ست

مقصد الابرار مین متعدد حدیثون کا ترجمہ کیا ہے، اور ترجمہ مشرح صاف، سادہ اور صحیح ہے، مثلاً ایک حدیث ہے،

تجدون شر الناس یوم القیامة | قیامت کے دن تم لوگ سب سے زیادہ برا دو رخے
ذا الوجہین الذی یاتی ھؤلاء | شخص کو پاؤ گے جو کچھ لوگون کے پاس ایک رخ
بوجہ وھؤلاء بوجہ | کے ساتھ اور کچھ لوگون کے پاس ایک رخ کیساتھ آتا ہے

اور اس کا ترجمہ ان اشعار مین کیا ہے۔

گفت کہ یابید نگون سار تر | روز جزا از ہمہ کس خوار تر
آنکہ دو روئی بکند اختیار | عزم بہ یک سو نکند استوار
شیوہ کند باد و گروہ آشتی | پیش نماید بہ شکوہ آشتی
از پئے خوش داشتن ہر فریق | حق بگذارد بہ خلاف طریق
لابہ گر یہا بہ عمل آورد | آتش مبالد بہ ریا دل برد

ترجمہ کے لیے جو حدیثین انتخاب کی ہین وہ بھی زیادہ تر صحیح ہین،

"ع"

عروسِ ادب

یہ جناب سید ناظر الحسن صاحب ہوش بلگرامی سابق اڈیٹر ذخیرہ حیدرآباد دکن وحال متوسل ریاست رامپور کے اُن مضامین کا مجموعہ ہے جو اُنھون نے وقتاً فوقتاً خود اپنے رسالہ ذخیرہ اور دوسرے رسائل اور اخبارات مین لکھے، شروع مین مولوی عبد الحق صاحب ناظم ترقی اُردو کا صفحۂ تعارف ہے اور اسکے بعد ہمارے فاضل دوست مولوی عبد الماجد صاحب دریابادی کا تقریب نامہ ہے اور ان کے بعد ہوش صاحب کا خود اپنا دیباچہ ہے، جسمین اُنھون نے طرز تحریر اور اپنی تحریر کی خود مختصر تاریخ لکھی ہے، اس تعارف تقریب اور دیباچہ کے بعد اصل مضامین شروع ہوتے ہین،

یہ مضامین جن کا مجموعہ سو دو سو صفحون کو محیط ہے، چار مختلف عنوانون مین منقسم ہین اخلاقیات ۱-۴۱، ادبیات ۴۲ - ۲۸، تاریخ ۱۲۹ - ۱۹۳، سیاسیات ۱۹۴-۲۲۴، ہر عنوان کے تحت مین متعدد مضامین ہین،

ہوش صاحب کی سب سے بڑی خوش قسمتی یہ تھی کہ اُنھون نے پچھلے دور کے دو نامی گرامی بلگرامی بھائیون (مولوی سید علی بلگرامی مرحوم، و مولوی سید حسین عماد الملک بلگرامی مرحوم) کے زیر سایہ ادبی تربیت پائی، اور اسی کا اثر ہے کہ اُنھون نے ادبیات کی دلچسپی اپنے مربیون سے ورثہ پائی، ہوش صاحب کا طرز تحریر صاف سادہ، نکھرا ہوا، پیچ و خم سے پاک، فارسی ترکیبون، اور عربی کے بڑے بڑے الفاظ سے مُبرا ہے، یہ سادہ نگاری بلگرامی بھائیون کی خاص روش تھی،

خیالات کے لحاظ سے اکثر مضامین تخیلی ہین، اور ان مین سرسید مرحوم کے تخیلی ادبی و اخلاقی مضامین کی جھلک پائی جاتی ہے، ادبیات کے تحت مین جو مضامین ہین وہ زیادہ تر کتابون، رسالون اور مطبوعات پر نقد اور تبصرے ہین، صرف دو مضمون، فارسی مین یائے مجہول لکھی، اور اُردو سے علی تاریخی مضمون ہے، اس دوسرے مضمون کے لیے شاید ادبیات سے موزون تر جگہ تاریخ مین ہوسکتی تھی، تاریخی مضامین مین

ایک سفرنامۂ اجمیر اور اس مناسبت سے خواجۂ اجمیر کی بارگاہ کی لفظی تصویر ہے، اور بقیہ اشخاص اور مقامات کے تذکرے ہیں، سیاسیات میں رامپور، حیدرآباد اور کشمیر کی پالٹیکس اور ریاستوں کے ہندو مسلم سوال پر مختصر مضامین ہیں،

کتاب کی لکھائی، چھپائی، کاغذ عمدہ، شروع میں مصنف کی عکسی تصویر اور فہرست مضامین ہے، کپڑے کی جلد، قیمت پہلے ۳ تھی، اب دو روپیہ علاوہ محصول کر دیگئی ہے، پتہ سید ناظر الحسن صاحب ہوش بلگرامی کوچۂ ملا ظریف، رامپور،

محشرِ خیال

سابق علی گڈھ کالج (حال مسلم یونیورسٹی) کے اُن نونہالوں میں "جو بن کھلے مرجھا گئے" شیخ ولایت علی "بمبوق" مرحوم اور راجہ غلام حسین مرحوم کے بعد جس کا نام لیا جا سکتا ہے، وہ مرحوم سجاد انصاری (بی اے ال ال بی) کا ہے، مرحوم کو نظم ونثر دونون پر یکسان قدرت حاصل تھی، مگر افسوس کہ جوانا مرگی نے ان کے ثمراتِ فکر اور نتائجِ قلم سے زیادہ متمتع ہونے نہ دیا، یہ "محشرِ خیال" مرحوم کی نثر ونظم کا مجموعہ ہے جسکو ان کے چند باوفا دوستون نے یادگار کے طور پر مرتب اور شائع کیا ہے،

مرحوم نہ صرف لفظی شاعر، بلکہ خیالات اور طرزِ تحریر میں بھی شاعر تھے، وہ فلسفہ کی پیچیدگیون سے سخت نالان بلکہ دنیا کی لطافت اور رنگینی کے لیے اسکو خطرناک اور مُہلک تصور کرتے تھے، لیکن باینہمہ کہ ان کے تمام نثریہ مضامین ادبی تنقید، اور تخیلی نکتہ آفرینی، ہوتے تھے، تاہم اُن کا طرزِ تحریر اپنے پیچ وخم کے سبب سے ادب پر ہیئتِ فلسفہ کا دھوکا دیتا تھا، ان کی تمام نثر تحریرون میں شوخی اور زندہ دلی ہوتی تھی، مگر یہ شوخی و زندہ دلی لبون کی مسکراہٹ کے ساتھ کم، اور پرشکن پیشانی کے ساتھ زیادہ تر تھی،

مرحوم فلسفہ کی توہین وتحقیر کے لیے عربی کے بڑے بڑے فلسفیانما الفاظ اور اصطلاحات کے ذریعہ سے

۱۱اے مطلب کرتے تھے اور اسی طرز مین، ادبی، سیاسی، اخلاقی اور اصلاحی مضامین لکھا کرتے تھے، یہ طرزِ انشا ان کا خاص تھا اور انھین کے ساتھ گیا، اور اُردو ادب کی یہ صنف ناتمام رہ گئی،

یہ مجموعہ تین حصوں پر مشتمل ہے، پہلے حصہ مین اُن کے مستقل مضامین ہین جو تعداد مین نو ہین اور دست مین چھوٹی تقطیع کے ۹۶ صفحات ہین، ان کے عنوانات یہ ہین، محبت کی ماہیت، نفس، عفت نسوانی، حقیقتِ عرفان، پیامِ زلیخا، مذہب و اخلاق، اجتہاد و تحقیق، روحِ ادب، علی گڈھ میگزین، مسلمانانِ ہند اور تحریکِ اصلاح، دوسرے حصہ مین جسکا نام رعنائیِ خیال ہے چھوٹی چھوٹی تحریرون مین مختلف منتشر خیالات لطافت اور خوبی کے ساتھ ظاہر کیے ہین، یہ ۹۷ سے ۱۲۸ صفحون تک ہے،

تیسرا حصہ نظم کا ہے جس کا نام "اقتباسات" (شاید صحیح "احساسات" ہو) ہے، اس مین مرحوم کی چند قومی نظمین اور غزلین اور متفرق اشعار ہین، جو ۱۳۲ سے شروع ہوکر ۱۵۶ تک تمام ہوتے ہین، اور اسی پر یہ مجموعہ ختم ہوتا ہے، اُن مین یادِ دبوق، یادِ شبلی مرثیہ ہین، یادِ حسرت اور یادِ شوکت مین مہدی سیاسی مرحوم ہے، عرضِ نیاز ببارگاہ غازی مصطفےٰ کمال، پیامِ شوق ببارگاہِ مصطفےٰ کمال دو بیرونی سیاسی اور باقی غزلین او رمتفرق اشعار ہین،

مہدی مرحوم کی شگفتہ ادبیات کے بعد سجاد مرحوم کے ان مضامین لطیفہ کے مجموعہ سے زیادہ دلآویز نمونۂ ادب اردو مین موجود نہین اسلیے اردو ادب کے شائقین کے لیے یہ نادر تحفہ ہے اور اُن کی ہر قسم کی قدردانی کا مستحق ہے،

نہایت عمدہ لکھائی چھپائی کے ساتھ چکنے آرٹ پیپر پر یہ چھپا ہے، خوشنما سادی جلد ہے، افسوس ہے کہ یہ کتاب ایک لطیف مقدمہ سے خالی ہے، تعارف کا صفحہ صرف طبعیات کے مشکلات کے ذکر مین ہے، طبعیات سے مقصود طبع اور چھپائی ہے، یہان تک کہ اسمین مجموعہ کے حصص اور ترتیب کی نوعیت تک کا ذکر نہین، اور مضامین کی فہرست ہے، تین حصون مین سے دوسرے کا نام تو رعنائیِ خیال اور تیسرے کا اقتباسات (؟) رکھا گیا ہے مگر پہلا عنوان سے معرا ہے، یہ تغافل حیرت انگیز ہے قیمت ۵ر پتہ: شرکت ادبیہ قرول باغ، دہلی،

مطبوعات جدیدہ

کلام کیفی، مولانا سید رضی الدین حسن صاحب کیفی حیدرآباد کے کہنہ مشق شاعر تھے، ان کی وفات کے بعد اُن کے کلام کا مجموعہ جناب محمد سردار علی صاحب نے مرتب کرکے "کلام کیفی" کے نام سے شائع کیا ہے، جو غزلیات اور عام اصنافِ نظم پر مشتمل ہے، جناب کیفی کا کلام لکھنؤ کے رنگ مین رنگین اور دلکش ہے، لیکن کہین کہین کچھ عجب اچھوتے قوافی ملتے ہین، مثلاً

ہم سا ناشکر بھی ہوگا نہ زمانہ مین کوئی   کہ سنائے ہمین گر کوئی "براسس"

نہی منکر ہے غرض اپنی نہ امر معروف   بلکہ جاری ہے نگاہون سے گناہون کی تپاس"

حجم ۶ صفحے، کاغذ معمولی لکھائی چھپائی اچھی، قیمت ۸ر جناب مرتب سے کتبخانہ مسجد چوک حیدرآباد کے پتہ پر ملیگا"

سرگذشتِ ہاجرہ، جناب بیگم صاحبہ سید ہمایون مرزا صاحب بیرسٹر ایٹ لا طبقۂ نسوان کی تعلیم و تربیت کی نشو و ارتقا مین حصہ لینے والیون مین ممتاز حیثیت رکھتی ہین، اسی سلسلہ مین ان کی ایک جدید تالیف "سرگذشتِ ہاجرہ" کے نام سے شائع ہوئی ہے جسمین عورتون کو ناول کے طرز مین مختلف معاشرتی تمدنی، سیاسی اور علمی اصلاحات کی تلقین کی گئی ہے، کتاب عورتون کے لیے مفید اور اُن کے معلومات مین اضافہ کرنے والی ہے، حجم ۲۲ صفحے، پتہ: صغرا منزل ہمایون نگر حیدرآباد دکن،

جذباتِ سامی، پچھلے دنون اخبارات مین مشہور ہوا تھا کہ جبلپور اور اس کے اطراف مین آسمان پر آنحضرت صلعم کا اسم مبارک "محمد" نہایت تابان و درخشان حروف مین نظر آیا تھا، اس حیرت انگیز واقعہ پر جہان مسلمان اہل قلم اور اہل زبان اصحاب نے اپنی عقیدت کا اظہار کیا ہے، وہین یہ دیکھکر اور خصوصاً اس موجودہ فضا مین یہ دیکھکر خوشی ہوتی ہے کہ ایک ہندو شاعر جناب ماسٹر مہادیو پرشاد صاحب سامی نے

بھی اسپر ایک پُراثر نظم لکھی ہے، اور نہایت جوش عقیدت مین لکھی ہے، یہی نظم "جذباتِ سامی" کے نام سے چھوٹی تقطیع کے ۱۴ صفحون پر شائع کی گئی ہے، لکھائی، چھپائی اور کاغذ عمدہ ہے، پتہ :۔ ایس اے احمد اینڈ کمپنی جامع مسجد جبل پور،

اسلام اور غلامی، جناب مولوی حفیظ اللہ صاحب پھلواروی نے "اسلام اور غلامی" کے نام سے ایک مختصر رسالہ لکھا ہے جسمین یہ دکھایا ہے کہ اسلام ہی نے سب سے پہلے غلامی کے عالمگیر رواج کو مٹانے کی کوشش کی، اور ایسے احکام جاری کیے کہ رفتہ رفتہ اس کا رواج دنیا سے اُٹھ جائے، مگر اس نے ان کی عزت اور مرتبت کو روزِ اول ہی سے تمام انسانون کے مساوی قرار دیا، اسی ضمن مین ان صحابہ کے نام اور واقعات لکھے ہین جو غلامی مین بھی رہنے کے باوجود نہایت ممتاز حیثیت رکھتے تھے، اور اسی ذیل مین ان تابعین، تبع تابعین، علمار اور رائمہ کے نام بتائے ہین، جو نسلاً غلام ہونے کے باوجود اپنی عزت و مرتبت کے لحاظ سے تمام مسلمانون کے آقا و سرتاج تھے، حجم ۳۲ صفحے، تقطیع چھوٹی، اور لکھائی چھپائی اور کاغذ اچھا ہے، قیمت ۳ر، پتہ :۔ مینیجر صاحب مسلم ایسوسی ایشن بک ڈپو، پھلواری شریف پٹنہ،

مسیحیت اور سائنس، یورپ مذہب مسیحی کا علمبردار بنکر سولھوین صدی سے انیسوین صدی تک علوم جدیدہ سے جس طرح نبرد آزما رہا، اس کی تصویر ڈریپر کے معرکہ مذہب و سائنس سے نمایان ہے، جناب پادری برکت اللہ صاحب ایم اے مبلغِ مسیحیت نے زیر تبصرہ رسالہ مین مسیحیت اور سائنس مین اتحاد و آشتی پیدا کرنے کی کوشش کی ہے، سب سے پہلے یورپ کے اس عہد کے تعصب تقشف اور مذہبی جہل کا مختصر خاکہ پیش کیا ہے، جسمین وہ علوم جدیدہ سے معرکہ آرا رہا، پھر ثابت کیا ہے کہ مسیحیت اور سائنس کی سرحدین جداگانہ ہین، اور ان دونون مین کسی قسم کی کوئی مغائرت اور منافست موجود نہین، حجم ۲۰ صفحے لکھائی چھپائی اور کاغذ خاصہ ہے، پتہ :۔ کرسچین نالج سوسائٹی، انارکلی لاہور،

"ر"

عدد سوم	ماہ ربیع الاول ۱۳۴۶ھ مطابق ماہ ستمبر ۱۹۲۷ء	مجلد بستم

مضامین

———(×(٠)×)———

گذشتہ مہینہ کے شذرات مین ہم نے عربی مدارس کی صورتِ حال پر جو توجہ دلائی تھی وہ بے اثر نہ رہی، مگر ایک دفعہ نہین، بلکہ ضرورت ہے کہ سیکڑون دفعہ اُدھر قوم کو توجہ دلائی جائے، اور حقیقتِ واقعہ اُنھین سمجھائی جائے، عربی مذہبی مدارس کی ضرورت ہے یا نہین؟ اگر ضرورت نہین تو ان قدامت پرست اور آگے بڑھنے سے روکنے والے مدرسون کو یکبارگی برباد کر دینا چاہیئے اور اگر ضرورت ہو تو اُن کو قائم و باقی رکھنے کی کوئی صورت کرنی چاہیئے،

قوم کو خبر ہی کہ وہ تمام عربی مدرسے جو گذشتہ چالیس پچاس سال کے عرصہ مین قائم ہوئے اور جنمین سیکڑون اور ہزارون علماء و فضلاء پڑھ پڑھ کر نکلے وہ یا ہماری غفلت کے ہاتھون فنا ہو چکے، یا وہ اسوقت دم توڑ رہے ہین، غدر کے بعد سب سے پہلا شہر جس نے عربی علوم و مدارس کی سرپرستی کی وہ **کانپور** ہے، مگر اب اسی کانپور مین جا کر دیکھیے، نہ وہ عربی مدرسے ہین، نہ وہ علماء ہین، نہ وہ طلبہ ہین، ایک عام ویرانی چھائی ہی، کانپور کے بڑے بڑے عربی مدرسے جہان کبھی طالبانِ علم کا ہجوم تھا، اب یا وہان ہر طرف خاموشی ہے، یا چند طالب علم وہان کہین چٹائی پر بیٹھے اونگھ رہے ہین، **فیض عام** کا فیض مدت ہوئی بند ہو چکا، **دار العلوم** (مولانا احمد حسن صاحب کانپوری کا مدرسہ) چند سال سے بے چراغ ہے، **جامع العلوم** اپنی زندگی کے دن پورے کر رہا ہے،

علی گڈھ کا وہ مدرسہ جہان مولانا مفتی لطف اللہ صاحب مرحوم درس دیتے تھے اور جسکے حلقہ سے اُس عہد کے سیکڑون فضلاء پیدا ہوئے بے نشان ہو رہا ہے، آرہ کا مدرسہ احمدیہ جسکو مولانا ابراہیم صاحب آروی نے قائم کیا تھا اور جس نے تمام مدارس عربیہ مین اصلاح کا قدم سب سے پہلے اُٹھایا تھا، وہ معدوم ہو چکا، **جونپور** کا وہ مدرسہ جو مولانا

ہدایت اللہ صاحب کے دم کے ساتھ قائم تھا، کیثر آمدنی کے باوجود اس کا عدم وجود برابر ہے، یہی حال لکھنؤ، بدایون، بریلی، الہ آباد، بنارس، بہار، اور شہسرام وغیرہ کا ہے،

اسمین شک نہین کہ انھین شہرون مین جہان ایک طرف پرانے مدرسے فنا ہو رہے ہین، نئے مدرسون کی بنیادین بھی پڑ رہی ہین مگر چند روزون کے بعد اُن کا نتیجہ بھی وہی ہونا ہے، کیونکہ یہ تمام مدرسے جو نئے قائم ہوتے ہین وہ ایسے قائم ہوتے ہین کہ عموماً (الا ماشاء اللہ) چند علما اور معلمین کو اپنی اوقات بسری کیلئے کسی نہ کسی سامان کی ضرورت ہے کوئی قومی، مذہبی، علمی یا قومی جذبہ ان مدارس کے وجود اور بقا کی کفالت نہین کر رہا ہے، یہ حالت نہایت دردناک اور مایوس کن ہے،

جو مدرسے آج تک کسی نہ کسی حال مین جی رہے ہین، اُن کی زندگی کی وجہ بھی کوئی علمی یا دینی تحریک نہین ہے، بلکہ یہ ہے کہ اُن پر پہلے سے اوقاف ہین، ان اوقاف پر تصرف کے لیے ضرورت ہے کہ اُن کے متولی کسی مدرسہ کا ڈھانچہ قائم رکھین، اس قسم کے مدارس بکثرت ہین، اور شہسرام بہار اور جونپور کا تو ہم کو ذاتی علم ہے، ایسے غیر مخلصانہ اعمال سے علم و دین کی تجدید و ترقی کا خیال محال قطعی ہے، اور اسی کا نتیجہ ہے کہ وہان اب اُس فیض و برکت کی ادنیٰ رمق موجود نہین ہے جو پہلے انکے در و دیوار سے کبھی نظر آیا کرتی تھی،

ادھر یہ حالت ہے، اُدھر زمانہ کا سخت و قوی ہاتھ طالب العلمون کے دماغون مین بھی انقلاب پیدا کر رہا ہے، اب وہان سے بھی استبداد، حریت، شخصیت، جمہوریت، حق اور آزادی کی آوازین بلند ہو رہی ہین، پچھلے چند مہینون سے ہماری سب سے بڑی عربی درسگاہ دارالعلوم دیوبند مین جو کچھ ہو رہا ہے، اور جو آپ دیکھ رہے ہین اور سُن رہے ہین، وہ سب زمانہ کے اثرات ہین، جہان جس قدر زیادہ مدافعت ہوگی اسی قدر دیر مین اس کا اثر وہان پہونچا، اور جب پہنچ چکا تو پھر اس کا سنبھلنا مشکل ہے، اب اگر آپ سو تدبیرین بھی کرین تو دیوبند مین وہ پچھلا کون وہ گذشتہ عہد امن اور وہ ماضی کی خوددارانہ اطاعت اور بزرگانہ شفقت واپس نہین آسکتی،

یہ سرسری اور عارضی حوادث نہین ہین، بلکہ تدریجی مؤثرات کے لازمی نتائج ہین جنکو دور بینون نے پہلے سے جان لیا تھا، اور ہم اس وقت جان رہے ہین جب وہ خطرہ کی صورت مین ہمارے سامنے آگئے ہین، اور اگر اب بھی ہم نے وقت سے پہلے تدارک اور تلافی کا سامان نہ کیا تو یہی سہی حالت کا بھی خاتمہ سمجھ لیجیے، ضرورت ہے کہ مدارس عربی کے مہتممین، مدرسین اور قدیم تعلیم مین دلچسپی لینے والے اشخاص یکجا ہون، اور اس پر غور کرین، اور اصلاحات کی تدابیر سوچین کیا ندوۃ العلماء کا آئندہ اجلاس امرتسر اس کے لیے موزون نہو گا کہ اسمین عربی مذہبی تعلیمی کانفرنس کا انعقاد کیا جاسکے،

دار المصنفین کی طرف سے سال رواں کی تیسری کتاب **خلفاے راشدین** چھپکر تیار ہو گئی ہے جو اس مہینہ کے آخر مین ارکان کی خدمت مین بھیجی جائیگی، یہ سیر الصحابہ کے سلسلہ مہاجرین کی پہلی کڑی ہے، اسمین حضرات خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کے حالات ذاتی، سوانح زندگی، اُن کے اخلاق و فضائل و کمالات، اُن کی خلافت کے کارنامون اور اُن کے انتظامی، سیاسی، علمی، اور دینی خدمات اور ملکی فتوحات کی پوری تفصیل ہے، اور اس طرح لکھی گئی ہے کہ اُن کے ذاتی حالات و سوانح کے ساتھ ساتھ عہد خلافت راشدہ کی ۳۰ برسون کی پوری تاریخ ان اوراق مین سمٹ گئی ہے، ارادہ ہے کہ اس سال ہم اپنے ارکان کی خدمت مین چوتھی کتاب فقہ اسلامی کی تدوین و ترتیب، اور اس کے عروج و کمال اور ائمہ مجتہدین اور فقہاے عظام کی اجتہادی و قانونی خدمات اور کوششون کی تاریخ پیش کرین جس کا نام شاید "تاریخ فقہ اسلامی" ہو، یہ مصر کے ایک نامور محقق عالم کی تصنیف تاریخ التشریع الاسلامی کا ترجمہ ہے،

ہم کو اپنے قدر افزا اصحاب سے یہ گذارش کرنا ہے کہ براہ خداوہ مجھسے مختصر لفظون مین اپنا مذعا ظاہر فرمایا کرین جن سوالات کے جوابات عام طور سے ہر جگہ معلوم ہو سکتے ہین اُن کے لیے دار المصنفین کو تکلیف نہ دین فتووٰن کے باقاعدہ جواب دینے کے لیے بڑے وقت کی ضرورت ہے، یہ کام دیوبند، فرنگی محل، بدایون، بریلی، ندوۃ العلماء ہر جگہ خاص طور سے ہو رہا ہے، اس لیے فتوون کے جواب

دینے سے معاف رکھا جائے، نیز یہ بھی عرض ہے کہ دفتری کامون اور کتابون کی درخواستون وغیرہ کے لیے کسی شخص کا نام لکھنے کے بجائے فقط عہدہ یا دفتر لکھنا کافی ہے، نام لکھنے سے تعمیل مین تعویق اور دقت ہوتی ہے،

پچھلے شذرات مین ہم نے اپنے دوست پروفیسر نواب علی کی اُردو تصنیف سیرۃ کا ذکر کرتے ہوے اُن سے خواہش ظاہر کی تھی کہ وہ اُردو کے بجائے انگریزی مین سیرۃ پر کتاب لکھین، کہ آج اُردو سے زیادہ انگریزی مین اسکی ضرورت ہے، خدا کا شکر ہے کہ موصوف نے ہماری اس التماس کو قبول کیا، اور وہ اُس کے لیے تیاری شروع کرنے والے ہین، اُنھون نے لکھا ہے کہ "اس کام کے لیے ہم سے زیادہ مستحق اور اہل مولانا محمد علی (اڈیٹر کامرڈ، ہمدرد) تھے، انھین کو اُدھر متوجہ کیجیے" عرض ہے کہ مولانا محمد علی کی اس اہلیت و استحقاق مین تو کلام نہین، ہماری گذارش اُن کی خدمت مین بہت پُرانی ہے لیکن اب "اسیر آزادی" عارض ہو چکی ہے، تاہم جسطرح پروفیسر نواب علی کی اردو سیرۃ المصطفےٰ اُردو کی بہت سی اچھی تصنیفات کے وجود کا باعث ہوئی، اسی تفاؤل پر امید ہے کہ اُن کی انگریزی سیرت بھی شاید اور دوسری انگریزی سیرتون کے وجود کا باعث بن سکے،

افسوس ہے کہ اُردو کے ایک کہنہ مشق مصنف اور ایک بڑے مصنف کی جسمانی یادگار، مولوی بشیر الدین احمد، خلف مولانا ڈپٹی نذیر احمد صاحب مرحوم نے بھی اپنی جگہ خالی کی، ۲۴ اگست کی شب کو بعارضۂ فالج دہلی مین وفات پائی، تاریخ بیجاپور، فرامین شاہی، عصاے پیری اور کئی تاریخی اور ادبی کتابون کے مصنف تھے، اور اس عہد مین بسا غنیمت تھے،

مقالات

کیا ولی کی اجازت کے بغیر کوئی عورت نکاح نہیں کر سکتی؟

۵

حدیث لانکاح الا بولی

احناف نے اس حدیث کو بالفرض صحیح مان لینے کی صورت مین دو تاویلین کی ہین ایک یہ کہ یہ حکم اپنے عموم پر نہین بلکہ اُنھین لڑکیون سے متعلق ہے جن کے لیے ولایت کی ضرورت ہے یعنی نا بالغ، مجنون اور بے عقل لڑکیون سے، عاقل و بالغ لڑکیون سے اس کا کوئی تعلق نہین ہے، کیونکہ صحیح حدیثون سے ثابت ہے کہ ثیبہ لڑکیون اور عورتون کے معاملہ مین ولی کو کوئی حق حاصل نہین ہے، اور دوسری حدیثون سے ثابت ہے، کہ عاقل و بالغ لڑکیون کی رائے کو آپ نے اُن کے اولیا پر ہمیشہ مقدم کیا ہے جس سے ثابت ہوا کہ ان لڑکیون کے مقابلہ مین ولی کو کوئی اختیار حاصل نہین ہے، نیز قرآن پاک مین متعدد آیتین ایسی ہین جن مین نکاح کے فعل کی نسبت اولیا کی طرف نہین، بلکہ خود عورتون کی طرف کی گئی ہے ان سے واضح ہوتا ہے کہ عاقل و بالغ لڑکیون اور عورتون کو اپنے معاملہ کا آپ اختیار ہے، اور ایک آیت پاک مین خاص طور سے اولیا کو اس بات سے منع کیا گیا ہے کہ وہ عورتون کے معاملات نکاح مین دخل دین، اور ان کو اپنی مرضی کی جگہ پر نکاح کرنے سے روکین، ان وجوہ سے اگر یہ حدیث صحیح بھی ہو تو احکام شرعی مین تضاد اور تخالف کو دور کرنے کے لیے یہی کہا جا سکتا ہے کہ بغیر ولی کے نکاح درست نہ ہونے کا حکم صرف نابالغ اور بے عقل لڑکیون سے متعلق ہے، عاقل و بالغ لڑکیون سے نہین ہے،

اس حدیث کا دوسرا مطلب اُنھون نے یہ بیان کیا کہ محاورہ مین یہ طرزِ ادا نہ صرف اس موقع پر استعمال کیا جاتا ہے، جہان نفس فعل کی نفی مقصود ہوتی ہے، بلکہ وہان بھی بولا جاتا ہے، جہان اس فعل کے کمال کی نفی مقصود ہوتی ہے خود متعدد حدیثون مین یہ طرز ایسے ہی موقعون پر اختیار کیا گیا ہی جہان نفی مطلق نہین بلکہ نفی کمال مقصود ہے، مثلاً اگر کسی شہر مین ادنی اعلیٰ کوئی طبیب نہو، وہان یہ بولا جاتا ہے کہ یہان کوئی طبیب نہین لیکن یہ طرزِ ادا وہان بھی اختیار کیا جاتا ہے جہان مقصود یہ کہنا ہوتا ہے کہ یہان کوئی اعلیٰ اور حاذق اور کامل الفن طبیب موجود نہین، اسی طرح یہ کہنا کہ ولی کے بغیر کوئی نکاح نہین، اس کے دو معنے ہین ایک یہ کہ مطلق نکاح نہین ہوتا، دوسرے یہ کہ یہ نکاح کا کامل و اشرف طریقہ نہین، یہان بھی دوسرے معنی مقصود ہین یعنی ولی کے بغیر براہ راست اگر کوئی عاقل بالغ لڑکی اپنا نکاح کرلے تو یہ نکاح گو قانوناً جائز ہوگا، مگر اخلاقاً ناموزون اور نامناسب ہوگا،

حافظ ابن حجر نے شافعی ہونے کے باوجود فتح الباری مین اس قدر تسلیم کیا ہے کہ یہ حدیث اپنے طرزِ ادا کے لحاظ سے یقیناً دونون معنون کو محتمل ہی اور جب تک دوسرے خارجی قرائن نہ لگائے جائین اُس کے معنے متعین نہین ہو سکتے، اُس کے بعد اپنے موافق قرائن سے اُسکے مطلق نفی کے معنی کی تائید کی ہے، مگر مشکل یہ ہی کہ اسی قسم کے قرائن احناف بھی اپنی تاویل کی تائید مین پیش کرتے ہین، امام طحاوی نے معانی الآثار (جلد دوم) مین ان کو لکھا ہے،

اصل یہ ہی کہ یہان دو مسئلے باہم مخلوط ہوگئے ہین، ایک یہ کہ عورت کا نکاح ولی کی اجازت کے بغیر نہین ہو سکتا، دوسرا یہ کہ عورت مرد کے سامنے صیغۂ نکاح خود نہین ادا کرتی بلکہ اس کی طرف سے اس کا کوئی رشتہ دار قائم مقام ہو کر اسکی طرف سے اسکی رضامندی کا اظہار کرتا ہے، صاف لفظون مین یون کہنا چاہیئے کہ ایک ولی اجازت ہے، دوسرا محض ولی صیغۂ نکاح یعنی وکیل جسکے اذن و رائے کو نکاح مین کوئی دخل نہین، امام شافعی اس حدیث سے ان دونون مسئلون کو ثابت کرتے ہین لیکن حقیقت یہ ہی کہ اس حدیث سے ولی اجازت کا ثبوت نہین ہو سکتا، ولی مین (با) ذریعہ اور استعانت کے علاوہ کسی اور معنی مین نہین ہو سکتا، اس بنا پر اس حدیث کا صاف ترجمہ یہ ہی "نہین ہو کوئی نکاح مگر بذریعہ ولی کے" یعنی ولی کے ذریعہ عورتون کا نکاح منعقد ہونا چاہیئے اس ولی کی رضامندی و عدم رضامندی اور پسندیدگی و عدم پسندیدگی کو اسمین کوئی دخل نہین ہو وہ محض ایک وکیل، قائم مقام اور ایجنٹ کی حیثیت رکھتا ہی اس سے

زیادہ کچھ اور نہیں، اس کی اجازت اور اذن کے ضروری ہونے پر اس حدیث سے کسی طرح استدلال نہیں ہوسکتا،

اس وکیل اور قائم مقام کی اس لیے ضرورت ہے کہ عورتین مجمع عام مین سب مردون کے سامنے اپنی زبان سے اپنی رضامندی کے کلمات ادا کرنے مین جھجکتی ہین، اس لیے ضرورت ہوئی کہ ان کی طرف سے کوئی رشتہ دار یا خاندان کا بڑا بوڑھا اس کی اجازت سے اُس کی طرف سے مجمع مین وکالت کا فرض انجام دے، اور چونکہ یہ شرم و حیا کنواری لڑکیون کو زیادہ ہوتی ہے اسلیے ان کے لیے ایسے وکیلون اور قائم مقامون کی زیادہ ضرورت ہے،

یہ بات کہ ایسے وکیلون اور قائم مقامون کی ضرورت صرف عورتون کی شرم و حیا کی بنا پر ہے، اُن کے فطری عدم قابلیت اور طبعی نااہلیت کی بنا پر نہین جیسا کہ بعضون نے سمجھا ہے اُن حدیثون سے اچھی طرح ثابت ہے جو تیسرے نمبر مین کنواری لڑکیون کے اظہار رضامندی کے طریقون کی نسبت گذر چکی ہین، اسی سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ لانکاح الا بولی کا حکم قانونی نہین، بلکہ اخلاقی ہے، یعنی ایسا نہین ہے کہ اگر عورت براہ راست خود اپنی زبان سے سب کے سامنے اظہار رضامندی کرے، تو نکاح نہین ہوسکتا، نکاح بلاشبہ ہو جائیگا، مگر عورت کی فطری شرم و حیا کے آئین و دستور کے خلاف ہوگا، یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک مین جہان کہین نکاح کا حکم اور نہی ہے وہان عورتون کو نہین بلکہ مردون کو خطاب ہے کیونکہ یون کہنا کہ "اے بے شوہر عورتو! اور لڑکیو! اپنا نکاح کرو" یا "اے عورتو! اور لڑکیو! مشرک مردون سے اپنا نکاح نہ کرو" نسوانی شرم و حیا کے آداب و آئین کلام الٰہی کی بلندی اور بلاغت کے خلاف ہے، اس بنا پر اس خطاب حکم امر و نہی کے موقعون پر عورتون کے متعلق مردون کو خطاب کیا گیا ہے،

وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَائِكُمْ (نور ۴)

اے مردو! تم اپنے مین سے بے شوہر والیون کا اور اپنے نیک کردار غلامون اور لونڈیون کا نکاح کر دیا کرو،

دوسری جگہ ہے،

وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا (بقرہ ۲۷)

مشرک جب تک ایمان نہ لائین اپنی عورتون کو ان کے نکاح مین نہ دو،

ان دونون موقعون کے علاوہ جن کا تعلق خطاب اور امر و نہی سے ہے، جہان جہان نکاح کے موقع پر صیغۂ غائب ہے، وہان نکاح کی نسبت عورتون کی طرف بلاتکلف کی گئی ہے، ایک اور نکتہ یہ ہے کہ چونکہ اس خطاب اور حکم اور نہی مین ہر قسم کی

عورتیں بالغ، نابالغ، کنواری بیوہ، مطلقہ سب ہی داخل ہین اور ان مین سے نابالغ تمامتر اپنے اولیاء کی رضامندی کے ماتحت ہین، اور کنواری بالغ کیلیئے گو ان کی رضامندی کی حاجت نہین تاہم اس کی طرف سے اظہارِ رضامندی مین اولیاء اُس کے قائم مقام ہوتے ہین، اس لیے بھی اس مقام پر عورتون کے بجائے مردون کو خطاب کیا گیا ہے،

ایک اور امر بھی اس موقع پر اظہار کے قابل ہے، جاہلیت کے زمانہ مین عورتون کو اپنے اوپر کوئی اختیار حاصل نہ تھا، وہ تمامتر مردون کے قابو مین تھین، وہ چاہتے تھے تو انکا نکاح کرتے تھے اور چاہتے تھے تو نہین کرتے تھے، اور پھر جس سے چاہتے تھے اُن کا نکاح کر دیتے تھے، اور جس سے چاہتے تھے اُن کو نکاح نہین کرنے دیتے تھے، جب اسلام عورتون کے حقوقِ آزادی کا منشور لیکر آیا تو اُس نے مردون کے ان جابرانہ اختیارات سلب کرنا ضروری سمجھا، چنانچہ یہ تمام آیتین انھین اصلاحات سے متعلق ہین، اہلِ جاہلیت کی نگاہ مین عورتون، غلامون اور لونڈیون کا ایک درجہ تھا، اس لیے ایک ہی آیت مین ان تمام مظلومون کو اس غیر فطری قید سے آزادی ملی، اور حکم ہوا کہ اے مردو! اپنی بے شوہر والی عورتون، غلامون اور لونڈیون کے نکاح کر دیا کرو، اگر یہ تسلیم نہ کیا جائے کہ زمانۂ جاہلیت مین مردون نے عورتون غلامون اور لونڈیون کو اس حق سے محروم کر رکھا تھا، تو اس کے حکم کے کوئی معنی نہین رہ جاتے، نکاح کرنا مرد و عورت کی ایک فطری خواہش ہے جسکے خاص طور سے حکم کی ضرورت داعی نہ تھی،

اسی طرح چونکہ ان کو یہ بھی پہلے اختیار حاصل تھا کہ وہ جس سے چاہین عورتون کا نکاح کر دین، اس لیے یہ ممانعت آئی کہ مشرکون سے اُن کا نکاح نہ کرو، اسلام کی رو سے محرمات شرعی کے علاوہ جن کا ذکر قرآن پاک مین دوسری جگہ ہے نکاح کے لیے صرف ایک ہی روک ہے اور وہ مشرک ہونا ہے، اس لیے اس کے متعلق مردون کو خطاب کرکے خاص طور سے تصریح آئی کہ اپنی لڑکیان نامسلمانون کو نہ دو، مردون کے انھین جاہلانہ اختیارات مین سے ایک یہ تھا کہ وہ اپنے مرے ہوے رشتہ دار کی بیوہ پر ترکہ اور موروثی جائداد کی حیثیت سے قبضہ کر لیتے تھے، اور اس کو کسی اور سے شادی نہین کرنے دیتے تھے، اسلام نے اس ظالمانہ اور بے غیرتی کے دستور کو مٹا دیا، اور خود عورتون کو یہ اختیار دیا کہ وہ اس سے یا جس سے چاہین نکاح کرین، وارث کو اُس کے روکنے کا کوئی حق نہین ہے، اور نہ وہ ترکہ اور وراثت کی حیثیت سے وارثون کے قبضہ و تصرف مین آسکتی ہین، فرمایا،

یاایہا الذین آمنوا لا یحل لکم ان ترثوا	اے لوگو جو ایمان لاچکے تمھارے لیے جائز نہیں کہ تم عورتون کے
النساء کرہا (نساء ۳۶)	زبردستی مورو ثی قبضہ کرو،

انھین جاہلانہ دستورون مین سے ایک یہ تھا کہ ولی اور رشتہ دار عورتون اور لڑکیون کا زبردستی جس سے چاہتے تھے نکاح کردیتے تھے، بلکہ یہ دستور یہان تک ترقی کرگیا تھا کہ جو لڑکی ہنوز پیدا نہین ہوئی بلکہ وہ شکم مادر مین ہوتی تھی وہ بطور شرط کے پہلے ہی سے دوسرے کے نکاح مین دیدی جاتی تھی اسلام نے اس دستور کو بھی مٹایا (ابوداؤد کتاب النکاح) اسی طرح یہ دستور تھا کہ دو آدمی جن مین سے ہر ایک کے ایک ایک لڑکا اور ایک ایک لڑکی ہو، وہ دونون آپس مین اپنی لڑکی دوسرے کے لڑکے سے بیاہ دیتا تھا، اور دین مہر آپس مین اولا بدلا ہو جاتا تھا یعنی ایک لڑکی کے دین مہر کا معاوضہ دوسری لڑکی بن جاتی تھی اُس کو "نکاح شغار" کہتے تھے، اسلام نے اس قسم کے ادلے بدلے کے نکاح کو ناجائز قرار دیا، اور اُن مین سے ہر ایک لڑکی کو بجاے خود حق دیا، اور ہر ایک کا الگ اور مستقل دین مہر قرار دیکر نکاح کی اجازت دی جسمین سے ایک کے معاملہ کا دوسرے سے کوئی تعلق نہین پہلی صورت عربون کے اس عقیدۂ باطل پر مبنی تھی، کہ باپ کو اپنی اولاد کے خرید و فروخت کا کامل اختیار ہے، اسلام نے اس رسم باطل کا ہمیشہ کے لیے قلع قمع کردیا، اور ہر عورت کو بجائے خود ایک وجود مستقل عنایت کیا،

اولیا، کا ایک ظالمانہ دستور یہ تھا کہ وہ اپنی لڑکیون کو جس کو چاہتے تھے حوالہ کردیتے تھے اس مین اُن کی مرضی کو کوئی دخل نہ تھا، اسلام نے اولیا کے اس حق کو بھی باطل کیا، اور کہا کہ "عورتون کا نکاح اُن کی مرضی دریافت کیے بغیر نہ کیا جائے" اس کے متعلق متعدد حدیثین گذشتہ سلسلون مین گذر چکی ہین، اسی پُرانے دستور کے مطابق اسلام مین بھی اولیا نے اپنی لڑکیون کا اُن کی رضامندی کے خلاف نکاح کیا، لیکن جب اس قسم کا معاملہ آنحضرت صلعم کے سمع مبارک تک پہنچا تو ہمیشہ آپ نے لڑکیون کی طرفداری کی، اور ان کا چھینا ہوا حق اُن کو واپس دلایا، ذیل کے واقعات اوپر گذر چکے ہین،

انھین واقعات مین سے ایک واقعہ معقل بن یسار صحابی کی بہن کا ہے جو صحیح بخاری وغیرہ مین مذکور ہے جس کی غلط تاویل کرکے امام شافعی وغیرہ اس کے اُلٹے معنی قرار دیتے ہین، واقعہ یہ ہے کہ معقل بن یسار صحابی کی ایک بہن تھین

اُنھون نے اُن کا نکاح ایک مرد سے کر دیا تھا، تھوڑے دنون کے بعد اُس نے اُن کی بہن کو رجعی طلاق دی، طلاق دینے کے بعد اُس کو اپنی اس حرکت پر ندامت ہوئی، اور اُس نے چاہا کہ اپنی بیوی کو دوبارہ اپنی زوجیت مین لے آئے، بیوی بھی اپنے شوہر کی طرف مائل تھین اور دل سے وہ چاہتی تھین کہ وہ پھر اس کی زوجیت مین چلی جائین مگر مجبور تھین کہ اُن کے بھائی زبردستی روکتے تھے، اور کسی طرح اُن کو اپنے شوہر کے پاس جانے نہین دیتے تھے اور کہتے تھے کہ ایک دفعہ ہم نے اس کی یہ عزت کی کہ اپنی بہن اس کی زوجیت مین دی، اور اُس نے ہماری یہ بعزتی کی کہ اُس کو طلاق دیدی، اب پھر اُس کو یہ عزت نہ دون گا، اس پر یہ آیت پاک نازل ہوئی،

فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ (بقرہ ۳۰)

عورتون کو اپنے شوہرون سے نکاح کرنے سے نہ روکو، اگر وہ آپس مین نیکی کے ساتھ راضی ہو چکے ہین،

حضرت معقل کہتے ہین کہ یہ آیت اتری تو ہم نے فوراً اپنی بہن اس کے نکاح مین دیدی،

اس آیتِ پاک نے عورتون کے خلاف مرضی اولیا رکے ناجائز تصرف اور زبردستی کے حق کو یکقلم موقوف کر دیا، بلکہ اسی آیتِ پاک مین بھی واضح کر دیا گیا، کہ نکاح کی اصلیت صرف مرد و عورت کی بھلائی اور نیکی کے ساتھ باہمی رضامندی ہے، دینِ مہر اور دو گواہون کا وجود جو دوسری آیتون سے ثابت ہین یہ نکاح کی اصل حقیقت نہین بلکہ اس کے شرائط ہین، اس آیت پاک نے قطعی طور سے یہ بھی واضح کر دیا کہ نکاح مین صرف وہی کی رضامندی شرط ہے اور وہ مرد و عورت ہین، اُن کے اولیا کی رضامندی نکاح کی صحت اور جواز کے لیے قطعاً ضروری نہین ہے،

اس کے علاوہ اور بھی دوسری آیتین ہین، جو اسی حقیقت کو ظاہر کرتی ہین، طلاق کے موقع کی آیت ہے،

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ؕ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ (بقرہ ۲۹)

تو اگر شوہر نے بیوی کو تیسری طلاق دیدی تو وہ پھر اس کے لیے اسوقت تک حلال نہو گی جب وہ اس کے سوا کسی اور شوہر سے نکاح نہ کرلے تو پھر اُس دوسرے شوہر نے بھی اسکو طلاق دیدی تو اس کے پہلے شوہر پر اور اس عورت پر کوئی گناہ نہین اگر وہ دونون آپس مین دوبارہ نکاح کرلین اگر ان دونون کو یہ خیال ہو

اس آیت کریمہ مین دو موقعون پر اس حقیقت کا اظہار ہے، پہلا موقع یہ ہے کہ عورت کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ طلاق کے بعد عدت گذرنے پر، کسی دوسرے مرد سے نکاح کرے، یہ نہین کہا گیا کہ اس کا ولی اس کا نکاح کردے

دوسرا موقع یہ ہے کہ اس دوسرے شوہر نے اگر طلاق دیدی تو کہا گیا کہ مرد اور عورت اگر چاہین تو وہ پھر آپس مین نکاح کر سکتے ہین، یہان بھی انھین دونون کی رضامندی کا ذکر کیا گیا، ولی کی رضامندی کا مطلق ذکر نہین ہے،

اسی طرح جس عورت کا شوہر مر جائے، اس کو چار مہینے دس دن کی عدت گذارنے کے بعد یہ پورا اختیار دیا گیا کہ وہ جس سے چاہے اپنی شادی کرے، شوہر کے اولیا کو اور نہ خود عورت کے اولیا کو اسمین مداخلت کا کوئی حق حاصل ہے، فرمایا گیا،

فاذا بلغن اجلھن فلاجناح علیکم	توجب وہ اپنی عدت کو ختم کرلین تو تم پر کوئی گناہ نہین وہ اپنی
فیما فعلن فی انفسھن بالمعروف واللہ	ذات کے معاملہ مین بھلائی کے ساتھ جو کچھ کرین اور جو کچھ تم کرتے ہو
بما تعملون خبیر (بقرہ ۳۰)	اللہ اس سے واقف ہے

عدت کے درمیان اس کی اجازت نہین کہ عورت سے خفیہ دوسرے نکاح کی بات چیت کی جائے، بلکہ علانیہ اور دستور کے مطابق کی جائے، اس موقع پر آیت ہے

ولکن لا تواعدوھن سرا الا ان تقولوا قولا	مگر عورتون سے چپ چاپ نکاح کا وعدہ نہ کرو لیکن
معروفا (بقرہ ۳۰)	یہ کہ عمدگی کے ساتھ اُن سے تذکرہ کرو،

دیکھو کہ اس موقع پر بھی عورت سے نکاح کرنے کی بابت خود عورت ہی سے تذکرہ نے کی اور اس سے استمزاج کی صورت بیان فرمائی، یہ نہین فرمایا کہ اس سے نہین بلکہ اُس کے ولی سے اس کا ذکر و، اور اُن کا استمزاج لو،

عورت اور اُس کے اولیا، کی رضامندی اگر ضروری ہے تو پیغمبر کے لیے بھی وہ ویسی ہی ضروری تھی، جیسی عام مسلمانون کے لیے، قرآن پاک مین آپ کو خاص طور سے اجازت صرف اس بات مین ہے کہ آپ دین مہر کے

بغیر بھی کسی عورت سے اگر وہ راضی ہو تو نکاح کر سکتے تھے گو آپ نے کبھی ایسا نہین کیا، اور عام مسلمانون کے لیے ولی بہر ضروری ہے، اُس کے بغیر نکاح نہین کر سکتے، دیکھو کہ اس موقع پر بھی اللہ تعالیٰ نے صرف عورت کی رضامندی کا ذکر فرمایا، اور اولیاء کی رضامندی کو اس مین کوئی دخل نہین دیا،

وَامْرَأَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ، (احزاب ۶)

(ہم نے تیرے لیے فلان فلان قسم کی عورتون کو صرف جائز کیا ہی) اور کوئی مسلمان عورت ہو اُسکو جائز کیا اگر وہ اپنے آپ کو نبی کو بخشدے اگر نبی نے چاہا کہ اس سے نکاح کرے، یہ حکم خاص تیرے لیے ہے عام مسلمانون کیلیے نہین (یعنی نکاح کی یہ تمام قیدین صرف تجھے لیے ہین عام مسلمانون کو)

عقدِ نکاح کی طرح فکِ نکاح یعنی کسی شوہر کے نکاح سے علحدہ ہونا بھی زندگی کا اہم واقعہ ہے قرآن پاک نے اس کے لیے تنہا عورت کی مرضی کافی سمجھی ہے، اُس کے اولیاء کی مرضی پر اُس کو منحصر نہین رکھا ہے، فرمایا،

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ط (البقرہ ۲۹)

مرد اور عورت پر اس مین گناہ نہین کہ عورت شوہر کو کچھ دیکر اس سے اپنے کو چھڑا لے،

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نکاح کرنے نہ کرنے، اس کے باقی رکھنے یا توڑ ڈالنے مین صرف عورت کی مرضی کافی ہے، اس کے اولیاء کی رضامندی قانوناً ضروری نہین،

اِن آیات کے بعد احادیث پر غور کیجیے، آنحضرت صلعم حضرت ام سلمہؓ سے جو آپ کے رضاعی بھائی کی بیوہ تھین اور صاحبِ اولاد تھین نکاح کر لینا چاہتے تھے، حضرت ام سلمہؓ نے معذرت کی کہ یا رسول اللہ میرے اولیاء یہان موجود نہین ہین، فرمایا تمھارے اولیاء خواہ یہان موجود ہون یا نہ ہون اُن مین سے کوئی اس نکاح کو ناپسند نہ کریگا، یہ سنکر ام سلمہؓ نے اپنے چھ سات برس کے نابالغ لڑکے عمر کو (مزاحاً) کہا کہ عمر اُٹھو، اور میرا نکاح آنحضرت صلعم سے کردو چنانچہ یہ نکاح ہو گیا جسمین عورت کی طرف سے کسی ولی کی رضامندی کیا، کسی ولی کی شرکت بھی نہ تھی، سب کو معلوم ہے کہ چھ سات برس کا نابالغ لڑکا ماں کا ولی نہین ہو سکتا، یہ بھی تاویل نہ کی جائے کہ آنحضرت صلعم تمام مسلمانون کے

ولی تھے، اس لیے آپ نے اپنی ولایت مین یہ نکاح کیا، کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو آپ حضرت ام سلمہؓ کی معذرت پر یہ کہنے کے بجائے، تمھارا کوئی ولی اس کو ناپسند نہ کریگا، یہ فرماتے کہ تمھارا ولی جائز مین ہون اور مین اجازت دیتا ہون، حالانکہ آنحضرت صلعم نے ایسا نہین فرمایا، قرآن پاک مین آپ کی جس ولایت کا ذکر ہے کہ

النَّبِیُّ اَوْلیٰ بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِھِمْ (احزاب ۱) نبی مسلمانون سے خود ان کی اپنی جانون سے زیادہ قریب ہے،

اس سے ولایت ملکیت نہین بلکہ ولایت نبوت مراد ہے جسکا تعلق روحانی ہے جسمانی نہین اس کا منشا پیغمبر کے احکام کی اطاعت ہے، پیغمبر کا اپنی امت کی جان و مال پر قانونی تصرف نہین، تمام علماء اور مفسرین نے یہی لکھا ہے، السلطان ولی من لا ولی لہ کی تاویل بھی نہین پیش کی جاسکتی، یعنی یہ بھی نہین کہا جاسکتا کہ اسلام کا مسئلہ یہ ہے کہ جس کا کوئی ولی نہو تو سلطان وقت اس کا ولی ہوتا ہے، کہ اگر ایسا ہوتا تو آپ ام سلمہ کے جواب مین یہی فرماتے، نیز یہ کہ یہ تو اس کے لیے ہے جس کا کوئی ولی زندہ موجود نہو، یا اگر موجود ہو تو اتنا دور ہو کہ اس کے آنے تک لڑکی کے نقصان عظیم کا اندیشہ ہو اور یہ صورت یہان نہین ہے، حضرت ام سلمہؓ کے اولیا زندہ تھے، موجود تھے، انکی آمد کے انتظار مین کسی نقصان عظیم کا اندیشہ بھی نہ تھا،

احادیث صحیحہ مین ایک اور عورت کا قصہ مذکور ہے، آنحضرت صلعم صحابہ کی مجلس مین تشریف فرما تھے، ایک عورت نے حاضر ہو کر عرض کی یارسول اللہ صلعم مین اپنے آپ کو آپ کی خدمت مین پیش کرتی ہون آپ نے اس کو نیچے سے اوپر تک دیکھا، اور فرمایا مجھے تو ضرورت نہین ہے، ایک صحابی بیٹھے تھے، انھون نے خواہش کی کہ یہ میری زوجیت مین دیدی جائے، آپ نے فرمایا تمھارے پاس کچھ ہے بھی؟ عرض کی کچھ نہین، پھر دریافت فرمایا کہ تم کو کچھ قرآن یاد ہے؟ گذارش کی کہ فلان فلان سورہ یاد ہے، فرمایا جاؤ اس قرآن کے بدلہ مین مین نے تمھاری زوجیت مین اس کو دیدیا، یہ نکاح ہوگیا، اب غور کیجئے کہ اگر نکاح کے لیے عورت کے ولی کی رضامندی اور اس کے ذریعہ سے نکاح کا معاملہ طے ہونا، یا خود اسی کا نکاح پڑھانا ضروری ہوتا تو اس طرح یہ نکاح کبھی منعقد ہو سکتا، کم از کم آپ یہ تو دریافت فرما لیتے کہ تمھارا کوئی ولی بھی ہے؟ اس کی رضامندی اور اجازت بھی حاصل کرلی ہے؟ اور جب یہ معلوم ہوجاتا کہ کوئی ولی نہین ہے، تو اپنی ولایت مین نکاح پڑھاتے مگر یہان تو صورت یہ ہے کہ عورت نے آپ کو اپنا وکیل بنا دیا اور آپ نے

اس وکالت کے حق سے اُس کا نکاح پڑھا دیا ولی کا سوال بھی درمیان مین نہین آیا،

وہ حدیث جس مین بغیر ولی کی اجازت کے نکاح کو باطل کہا گیا ہے، معلوم ہو چکا ہے کہ اس کو حضرت عائشہؓ کی طرف راوی نے منسوب کیا ہے، اس حدیث کی کمزوری پہلے بخوبی ثابت کی جا چکی ہے، مگر اس موقع پر نہایت صحیح ترین روایات سے خود حضرت عائشہؓ کا طرزِ عمل اس کے خلاف دیکھا جاتا ہے، واقعہ یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ نے عبدالرحمن ابن ابی بکرؓ اپنے بھائی کی لڑکی یعنی بھتیجی حفصہ کا نکاح اپنے بھانجے منذر بن زبیر سے کر دیا، لڑکی کے باپ عبدالرحمن شام مین تھے، عبدالرحمن جب شام سے واپس آئے تو اُنھون نے اس کو بُرا مانا کہ لڑکی کے نکاح مین خود باپ سے مشورہ نہ لیا جائے، اُنھون نے شکایت کی کہ

ومثلی یصنع ھذا بہ ومثلی یفتات علیہ　　　مجھ جیسے کے ساتھ ایسا کیا جاتا ہے، مجھ جیسے کو چھوڑا جا سکتا ہے،

(موطا امام مالک ما لا یبین من التملیک)

حضرت عائشہؓ نے عبدالرحمان کی اس خفگی کا تذکرہ منذر (شوہر) سے کیا، منذر نے اس خانہ جنگی کے رفع کرنے کے لیے یہ کہا کہ عبدالرحمان کو اختیار ہے وہ طلاق دیدین، عبدالرحمان نے یہ سن کر حضرت عائشہؓ سے کہا کہ جو آپ کر چکین مین اس کو رد نہین کر سکتا،

یہ روایت موطا امام مالک کی ہے، اس کے راوی مالک[1]، عبدالرحمن بن قاسم[2] اور قاسم[3] ہین، قاسم مدینہ کے سات مشہور فقہا رمین سے ایک ہین، بیچ مین صرف یہی دو راوی ہین، اور دونون حضرت عائشہؓ کے عزیز اور اس واقعہ سے خاص تعلق رکھنے والے ہین، اس سے زیادہ مستند طریقہ کیا ہو سکتا ہے؟

اس روایت حسب ذیل نتیجے نکلتے ہین،

۱- اگر درحقیقت اس روایت کی کہ "جو نکاح ولی کی اجازت کے بغیر ہو وہ باطل ہے" وہ راوی ہوتین اور اُن کو اس کا علم ہوتا، کیا کوئی قیاس کر سکتا ہے کہ حضرت عائشہؓ عزت و آبرو کے ایسے نازک معاملہ مین ایسا غیر شرعی نکاح جائز رکھتین، اس سے معلوم ہوا کہ پہلی روایت کی نسبت ان کی طرف قطعاً غلط ہے اور عاقل و بالغ لڑکی کے

نکاح کے لیے ولی کی موجودگی اور رضامندی کی کوئی ضرورت نہین،

۲- نکاح کا معاملہ کوئی مخفی اور چھپے چوری کا نہین ہوتا، اعلان اور اشتہار کے ساتھ وہ محفلِ عام مین منعقد ہوتا ہے، اس عہد کا مدینہ صحابہؓ فقہا، ائمہ مجتہدین اور علما کا مرکز اور منبع تھا، کیا یہ ممکن تھا کہ ایسا خلافِ شرع نکاح اس عہد مین سب کے سامنے پڑھا جاتا اور وہ خاموش رہتے اور اس کو جائز سمجھتے،

۳- قاعدہ ہے، کہ جو معاملہ سرے سے باطل ہوتا ہے، وہ جب تک از سرِ نو نہ کیا جائے درست نہین ہوتا اور اسکے ذریعہ کوئی حاصل شدہ اختیار شرعی اختیار نہین ہوتا، اس بنا پر حضرت حفصہ اور منذر کا یہ نکاح جو بغیر ولی کے ہوا تھا، باطل ہوا۔ ایسی صورت مین منذر کو یہ اختیار کہان سے ہاتھ آسکتا تھا کہ وہ اپنی طرف سے طلاق کا اختیار لڑکی کے باپ عبدالرحمان کو دے سکتے، نکاح ہی نہین ہوا تو طلاق کی تملیک کی کیا صورت ہے؟

۴- چونکہ یہ نکاح مخالف کے قول کے مطابق باطل تھا تو اس کے جواز کی صورت یہی ہو سکتی تھی کہ عبدالرحمان اپنی اجازت اور ولایت سے دوسری دفعہ نکاح کر دیتے، مگر انھون نے ایسا نہین کیا، بلکہ پہلا ہی نکاح قائم رکھا حالانکہ وہ اگر پہلے باطل تھا تو اب درست نہین ہو سکتا تھا، یہی امام شافعی کا مسلک ہے، لیکن یہان وہی پہلا نکاح ہے اور وہ درست و صحیح تسلیم ہو رہا ہے، اور اس مین نہ ولی کا وجود ہے، اور نہ نکاح کے وقت اسکی رضامندی حاصل کی گئی ہے،

۵- جن الفاظ مین لڑکی کے باپ عبدالرحمان (بن ابی بکر صدیقؓ) جو خود بھی صحابی تھے اپنا اعتراض اس نکاح کے متعلق پیش کیا ہے، کہ مجھ جیسے شخص کے ساتھ ایسا کیا جاتا ہے، مجھ جیسے شخص کو چھوڑا جاتا ہے، اُن سے صاف ظاہر ہے کہ عاقل و بالغ لڑکی کا اپنے مقابلہ مین باپ کی رضامندی حاصل کر لینے کا مسئلہ قانونی نہین، بلکہ اخلاقی حیثیت رکھتا ہے، اسی بنا پر اس کے متعلق وہ کوئی شرعی اعتراض نہین، بلکہ اپنی شرافت اور امتیازِ شخصیت کی حیثیت کو پیش کرتے ہین،

مؤطا امام مالک مین حضرت عمر بن الخطابؓ کا ایک اثر حضرت سعید بن مسیب کے واسطہ سے بلاغات کی صورت مین مذکور ہے، یہ اثر یحییٰ مصمودی کے نسخہ موطا مین حسبِ ذیل الفاظ مین ہے،

لا تنکح المرأة الا باذن ولیھا او ذی الرای من　　عورت سے نکاح نہ کیا جائے (یا عورت نکاح نہ کرے) لیکن اسکے (یا اپنے

اھلھا او السلطان (باب استیذان البکر و الایم) ولی یا اسکے (یا اپنے) خاندان کے اہل الرائے یا حکومت کی اجازت

اس اثر کے یہ الفاظ اور یہ تردیدی صورتین اس کے قانونی ہونے کے بجائے اس کی اخلاقی صورت کو بخوبی ظاہر

کرتی ہین، خصوصاً اگر اسی روایت کے اُن الفاظ کو سامنے رکھا جائے جو امام محمد کے نسخہ موطا مین ہین،

لا یصلح لامرءۃ ان تنکح الا باذن ولیھا او ذی الرای کسی عورت کے لیے یہ مناسب نہین ہے کہ وہ بغیر اپنے ولی یا اپنے خاندان کے

من اھلھا او السلطان (باب النکاح بغیر ولی) اہل الرائے یا حکومت کی اجازت کے نکاح کرے،

نامناسب ہونا اور ناجائز ہونا، دو مختلف مفہوم ہین نامناسب ہونا اخلاقی حیثیت کو اور ناجائز ہونا قانونی

حیثیت کو واضح کرتا ہے، اگر ولی کی رضامندی قانوناً ضروری ہوتی تو خاندان کے کسی اہل الرائے کے مشورہ کی اجازت

نہ ہوسکتی کہ ولی جائز کے علاوہ خاندان کے دوسرے اہل الرائے افراد کی اجازت اور رائے اور مشورہ لینا صرف اخلاقاً ہے،

اصل یہ ہے کہ چونکہ عورتین باہر کم آتی جاتی ہین بیگانہ مردون سے واقفیت کا ان کو موقع نہین ملتا، اور ضرورت ہے

کہ نکاح سے پہلے مرد کی حالت کے متعلق پوری واقفیت حاصل کر لی جائے، اس لیے ولی، یا کسی صائب الرائے ہمدرد رکن

خاندان سے عورت اس مین مشورہ کرے، تو بہتر ہے، مسئلہ کی اتنی ہی حقیقت ہے کچھ اور نہین، اسی لیے صائب الرائے

ہونے کی اس روایت مین قید ہے ورنہ اس کی کوئی ضرورت نہ تھی،

صحیح ابن خزیمہ اور طحاوی مین حضرت عائشہؓ سے بسند صحیح مروی ہے کہ حضرت عائشہؓ نے اپنے ایک بھتیجے کا

نکاح اپنی ایک بھتیجی سے اس طرح کیا کہ ان دونون کے بیچ مین ایک پردہ کھڑا کیا، پھر اُنھون نے گفتگو کی یا کچھ

خطبہ پڑھا، جب اصل نکاح کے سوا کچھ اور باقی نہ رہا تو ایک شخص کو اُنھون نے حکم دیا، اُس نے نکاح پڑھا، پھر

حضرت عائشہؓ نے کہا کہ نکاح پڑھانا عورتون کا کام نہین لیس الی النساء النکاح، اس نکاح مین بھی ولی کی کھوج

اور تلاش نہین ہے، نکاح بھی کسی غیر نے پڑھایا، مگر خود لڑکی پردہ کے آڑ مین موجود تھی اس لیے کسی ولی یا وکیل کی حاجت نہ تھی،

رفاعہ ایک صحابی تھے اُنھون نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی، بیوی نے عدت کے بعد دوسرا نکاح کر لیا، یہ خود

آنحضرت صلعم کے عہد کا واقعہ ہے اور اس کے بعد اس نکاح کا واقعہ آپ کی خدمت مین بھی پیش بھی ہوا، بہرحال

اس موقع پر موطا امام مالک مین یہ الفاظ ہین؛

فنکحت عبدالرحمن بن الزبیر (نکاح المحلل) تو اس عورت نے عبدالرحمان بن زبیر سے نکاح کرلیا،

اس سے ثابت ہوا کہ یہ نکاح بھی ولی کے وجود سے سراسر خالی تھا، تاہم جائز قرار پایا،

ان واقعات سے قطع نظر کرکے ان منصوص احکام کو لیجئے جو اس بارہ مین خاص طور سے مروی ہین، اور بسند صحیح ثابت ہین،

الایم احق بنفسھا من ولیھا (موطا، ترمذی، نسائی) بے شوہر کی عورت اپنی ذات پر اپنے ولی کی نسبت زیادہ حق رکھتی ہے،

الثیب احق بنفسھا من ولیھا (صحیح مسلم ونسائی) ایک دفعہ کی بیاہی عورت اپنی ذات کی نسبت اپنے ولی سے زیادہ حق رکھتی ہے

پہلی حدیث مین ایم "بے شوہر کی عورت" کا لفظ ہے، جو کنواری، بیوہ اور مطلقہ ہر ایک کیلیے عام ہے، اور دوسری حدیث مین ثیب (ایک دفعہ کی بیاہی عورت) کا لفظ ہے، ان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عاقل وبالغ کنواری اور بیوہ ومطلقہ کے نکاح مین ان کے اولیاء کی رضامندی قطعاً ضروری نہین ہے اس بنا پر حدیث لانکاح الا بولی (کوئی نکاح بغیر ولی کے نہین) اگر ثابت ہوجائے تو وہ یقیناً اپنے عموم پر باقی نہین رہیگی، بلکہ اُسکو بے عقل اور نابالغ لڑکیون کے ساتھ مخصوص کرنا پڑیگا، یا اس کے یہ معنی قرار دینے ہون گے کہ لڑکی کے نکاح کا معاملہ اس کے ولی کے ذریعہ سے انجام دیا جائے، اور یہ حکم قانونی نہین بلکہ محض اخلاقی قرار پائے، اگر ایسا نہ کیا جائیگا، تو قرآن پاک اور مستند احادیث وآثار کے یہ خلاف ہوگا، اور یہ اُس کے ضعف بلکہ نامستند ہونے کا مزید ثبوت بن کر اس کے ساقط الاعتبار ہونیکا باعث بن جائیگا،

معاملات مین جس ولی کی جس موقع پر ضرورت ہوتی ہے، قرآن پاک مین اس کی تصریح موجود ہے، چنانچہ معاملات قرض کے سلسلہ مین ہے کہ قرضدار ایک اقرارنامہ لکھکر قرضخواہ کے حوالہ کرے، اس اقرارنامہ کی عبارت خود قرضدار کو لکھانی چاہیئے، اور اگر قرضدار نابالغ اور ناسمجھ اور لکھانے کے قابل نہو تو اس کی طرف سے اُس کا ولی اس قرض کو ادا کرے، آیت مذکورہ یہ ہے؛

فَإِن كَانَ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيهًا أَوْ ضَعِيفًا أَوْ لَا يَسْتَطِيعُ أَن يُمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهُ بِالْعَدْلِ (بقرہ ۳۹) | [illegible] | جسپر حق واجب الادا ہو یعنی مقروض قرضدار، اگر وہ بے عقل ہو یا نابالغ ہو یا لکھوا نہ سکتا ہو مثلاً گونگا، یا نہایت کمزور ہو تو اس کا ولی اُسکو انصاف کے

اس آیت پاک نے واضح کردیا کہ ولایت کی ضرورت کن لوگون کے لیے ہے جو نا بالغ ہو یا بالغ ہونے کے باوجود حد درجہ بیوقوف یا پاگل یا مخبوط الحواس ہو یا وہ اقرار کے اظہار پر جسمانی قدرت نہ رکھتا ہو اس سے قیاس کیا جاسکتا ہو کہ نکاح کی ولایت کا حق بھی انھین اصناف کی لڑکیون کے لیے ہو گا یعنی جو نابالغ ہو یا حد درجہ بیوقوف یا پاگل ہو، یا اسکو اپنی رضامندی کے اظہار کی بسبط استطاعت نہو،

جب ہماری فقہ مرتب ہو رہی تھی اسوقت ہمارے علماء کے حاشیۂ خیال مین بھی یہ نہوگا کہ کوئی زمانہ ایسا آئے گا جب دنیا مین کوئی ایسا ملک ہوگا جہان لاکھون اور کرورون مسلمان سکونت پذیر ہون گے لیکن نہ وہان سلطان اسلام ہوگا اور نہ قاضی ہوگا، اس بنا پر انھون نے یہ طے کردیا تھا کہ اگر کوئی بے ولی کی یتیم لاوارث لڑکی ہو تو اس کا ولی سلطان وقت یا اس کا قائم مقام امیر شہر یا قاضی شہر ہوگا لیکن ہماری شامت اعمال سے اب دنیا کے اکثر ملکون مین جہان مسلمانون کی سب سے زیادہ آبادی ہے یہ صورت حال ہے کہ نہ وہان کوئی سلطان اسلام ہے نہ امیر شہر ہی اور نہ قاضی ہے، اگر آج فقہ شافعی کے مطابق ہر عورت کے نکاح کے لیے خواہ وہ کنواری ہو یا بیوہ بالغ ہو یا نابالغ ولی کا ہونا اور ولی نہو تو سلطان یا امیر یا قاضی کا ہونا ضروری اور لابدی قرار دیا جائے تو آج غیر اسلامی ملکون مین لاکھون لاوارث بالغ لڑکیون کا نکاح غیر ممکن ہو جائے اور آج غیر اسلامی ملکون کے یتیم خانون مین جو نکاح بالغ یتیم لڑکیون کے پڑھا دیے جاتے ہین وہ سب بکقلم ناجائز کردینے پڑین اس لیے آج شوافع کو بھی اس سے چارہ نہین کہ اس مسئلہ مین مصلحۃً وہ حنفی فقہ کو اختیار کرین جس طرح احناف نے مصلحۃً کبھی دوسرے امامون کے فتوون کو اختیار کیا ہے،

الغرض ان تفصیلات بالا کا نتیجہ یہ ہے کہ نکاح کی اصلی اور شریفانہ اور افضل صورت یہ ہے کہ لڑکی کے ولی کو پیام دیا جائے، اور ولی لڑکی کی مرضی دریافت کرکے اگر وہ راضی ہو تو اس کا نکاح کردے صحیح بخاری مین حضرت عائشہؓ سے نکاح کی بہترین صورت یہی مروی ہے، آنحضرت صلعم کی نسبت بیان ہے کہ وہ اپنی لڑکیون کا نکاح اسطرح پڑھاتے تھے کہ لڑکی کے پردہ کے پاس بیٹھ جاتے تھے، اور لڑکے کا ذکر کرتے تھے اور پھر نکاح پڑھا دیتے تھے لیکن اگر کسی وجہ سے کوئی عاقل و بالغ لڑکی ولی کی درمیانگی اور اجازت کے بغیر اپنا نکاح کرے، تو وہ شرعاً ناجائز نہوگا،

باقی

———(۰)———

مدینۃ الزہراء

از

منشی خلیل الرحمن صاحب مترجم نفح الطیب واخبار الاندلس

اندلس کے متعلق اپنی تالیفات کے سلسلہ مین ایک مدت سے یہ آرزو ہے کہ رجال الاندلس سے پہلے آثار الاندلس
نکل آئے جس مین اُن آثار کو لیا جائے جو اس وقت اندلس مین مسلمانون کی یادگار رہین، مین نے
قریباً ڈھائی سو ایسے آثار ڈھونڈھے ہین، مگر ظاہر ہے کہ اس کی تکمیل بغیر اندلس گئے ہوے نہین ہو سکتی،
ایک بڑی ریاست کے ایک بڑے آدمی بھی آثار کو دیکھنے کے لیے تشریف لے گئے تھے، مین نے چاہا کہ ان سے
کچھ مدد لون مگر سوائے اس کے کہ "میرے لکچر چھپنے والے ہین، ان کو دیکھ لو" بار بار کی یاد دہانی پر بھی جواب
نہین ملا، وہ لکچر نہ آج چھپے ہین نہ کل، اس طرف سے مایوس ہون خاصکر اس لیے کہ جو لکچر دیے گئے ہین
ان مین سوائے پکچوریل پوسٹ کارڈون کے کچھ نہین دکھلایا گیا، مین نے جناب ممدوح الشان کی خدمت مین
عرض کیا تھا کہ مین نے جو کچھ جمع کیا ہے وہ خود لے لین مگر اس کا بھی جواب نہین ملا۔ اب لبا آرزو کہ خاک شد
ذیل کے اوراق اپنے مسودوں سے مع شی زائد نقل کر کے بھیجتا ہون شاید کسی کو پسند آجائین اور میری محنت ٹھکانے لگ جائے

ہندوستان کے پُرانے دار السلطنتون کے قرب وجوار مین اور اکثر قصبات کے جنگلون مین بہت سے
بڑے بڑے بروج مشیدہ[1] کھڑے نظر آتے ہین، ان مین سے بعض بچ رہے ہین، اور بیشتر وہ ہین جن کی دست برد زمانہ
اینٹ سے اینٹ بجا رہی ہے، گو بہت سے ایسے بھی ہون گے جن پر فرسودگی کے ناخن کا ابھی تک اثر نہین
پڑا ہے، اور شاید مدتون نہ پڑے، لیکن اُن کے مکینون کو اگر تلاش کیجیے تو بیشتر و اکثر کا پتہ نہین ملیگا، پیران کہن سال
بھی اپنے حافظہ پر زور ڈال کر نہین بتلا سکین گے کہ یہ کس کی قبر ہے، قیاس صرف اتنا بتلا سکتا ہے کہ اس مین

[1] یدرککم الموت ولو کنتم فی بروج مشیدہ　　تم کو موت پالیگی گو تم مضبوط گنبدون مین ہو،

کوئی گردن کش مدفون ہے یا کوئی خدا رسیدہ نوم العروس مین ہے، ایک حساس دل رکھنے والا راہرو ان سے گذرتا ہے اور بصد حسرت "چہ بر تخت مردن چہ بر روی خاک" پڑھ کر ہاتھ اٹھاتا ہے اور مرنے والے کے لیے خواہ کوئی ہو، دعاے مغفرت کرکے راہی ہوجاتا ہے، بلاشبہ نام و نشان مٹ گیا، نشان باقی تھا کہ اس نے کسی کا تو ہاتھ اُٹھوا دیا، قابلِ رحم حالت ہے اُن کی جن کے نام و نشان مٹ گئے، اب اس مین خواہ کوئی شہر کا شہر ہو، یا ایک فرد واحد،

مین نے ابھی شہر کہا ہے، گمان غالب ہے کہ اہل ہند کا خیال فتحپور سیکری کی طرف منتقل ہو، مگر میرا مدنظر یہ شہر نہین ہے، کیونکہ اس پر داغِ دل کے پھول چڑھانے والے لاکھون نہین بلکہ کرورون کی تعداد مین ہین نیز اس کا نام و نشان دونون باقی ہین؟ اور جب تک یہ دونون باقی ہین آہ پرورد چشم اشکبار دلِ حسرت زا، اور ان کے ساتھ دعاے مغفرت کی کمی نہین، میرا مقصود ایک اور شہر ہے جو ایک وقت مین اپنا آپ ہی نظیر تھا، اگر تھا تو ایک فردوس ہی اس کے مثیل تھا وہ مٹ گیا اور اپنون ہی کے ہاتھون مٹ گیا، اس کی مری مٹی پر کسی اپنے کا گذر نہین نہ کسی اپنے کا خیال ہی اس تک پہونچتا ہے کہ اس کے لیے کوئی دستِ دعا ہی اُٹھا دے اس کی خاک پاک پر اگر کسی کا قدم پہونچتا ہی تو دشمن کا جو اس کی پامالی پر شاد و خرم ہے، وہ شہر ہے مدینۃ الزہرا جو ملک اندلس (اسپین) مین خاک کے برابر ہو گیا (مین نے دانستہ "تو دہ خاک نہین کہا" کیونکہ حقیقت مین اس کے تو دے بھی نہین ہین)

اگر روز روز کی گلگشت سے آپ سیر ہو چکے ہین، اور تماشاے گل دریاحین مین آپ کو کوئی نئی چیز نظر آئے تو آئیے آج اس ویرانہ کی طرف چلیے، یہان آپ کی دلچسپی کا نیا سامان ہے اور آپ کی دلبستگی کا نیا مشغلہ،

مدینۃ الزہرا وہ میدان ہے کہ جس کی بنا اعجوبۃ الدہر تھی، یقین کیجیے کہ جب سے خداے تعالےٰ نے اس عالمِ کون و فساد کو پیدا کیا ہے کسی فرد بشر کو اس جیسی بنا کا خیال نہین آیا اور جب سے مادر گیتی نے

عقول انسانی پیدا کی ہیں کسی انجینیر کے ذہن میں وہ نقشہ نہیں آیا جو اس شہر کا تھا[1]......"

مدینۃ الزہرا مرحوم قرطبہ کے حوالی میں تھا، قرطبہ خود اپنے علم و تمول وغیرہ کی وجہ سے کچھ کم قابلِ شہرت نہ تھا، مدینۃ الزہرا اس کی مزید شہرت کا باعث ہوا ایک شاعر کہتا ہے،

بادبعۃ فاقت الامصار قرطبۃ　　منھن قنطرۃ الوادی وجامعھا[2]

قرطبہ چار چیزوں سے تمام شہروں پر فوقیت لے گیا ہے ان میں سے ایک اسکا پل ہے دوسری جامع مسجد

ہاتان ثنتان والزھراء ثالثۃ　　والعلم اعظم شئ وھو رابعھا

تیسری زہرا اور چوتھی چیز اس کا فضل و کمال ہے جو سب سے بلند رتبہ ہے

عبدالرحمن الداخل کے سپوت افتخار الدین والدنیا عبدالرحمن ثالث کا زمانہ باسعادت ہے، بغداد کی خلافت عباسیہ اس حالت تک پہونچ چکی ہے کہ عامۂ مسلمین کی حمایت وحفاظت تو اس سے بہت دور ہے، وہ خود اپنی ہستی کے بچانے کی بھی فکر نہیں کرسکتی خلیفۂ بغداد ایک تکیہ کا سجادہ نشین، یا شاہِ شطرنج ہے، خلافت کا آخری سانس ہے کہ چل رہا ہے، یہ حالت دیکھ کر اس شیر نیستانِ اسلام کا دل مسلمانوں کی حالتِ زار پر بھر آتا ہے، پہلے خود استخارہ مسنونہ کرتا ہے پھر عقلاء و علمائے قرطبہ بلکہ تمامی اندلس سے مشورہ کرتا ہے اور سب کو متفق اللفظ پاکر ۳۱۶ھ میں خود اپنے لیے "امیرالمومنین" کا لقب اور "الناصر لدین اللہ" کا خطاب اختیار کرتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ قسامِ ازل نے یہ خطاب یوم الست سے اسی شخص کے لیے مخصوص و محفوظ رکھا تھا، اُس کے قدوم سے تختِ خلافت مغربی کو سرفراز ہوئے چند ہی روز ہوئے تھے کہ دشمنانِ اسلام مقہور و پامال ہوجاتے ہیں، تاریخ تخت نشینی سے

---

[1] تاریخ اندلس مصنفہ ضیا پاشا، ۱۴۴۔

[2] لکل امۃ اجل، اذا جاء اجلھم لا یستاخرون ساعۃ ولا یستقدمون (اعراف) — ہر قوم کے لیے ایک مدت مقرر ہے جب ان کی مدت مقررہ آجاتی ہے تو وہ ایک گھنٹہ کا آگا پیچھا نہیں کرسکتے،

بچیسوین اور تاریخ خلافت کے پانچوین برس ان کی ایک کنیز نہایت بیش قرار دولت چھوڑکر داعی اجل کو لبیک کہتی ہے، اور آخری دم یہ وصیت کر جاتی ہے کہ جو کچھ میری ملکیت ہے اُس سے مسلمان قیدیون کا زرِ فدیہ دیکر سب کو چھڑا لیا جائے، تجہیز و تکفین سے فارغ ہوتے ہی امیرالمومنین تمام ملک محروسہ سے تحقیقات کرتے ہین تو معلوم ہوتا ہے کہ کوئی مسلمان کہین کسی عیسائی کے قید مین نہین ہے، البتہ عیسائی بہت سے قید مین، اس پر خلیفہ شکرِ نعمت الٰہی بجالاتے ہین[1]، لیکن تازہ فکر یہ پیدا ہوتی ہے کہ آخر یہ دولت کس طرح خرچ کی جائے، یہ وہ زمانہ ہے کہ امیرالمومنین اور اُن کے ساتھ تمام ارکین سلطنت کو عمارتین بنوانے اور اپنی یادگارین چھوڑنے کا بہت شوق ہے[1]، امیرالمومنین کی حرم زہرا اس دولت کا مصرف یہ بتلاتی ہین کہ ایک شہر میرے نام پر بسا دیا جائے، اور اس کو میرے لیے مخصوص کر دیا جائے[2]، یہ رائے امیرالمومنین کو اس لیے پسند آئی کہ ایک تو اُن کا شوق عمارت پورا ہوتا ہے، دوسرے اُن کی چہیتی بیوی کی فرمایش پوری ہوتی ہے،

یہ ہے مدینۃ الزہرا کی بنا کا قصہ،

مرحوم قرطبہ کے شمال کی جانب شہر سے ایک طرف تین میل اور دوسری طرف سات میل کے فاصلہ پہ جبل العروس کے قریب ہی کا میدان اس شہر کے لیے انتخاب کیا گیا خصوصاً اس لیے کہ یہین دریائے وادی الکبیر بہتا تھا، اسی دریا کے کنارے مدینۃ الزہرا کی بنا ڈالی گئی، اسکی قسمت مین حضرت امیرالمومنین الناصر لدین اللہ کا

---

[1] محاضرۃ الابرار ۔ قاضی سعید بن منذر نے ایک اور موقع پر امیرالمومنین کو ان کے انہماکِ عمارت پر وعظ کہا تو امیرالمومنین نے جواب دیا،

همم الملوک اذا ارادوا ذکرھا ۔۔۔ من بعدھم فبالسن البنیان

بادشاہ لوگ اپنے بعد جب اپنی ہمتون کی شہرت چاہتے ہین تو عمارتون کی زبانون سے چاہتے ہین

اوما تری الھرمین قد بقیا وکم ۔۔۔ ملک محاہ حوادث الازمان

کیا تم نہین دیکھتے کہ دونون ہرم باقی رہ گئے ہین، اور کتنے بادشاہون کو حوادثات زمانہ نے مٹا دیا ہے

ان البناء اذا تعاظم شانہ ۔۔۔ اضحی یدل علی عظیم الشان

عمارتین جب عظیم الشان ہو جاتی ہین، تو عظمت وشان پر دلالت کرنے لگتی ہین، [2] نفح الطیب

دار الخلافہ ہونا لکھا تھا، اسی سعادت کی بدولت اس کو اتنی رونق ہوئی کہ باوجود کئی میل کی دوری کے (۳ میل یا ۷ میل) جو شخص قرطبہ سے رات کو مدینۃ الزہرا جاتا وہ دونون کی میونسپلٹی[1] کے چراغون ہی کی روشنی مین ایک جگہ سے دوسری جگہ پہونچ جاتا،

مدینۃ الزہرا کی آبادی کے متعلق امیر المومنین کو جو دلچسپی تھی اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اُنھون نے کسی اور شخص پر اس معاملہ مین اعتماد نہین کیا بلکہ خود اپنے ولیعہد شاہزادہ الحکم کو مدینۃ الزہرا کی نگرانی پر متعین کیا اور اُن کو ہر چیز کا ذمہ دار قرار دیا، ممکن ہے کہ یہی وجہ ہو کہ امیر المومنین الحکم (المستنصر) خلافت کے بعد اسی شہر مین رہے اور اس مین اپنے زمانہ مین بہت کچھ اضافے کیے،

عبد اللہ بن یونس اور علی بن جعفر الاسکندرانی جیسے جلیل القدر انجینیرون کو قرطاجنہ افریقیہ تونس وغیرہ سے پتھر لانے پر مقرر کیا گیا، صرف یہی نہین کہ ان کو تنخواہ ہی دی جاتی ہو بلکہ ہر پتھر پر جو وہ پسند کر کے بہم پہونچاتے تھے اُن کو تین دینار اور ہر ستون پر آٹھ دینار انعام ملتا تھا افریقیہ سے ۱۳۰۰ اور روم سے ۱۹ ستون آئے، بادشاہ قسطنطنیہ نے ۱۴۰ ستون بہم پہونچائے، ترکونہ (واقعہ سپین) سے جو ہزارون ستون اور پتھر آئے، وہ ان کے علاوہ ہین، تمام عمارات مین ۴۳۱۶ چھوٹے بڑے ستون لگائے گئے، عمارت قصر مین ۱۵۱۳ دروازے تھے، یہ صرف وہ دروازے ہین جن پر لوہا اور سونا چڑھا ہوا تھا، اس مین جو پتھر خرچ ہوا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ باوجودیکہ تعمیر برسون جاری رہی، مگر ہر روز چھ ہزار پختہ تراشیدہ اور جلا کردہ پتھر خرچ ہوتے تھے،

---

[1] مین نے میونسپلٹی غلط نہین کہا، قرطبہ (و دیگر امصار اندلس مین بھی؟) محکمۂ صفائی تھا اور اس کے ذمہ نہ صرف روشنی بلکہ صفائی بھی تھی، مسٹر اسکاٹ لکھتے ہین کہ جن دنون قرطبہ مین ایک محکمہ اس کام کے لیے علحدہ تھا، اسی زمانہ مین پیرس اور لندن جیسے شہرون مین اکثر شخص سور پال لیتے تھے اور ہر شش ماہی یا سہ ماہی کے بعد ایک ایک علاقہ شہر مین یہ سور چھوڑ دیے جاتے تھے، وہی تمام گندگی کو چر جاتے تھے، میری راے ناقص مین یہ امر کچھ قابل فخر نہین ہے کہ ہمارے اجداد کیسے ترقی یافتہ تھے، قابل عبرت تو بات یہ ہے کہ ہم نے کہان سے کہان رجعت کی اور غیرون نے کتنی ترقی کی، تفصیل کے لیے میری اخبار الاندلس ملاحظہ فرمائیے،

اس تعداد مین وہ پتھر شامل نہین ہین جو فرش مین لگے، ہر روز ۱۴۰۰ خچر کام کرتے تھے، اُن مین سے چار سو خچر امیر المومنین کے تھے اور ہزار خچر کرایہ کے تھے، ان کو ۳ مثقال (؟) ماہانہ کرایہ ملتا تھا، ہر تیسرے دن ۱۱۰۰ بوجھ (؟) چونے کے لگ جاتے تھے، مزدورون کی مزدوری پر تین لاکھ دینار سالانہ خرچ ہوئے، اس سے کچھ اندازہ ہوسکتا ہے کہ کتنے مزدور وہان کام کرتے ہون گے (مزدوری کا حساب آج کل کی بڑھی ہوئی مزدوری سے نہین لگانا چاہیئے)

مدینۃ الزہرا کے متعلق دو حمام تھے، ایک تو قصر کے اندر خاندان شاہی کے لیے مخصوص تھا دوسرا عام باشندگان مدینہ کیلیئے، پینے کے پانی کے لیے پہاڑ سے ایک نہر نکالی گئی تھی جو خود عجیب وغریب چیز تھی، اس کو پہاڑ پر سے اُتارنے اور مدینۃ الزہرا مین لانے کے لیے بڑے بڑے ستون قائم کیے گئے تھے، اور اُن پر سے پانی کو صنعت محکمہ اور تدابیر عجیبہ سے ایک بہت بڑے حوض تک پہنچایا گیا تھا، اس حوض پر ایک بہت بڑا مہیب شیر تھا اور اسپر سونا چڑھا ہوا تھا، اور آنکھین قیمتی جوہر کی تھین، نہر پہلے اس شیر کے پیٹ مین داخل ہوتی تھی اور پھر اس کے مُنھ سے حوض مین گرتی تھی، اور یہین سے پانی تمام شہر مین تقسیم ہوتا تھا، یہ حوض خود ایسی عجوبہ چیز تھی کہ آدمی اس کو دیکھ کر مبہوت رہ جاتے تھے، سیاحون کا قول ہے کہ اُن کی نظر سے نہ کہین ایسا حوض گذرا، نہ ایسا شیر، نہ یہ انتظام آب رسانی، زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ باوجود پہاڑ کی بُعد مسافت قیام ستون وغیرہ وغیرہ کے یہ نہر صرف چودہ ماہ مین تیار ہوکر پانی دینے لگی، بروز پنجشنبہ ماہ جمادی الآخرہ یہ نہر جاری کی گئی اس روز امیر المومنین نے ایک دربار عام کیا، دعوت عام دی گئی اور انجینیرون نیز دیگر عملۂ نہر کو بیش قرار صلے عطا فرمائے گئے،

اس حوض کے علاوہ دو حوض اور بھی تھے، ان مین سے ایک بڑا تھا اور دوسرا چھوٹا، بڑا حوض احمد یونانی اسقف لسبیع کی معیت مین جو ایلیاس سے قرطبہ آئے تھے، قسطنطنیہ سے لے کر آئے تھے، یہ بھی نہایت عجیب وغریب شکل کا نہایت بیش قیمت حوض تھا، یہ تمام منقش تھا اور اُس پر سونے کا کام تھا،

دوسرا چھوٹا حوض بھی احمد یونانی شام سے لائے تھے (ایک قول یہ بھی ہے کہ اسقف ربیع کے ساتھ یہ حوض قسطنطنیہ ہی سے آیا تھا، بہرحال یہ بھی منقش و مطلا ہی تھا، اس پر آدمیون کی تصاویر تھین اور "فرط غرابت و کمال وجمال" سے اس کی قیمت اتنی تھی کہ جس کا اندازہ کسی طرح نہین لگ سکتا تھا، اس کو امیر المومنین نے اُس خوابگاہ مین لگوایا تھا، جو قصر مین شرق کی طرف تھا اور "مونس" کہلاتا تھا، قرطبہ مین آیا تو یہان کی دار الصناعہ مین اس پر "مطلا اور مرصع بدر نفیس غالی القیمت" مجسمے نصب کیے گئے، ایک شیر کا مجسمہ تھا اسکے برابر ہرن پھر گینڈا، مقابل کی سمت مین سانپ تھے، عقاب اور ہاتھی، کونون پر کبوتر، شاہین، مور، مرغ اور گدھ، یہ سب سونے کے تھے اور مرصع بجواہر نفیسہ ان سب کے مونھون سے پانی نکلتا تھا،

الزہرا، جو مسجد امیر المومنین الناصر لدین اللہ نے اپنے اہتمام سے بنوائی تھی وہ بھی نادرۂ روزگار تھی[۱]، اس کی تعمیر پر بقول ابن فرضی ہزار آدمی متعین تھے، تین سو راج، دو سو بڑھئی اور پانچ سو مزدور، اسمین پانچ دالان نہایت عجیب الصنعۃ تھے مقصورہ کو چھوڑ کر امام کے کھڑے ہونے کی جگہہ سے اس کا عرض ۳۰ گز تھا، درمیانی دالان کا عرض شرقاً غرباً ۱۳ گز تھا، باقی چار دالانون کا ۱۲ گز، کھلے صحن کا طول ۴۳ گز اور عرض شرقاً غرباً ۴۱ گز، مسجد مین رخام کا فرش تھا اور درمیان صحن مین ایک فوارہ تھا جس سے پانی جاری رہتا

[۱] یہ مسجد وہ جامع مسجد نہین ہے جس کو امیر عبد الرحمن الداخل نے شروع کیا تھا اور ہر امیر اور امیر المومنین اس مین کچھ نہ کچھ اضافہ کرتے تھے، کسی شاعر کے چار مصرعے جو مین اوپر کہین لکھ آیا ہون ان مین جس مسجد کا ذکر ہے وہ یہی الداخل کی مسجد ہے، یہ مسجد ابتک قرطبہ مین باقی ہے، اور مسلمانون کی بے غیرتی و بے حمیتی کو ابتک رو رہی ہے، عہد دنیاے اسلام اس پر جتنا بھی فخر کرے بجا ہے، اس کی تعریف مین سیکڑون قصیدے لکھے گئے، مین دحیہ بن محمد البلوی کے تین شعر نقل کرتا ہون،

وانفق فی دین الالہ و وجہہ ثمانین الفا من لجین وعسجد

خدا کے دین اور اس کی ذات تک اسی ہزار سونا چاندی یعنی درہم و دینار صرف کیا

و توزعہا فی مسجد اسہ التقی ومنہجہ دین النبی محمد

اور اس کو ایسی مسجد پر صرف کیا جس کی بنیا دتقوی پر تھی اور اس کا طریقہ محمد پیغمبر کا دین تھا،

تری الذہب الناری فوق سمولہ یلوح کبرق العارض المتوقد

آتشین سونا اس کی چھتون پر بجلی کی طرح تم کو چمکتا نظر آئے گا،

نفح الطیب جلد اول صفحہ ۲۵۰

تھا اس مسجد کے لیے منبر نہایت عجیب و غریب بنوایا گیا تھا، اُسی کے گرد ایک مقصورہ تھا،

تکمیل مسجد کے بعد ۲۳ شعبان ۳۲۹ھ کو یہ منبر اپنے مقام پر نصب کیا گیا، لطف یہ ہے کہ اتنی بڑی عجیب و غریب مسجد کل ۴۸ دنون مین تیار ہوگئی پہلی جماعت نماز مغرب کی تھی جو جمعہ کی رات کو بامامت قاضی ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ بن ابی عیسی ہوئی، دوسرے روز جمعہ تھا، امیرالمومنین نے اُن ہی امام کے پیچھے جمعہ پڑھا،

مدینۃ الزہرا کی جلالت و فخامت پر ایک تاجر سیاح متفق تھا اور سب کا قول تھا کہ ممالک اسلام و کفر مین ایسا شہر نہین دیکھا گیا، ایک مورخ کی زبان سے اس شہر کو دیکھ کر یہ کلمات نکل گئے :-

فسبحان الذی اقدر ہذا المخلوق الضعیف علی ابداعہا و اختراعہا من اجزاء الارض

پاک ہے وہ ذات جس نے اس ضعیف مخلوق کو زمین کے کیمیاوی اجزاء سے اسکے ایجاد و اختراع کی قدرت عطا فرمائی،

المتحلیۃ کیما لیری الغافلین عنہ من عبادہ مثالاً لما اعدہ لاہل السعادۃ فی دار المقامۃ التی لا یتسلط

تاکہ اُن بندون کو جو اُس سے غافل ہین اس چیز کی مثال دکھائے جو اس نے اہل سعادت کے لیے رہنے کی جگہ مہیا کی ہے

علیہا الفناء و لا یحتاج الی الرم لا الہ الا ھو المنفرد بالکرم

جس پر فنا کا تسلط ہو نا نہ وہ محتاج مرمت ہوتی صرف خدا ہی کے کرم کے ساتھ مخصوص ہے، دوسرا نہین

مین دانستہ الزہرا کے باغات، اُن کی روشون اور فرشون، قصر کے نقوش و تماثیل اور سونے چاندی کا ذکر تفصیل کے ساتھ نہین کرتا، کیونکہ اس سے بہت طول ہو جائیگا، مختصر یہ ہے کہ اس کے بانی وہ شخص تھے کہ جنکو عمارات سے خاص ذوق تھا، مشہور تھا کہ ان کے جیسا نقشۂ عمارت کوئی نہین بنا سکتا، اس پر دنیا کے بہترین انجینیرون اور صناعون کے دماغ خرچ ہوے تھے ان کو جو انہماک الزہرا سے تھا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ متواتر تین جمعون کی نماز مین وہ جامع مسجد مین نہین پہونچے، چوتھے جمعہ مین شامل ہوئے تو قاضی منذر بن سعید نے جو جامع مسجد کے امام تھے، اُن کو تنبیہ کرنا چاہی، چنانچہ شروع خطبہ اُنھون نے

أَتَبْنُونَ بِكُلِّ رِيعٍ آيَةً تَعْبَثُونَ وَتَتَّخِذُونَ
مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُونَ وَإِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ
جَبَّارِينَ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُونِ وَاتَّقُوا الَّذِي
أَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُونَ أَمَدَّكُمْ بِأَنْعَامٍ وَبَنِينَ
وَجَنَّاتٍ وَعُيُونٍ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ
يَوْمٍ عَظِيمٍ (الشعراء ع ۷)

کیا ہر چھت مین تم لوگ ایک نشانی کھیلنے کیلئے بناتے ہو اور عمارتین تیار
کرتے ہو کہ ہمیشہ اس مین رہوگے اور جب تم گرفت کرتے ہو تو ظالمانہ
گرفت کرتے ہو تو خدا سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور اس سے ڈرو
جس نے تم کو اس چیز سے مدد دی جسکو تم جانتے ہو تم کو چار پایون بیٹون
باغون اور نہرون سے مدد دی مجھے تمھاری نسبت بڑے دن کے
عذاب کا خوف ہے

پھر عمارتون کی پختگی اور ان کی اینٹون مین استغراق اور اسراف کا ذکر کیا اور اس کے ساتھ
ہی یہ آیات پڑھین

أَفَمَنْ أَسَّسَ بُنْيَانَهُ عَلَىٰ تَقْوَىٰ مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ
خَيْرٌ أَمْ مَنْ أَسَّسَ بُنْيَانَهُ عَلَىٰ شَفَا جُرُفٍ هَارٍ
فَانْهَارَ بِهِ فِي نَارِ جَهَنَّمَ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ
الظَّالِمِينَ لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِي بَنَوْا رِيبَةً
فِي قُلُوبِهِمْ إِلَّا أَنْ تَقَطَّعَ قُلُوبُهُمْ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ

کیا جس شخص نے اپنی عمارت کی بنیاد خدا کے تقوی اور رضامندی
پر رکھی بہتر ہے یا وہ شخص جس نے اپنی بنیاد ہلاکت کے کنارہ پر رکھی پھر اسکے
ساتھ دوزخ کی آگ مین گر پڑا، خدا ظالم قوم کو ہدایت نہین دیتا، انھون نے
جو عمارت بنائی وہ ان کے دل مین پھانس بنکر کھٹکتی رہیگی مگر یہ کہ
انکے دلون کے ٹکڑے ہوجائین خدا جاننے والا اور حکمت والا ہے (توبہ ۱۳)

اس کے بعد وہ زجر و توبیخ کی کہ نہ رعب سلطانی کا خیال رکھا نہ سیاست خلافت کا لحاظ، یہ سب کچھ کہنے
کے بعد یہ بھی کہہ گئے کہ[1]:-

[1] ایک قول یہ بھی ہے کہ قاضی منذر نے یہ رباعی ایک اور موقع پر امیر المومنین کے سامنے پڑھی تھی اور لفظ "تذبل" سخت ناگوار
ہوا تھا اور اسمین دونون صاحبون مین کچھ رد و قدح بھی ہوئی تھی، بہرحال یہ پہلا اور آخری موقع نہ تھا کہ امیر المومنین کو قاضی صاحب نے
دھمکایا ہو، ایک اور دلچسپ واقعہ یہ ہے کہ امیر المومنین نے مسجد کی چھت مین سونے چاندی کی اینٹین لگواکر شیشہ سے کام کرانا چاہا تھا، قاضی
منذر کو اسکی اطلاع ہوئی تو انھون نے امیر المومنین سے کہا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شیطان نے آپ کو اتنی دولت دیکر آپ کو بہکا رکھا ہے،
آخر آپ پر خدائے تعالی کا بھی تو فضل ہے، آپ کیون کافرون کی منزل تک پہونچے جاتے ہین (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ پر دیکھیے)

سیا بانی الزہراء مستغرقاً اوقاتہ فیھا اما تمھل

اے زہرا کے بانی جو اپنے تمام اوقات کو اس مین صرف کرتا ہو کیا تجھ کو مہلت دیجائیگی

للہ ما احسنا رونقاً لو لم تکن زھرتہا تذبل

وہ کس قدر پُر رونق تھا اگر اس کی کلی مرجھا نہ جاتی

یہ اور اس قسم کے الفاظ اگر کسی معمولی آدمی کو کہے جاتے تو اس کو ناگوار ہوتے چہ جائیکہ خود امیرالمومنین کو مخاطب کرکے ہزارون مسلمانون کے مجمع مین یون سختی کے ساتھ کہے جائین، اس لیے ناصر سے سخت کبیدہ خاطر آئے اور قسم کھالی کہ قاضی منذر کے پیچھے نماز نہین پڑھونگا، بلکہ احمد بن مطرف صاحب الصلاۃ قرطبہ کو اپنی امامت کے لیے مقرر کرلیا، اپنے ولیعہد سے قاضی منذر کی اس ناگوار تقریر کا ذکر کیا، اُنھون نے قاضی صاحب کو معزول کرنے کی راے دی، امیرالمومنین برافروختہ ہوگئے اور کہا کہ تیری مان زندہ نہ رہے! کیا تو منذر جیسے آدمی کو معزول کراتا ہے جو اپنے فضل وورع وعلم وحلم مین اپنا ثانی نہین رکھتا، یہ نہین ہوسکتا کہ وہ معزول کردیے جائین مجھے شرم آتی ہے کہ مین خدا کے سامنے ایسی حالت مین جاؤن کہ منذر میری نماز جمعہ کا گواہ نہو، مجھے اپنی قسم کا کفارہ دینا آسان ہے، مین اور وہ جب تک زندہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) امیرالمومنین یہ تقریر سن کر غصے سے کانپ اُٹھے اور قاضی صاحب سے کہا کہ آپ کو کچھ بھی لحاظ آتا ہے کہ آپ مجھے کافرون مین شامل کیے دیتے ہین، قاضی صاحب نے کہا مین صحیح کہتا ہون کیا خداے تعالی نے یہ نہین فرمایا کہ

لولا ان یکون الناس امۃ واحدۃ لجعلنا لمن یکفر بالرحمن لبیوتھم سقفا من فضۃ ومعارج علیھا یظھرون ولبیوتھم ابوابا وسررا علیھا یتکئون وزخرفا

اور یہ اگر نہ ہوتا کہ لوگ ایک است ہوجاتے تو جو لوگ خدا کے ساتھ کفر کرتے ہین تم ان کی چھتین چاندی کی بناتے اور سیڑھیان جن پر وہ چڑھتے اور ان کے گھرون کے دروازے اور تخت بناتے جن پر وہ ٹیک لگاتے

یہ سُنکر امیرالمومنین نے اپنا سر جھکا لیا اور رو پڑے تھوڑی دیر کے بعد کہا کہ قاضی صاحب خداے تعالے آپ کو ہماری اور مسلمانون اور دین کی طرف سے جزاے خیر دے اور خدا کرے کہ آپ جیسے آدمی دنیا مین زیادہ بڑھین آپ نے جو کچھ کہا سچ کہا، اُنھون نے اسی وقت حکم دیا کہ یہ اینٹین اور شیشے مسجد سے نہ خرچ کیے جائین (اس قصہ کے الفاظ میرے ہین)

ہین مین متقدی اور وہ امام رہین گے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ "

یہ واقعہ مدینۃ الزہراء کے ذکر مین کچھ غیر متعلق سا معلوم ہوگا مین اس کی معافی چاہتا ہون لیکن ہونا اس کا ہو کہ وہ خلیفہ رہے نہ وہ امام،

جب یہ قصر تیار رہوا تو اس کی یہ صورت تھی کہ پہلے ایک بہت بڑی فصیل تھی جسمین تین سو برج لڑائی کے قابل تھے، ایک بہت بڑا اور بڑی صنعت کا دروازہ تھا جو "باب مدینۃ الزہراء" کہلاتا تھا، اسمین داخل ہوتے ہی بہت بڑا خوش سواد باغ تھا، تمام اعیان مملکت اور ارکان دولت کے محلون کے دریچے اس باغ مین کھلے ہوے تھے، اس کے بعد پھر ایک اور دروازہ ملتا تھا، جو "باب الاقباء" کہلاتا تھا، یہ قصر مین جانے کے لیے یہی پہلا دروازہ تھا، اس کے بعد "باب السدۃ الاعظم" پڑتا تھا، اس کے سامنے ایک اور باغ کی "بارہ دری" تھی جسمین از سرتا پا سونے اور شیشے کا کام تھا ممکن ہے شیش محل ہو؟ اس مین بیحد صنعت گری کی گئی تھی، اس کے پردے قابل دید تھے، سنگ مرمر کے ستون اتنے نازک اور خوبصورت تھے کہ گویا کسی قالب مین ڈھلے ہوئے ہین، ان پر گلکاری اس خوبصورتی سے کی گئی تھی کہ چمن کا لطف آتا تھا، اسی مین بڑا حوض تھا اور کئی چھوٹے چھوٹے حوض اور بہت سے مجسمے، سامنے دالان تھے، وہ بھی مُکلّا، شرقاً غرباً اور دیوانخانے تھے اور میدان جتنے پڑتے تھے سب کا یہی نقشہ تھا، ایک کو دوسرے سے تمیز کرنا بہت مشکل تھا، مگر بوجہ تنوع مشاہد اور اختلاف مناظر کے، جو دالان درمیانی باغ مین تھا اُسی کے وسط مین زرکار تخت تھا، اس کے علاوہ مشرقی دالان مین ایک اور تخت تھا، یہی شرقی دالان "مونس" کہلاتا تھا اور اسی مین خوابگاہ تھی اسی مین وہ حوض تھا جس کا اوپر ذکر آچکا ہے، اسی احاطہ مین ایک اور دیوانخانہ تھا جو قصر الخلافۃ کہلاتا تھا، اسکی چھت مضبوط سنگ رخام کی تھی اور اُس پر سونا چڑھا ہوا تھا، اسی کے درمیان مین وہ یتیمیہ تھا جس کو الیون بادشاہ قسطنطنیہ نے بطور تحفہ کے پیش گاہ خلافت مین بھیجا تھا، اس قصر مین جتنی پچی کاری تھی وہ سب سونے چاندی کی تھی، اس کے عین وسط مین بہت بڑا حوض تھا جس کے اندر پارہ بھرا ہوا تھا، حوض پر ایک نم گیرہ کسا رہتا تھا، جس کی چوبین ہاتھی دانت اور آبنوس کی مُعرّق بجواہر تھین، اس دیوانخانہ کے آٹھ دروازے

تھے، اور ہر دروازے سے دھوپ آتی تھی جب امیرالمومنین کسی کو مرعوب کرنا چاہتے تھے تو کسی کو حکم دیتے تھے کہ وہ نیچے اتر کر پارے کو ہلا دیتا تھا، دھوپ مین اس کا عکس پڑکر آنکھون کو خیرہ کر دیتا تھا، اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ تمام دیوانخانہ ہل رہا ہے اور سب کو لیکر اڑ جائے گا،

حرم (زنانہ) کے مکانات الگ تھے، وہ سب مردانہ سے بھی زیادہ منقش و مطلا و مرصع تھے، ایک بات یہ عجیب معلوم ہوتی ہے کہ امیرالمومنین کی حرم زہرا کی تصویر حرم کے بیرونی دروازہ پر منقوش یا نصب تھی، امیرالمومنین نے ایک شخص کو اس تمام قصر کی سیر کرائی، اس نے ازراہ گستاخی یہ کہہ دیا کہ زہرا کی تصویر کے جبل عروس کے پاس ہونے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا زہرا، ایک دیوزاد کے قبضے مین ہے اور وہ اس کو لے کر بھاگنے والا ہے' امیرالمومنین پر اس طعنہ کا ایسا اثر ہوا کہ اُنھون نے حکم دیا کہ پہاڑ اکھاڑ کر پھینک دیا جائے، چنانچہ یہ کام شروع ہوگیا، مگر اکثر ارباب سلطنت نے بمشکل تمام امیرالمومنین کو اس سے باز رکھا، ایک مؤرخ کہتا ہے کہ الناصر لدین اللہ کی ہمت کے سامنے یہ کچھ بڑا کام نہین ہے کہ اتنے بڑے پہاڑ کا وجود ہی مٹا دیتے، یہ ضرور ہوا کہ اس پہاڑ کا نام جبل عروس پڑگیا[1]، اسی مثیل فردوس احاطہ مین ایک قیدخانہ تھا جسکو "مُطبق" کہتے تھے،

نہرون اور حوضون مین جو مختلف قسم کی مچھلیان تھین ان کو ہر روز بارہ ہزار روٹیان اور چھ قفیز؟ چنے دیے جاتے تھے، جو مرد یہان رہتے تھے اُن کی تعداد ۱۳۷۵۰ تھی، ۶۳۱۴ عورتین، ۳۷۰۰ لڑکے ان کے علاوہ تھے، تیرہ ہزار رطل (پونڈ) گوشت روزانہ خرچ ہوتا تھا، اس وزن مین مچھلی مرغ اور دیگر طیور کا گوشت شامل نہین ہے، یہ تمام آدمی صرف محل شاہی سے متعلق تھے اور امیرالمومنین اور حرم شاہی کے خدمتگذار و جان نثار، اراکین سلطنت کے خادمون کی تعداد کہین نہین ملتی،

قصر کی تیاری اور آبادی کے بعد حکومت کی طرف سے بہانگ دہل اعلان ہوا کہ عوام الناس مین سے جو لوگ احاطہ مدینۃ الزہرا مین مکانات بنائین اُن کو حکومت سے چارسو دینار عطیہ ملیگا، اس طرح وہان کی

[1] مجھے باوجود تلاش یہ پتہ نہین لگا کہ پہلے اس پہاڑ کو کیا کہتے تھے، اسی لیے شروع سے اس کو جبل عروس کہتا آرہا ہون،

آبادی خوب بڑھ گئی، بازار اور حمام کھل گئے، مساجد بن گئیں اور ہر قسم کی ضروریات وہیں بہم پہونچنے لگیں، یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ اس سے قرطبہ کی مردم شماری مین کوئی کمی ہوئی، وہان کی آبادی جون کی تون رہی اور یہ شہر نیا بس گیا،

قصر کی عمارت کے اندر ہی امیر المومنین المستنصر الحکم کا وہ مشہور عالم کتب خانہ تھا جس کا ذکر اب بھی کتابون مین پڑھ کر ہر شخص نقش حیرت بنکر رہ جاتا ہے، اس کتب خانہ کی عظمت اس سے معلوم ہوتی ہے کہ باوجودیکہ اس زمانہ مین چھاپہ خانہ نہ تھا اور کتابون کی قیمت بیحد تھی مگر جتنے دیوان اس مین تھے انکی فہرست ۴۴ جلدون مین تھی اور ہر جلد کے کم از کم ۲۰ ورق تھے، تمام ممالک مین آدمی تعینات تھے کہ جو کتاب نئی نکلے وہ سب سے پہلے قصر الزہرا مین پہونچ جائے، چنانچہ ابو الفرج نے جب اپنی کتاب الاغانی لکھی تو اس کی اشاعت مشرق سے پہلے مغرب مین ہوئی (یا شاید ایک ہی ساتھ) کتابون کی تعداد کئی لاکھ تھی اور ہر کتاب پر امیر المومنین المستنصر کا کوئی نہ کوئی نوٹ ضرور تھا، یہان یہ عرض کرنا شاید بے محل نہوگا کہ اس زمانہ مین یورپ مین کتابون کا جو قحط تھا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ پیٹر دی ونیر بل ایبٹ (آف بیورس) نے جب صلیبی لڑائی پر جانے لگے ہین تو انھون نے اپنا بہت بڑا کتب خانہ جسمین اٹھارہ کتابین تھین سینٹ وکٹر کے دیر کو نذر کیا تھا، اس زمانہ مین یہ ہدیہ اتنا بیش قیمت تھا، ایک بادشاہ کا زر فدیہ ہو سکتا تھا، اس خاص موضوع پر میری کتاب اخبار الاندلس جلد سوم صفحہ ۱۶۴ یا ۲۶۴ کا مطالعہ نہایت دلچسپ ہوگا، مگر مین پھر بھی عرض کرون گا کہ اس پر بھی غور کرنا چاہیے کہ ہم نے کتنی رجعت کی اور اغیار اپنی ترقی مین کہان سے کہان پہونچ گئے،

جتنے بڑے بڑے دربار ہوتے تھے وہ مدینۃ الزہرا ہی مین ہوتے تھے، اُن مین سے "درباروں کی کیفیت قابل دید تھی، مگر شاید ان کی تفصیل میرے عنوان سے خارج ہے، مختصراً یہ گذارش ہے کہ ایک

ت امیر المومنین کی اس کثرت مطالعہ کا یہ انجام ہوا کہ آخر عمر مین ان کی نظر قریباً جاتی ہی رہی تھی،

دربار تو امیرالمومنین الناصر لدین اللہ نے قسطنطنیہ کے سفیرون کے آنے پر کیا تھا، اس مین ایک تقریر ہونے والی تھی، دربار کے رعب کا یہ عالم تھا کہ کئی صاحبون نے تقریر کو شروع کیا اور وہ بیہوش ہو ہوگئے اتفاق سے ابوعلی قالی صاحب امالی یہان آئے ہوئے تھے، اُن سے بھی تقریر کے لیے کہا گیا، وہ حمد و نعت ہی ختم کر پائے تھے کہ زبان بند ہوگئی اور غش کھا کر گر گئے دوسرا دربار امیرالمومنین المستنصر کا تھا جس مین اسپین کے ایک عیسائی بادشاہ نے رعب مین آکر اپنے آپ کو امیرالمومنین کا غلام کہا وغیرہ وغیرہ،

افسوس ہے کہ اس جنت الارض کو بہت ہی جلد نظر لگ گئی امیرالمومنین المستنصر کے بیٹے المؤید تختِ خلافت پر تھے! اُن کے حاجب بطل اعظم محمد بن ابی عامر الملقب بمنصور کا ابھی کفن میلا نہ ہوا تھا کہ حاجب مرحوم کے بیٹے نے ایک فتنہ مین نہ مدینۃ الزہرا کو چھوڑا نہ مدینۃ الزاہرہ کو جو اُن کے باپ نے بسایا تھا نہ نادر بجا ماند و نے نادری'

بڑے بڑے شعرا نے اس کے مرثیے لکھے ہین' ابن عربی کے زمانہ (۵۶۰ھ - ۶۳۸ ہجری) تک کچھ کھنڈر باقی تھے، وہ اس مقام کی زیارت کو آئے تھے، اُنھون نے بھی ایک مرثیہ کہا جسکے چند اشعار نقل کرتا ہون

دیار بأکناف المغیب تلمع وما ان بھا من ساکن وھی بلقع

کچھ کھنڈر گمنامی کے اطراف مین نظر آتے ہین، اُن مین کوئی رہنے والا نہین اور چٹیل ہین

ینوح علیھا الطیر من کل جانب فیصمت احیانا وحینا یرجع

اس پر ہر طرف سے چڑیان روتی ہین، کبھی خاموش ہوجاتی ہین، کبھی بولنے لگتی ہین،

فخاطبت منھا طائرا متفردا لہ شجن فی القلب وھو مروع

تو مین نے ان مین سے ایک چڑیا سے جو سب سے الگ تھی خطاب کیا اور اسکے دل مین غم تھا اور وہ خوفناک تھی

فقلت علی ما ذا تنوح وتشتکی فقال علی دھر مضی لیس یرجع

مین نے کہا تو کس چیز پر روتی ہے، اُس نے کہا گذشتہ زمانہ پر جو پھر نہین لوٹے گا،

چار مصرعے اور سن لیجئے، معتمد بن عباد (۴۶۱ھ و ۴۸۴ھ) کے زمانہ تک لوگ مدینۃ الزہرا کے
میدان مین بطریق سیر جایا کرتے تھے، فتح بن خاقان کہتے ہین کہ مجھ سے وزیر الفقیہ ابوالحسن بن سراج نے
بیان کیا کہ ہم بھی چند آدمیون کے ساتھ وہان گئے، وہان کی سیر کی ایک ایک چیز کو دیکھتے تھے تو
دل کڑھتا تھا اور آنسو نہ رک سکتے تھے، یکایک سلطان معتمد بن عباد کا ایک آدمی آیا اور اس نے
ہمارے ہاتھ مین ایک کاغذ دیا جبپر لکھا ہوا تھا کہ،

حسد القصر فیکم الزھراء ولعمری وعمرکم ما اساء

قد طلعتم بھا شموسا صباحا فاطلعوا عندنا بدورا مساء

سنتا ہون کہ یہان گورنمنٹ اسپین کی طرف سے کھدائی ہوئی ہے اور ہورہی ہے کچھ چیزین نکلی
ہین، منجملہ ان کے ایک گھوڑے کا مجسمہ ہے ایک صاحب کو اسپین مین لکھا ہے کہ کچھ تفصیل بھیجین اور اگر
ان چیزون کی تصاویر لی گئی ہون تو وہ بھی عنایت فرمائین،

الفاروق

علامۂ شبلی رح

حضرت فاروق اعظم کی لائف اور طرز حکومت، اگرچہ مسخ شدہ صورت مین معمولی کاغذ پر اس گرانمایہ
کتاب کے بیسیون ایڈیشن فروخت ہورہے ہین، مگر اہل نظر کو ہمیشہ اس کے اعلی ایڈیشن کی تلاش تھی، مطبع
معارف نے نہایت اہتمام وسعی بلیغ سے اس کا نیا ایڈیشن تیار کرایا ہے جو حرف بحرف نامی پریس کانپور کی نقل ہے،
نہایت عمدہ کتابت، اعلی چھپائی، عمدہ کاغذ، دنیائے اسلام کا رنگین نفیس نقشہ، مطلا ٹائیٹل ضخامت ۴۱۲ صفحے قیمت للعہ/

منیجر

مرہٹہ ہیرو

از

مورخ مشہور صدر الصدور "زعفرانی خان"

ذی حجہ (جون) کے معارف مین آپ نے سیواجی کی بابت خیالات کا اظہار فرمایا ہے، آپ نے تمنا ظاہر کی ہے کہ کاش آج کے جشن منانے والے کل کے واقعات کا تجربہ کرچکے ہوتے، اس سلسلہ مین دو ہندو مورخون کی شہادتین مین پیش کرتا ہون جو مرہٹون کی کارگذاریون کے تختۂ مشق تو نہ بنے تھے مگر نتائج کے دیکھنے والے ضرور تھے، یہ معتمد شہادتین ظاہر کرین گی کہ سیواجی کے مرنے کے سو ڈیڑھ سو برس بعد تک ہندوؤن کے خیالات اس ہیرو کی نسبت کیا تھے،

محولۂ بالا دو تاریخین بساط الغنائم اور تاریخ ظفرہ ہین، بساط الغنائم کے مولف اپنے عہد کے مشہور وقائع نگار و انشا پرداز منشی لچھمی نرائن شفیق اورنگ آبادی ہین، یہ نام تاریخی ہے جس سے ۱۲۰۴ھ برآمد ہوتے ہین، کتاب مذکور ایک علم دوست ہندو رئیس کے نام سے معنون ہو کر ۱۳۲۲ھ مین حیدرآباد کے مطبع نظام المطابع مین چھپی ہے،

دوسری تاریخ ظفرہ ہے، اس کا نام بھی تاریخی ہے، لفظ ظفرہ سے سنہ تالیف برآمد ہوتے ہین جو ۱۱۸۵ھ ہین، اس مولف کا نام لالہ گردھاری لعل ہے، اس تاریخ کے دو قلمی نسخے میری نظر سے گذرے ہین، ایک شخصی ملکیت ہے، دوسرا ایک کتابخانہ مین ہے جو پبلک ہے، یہی نسخہ میری نظر کے سامنے ہے، ۱۲۸۱ھ مین لکھا گیا ہے،

مذکورۂ بالا دو تاریخون کا زمانۂ تالیف بتاتا ہے کہ وہ مغلیہ سلطنت کے زوال کے بعد لکھی گئی ہین، بساط الغنائم کی تالیف کے وقت تو انگریزی تسلط بھی نمایان طور پر قائم ہو چکا تھا چنانچہ شفیق نے ہجری

سنہ تالیف کی سنہ عیسوی سے بھی مطابقت لکھی ہی جو ۱۷۹۹ء ہے، لہذا معلوں کی خوشامد سے پاک ہے،
شفیق کا قلم متین ہے، گو ہماری لعل اُس غیظ وغضب کو ضبط نہین کر سکتا جو اُس کے دل مین
ملک کی تباہی سے تھا اس لیے سیواجی وغیرہ کی نسبت الفاظ بہت سخت لکھتا ہے جو ایک مؤرخ کے
قلم سے نہ نکلتے تو بہتر تھے مگر یہ بھی ہے ع کہ ناچار فریاد خیزد ز درد،

یہ دونو تاریخین صاف ظاہر کرتی ہین کہ اُن کے زمانہ تک ہندوؤن نے سیواجی کو ہیرو نہین خیال کیا تھا
حقیقت یہ ہے کہ انسان کی ظاہری اور باطنی قوتین مشق اور متواتر کام لینے سے ترقی پاتی ہین،
جن اعضا یا قوتوں سے کام نہ لیا جائے وہ کمزور بلکہ بیکار ہو جاتی ہین، یہی حال وقائع نگاری وتاریخ فہمی
کا ہے، جو لوگ واقعات پر نظر رکھتے اور اُن کے ضبط وتحریر کا اہتمام رکھنے کے عادی ہوتے ہین، وہ اُس ذمہ داری کا
احساس رکھتے ہین، جو واقعات کی صحت بیان سے تعلق رکھتی ہے، واقعہ نگاری اور اسکی صحت اُن کے
نزدیک ایک واجب التعمیل فرض ہوتا ہے، تاریخ سے بے پروائی یا غلط بیانی کو وہ جرم خیال کرتے
ہین، اس اہتمام کا نتیجہ حقیقت سنجی اور حق جوئی ہوتا ہے، اس کے برخلاف جو لوگ وقائع نگاری کے عادی نہین
اور جنھون نے واقعاتِ عالم کو اس قابل نہین سمجھا کہ ان کی حفاظت کا اہتمام کیا جائے، وہ تاریخ کی اصلی
عظمت سے کبھی واقف نہین ہو سکتے، اور افسانے اور واقعہ مین امتیاز اُن کے لیے دشوار ہوگا، ہندو لٹریچر مین
تاریخی عنصر کی نایابی مسلم ہے جو تاریخین ہندوؤن نے گذشتہ دور مین لکھین وہ عہدِ اسلامی مین لکھی گئین، اسکو
فیضِ صحبت خیال کرنا بیجا نہو گا، اسی بے پروائی کا نتیجہ ہے کہ آج کی مرہٹون کی ہند وتاریخ اُس تاریخ
سے مختلف ہے جو سو یا ڈیڑھ سو برس پہلے خود ہندوؤن نے لکھی تھی،

جو ہستیان آج حقیقت یا ہیرو مانی جاتی ہین وہ کل یا افسانہ تھین یا قزاق وغارتگر،

اب اصل شہادتین ملاحظہ ہون،

بساط الغنائم | دیباچہ مین مؤلف نے لکھا ہے کہ مرہٹون کے کارنامے لوگ بھولتے جاتے ہین، حالانکہ یاد رکھنے کے

لایق ہین، مسلمان مؤرخ تعصب سے ان کی نسبت نامناسب الفاظ استعمال کرتے ہین حالانکہ یہ ارشاد نبوی کے خلاف ہے، اس لیے مین چاہتا ہون کہ صحیح حالات قلمبند کردون، اس کتاب مین مرہٹون کے متعلق جو حالات ہین وہ بجنسہ اُس تاریخ کا ترجمہ ہین جو پونہ مین مرہٹی زبان مین لکھی گئی ہے،

اب اس کتاب کی اصل عبارت مین واقعات سنیئے،

سیواجی...... از آنجا (از رائے گڈھ) کوچیدہ در جالناپور کہ بست کروہ از اورنگ آباد جانب مشرق واقع شدہ رسیدہ دست تاراج کشاد چون تکیہ جان اللہ شاہ کہ از کاملان زمانہ بود آبرو بخش آبادی ست مردم آبادی آن مکان را امن و پناہ دانستہ دران خزیدند، سیواجی قساوت قلب را کار فرمودہ و پاس ادب نہ نمودہ ہمہ را غارت کرد بلکہ اشجارہم بریدہ نسبت بہ شاہ مذکور بے ادبی ہا روا داشت این حرکت موجب آغاز ادبار او گشت، رنست خان منصب دار بادشاہی را کہ با جمعیت جزوی متعین جالناپور بود ہمان شب بشارت غیب شد کہ برکت فوج خود نظر نکردہ با سیواجی مقابل شود کہ بلاشک فتح ازان ست چنانچہ صباح این رویا رنست خان خود را بے باکانہ بر لشکر سیواجی زد و باوصف قلت جمعیت غالب آمد

سیواجی نے اس جگہ (رائے گڑھ) سے کوچ کرکے جالناپور کہ اورنگ آباد سے ۲۰ کوس پر مشرق کی جانب واقع ہے، دھاوا مار کر غارتگری شروع کی، چونکہ جان اللہ شاہ جو کہ کاملین زمانہ سے تھے ان کا تکیہ اس آبادی کیلیئے عزت بخش تھا، وہان کے لوگ اسکو جائے پناہ سمجھکر اسمین چلے گئے، سیواجی نے سنگدلی سے کام لیکر اور اس کا پاس ادب نہ کرکے سب کو لوٹ لیا بلکہ درختون کو بھی کاٹ ڈالا اور شاہ صاحب مذکور کے متعلق بے ادبیان کین، اور یہ حرکت اس کے ادبار کا سبب بن گئی، رنست خان شاہی منصبدار کو کہ تھوڑی سی جمعیت کے ساتھ جالناپور پر متعین تھا، اسی رات کو غیبی بشارت ہوئی کہ اپنی فوج کی تعداد سے قطع نظر کرکے سیواجی کے ساتھ مقابلہ کرے یقیناً

اس کی فتح ہوگی، چنانچہ اس خواب کی صبح کو رستم خان بیجاپوری کے ساتھ سیواجی کے لشکر پر ٹوٹ پڑا، اور

مردم بسیار از سیواجی باسدوجی سردار عمدہ اش بقتل رسیدند ہزیمت بر لشکرش افتاد و

باوجود فوج کی کمی کے غالب آیا سیواجی کے بہت سے آدمی اس کے بہترین سردار سدوجی کے ساتھ قتل

سیواجی را پا از جا رفت و یارائے قیام در خود نیافتہ تا رائے گڈھ باز پس ندید بالاجی

ہوئے اسکی فوج نے شکست کھائی سیواجی کے پانون اکھڑ گئے اور ٹھہرنے کی طاقت سلب ہوگئی اور ایسا بھاگا کہ رائے گڈھ

کہ برادر رنگ آباد باختہ بود و نیز از آنجا گریختہ بسیواجی ملحق شد (صفحہ ۵۵ و ۵۶)

تک پیچھے مڑکر نہ دیکھا، بالاجی اوجی بھی جس نے اورنگ آباد پر دھاوا مارا تھا اس جگہ سے بھاگ کر سیواجی کے ساتھ ملگیا،

سیواجی کی راے برہمنون کی نسبت | یہ سننا دلچسپی سے خالی نہو گا کہ آج جو طبقہ سیواجی کی ہیرو سازی مین سب سے

زیادہ بلند آہنگ ہے اُس کی نسبت خود سیواجی کی کیا راے اور روش تھی؛

چون از ہمہ سو فراغش دست داد خیال برہمن شدن در سرش گرفت گیکا بھٹ را کہ

جب اسکو ہر طرف سے فراغت حاصل ہوگئی تو اُس کے دماغ مین برہمن ہونے کا خیال پیدا ہوا، گیکا بھٹ کو جو

از پنڈتان مشہور بنارس بود طلب داشتہ طریق عبادت برہمنان آموخت برہمنان دیگر ازین ارادہ وقف

بنارس کے مشہور پنڈتون مین تھا طلب کرکے برہمنون کا طریقۂ عبادت سیکھا، دوسرے برہمن اس ارادہ سے

شدہ بھٹ مذکور را مخفی مانع آمدند سیواجی خبر یافتہ ناخوش گردید و یک قلم براہمہ را از کار

واقف ہوے تو بھٹ کو مخفی طریقہ پر اس سے منع کیا، سیواجی کو خبر ہوئی تو ناخوش ہوا اور یکقلم تمام برہمنون کو ملازمت

و خدمت موقوف داشتہ گفت کہ این گروہ بد طینت گدا پیشہ نظر بہ بزرگ نہادی واجب الخدمۃ

سے موقوف کردیا کہ یہ بدطینت گداپیشہ گروہ اپنی ذات کی بزرگی سے واجب الخدمت ضرور ہے، لیکن

البتہ اند اما از ینہا توقع خیر سگالی و آقا پرستی ہیچ نیست و بجائے آنہا قوم پربھوان یعنی

اس سے خیر خواہی اور آقا پرستی کی کوئی توقع نہین اور ان کی جگہ پربھوان سے یعنے

کایستھان را مامور نمود چند مقربان در سفارشِ برہمنان و بحالیِ تعلقات کوشیدند پذیرا نفرمود

کایستھون کی قوم کو مامور کیا، مقربانِ درگاہ نے اگرچہ برہمنون کی سفارش اور بحالیِ ملازمت مین بہت کچھ

سنبھاجی پسرش نیز باطلاعِ این معنی نیلاتھ دیوان خود را کہ از قوم براہمہ بود تغییر ساختہ

کوشش کی لیکن قبول نہ ہوئی، اس کے بیٹے سنبھاجی کو بھی اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو اس نے اپنے دیوان

بجایش یک کس را مامور کردہ،

نیلاتھ کو بھی جو برہمن تھا بدل کر اس کی جگہ ایک کایستھ کو مقرر کیا،

یہان یہ سوال شاید نتیجہ خیز ہو کہ تاریخ نے سیواجی کی راے برہمنون کی "خیرسگالی و آقاپرستی" کی

بابت صائب ثابت کی یا غلط۔ (بساط الغنائم صفحہ ۵۵)

سیواجی کے نزدیک سعادتمندی کا معیار | سنبھاجی ...... بر بھوپال گڈھ تاخت و آن را

سنبھاجی نے بھوپال گڑھ پر حملہ کیا اور اس کو جبراً قہراً مفتوح کرکے پانچ سو قیدیون کو

جبراً و قہراً مفتوح نمودہ پانصد اسیر را دست و پا شکستہ کشت، سیواجی خبر رشادت

ہاتھ پاؤن توڑ کر مار ڈالا، سیواجی نے لڑکے کی اس لیاقت کی خبر پائی تو ملاقات کا اشتیاق

فرزند دریافتہ مشتاق ملاقات شدہ در راے گڈھ آمدہ از دیدار فرزند ارجمند ذخیرۂ خرسندی

ہوا اور راے گڈھ مین آکر لایق لڑکے کے دیدار سے مسرت اندوز ہوا اور ملاقات کے

اندوخت و وقتِ ملاقات یک پرتلہ مرصع با شمشیر و سپر بخشیدہ (بساط الغنائم صفحہ ۵۵)

وقت ایک مرصع پرتلہ تلوار اور ڈھال کے ساتھ عطا کیا،

سیواجی کی وفات کا واقعہ | درہمین اثنا یکے از غمازان ذہن نشین سورا بائی زوجہ سیواجی

اسی اثنا مین ایک چغلخور نے سیواجی کی بی بی سورا بائی (جو راجہ رام کی مان تھی) کے ذہن نشین

کہ مادر راجہ رام ست ساخت کہ سیواجی سنبھاجی پسر خود را کہ از زوجۂ دیگر ست میخواہد

یہ بات کی کہ یہ سیواجی اپنے لڑکے سنبھاجی کو جو دوسری بی بی سے ہے ولیعہد بنانا چاہتا ہی چنانچہ اس

ولیعہد سازد، چنانچہ او را باین ارادہ از بنالا طلبیدہ است و اغلب کہ عنقریب در رسد و مختار ریاست شود زنکہ مذکور ازین کلمات

ارادہ سے اس کو بنالا سے طلب کیا ہے اور غالباً وہ عنقریب پہنچکر مختار ریاست ہوگا، یہ

سراسیمہ شدہ زہر در طعام سیواجی انداخت تا آنکہ او قالب خالی گذاشت (بساط الغنایم ص ۵۶)

عورت ان کلمات سے پریشان ہوئی اور سیواجی کے کھانے مین زہر ڈالدیا جسکو کھا کر وہ مرگیا،

دوسری تاریخ ظفرہ سے بعض انتخابات | یہ تاریخ آج سے ایک سو اکسٹھ [۱۶۱] برس پہلے اور سیواجی کی وفات کے پچانوے [۹۵]

برس بعد لکھی گئی تھی، مؤلف اس کے خاتمہ مین لکھتا ہے :-

بر ارباب فضل و کمال ہویدا باد کہ احقر گردھاری لعل تاریخ ظفرہ از ابتدائے بنائے محمد نگر

ارباب فضل و کمال کو معلوم ہونا چاہیے کہ کمترین گردھاری لعل نے تاریخ ظفرہ کو حیدرآباد مین محمد نگر

در حیدرآباد لغایتہ حال کہ یکہزار و یکصد و ہشتاد و پنج ہجری می باشد بطریق مجمل بقلم آوردہ

کی بنیاد کی ابتدا سے آج تک کہ ۱۱۸۵ ہجری ہے اجمالی طور پر لکھا ہے اگر زندگی باقی ہے تو

اگر حیات باقی ست انشاء اللہ تعالی آیندہ انچہ بظہور می رسد بتحریر خواہد آورد،

انشاء اللہ آیندہ بھی جو کچھ ظہور مین آئے گا وہ لکھا جائیگا،

اس تاریخ مین سیواجی اور اس کے بیٹے سنبھاجی کے متعلق جابجا جو الفاظ استعمال کیے گئے ہین وہ

صاف ظاہر کرتے ہین کہ اس ہیرو کا مرتبہ مذکورہ بالا ہندو واقع نگار کی نگاہ مین کیا تھا، رسالہ معارف کی

متانت سے معافی چاہکر ہم ان الفاظ کی نقل کا (محض واقعات پر روشنی ڈالنے کی خاطر) ارتکاب کرتے ہین،

تاریخ ظفرہ کا پیرایہ بیان غالباً شفیق اورنگ آبادی کی خدمت مین مسلمان مورخون کی جانب سے

یہ عذر خواہی کرسکے گا کہ مرہٹون کی نسبت سخت الفاظ استعمال کرنے کے مرتکب صرف مسلمان ہی نہین ہین

ہندو مؤرخ بھی اُن کے ہمنوا ہین،

"ذکر خروج سیوا وبہنا وغیرہ مرہٹہا" اس عنوان مین جہان جہان سیواجی یا سنبھاجی کا نام آیا ہے گردھاری لعل نے سخت الفاظ کے بغیر یاد نہین کیا، مثلاً

"سیوائے ناخلف بہ نیابت پدر بدسلف دران دو پرگنہ (سوپہ و پونہ) می ماند سیوا مردود

سیوائے ناخلف اپنے بدسلف باپ کا قائم مقام ہوکر ان دونون پرگنہ (سوپہ و پونہ) مین رہتا ہے سیوا

کہ در بے باکی وجلادت ومکر وحیلہ بے نظیر بود تا بو یافتہ در ولایت کوکن غارتگریہا انگیخت

مردود نے کہ بیباکی، بہادری اور مکر وحیلہ مین بےنظیر تھا قابو پاکر کوکن کے صوبہ مین غارتگریان کین،

آن شقی ۔۔۔ آن غدار نابکار ۔۔۔ مرزا راجہ بہ تلبیس آن ابلیس ۔۔۔ آن ابلیس فن یعنی سیوائے مقہور، دور ۱۰۹۱ھ سیوائے لعین ہم واصل جہنم شد"

سیواجی نے جو عرضی عالمگیر بادشاہ کو لکھی تھی نقل کرکے اُس کے گستاخانہ لب ولہجہ پر مورخ موصوف خشم آلودہ ہوکر لکھتا ہے کہ جس وقت عالمگیر نے یہ عرضی پڑھی تو

برزبان الہام ترجمان گذشت کہ فروق زندیق بے توفیق را نمی رسد کہ با مقبولان درگاہ

زبان الہام ترجمان سے یہ نکلا کہ فروق زندیق بے توفیق کو یہ حق حاصل نہین کہ مقبولان درگاہ صمدیت

صمدیت ومنظوران نظر احدیت دم طعنہ زند از انجا کہ آن ناعاقبت اندیش نخوت وتکبر را

اور منظوران نظر احدیت پر زبان طعن دراز کرے، چونکہ اس ناعاقبت اندیش نے نخوت اور

سرمایہ حیات خود ساختہ عنقریب بتلا فی خودنمائی وبیحیائی خواہد رسید"

تکبر کو اپنی زندگی کا سرمایہ بنا لیا ہے، اسلیئے اسکو عنقریب اسکی خودنمائی اور بیحیائی کا بدلہ ملے گا،

اس کے بعد ان الفاظ شاہی کا اثر ظاہر کرنے کے لیے کہتا ہے:۔

"چنانچہ آن سگ بے دم وخر بے سم واصل جہنم شد"

چنانچہ وہ بے دم کا کتا اور بے سم کا گدھا واصل جہنم ہوا۔

ایسے بھی الفاظ ہین جو سبھا کے لیے استعمال کیے گئے ہین، زیادہ لکھنے سے خود ہمارا قلم انکار کرتا ہے لہذا اسی قدر پر اکتفا کی جاتی ہے،

تصویر کا دوسرا رُخ۔ آج عالمگیر بادشاہ کے متعلق جو جدید خیال کے ہندوؤن مین راے ہے وہ ظاہر ہے، یہ بھی دیکھ لیجئے کہ یہ ہندو واقعہ نگار کیا لکھتا ہے، گردھاری لعل عالمگیر بادشاہ کی وفات کا واقعہ لکھ کر کہتا ہے،

آن شاہ والا گہر در شیوۂ جہان داری بادشاہِ عادل و در پاسِ شریعت و ریاضت ولی کامل بود،

وہ شاہ والا گہر فرمان روائی مین بادشاہ عادل تھا اور پاس شریعت اور ریاضت مین ولی کامل تھا،

نئی کتاب

سیر المہاجرین کا پہلا حصّہ

خلفاے راشدین

از

مولوی حاجی معین الدین صاحب ندوی سابق رفیق دار المصنفین

سیر الصحابہ کے سلسلہ مہاجرین کا پہلا حصہ اس نام سے شائع ہوا ہے، اسمین حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان ذی النورین اور حضرت علی مرتضی کے حالات ذاتی، سوانح، اخلاق وفضائل، اور انکی خلافت کے سیاسی، انتظامی، علمی، دینی کارنامے، اور فتوحات ملکی بہ تفصیل لکھے گئے ہین، جن کو پڑھ کر خلافت راشدہ کی ۳۲ سالہ تاریخ پوری سامنے آجاتی ہے، اور ان خلفائے راشدین کے کمالات، فضائل، مناقب اور کارنامے پیش نظر ہوجاتے ہین، ضخامت ۵۰۷ صفحے، لکھائی چھپائی کاغذ اعلی، قیمت ہے۔

(مینجر)

سوشیالسٹ حکومت کے نتائج

از

مولوی عبد السلام ندوی

(۴)

لیکن ان خطرات کے ساتھ اس قسم کی حکومت کے اخلاقی، اقتصادی اور انتظامی نتائج کے متعلق تمام ماہرین اقتصاد نے تصریح کی ہے کہ وہ

(۱) افراد کے ملکۂ استنباط اور ذمہ داری کے احساس کو بالکل فنا کر دیتی ہی،

(۲) اور ہر کام مین حکومت کی مداخلت سے روپیہ بہت زیادہ صرف ہوتا ہے، حالانکہ اگر وہ کام افراد کے ہاتھون انجام پاتا تو اس سے بہت کم رقم صرف ہوتی،

چنانچہ موسیو (بول سرواپولیو) لکھتے ہین کہ:-

حکومت کے ہاتھ مین تمام اقتصادی قوتون کے آجانے سے فرانس جدید اپنے ملکۂ استنباط، قوت عزم، اور نشاط ذاتی کو کھوتا جاتا ہے، اور حکومت اس کو اپنا غلام بنا کر دفعۃً کمزور اور اُسکی اخلاقی حالت کو تباہ کر رہی ہے،

(ہربرٹ اسپنسر) کہتا ہے کہ:-

قانون سازی ایک دوسرے قانون سازی کی محتاج ہوتی ہے جو ایسے نتائج پیدا کرتی ہے جو قانون ساز کے خیال مین بھی نہین آئے تھے، کیونکہ قانون سازی لازمی طور پر دوسرے مدبرین کو پیدا کرتی ہے، حکومت کے دفتری اقتدار کو وسیع کر دیتی ہے، اور ملازمین سرکاری کی تعداد کو بڑھا دیتی ہے، اور جسقدر حکومت کی مداخلت زیادہ ہوتی جاتی ہے اسی قدر افراد اپنے ملکۂ استنباط کو

گھوتے جاتے ہین، اور یہ مداخلت در پردہ افراد مین یہ خیال پیدا کر دیتی ہے کہ ہر نقصان کا دور کرنا
اور ہر فائدہ کا پیدا کرنا حکومت کے فرائض مین داخل ہے،

واقعات سے بھی ان اقوال کی تائید ہوتی ہے، کیونکہ کوئی حکومت قومی کامون کو سرکاری ملازمون کے بغیر انجام نہین دے سکتی اس لیے حکومت کا دائرہ عمل جسقدر وسیع ہوتا جاتا ہے، اسی قدر سرکاری ملازمون کی تعداد مین بھی اضافہ ہوتا ہے، مثلاً آج سے پچاس برس پہلے فرانس مین سرکاری ملازمون کی تعداد ۰۰۰،۱۸۸ تھی، اور حکومت کو اُن پر (۲۴۵) مین صرف کرنا پڑتے تھے، لیکن اب یہ تعداد ۰۰۰،۶۸۹ ہے، اور حکومت کو اُن پر ۲۷ ۶ مین صرف کر رہی ہے، اور اس تعداد مین ابھی اور بھی اضافہ ہوگا کیونکہ تعلیم جس قسم کے افراد کو پیدا کر رہی ہے، اُن مین ملازمت کے سوا اور کسی قسم کے تجارتی زرعی اور صنعتی کامون کے انجام دینے کی قابلیت ہی نہین ہوتی، اس لیے وہ لازمی طور پر ملازمتون کی طرف متوجہ ہونگے اور اس سے ملازمانِ سرکاری کی تعداد مین اور اضافہ ہوگا،

دفتری نظام کی یہ وسعت، حکومت کے اختیارات کو غیر محدود اشخاص (ملازمین سرکاری) مین تقسیم کر دیتی ہے، اور اس طرح ایک ایسا مرتب و منظم سلسلہ قائم ہو جاتا ہے کہ ہر سرکاری ملازم ایک دوسرے سرکاری ملازم کا محتاج ہو جاتا ہے، یا بالفاظ دیگر ہر سرکاری ملازم ایک دوسرے سرکاری ملازم پر حکومت کرتا ہے، اور یہ غلامانہ سلسلہ اسقدر طویل ہو جاتا ہے کہ اگر ایک وزیر معمولی کام بھی لینا چاہتا ہے تو اُسکو درجہ بدرجہ ایک چپراسی تک کا محتاج ہونا پڑتا ہے، اور اس طرح اس سلسلہ مین اسقدر پیچ وخم پیدا ہو جاتے ہین کہ وہ ایک قفس آہنین بن جاتا ہے جس سے ایک سرکاری ملازم کا نکلنا دشوار ہو جاتا ہے، لیکن باوجود ان دشواریون کے قوم کا استقلال ذاتی اور ملکۂ استنباط اسقدر فنا ہو جاتا ہے، کہ وہ اس سے بھی پیچیدار نظام حکومت کی خواہشمند ہوتی ہے، چنانچہ دیبون سی، کہتا ہے کہ

ہم کو ایک بلند آواز سنائی دیتی ہے جو نہایت پیچیدار اور وسیع نظام حکومت کا مطالبہ کرتی ہے،

اس لیے حکومت کو اس مطالبہ کی بنا پر چھوٹے سے چھوٹے سے کامون کے لیے بھی قوانین بنانے پڑتے ہین، اور ہر ایک کام کے لیے ایک مستقل نظام قائم کرنا پڑتا ہے، چنانچہ پیرس مین گاڑیون کی آمدورفت کا جو جدید نظام قائم کیا گیا ہے، وہ ۴۲۵ دفعات پر مشتمل ہے، لیکن اس قسم کے قوانین و نظام ہمیشہ تنزل پذیر قومون مین قائم کیے جاتے ہین، چنانچہ دغاستون بواسیہ لکھتا ہے کہ:-

رومن قوم کے نظام حکومت مین اس قدر پیچ وخم کبھی نہین پیدا ہوا تھا جسقدر اُن کے آخر زمانہ مین پیدا ہوا، اس زمانہ مین کاغذی نظام اسقدر وسیع ہوگیا تھا کہ ایک سرکاری ملازم جب جاتا تھا تو بہت سے محرر اس کے ساتھ ہوتے تھے،

اس وسیع دفتری نظام حکومت کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ حکومت کے تمام کام بہت دیر مین انجام پاتے ہین، چنانچہ موسیو (بورڈ) ایک چھوٹے سے شہر کا ایک واقعہ بیان کرتے ہین کہ:-

وہان ایک نہر کا دہانہ ٹوٹ گیا اور اسمین اُن کے پاس کی ایک موری کی نجاست شامل ہوگئی، میونسپلٹی کے سامنے یہ معاملہ پیش ہوا تو بحث ومباحثہ کے بعد اُس نے حکومت کو اس طرف توجہ دلائی، اور بہت سے وزرا، ممبران ہاؤس آف لارڈ، ممبران پارلیمنٹ اور انجینیرون کی مداخلت کے بعد دو سال مین اس کی اصلاح ومرمت کی تجویز پاس ہوئی، لیکن اس مدت مین اس شہر کے باشندون کے دل مین بذات خود اصلاح ومرمت کا خیال تک نہین پیدا ہوا،

یہی وجہ ہے کہ جہان اس قسم کی با اقتدار مرکزی حکومت قائم ہوجاتی ہے وہان اس زمانہ کے تمدنی سروسامان کی بہت کمی نظر آتی ہے، مثلاً فرانس کے بڑے بڑے شہرون کی صرف چند سڑکون پر برقی روشنی ہوتی ہے، اور ٹرامویے صرف اُس کے چند بڑے بڑے شہرون مین چلتی ہے،

اس تاخیر اور کمی کے ساتھ ہر چیز کی قیمت بھی گران ہوجاتی ہے، چنانچہ فرانس مین گیس کی قیمت اور ملکون سے زیادہ ہے، اور ٹیلیفون پر گفتگو کرنے کی اجرت وہان لندن، برلن، بروسیلز، امسٹرڈم اور نیویارک سے

تین گنا لی جاتی ہے، شاید کسی کو یہ خیال ہو کہ یہ حکومت کی بے پروائی اور عدم مداخلت کا نتیجہ ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ تاخیر اور گرانی حکومت کی توجہ اور کثرت مداخلت سے پیدا ہوتی ہے کیونکہ (۱) اولاً تو میونسپلٹیوں میں جو مرکزی حکومت کی قائم مقام ہوتی ہیں، ممبروں کی رایوں میں سخت اختلاف و انقلاب ہوتا رہتا ہے اور اس تبدل و تغیر سے ان تمام چیزوں کی کمپنیاں بدلتی رہتی ہیں، دوسرے وہ سرمایہ داروں سے بیدریغ روپیہ وصول کرتی ہیں، اس لیے تاوان کے خوف سے سرمایہ دار اس قسم کی کمپنیاں نہیں قائم کرتے، اور جو قائم کرتے ہیں اُن کو دیوالیہ ہونا پڑتا ہے، چنانچہ دو تین کمپنیوں کے سوا فرانس میں ٹریوے کی تمام کمپنیاں دیوالیہ ہو گئیں،

(۲) ثانیاً حکومت جن چیزوں کو خریدتی ہے، ان کی قیمت ایک طویل مدت کے بعد ادا کرتی ہے، اور یہ اس کے وسیع اور پیچیدار دفتری حکومت کا لازمی نتیجہ ہے، مثلاً ایک فوج کے کمانڈر نے ایک کارخانے میں جوتا بنوایا جسکی قیمت سات فرنک اور اسی سینتا تھی، لیکن جب اسکو ادا کرنا چاہا تو وزارت جنگ کے تین خط وزارت مال کے ایک خط، اور دوسرے کمانڈروں اور دفتروں کے افسروں کے پندرہ خط، ایک تجویز اور ایک یادداشت کے ذریعہ سے یہ رقم وصول ہوئی، اس بنا پر تاجر اس تاخیر کا معاوضہ اشیاء کی قیمت کی گرانی سے کرتے ہیں، اور حکومت کو عموماً ہر چیز کی دوگنی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے، بلکہ ایک یادداشت سے معلوم ہوتا ہے کہ حکومت نے ایک بار فوج کے لیے ۳۲ ہزار بچھے اور کانٹے خریدے تو ان میں ہر ایک کی قیمت پچاس سینتات ادا کرنی پڑی، حالانکہ وہ عام طور پر دس سینتات میں فروخت ہوتے تھے،

اس وسیع اور پیچیدار دفتری نظام سے جو مالی زیر باریاں ہوتی ہیں اس کی ایک نہایت واضح مثال یہ ہے کہ فرانس میں ایک اجنبی کمپنی نے دو عظیم الشان صنعتی مرکزوں کے درمیان ایک ٹریوے لائن جاری کی جسکی سالانہ آمدنی ... ۱۰ ... فرنک ہوئی اور کمپنی کو ۷ ہ فرنک دفتری نظام پر خرچ کرنا پڑا، لیکن مقامی حکومت کو ایک اجنبی شخص کی یہ کامیابی ناگوار ہوئی، اس لیے اس نے اس کی جگہ ایک فرنچ

انجینیر کو مقرر کردیا، اور اُس فرنچ انجینیر نے سب سے پہلے نئے سرے سے دفترون کی تنظیم و ترتیب کی، اور بہ کثرت ملازم مقرر کیے، جن کے نام اور عہدے الگ الگ تھے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک سال سے کم مین مصارف بڑھ کر ۲۰ فیصدی ہوگئے، اب کمپنی کو اپنے دیوالیہ ہونے کا خطرہ پیدا ہوا تو اس نے حکومت سے درخواست کی کہ انجینیر کا عہدہ اور اس کی تنخواہ تو قائم رکھی جائے، لیکن اس کے دفتری اقتدار کو اٹھا لیا جائے، حکومت نے اس درخواست کو قبول کرلیا، اور اب دوبارہ کمپنی کے مصارف اصلی حالت پر آگئے، لیکن اس لیٹن دفتری تجربے سے کمپنی کو تقریباً نصف ملین فرنک تاوان دینا پڑا،

اس کثرتِ مصارف کی بنا پر فرنچ نوآبادیون کی حالت نہایت ابتر ہو رہی ہے، انگریز اپنی نوآبادیون پر بہت کم روپیہ صرف کرتے ہین، لیکن فرنچ نوآبادیون پر سالانہ ۱۱۰ ملین صرف کرنا پڑتا ہے، حالانکہ ہم کو ان سے تجارتی فائدہ دس ملین بھی نہین حاصل ہوتا، بلکہ فرنچ نوآبادیون پر جو رقم صرف ہوتی ہے، اس سے دوسری قومون کی تجارت کو فروغ حاصل ہوتا ہے، کیونکہ یہ قومین جس نرخ پر اپنے تجارتی سامان فروخت کرتی ہین، ہم اُس نرخ پر فروخت کرنے سے عاجز ہین، اس لیے ہماری نوآبادیون کے باشندے دوسری قومون سے کاروبار کرتے ہین، چنانچہ ان لوگون نے دوسری قومون سے جو تجارتی سامان خریدے ہین، اس کا موازنہ اگر فرنچ تجارتی سامان سے کیا جائے تو ان کی قیمت ۴۶ ملین زیادہ ہوتی ہے، لیکن اس کی وجہ صرف وہ وسیع اور پیچدار دفتری نظامِ حکومت ہے جس نے ہماری تجارت کو شکنجے مین جکڑ رکھا ہے، مثلاً کوشتین مین جسکی مردم شماری ۳۰۰۰ ۱۰۰ (۲ ہے ہم نے جسقدر ملازم رکھے ہین اُن کی تعداد اُن ملازمون سے زیادہ ہے، جن کے ذریعہ سے انگریز ۵۰ ۲ ملین ہندوستانیون پر حکومت کر رہے ہین، سرکاری ملازمین کی اس کثرت، اور دفتری نظام کی اس وسعت کو دیکھ کر ایک اخبار لکھتا ہے کہ:-

شاہان داھومی کے دورِ حکومت مین اُن کے ملکون کے قیام کو ہمارے تاجر ہماری نوآبادیون کے قیام پر ترجیح دیتے ہین کیونکہ اُن کو ان نوآبادیون مین خطرناک دفتری پیچیدگی محسوس ہوتی ہے ہم اپنے اوپر

حکومت کرنے کے اصول سے ناواقف ہوکر جن دفتری مظالم کے سامنے مجبوراً سرتسلیم خم کر رہے ہین اُن کے سامنے ظالم سے ظالم بادشاہ بھی ہیچ ہین،

اس لیٹین دفتری نظام حکومت سے لازمی طور پر بجٹ مین غیر معمولی اضافہ ہوجاتا ہے چنانچہ ۱۸۶۹ء مین ہمارا بجٹ ایک ملیار اور آٹھ سو ملین کا تھا، لیکن اب ترقی کرکے چار ملیار ہوگیا، اور اگر اسمین میونسپلیٹون کا بجٹ بھی شامل کرلیا جائے تو اس کی مجموعی تعداد پانچ ملیار ہوجاتی ہے، لیکن اس قسم کے بجٹ کی کمی صرف ٹکسون کے ذریعہ سے پوری کی جاسکتی ہے، اس لیے حکومت کو ہر چیز پر غیر معمولی ٹکس لگانا پڑتا ہے، اور جو چیزین معمولاً جس قدر زیادہ استعمال کی جاتی ہین اسی قدر اُن پر ٹکس کی شرح زیادہ ہوتی ہے، مثلاً شراب پر جو ٹکس لگایا گیا ہے اس کی تعداد اس کی اصلی قیمت سے دس گنا زیادہ ہے، نمک، تنباکو اور پٹرول کا بھی یہی حال ہے، ۱۸۹۵ء مین موٹر کمپنی نے جو رپورٹ مرتب کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حکومت یا میونسپلٹی کو ۹۵ فرنک منافع کے مقابل مین ۱۴۹ فرنک ٹکس ادا کرتی ہے اُسکو سو فرنک پر دو سو فرنک ٹکس دینا پڑتا ہے، اس بنا پر حکومت کا اقتدار جس قدر بڑھتا جاتا ہے، اوسی قدر تمام پبلک اور صنعتی کاروبار تباہ ہوتے جاتے ہین، فرانس کی طرح دوسری لیٹین سلطنتون مین بھی جہان ایسی ہی وسیع الاقتدار حکومت قائم ہے، دفتری پیچیدگی کا یہی حال ہے، چنانچہ ایک اٹالین افسر نے اٹلی مین سوشیالسٹ حکومت اور اس کے نقصانات کے متعلق جو یادداشت مرتب کی ہے اُس کے چند اقتباسات حسب ذیل ہین،

سرکاری افسر جو کمشنرون کے حاکم ہین صرف یہی نہین کہ ہم ان کو احکام کے ایجاد کرنے کا مجاز نہین کرتے، بلکہ اُن کو یہ بھی اجازت نہین دیتے کہ وہ اُن کی تشریح کرین اور اُن کو عمل مین لائین حالانکہ انتظامی حیثیت سے یہ نہایت ضروری ہے، اگر ہم اُن کے اُن فرائض و اختیارات کو جو قانون سرکاری فرامین اور روزراء کے حکم سے ان کو حاصل ہین مستثنیٰ کردین تو وہ ایک قدم بھی بغیر اس کے نہین اُٹھا سکتے کہ ایک وزیر پہلے ان کو حکم دے، پھر دوسرا وزیر اسکی تائید کرے، اور کمشنر اور وکلاے مال

دفترون اور یونیورسٹیون کے افسر چھوٹی سی چھوٹی رقم بھی اس وقت تک صرف نہین کرسکتے جب تک کسی وزیر کی اجازت نہ حاصل ہوجائے میونسپلٹی یا کوئی خیراتی انسٹیٹیوشن اگر ایک میٹر رقبہ کی زمین خریدنا یا چند فرانک کی وصیت قبول کرنا چاہے تو اس کو میونسپلٹی کی کمیٹی یا اُس خیراتی کام کے دفتر سے مشورہ لینا پڑیگا، اور یہ ضروری ہوگا کہ کمشنری کی انتظامی مجلس اُس سے اتفاق کرے، بادشاہ کے سامنے اجازت حاصل کرنے کے لیے اس تجویز کو پیش کرے اور اسکو ایک یادداشت کے ساتھ وزارت کے دفتر مین بھیجے اُس کے ساتھ اسناد نتھی کرے، پھر وزیر اس کے متعلق مجلس شوری مین ایک یادداشت پیش کرے اور وہ مجلس اپنی راے اُس کے متعلق ظاہر کرے پھر بادشاہ اپنی دستخط سے ایک فرمان صادر کرے، اور مجلس حساب کے سامنے اسکی تصدیق ہو،

اس طرز حکومت نے اٹلی مین سرکاری ملازمین کی تعداد مین غیر معمولی اضافہ کردیا ہے، اور اُس کا بجٹ مصارف سے لبریز ہوگیا ہے، اس وقت ہندوستان کے جمہوریت پسند اصحاب جو ریفارم اسکیم کو اپنی بڑی کامیابی سمجھتے ہین کیا ان تصریحات پر غور کرینگے؟ کیا وزرا اور اُن کے اسٹاف کی تنخواہون نے بجٹ مین کوئی غیر معمولی اضافہ نہین کیا؟ اور کیا اس سے دفتری اقتدار مین پہلے سے زیادہ وسعت نہین پیدا ہوگئی؟ فاعتبروا یا اولی الابصار

المامون

علامہ شبلی رح

خلیفہ مامون الرشید کے عہد سلطنت کے حالات ابتک اُس کے بازاری نسخے عام طریقے سے فروخت ہوتے تھے، اب مطبع معارف نے خاص اہتمام سے طبع کراکے شائع کیا ہے، کاغذ اور لکھائی چھپائی بہترین ہے، ضخامت ۲۲۴ صفحے، قیمت عہ/ و عہ

عربِ قدیم
پر
مستشرقین کی ایک نئی کتاب

از

جناب شیخ عنایت اللہ صاحب ایم اے معلم عربی گورنمنٹ کالج، جھنگ

زمانۂ حال کا پہلا یورپی سیاح جس نے عرب اور خصوصاً یمن کے آثار عتیقہ کا علمی لحاظ سے مطالعہ کیا، اور اپنے سفر کے حالات کو ایک لائق استناد کتاب مین جمع کیا، ڈنمارک کا ایک عالم نی بہر (NIEBUHR) نامی تھا، یہ ایک اتفاق حسنہ ہے کہ اس کے تقریباً ڈیڑھ صدی بعد اسی کے ایک ہموطن یعنی ڈاکٹر نیلسن (کوپن ہیگن یونیورسٹی) نے عرب قدیم کی تاریخ، تمدن، مذہب، زبان، کتبات اور دیگر آثار کے متعلق ایک جامع و مانع تاریخ مرتب کرنے کا بیڑا اُٹھایا ہے جس سے مقصود یہ ہے کہ ان شعبون مین زمانۂ حال مین اس وقت تک جو تحقیقات ہو چکی ہین، اُن کے نتائج کو ایک کتاب کی صورت مین یکجا پیش کیا جائے، یہ وہی ڈاکٹر نیلسن ہین جو آج سے چند سال پہلے "عرب کے قدیم مذہب" کے متعلق ایک کتاب لکھ چکے ہین، اور جن کی تحقیقات اور خیالات سے مشہور مستشرق نلڈکے کو شدید اختلاف رہا ہے، چنانچہ صاحب موخر الذکر اپنی تحریرون مین ایک سے زیادہ دفعہ لکھ چکے ہین کہ مین ناظرین سے نیلسن کی کتاب (عرب کا قدیم مذہب) پڑھنے کی ہرگز سفارش نہین کر سکتا، بہرحال اس اہم کام کی انجام دہی مین متعدد جرمن علمائے مستشرقین نے جو عرب قدیم کی اثریات کے ماہر خصوصی ہین اُن کے ساتھ شرکت اور رفاقت کی ہے، اُن کے اسمائے گرامی یہ ہین،

(۱) فرٹس ہومل جو منشن یونیورسٹی کے ایک پُرانے اور مسلم الثبوت استاذ اقوام والسنۂ سامیہ کے متعلق متعدد اور مستند کتابون کے مصنف اور شاید ڈاکٹر نیلسن کے استاد ہین (۲) رودوکناکس (وین آسٹریا)

جو اس سے پیشتر یمن کی قدیم زبان اور وہان کے کتبون کے متعلق اپنی تحقیقات شائع کر چکے ہین اور کر رہے ہین (۳) گرد ہمن (۴) اور لیتمان،

کتاب ہذا تین جلدون مین مکمل ہوگی، ان مین سے پہلی جلد جو عرب کے قدیم تمدن کے لیے وقف کی گئی ہے شائع ہو چکی ہے، اور عمدہ کاغذ پر نہایت نظرافروز شکل وصورت مین چھپی ہو اور ۷۰ تصاویر کے ساتھ مزین ہے، جو زیادہ تر قدیم محلات، خرابات، کتبات اور دیگر آثار پر مشتمل ہین، اس جلد کے کئی حصے یا ابواب ہین، پہلے باب مین اس کتاب کے مرتب و مدون یعنی نیلسن کا ایک مبسوط مضمون بطور مقدمہ کے ہے جس مین انھون نے عربی اثریات کے متعلق زمانہ حال کی تحقیقات اور انکشافات کی تاریخ بیان کی ہے، اور اس کے مختلف شعبون مین نی بہر کے علمی سفر سے لیکر آج تک جو ترقی عہد بعہد ہوئی ہے اس کا ذکر کیا ہے، باقی ابواب یا حصص کی تفصیل حسب ذیل ہے،

ہومل :- جنوب عرب کی تاریخ کا مختصر خاکہ :-

رودوکناکس :- جنوب عرب کی قدیم ریاستون مین لوگون کی عام طرز معاش،

گرد ہمن :- جنوب عرب کے آثار عتیقہ،

نیلسن :- عرب کا قدیم مذہب،

ڈاکٹر ادوارڈ گلازر مینی آثار کے ایک مشہور محقق گذرے ہین، انھون نے اپنے سفرون مین اندرون عرب سے بہت سے کتبے حاصل کیے تھے، جو اب وین (آسٹریا) کی "مجلس علمی" مین محفوظ ہین، ڈاکٹر صاحب مذکور اپنی حین حیات مین ان کتبات کے متعلق اپنی تحقیقات شائع کر گئے تھے، اب یہ انتظام کیا گیا ہے کہ یہ تمام قیمتی اور پرُ از معلومات کتبات مع ترجمہ و تشریح کے زیر تبصرہ کتاب کی آئندہ جلدون مین شایع کیے جائین، مذکورۂ بالا مضامین کے علاوہ قدیم زبان کی صرف ونحو اور فہرست الفاظ درج کی جائیگی،

امید ہے کہ جب یہ کتاب مکمل ہو چکے گی تو اس کے واسطہ سے علماء کے لیے قدیم عرب کے متعلق

ایسا مواد اور مسالہ مہیا ہوگا جس سے اب تک استفادہ نہین ہوا تھا، اور جنوبی عرب سبا، معین اور ثمود وغیرہ کے متعلق بہت سے نئے معلومات روز روشن مین آئین گے

یہ کتاب اپنے مضامین کی اہمیت کے لحاظ سے اس لایق ہے کہ اس کا ترجمہ اُردو مین کیا جائے، جسکے ذریعہ سے اُردو دان اصحاب بھی مستشرقین کی محنت اور ان کی علمی تحقیقات سے مستفید ہو سکین، اس بارہ مین میرا روے سخن ڈاکٹر عبدالستار صاحب صدیقی ایسے اصحاب سے ہے، جو عربی زبان کے استاد فاضل ہونے کے ساتھ جرمن زبان مین بھی خوب مہارت رکھتے ہین، انھون نے لسانیات ایران کے متعدد حصص کا ترجمہ کرنے کا ارادہ ظاہر کیا ہے (دیکھو اورنٹیل کالج میگزین بابت فروری ۲۷ء) میری ناچیز راے مین کتاب ہذا اگر بدرجۂ اولی نہین تو کم ازکم بدرجۂ مساوی اس بات کی ضرور مستحق ہو کہ ڈاکٹر صاحب موصوف اس کے ترجمہ اور اشاعت کی طرف توجہ مبذول فرمائین، بندہ بھی حسب استطاعت خود بعض حصص کا ترجمہ اپنے ذمہ لیکر اس مفید کام مین اُن کا ہاتھ بٹانے کے لیے تیار ہے، بالیکہ وہ کسی شریک کار کی ضرورت محسوس کرین،

گل رعنا

از جناب مولانا حکیم عبد الحی صاحب مرحوم سابق ناظم ندوۃ العلما لکھنؤ

جسمین اردو زبان کی ابتدائی تاریخ اور اس کی شاعری کا آغاز اور عہد بعہد کے باکمال اُردو شعرا کے صحیح حالات اور اُن کے منتخب اشعار اور اُن کے ہر قسم کے کلام کے نمونے درج ہین، دار المصنفین اعظم گڈھ نے شائع کیا ہی، لکھائی چھپائی عمدہ کاغذ اعلیٰ ضخامت ۴۸۰ صفحے، قیمت ۵ر

مینجر

تلخیص و تبصرہ

ریڈ انڈین کون ہین؟

مسٹر ویریل نامی ایک شخص نے ابھی حال مین ایک کتاب لکھی ہے جسمین انھون نے یہ ثابت کیا ہے کہ امریکہ کے ان اصلی باشندون کو "ریڈ انڈین" (سرخ ہندوستانی) کہنا کسی طرح مناسب نہین ہے اس لیے کہ ان کا ایک بہت ہی مختصر حصہ اس رنگ کا ہے، شمالی امریکہ اور جنوبی امریکہ ہر دو براعظمون مین جو مختلف قبائل آباد ہین اُن کے رنگ باہم مختلف ہین بعض ان مین سے تقریباً سیاہ ہین بعضون کا رنگ جنوبی یورپ کے باشندون سے قدرے زردی مائل ہے اور بعض شمالی قبائل کا رنگ سُرخ بھی ہے، اور اسی سے غالباً متاثر ہوکر پچھلے سیاحین نے اُن کا یہ نام رکھ دیا ہے لیکن اگر ان مین بعض قبائل رنگ کے اعتبار سے سُرخ بھی ہین، پھر بھی ہندوستانی ان مین سے کوئی نہین ہے، لہذا تاوقتیکہ ان کا کوئی جدید نام نہین رکھا جائیگا یہ اسی قسم کے مختلف نامون سے (مثلاً ریڈ انڈین ڈیڈمین اور ریڈ اسکن) پکارے جائین گے،

اس کے بعد دوسرا سوال یہ ہے کہ یہ باشندے دراصل کہان سے آئے؟ اور یہ اسقدر پیچیدہ سوال ہے کہ علم الانسان کے ماہرین آج تک اسمین پریشان ہین، جس نظریہ پر سب سے زیادہ اتفاق ہے، وہ یہ ہے کہ یہ لوگ ایشیا سے شمال و مغربی گوشہ کے راستہ سے آئے، اور رفتہ رفتہ مشرقی ساحل کی جانب وسطی اور جنوبی امریکہ کے پہاڑون اور میدانون مین پھیل گئے، یہان کے مختلف قبائل کے زبان و تمدن اور جسمانی ساخت وغیرہ مین جو شدید اختلافات ہین اور مایا اور ایزٹک جیسی قومون کی تہذیبین جو اسوقت موجود ہین، اُن کے متعلق متعدد مختلف نظریے پیش کیے جا چکے ہین لیکن مسٹر ویریل کا نظریہ ان سب سے

جداگانہ ہے۔ یہ تسلیم کرتے ہوئے کہ بعض شمالی قبائل منگولین نسل سے معلوم ہو رہے ہین اور اس بنا پر وہ شمالی ایشیا کے راستہ سے ضرور آئے ہون گے، لیکن اگر ایک محدود رقبہ کے اندر دیکھا جائے تو تمام منگولین اثرات ختم ہو جاتے ہین اور وسطی اور جنوبی امریکہ کے بعض قبائل تو شمالی ایشیا سے زیادہ ملایا اور پولینیشیا سے آئے ہوے معلوم ہوتے ہین، بعض ان مین بہت نمایان طور پر سامی شکل و صورت کے نظر آتے ہین، اور اب تک ان مین سامی رسوم و رواج چلے آتے ہین، اس کے علاوہ ان مین جو مختلف زبانین رائج ہین، ان کا ان قبائل کی زبانون سے کوئی تعلق نہین جو ایشیا کے شمال و مغرب مین بستی ہین، بلکہ یہ اختلاف زبان، اختلافِ مذہب اور اختلافِ رسوم اس بات کا صاف پتہ دیتا ہے کہ وہ کسی ایک نسل سے نہین ہین، مسٹر ویریل کو ان اختلافات کی تاویل کی بجز اس کے اور کوئی دلیل نہین ملی کہ وہ اولاً تو یہ کہین کہ انسانی نسل کا شیوع بذاتِ خود یہین ہوا اور ثانیاً یہ کہ بعد مین مختلف قومون اور نسلون کے باشندے بھی مثلاً ایشیا کے مختلف حصون، ملیشیا، پالینیشیا اور یورپ سے آ آ کر ملتے رہے، نیز یہ بھی امکان ہے کہ بحر اطلانتک کے ساحلی ممالک اور بحر الکاہل کے اُس براعظم سے بھی جو کسی زمانہ مین اُس کے وسط مین تھا، کچھ لوگ آئے ہون گے، یہ صرف اس بات کا ثبوت ہے کہ نسلِ انسانی کا شیوع بذاتِ خود اسی خطہ مین ہوا ہے، جسے آج ہم دنیاے جدید یا نئی دنیا کے نام سے موسوم کرتے ہین، بلکہ کثرتِ شواہد اور دلائل اس امر کی طرف لیجاتے ہین کہ یہ شیوعِ انسانی یہان یورپ سے کہین پیشتر وجود مین آیا ہے،

مسٹر ویریل کے اس نظریہ پر سب سے پہلا اعتراض جو ہو سکتا ہے، وہ یہ ہے کہ اس سرزمین مین اب تک شیوعِ انسانی کے کوئی آثار نہین پائے گئے ہین لیکن اس کے جواب مین وہ یہ کہتے ہیں کہ اب تک ان آثار کی تلاش ہی نہین ہوئی ہے اور کوئی وجہ نہین ہے کہ کل کو یا آئندہ سال تک یہ آثار نہ مل جائین، لیکن اس جواب مین جو خامی ہے وہ یہ کہ امریکہ مین نہ صرف بوزنہ صورت انسان کا پتہ نہین چلتا ہے بلکہ کسی ایسے وجود ہی کا خواہ زندہ ہو یا مردہ سرے سے پتہ نہین ہے جو انسان اور

ہندؤون کے مشترک باپ ہونے کی صلاحیت رکھتا ہو، دنیائے جدید اور دنیائے قدیم کے بندرون مین بہت بڑا فرق ہے، لیکن پھر بھی یہ یقین کرنا مشکل ہے کہ تمام درمیانی کڑیان غائب ہوگئی ہون گی،

بہرحال اس کتاب کے سب سے دلچسپ ابواب وہ ہین جسمین مسٹر دیریل نے وسطی اور جنوبی امریکہ کے بعض قبائل کے عادات و اخلاق، رسوم و رواج، اور مذاہب کے حالات بیان کیے ہین جو معلومات کے اعتبار سے بالکل نئے معلوم ہوتے ہین، اُن کے عادات و اخلاق کے متعلق اب تک جو عام خیال چلا آتا تھا اس کی اُنھون نے نہایت زورون سے تردید کی ہے اور لکھا ہے کہ یہ گوری قومون کا اثر ہے، ورنہ یہ سُرخ ہندوستانی، (ریڈ انڈین) بالعموم نہایت سنجیدہ، بااخلاق اور دیانتدار ہوتے ہین، یہ جانورون پر بہت مہربان ہوتے ہین اور پالتو جانور رکھنے کے بہت شایق ہوتے ہین، وہ لکھتے ہین کہ مین نے اکثر ایسے سُرخ، ہندوستانیون کو دیکھا ہے جنھون نے صرف اس خیال سے اپنے خیمون کی جگہین بدلدی ہین کہ کسی پرندے کو اپنا گھونسلا بنانے مین تکلیف نہ ہو، باوجود اس کے کہ ان گوری قومون نے انھین طرح طرح کے فریب اور دھوکے دیے ہین، ان پر ہزار ہزار ظلم و ستم کیے ہین، انھین مختلف ایذائین پہنچائی ہین، انھین اپنا غلام بنا رکھا ہے (اور یہ سلوک اور برتاؤ ان کے ساتھ ابتدا سے چلا آتا ہے) پھر بھی ان کا ان اوصاف و اخلاق کے ساتھ زندہ اور باقی رہنا ایک حیرت انگیز امر ہے، یہ عجیب بات ہے کہ برٹش گائنا جو خراب حکومت کے لحاظ سے بطور مثال کے پیش کیا جاتا ہے، صرف وہی ایک جگہ ایسی ہے جہان سُرخ ہندستانیو کے ساتھ اچھا سلوک ہوتا ہے، ورنہ تمام امریکہ مین اُن کے ساتھ برابر برتاؤ کیا جاتا ہے،

مصر کا ایک نیا دیوتا

مصر کو اپنے قدیم تہذیب و تمدن کے لحاظ سے خاص اہمیت حاصل ہے اور مصریون کو اسپر اسی قدر ناز ہے کہ اب وہ اپنے وطن کو قدیم تہذیب و تمدن کا اصل گہوارہ قرار دینے کا بانگ دہل دعوی کر رہے ہین، یہی

وجہ ہے کہ مصری اخبار و رسائل مین وہان کے قدیم تاریخ و تمدن پر ہمیشہ بحث و تحیص ہوتی رہتی ہے، اور وہ اپنی قدیم تاریخ کے چہرہ سے تاریکی کے بہت سے پردون کے چاک کرنے مین کامیاب ہو چکے ہین،

لیکن افسوس ہے کہ مصر کی بارھوین سے سترھوین حکومت تک کا زمانہ ابتک تاریکی مین پڑا ہوا ہے، اور اہل علم مین اس دور کے متعلق بہت زیادہ اختلافات ہین، مگر مصر کی خوش قسمتی سے امریکہ کی ایک جماعت مصر کے قدیم تاریخ و تمدن کی جلوہ آرائی کی طرف مائل ہو گئی ہے، اور اس لیے وہان چند سال سے کھدائی کے ذریعہ اکتشافات کا ایک وسیع سلسلہ جاری ہے،

ان چند سالون مین وہان کھدائی کا جو سلسلہ جاری رہا، اس مین نمایان کامیابی حاصل ہو چکی ہے، اور وقتاً فوقتاً "معارف" کے اخبار علمیہ مین اُن کا تذکرہ کیا جا چکا ہے، اب اسی سلسلہ مین جدید ترین اکتشافات جو ۱۹۲۶ء کے اواخر مین اتمام کو پہونچے ہین وہ ہیکل مدمود کے چند آثار ہین،

ان آثار مین سے شاہ سنوسرت سوم کا ایک مجسمہ ہے، جس کی کتابت سے پتہ چلتا ہے کہ یہ مصر کی ترھوین حکومت سے تعلق رکھتا ہے، جو ۲۴۲۶ ق م سے ۲۲۶۶ ق م تک وہان قائم رہی،

اور اسی مقام پر ایک دوسرا مجسمہ ملا ہی جسکے متعلق کہا جاتا ہے کہ سرزمین مصر پر اب تک جتنے آثار دستیاب ہوئے، ان مین اُس کی کوئی دوسری نظیر موجود نہین ہے، کیونکہ یہ مجسمہ معبود منتو کا ہے جسکو علم الاصنام مین لڑائی کا دیوتا کہا جاتا ہے، اور اسی کے قریب اس کی رفیقہ راتوی کا مجسمہ بھی بنا ہوا ہے، علم الاصنام کے ان دونون دیوتا اور دیبی کے یہ مجسمے سب سے پہلی مرتبہ دستیاب ہوے ہین، اُن کے اکتشافات سے کم ازکم تاریخ کا یہ مسئلہ تقریباً حل ہو گیا کہ مصر مین وہان کی بارھوین حکومت سے رومانیون کے زمانہ یعنی تقریباً تین ہزار برس تک ان دونون کی پوجا کی گئی ہے، اس لیے مصر کے مشہور دیوتا رُع (سورج) سے ان دونون دیوتا اور دیبی کی پرستش کا زمانہ مصر مین زیادہ طویل ہے، اس نظریہ کی مزید تائید پتھر کی ایک لوح سے بھی ہوتی ہے جو اسی جگہ دستیاب ہوئی ہے، اس لوح مین حکومت رومانیہ کے ایک شاہی خانوادہ کی تصویر اس طرح منقوش ہے

کہ والدین اپنے دو بچوں کے ساتھ ہیکل مرمود کی ایک عید کے موقع پر وہان زیارت کے لیے آئے ہین اور وہین ایک ضیافت مین مصروف ہین،

ہیکل مرمود مین ان مجسمون کے علاوہ ایک خاص دیوار بھی کھڑی ہوئی ملی ہے جس پر بعض عبارتین کندہ ہین جس سے بعض اہم تاریخی عقدون کے حل ہونے کی امیدین وابستہ ہین، اُن کے علاوہ اس مقام پر بعض تاریخی شخصیتون کے چند اور مجسمے بھی پائے گئے ہین،

امید کی جاتی ہے کہ یہ انکشافات مصر کی قدیم تاریخ و تمدن کے بعض اہم اسرار کی عقدہ کشائی کرینگے،

"د ر"

عورتین بابل کے قانون مین

مسٹر جان ال ربک نے اس موضوع پر ایک کتاب لکھی ہے کہ عورت نے قدیم بابلیون کے عہد سے موسوی شریعت تک اپنے حقوق و مرتبہ مین کیا ترقی کی، مصر کے ایک ممتاز اہل قلم استاذ سلیم عقاد نے عربی مین "مرکز المرأۃ فی قانون حمورابی وفی القانون الموسوی" کے نام سے اس کتاب کا ترجمہ کیا ہے، جو چند دن ہوے کہ ہمارے کتبخانہ مین موصول ہوئی ہے، مناسب ہے، کہ مختصر طور پر اُس کے مباحث کا خلاصہ ناظرین معارف کے سامنے پیش کردیا جائے،

کتاب تین فصلون پر مشتمل ہے، پہلی فصل مین کلدانی حکومت کو دو دور قدیم بابلی اور حمورابی حکومت مین تقسیم کرکے دو بابون مین جگہ دی گئی ہے، چنانچہ پہلے دکھایا گیا ہے کہ قدیم بابلیون کے عہد حکومت مین جو تقریباً ۴۵۰۰ برس کا زمانہ ہے، عورتین مردون سے روپوش رہتی تھین، باپ کو حق حاصل تھا کہ اپنی لڑکیون کو ضرورت کے وقت چند روپیون مین فروخت کردے، اور یہ خرید و فروخت برابر جاری رہتی، مرد اپنی بیوی کو صرف یہ کہکر طلاق دیسکتا تھا کہ "تو میری بیوی نہین" اور اس پر نہ کوئی ملامت کی جاتی اور نہ اس عہد کی سوسائٹی مین یہ فعل مذموم خیال کیا جاتا، لیکن اگر عورت کی زبان سے یہ جملہ نکلتا کہ "تو میرا شوہر نہین" تو وہ نہ صرف سوسائٹی مین

معلون ہوتی بلکہ قانون کے حکم سے غرقاب کردی جاتی، اور اسی طرح اسی عہد مین یہ انسانیت سوز طریقہ بھی جاری تھا جیسا کہ مورخ ہیروڈوٹس نے لکھا ہے کہ ہر عورت کے لیے ضروری تھا کہ وہ اپنی زندگی مین ایک مرتبہ ہیکل زہرہ مین جاتی اور کسی شخص سے.......، اوراس کے ساتھ وہ اسوقت تک ہیکل سے باہر قدم نہین رکھ سکتی تھی جب تک کہ وہ اس کا معاوضہ بھی کسی معمولی رقم کی صورت مین قبول نہ کرلیتی کہ یہ ایک دینی و مذہبی کام تھا اور وہ رقم نہایت متبرک و مقدس تصور کی جاتی تھی چنانچہ وہ شخص اپنی طرف سے وہ رقم یہ الفاظ کہتے ہوئے عورت کے سپرد کرتا کہ "دیبی زہرہ سے دعا کر کہ وہ مجھ سے راضی ہو جائے"

اس کے بعد دوسرے باب مین بتایا گیا ہے کہ پھر بابل مین حکومت حمورابی کا دور ۲۲۸۰ق م سے شروع ہوتا ہے، جو تقریباً تمام پچھلی شریعتون اور قانونون کو منسوخ کردیتی ہے، اور یہ معلوم ہے کہ ۱۹۰۲ء مین موسیو مورگی کی سرکردگی مین جو وفد بلادِ فارس گیا تھا اس نے خط مسماری مین ایک حجری ستون کا انکشاف کرکے اس عہد کے تمام قوانین اہل علم کے سامنے پیش کردیے ہین، جن سے پتہ چلتا ہے کہ اس عہد کے دورِ انسانیت کا جہان تک اقتضا رہا، عورتون کے حقوق و مرتبہ مین نمایان ترقی ہوئی، مثلاً جیسا کہ بتایا جاچکا ہے کہ قدیم بابلیون کے عہد مین عورتون کو طلاق لینے (خلع کرانے) کا مطلق حق حاصل نہ تھا، اور اگر ایسا کرتین تو عبرتناک سزائین دیجاتی تھین، مگر حمورابی قانون نے عورتون کو اجازت دی کہ اگر ان کے پاس معقول وجوہ موجود ہون تو شوہر سے طلاق لے سکتی ہین، اور اب یہ فعل نہ قانونی جرم باقی رہا، اور نہ سوسائٹی مین غیر مستحسن سمجھا جانے لگا مگر پھر بھی اس دور کے قانون مین بعض نقائص موجود رہ گئے تھے، مثلاً جن عورتون پر زنا کی تہمت لگائی جاتی، وہ دریا مین ڈالدی جاتین، اگر وہ پانی کی سطح پر آجاتین تو وہ پاکباز ٹھہرتین، اور اگر غرقاب ہوجاتین تو مجرمہ تصور کیجاتین

لیکن مولف نے یہ الزامی جواب دیکر قانون حمورابی کی طرف سے مدافعت کی ہے کہ اس عہد سے زیادہ متمدن عہد یعنی قرون وسطی مین بھی گرجا کا یہی قانون نافذ تھا اور اسکو خداوندی حکم (Jugement de dieu) سے تعبیر کیا جاتا تھا، (ou Ordalie)

پھر کلدانیون کے بعد بنی اسرائیل کا دور آیا اور یہین سے کتاب کی دوسری فصل شروع ہوتی ہے، اس عہد کو بھی مولف نے دو دور مین تقسیم کیا ہے، ایک حضرت موسیٰ عٰ سے پہلے بنی اسرائیل کا دور اول ہے، اور دوسرا دور حضرت موسیٰ عٰ سے شروع ہوتا ہے اس موقع پر مولف نے مختلف مثالون سے دکھایا ہے کہ عورتون کے حقوق اور مرتبے کسی قدر جزوی اختلاف کے ساتھ بنی اسرائیل کے اس پہلے دور مین بھی حمورابی دور کے مماثل رہے، البتہ بعض قوانین مین ترمیم و اصلاح ہوئی، مثلاً اب متہمہ عورتون کو دریا مین ڈالنے کے بجائے ایک قسم کا متبرک تلخ پانی پلایا جاتا، جسمین جوتون کی روندی ہوئی مٹی بھی ملائی جاتی، اگر وہ پانی اس عورت کو نقصان پہونچاتا تو وہ مجرم سمجھی جاتی ورنہ الزام سے بری کردیجاتی تھی

اس کے بعد موسوی عہد مین عورتون کے حقوق و مراتب بتائے گئے ہین اور مولف نے مختلف دلائل و براہین اور یورپ کے ممتاز اہل علم کے اقوال سے ثابت کیا ہے کہ یہی وہ شریعت ہے جس نے عورتون کو انکے شایانِ شان حقوق و مراتب عطا کئے، اور جس کے قوانین انسانیت، شرافت، اور موجودہ تمدن کے صحیح معیار پر پورے اُترتے ہین، البتہ متہمہ عورتون کو اس دور مین بھی پانی پلانے کا وہی طریقہ جاری رہا، اور اسی سلسلہ مین عورتون کے متعلق موسوی شرائع کا دنیا کے مختلف شرائع و قوانین سے موازنہ بھی کیا گیا ہے، اور درحقیقت مولف کی سعی و محنت اور وسعتِ علم کا اسی موازنہ و تقابل سے پتہ چلتا ہے، اس موازنہ و تقابل مین موسوی شریعت کو فرانس کے مدنی قوانین بھی ترجیح دیگئی ہی

سب سے آخری فصل مین قانون حمورابی اور موسوی کا تفصیلی موازنہ ہے جسمین جرمنی کے ایک ممتاز اہل قلم فرڈیرک ڈیلیٹش کے اس نظریہ کا تار و پود بکھیرا گیا ہے کہ قانون حمورابی کو شریعت موسوی پر تفوق حاصل ہے، مولف نے مثال کے طور پر دکھایا ہے کہ حمورابی قانون مین عورتون کو اپنی ملک مین تصرف کا کوئی اختیار نہین دیا گیا ہے، اور فرانسیسی قانون مین اس کا یہ حق اور زیادہ سلب کرلیا گیا ہے، کہ وہ اپنی مملوکہ اشیاء کو نہ فروخت کرسکتی ہے، نہ رہن کرسکتی ہے، اور نہ اس کو شوہر کی مرضی کے خلاف کسی قسم کے تصرف کا اختیار حاصل ہے، برخلاف اسکے موسوی شریعت مین عورتون کو اس معاملہ مین ان شرائع سے بہت کچھ زیادہ حقوق حاصل ہین، افسوس ہے کہ مولف نے اپنے اس موازنہ و تقابل مین اسلامی شریعت کو پیشِ نظر نہین رکھا، ورنہ اسکے سامنے عورتون کے حقوق کا ایک اور عالم ہوتا،

"ر، م"

اَخبارِ علمیّہ

طبقات الارض کی کانفرنس، گذشتہ مہینہ مین واشنگٹن مین علم طبقات الارض کی ایک کانفرنس منعقد ہوئی، جس کے اجلاس متواتر بیس دن تک ہوتے رہے، اس کانفرنس مین مختلف ممالک کے نمایندے شامل ہوئے تھے، چنانچہ حکومتِ مصر کی طرف سے استاذ محمود بک اباظہ جو مصر کے باغات کے ناظم اعلیٰ ہین بھیجے گئے، تھے تاکہ وہ کانفرنس کے سامنے باغات کے متعلق اپنے تجربات پیش کرین، کانفرنس طبقات الارض کے مختلف اہم مباحث پر بحث کرتی رہی، حکومت ولایات متحدہ امریکہ نے ارکین موتمر کی خاص پذیرائی کی، چنانچہ ایک مخصوص ٹرین اُن کے لیے متعین کردی گئی تھی کہ وہ اسپر پورے ملک کا دورہ کرسکین،

ترکون کی عظیم الشان قومی تاریخ کی تدوین، علم تاریخ وجغرافیہ کو قومون کے عروج وزوال کے اسباب مین خاص امتیاز حاصل ہے، اس لیے حکومتِ ترکی نے ان علوم کی طرف خاص اعتنا کیا ہی، چنانچہ ان دونون علوم کی تدوین کے لیے علحدہ علحدہ دومجلسین قائم کی گئی ہین جن کے ارکان ایسے ترک اہل علم منتخب ہوے ہین جو"ترکی قومیت" کے سب سے قوی العقیدہ پیرو ہین، یہ لوگ دس پندرہ سال مین قوم ترک اور بلاد ترکیہ کی مستند مکمل اور ضخیم تاریخ وجغرافیہ مرتب کرینگے، جن کے ماخذ جہانتک ممکن ہو مستند سے مستند ہون گے، ان ماہرین کو اسکی بھی اجازت دیگئی ہی کہ وہ اپنی خدمات مین غیر ملکون کے دیگر مستند مورخین وجغرافیہ دانون سے اشتراک عمل کرین،

طہران مین عربی تعلیم، مصر کی حکومت کے سامنے قونصل مصر متعینہ ایران نے ایران کے پایۂ تخت طہران مین ایک عربی مدرسہ قائم کرنے کی تحریک پیش کی تھی جسپر سردست حکومتِ مصر نے دو لائق اساتذہ کو ایران بھیجا ہے،

جو وہان کے مدارس مین عربی زبان کی تعلیم دینگے،

سیرۃ عمر بن عبد العزیز، خلیفۂ عادل حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کی سیرت پر محدثین نے متعدد کتابین لکھی تھین، جن مین سے ایک یعنی امام ابن جوزی کی سیرت چھپ چکی ہے لیکن ابھی حال مین ان کی سب سے قدیم سیرت ایک مصری عالم نے نہایت اہتمام اور تصحیح کے ساتھ شائع کی ہے اس کے مصنف ابو محمد عبد اللہ بن عبد الحکیم ہین، جن کا زمانہ ۱۵۰ھ تا ۲۱۴ھ ہے، یہ امام شافعی کے معاصر اور امام مالک کے شاگرد ہین حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے ۱۰۱ھ مین وفات پائی ہے اس لیے یہ گویا ان کی وفات کے سب سے قریب عہد مین لکھی گئی ہے، اور ان کے واسطے سے لکھی گئی ہے، جنھون نے صرف ایک دو واسطون سے اُن کے حالات سے واقفیت بہم پہونچائی تھی،

ٹیگور کی درسگاہ اور شاہانِ اسلام، گذشتہ سال ٹیگور مصر گئے تھے اہل مصر نے ان کا ان کے شایانِ شان استقبال کیا تھا، اور وہان کے شعراء نے اپنے عربی قصائد اُن کے سامنے پیش کیے، اور عربی شاعری کے محاسن اور امتیازات اُن کو بتائے، اس وقت اُنھون نے اس زبان سے ناواقفیت کا عذر کیا لیکن وعدہ کیا کہ وہ ادھر توجہ کرین گے، اس کا اثر یہ ہوا کہ ٹیگور کو عربی ادبیات کا بھی احساس ہوا، اور اپنی درسگاہ کے کتبخانہ کیلئے عربی کی کتابین جمع کرنے کا خیال ہوا، شاہِ مصر نے ان کے اس خیال کی پوری قدردانی کی اور عربی ادبیات کی مصری مطبوعات اُن کی درسگاہ کے کتبخانہ کیلئے ہدیۃً بھیجی ہین، اور اعلیٰ حضرت نظام دکن نے ایک لاکھ روپے کی شاہانہ امداد اس غرض سے ان کو عنایت کی ہے کہ اس سے وہ اپنی درسگاہ مین اسلامی ادبیات کی ایک کرسی قائم کرین،

اڈیٹر المقتطف کی وفات، علمی حلقہ مین یہ خبر نہایت افسوس کے ساتھ سُنی جائیگی کہ مصر کے مشہور علمی، صنعتی، زراعتی اور فلسفیانہ رسالہ المقتطف کے دوسرے اڈیٹر ڈاکٹر یعقوب صروف نے بھی ۹ جولائی ۱۹۲۷ء

کو وفات پائی، یہ وہ شامی اہل قلم ہیں جس نے عربی ممالک میں سب سے پہلے سائنس حکمیات فلسفہ و اختراعات جدیدہ کے معلومات بہم پہونچائے اور پورے پچاس برس اس نے اس اہم خدمت کو انجام دیا، ۱۸۷۶ء میں اس نے اس رسالہ کو جاری کیا تھا، اور اب تک اسی طرح پوری شان کے ساتھ جاری رہا، اس کی پیدائش ۱۸۵۲ء میں ہوئی تھی، بیروت امریکن کالج میں تعلیم پائی تھی، اور پھر وہیں ریاضیات کا پروفیسر مقرر ہو گیا تھا، وہیں اس رسالہ کی اشاعت کا اس کو اور اس کے رفیق فارس نمر کو جو پہلے وفات پا چکا ہے، خیال آیا تھا، ترکی حکومت نے اپنی اجازت سے اُن کی ہمت افزائی کی، آخر یہ مصر میں آکر تکمیل کو پہنچا، یعقوب صروف کے بعد فواد صروف نے اس رسالہ کی زمامِ ادارت اپنے ہاتھ میں لی ہے،

عراق کی علمی مجلس ناکام رہی ، شام کی علمی مجلس کے طرز پر عراق میں جس علمی مجلس یا اکیڈیمی کے قائم کرنے کا خیال وہاں اہل علم واہل قلم اصحاب کو پیدا ہوا تھا، اور جس کے لیے وہاں کے وزیر تعلیم نے دس ہزار روپے منظور کیے تھے، افسوس ہے کہ وزارت تعلیم یہ حقیر رقم بھی نہ دے سکی، اور خواہش کی کہ لوگ بلا اجرت اعزازی طور سے اس کے خدمات انجام دیں، مگر یہ مفت کا سودا چک نہ سکا، اور تجویز ناکام رہی، یہی فرانسیسی اور انگریزی طرز حکومت کا نمایاں فرق ہے، شام کی فرانسیسی حکمداری میں ہر طرح کی سیاسی و انتظامی بے اطمینانی ہے مگر علم و فن کی ترقی کا کام جاری ہے، عراق کی انگریزی حکمداری میں ہر طرح کا سیاسی و انتظامی امن وامان ہے کہ تجارتی کاروبار اور تیل کی برآمد میں فرق نہ آنے پائے مگر علم و فن کا بازار سرد ہے،

پنجاب میں تعلیمی ترقی، جون کے آخری ہفتہ میں پارلیمنٹ میں کہا گیا کہ ہندوستان کے تمام صوبوں میں سے اس وقت پنجاب کی تعلیمی رفتارِ ترقی سب سے تیز ہے، پچھلے چار برسوں کے اندر وہاں طلبہ کی تعداد

دونی ہوگئی ہے، پہلے وہان ۲۷ فیصدی تعلیم تھی اب بڑھکر ۵۱ تک پہونچ گئی ہے، وہان لازمی تعلیم بھی تیزی سے ترقی کر رہی ہے، اس وقت اس کے دیہاتی رقبہ کے ۱۰۰ میل مین لازمی تعلیم جاری ہو چکی ہے مگر جب یہ حساب لگایا جائیگا کہ ابھی کام کرنے کے لیے کیا باقی ہے تو افسوس ہوگا کہ تعداد کے لحاظ سے ابھی ۹۶ فیصدی، اور رقبہ کے لحاظ سے ہزارون میل سے زیادہ کا کام باقی ہے، پنجاب کی اس تیز رفتاری کے معیار سے دوسرے صوبون کی سست رفتاری کا اندازہ لگا لیجیے،

ولایات متحدہ امریکہ کی مخلوط آبادی، ولایات متحدہ امریکہ کی مردم شماری کے آخری اعداد وشمار سے واضح ہوتا ہے کہ وہان کی ۱۰۵ ملین آبادی مین سے ۴۷۶۸۰ انگلستان اور شمالی آئرلینڈ کے مہاجرین کی نسل مین سے ہین، ۵۰۶۲۳۶۸۰ جنوبی آئرلینڈ کے، ۱۳۲۲۶۱ اسٹریلیا کے، ۱۴۷۹ نیوزیلینڈ کے، ۴۷۳۳۷۱۲۱ جرمنی کے، ۱۰۸۲۲۳۹۹ فرانس کے، ۱۳۱۶۰۹۳ کے ۳۴۷۲۴۴۳۷۰ اٹلی کے، ۱۶۷۸۴۴۶۳ پولینڈ کے، ۱۲۶۰۶۹۵ ناروے کے ۲۲۳۴۶۶۹ روس کے اور ۱۸۶۷۵۳۲ سویڈن کے مہاجرین کی نسل سے ہین،

برطانیہ کی مجلس طبی کا اجلاس، انگلستان کی مشہور وقیع مجلس طبی کا سالانہ اجلاس ۱۵ جولائی سے ۲۳ جولائی تک اڈنبرا مین منعقد ہوا، اجلاس مین ملک کے مشہور اطبا نے مختلف مباحث طبیہ پر نہایت وقیع مضامین پڑھے، جن مین سے پروفیسر میکلین کا مضمون "انسولین اور اُس کا ذیابیطس مین عمل" یا پروفیسر جان طائٹ کا مضمون "طحال کی ترکیب اور اسکے وظائف" اور ڈاکٹر آبرین اور پروفیسر فریزر وغیرہ کے مختلف مباحث پر مضامین خاص اہمیت رکھتے ہین،

"د ـ ر"

باب التقریظ والانتقاد

شعروشاعری عرفی

حیدرآباد دکن مین غیبتہ جامعہ معارف کے نام سے فارسی کی جو علمی انجمن قائم ہوئی ہے اُس کے مقاصد کا بیان اس سے پہلے معارف مین آچکا ہے، اس انجمن کا سب سے پہلا کارنامہ شعروشاعری عرفی ہے یہ فارسی زبان مین عرفی کی شاعری پر ایک مفصل تبصرہ ہے، جو آقا سید محمد علی استاذ فارسی نظام کالج کے فضل و کمال کا ممنون ہے آجتک ایرانیون نے ہندوستان کے فارسی شعرا رواد بار کو نہایت حقارت کی نگاہ سے دیکھا ہے لیکن یہ انجمن اب اس تعصب اور بیگانگی کو دور کرکے ہندوستان کے فارسی شعرا روادبار کو بھی گوشۂ گمنامی سے نکالکر دنیا سے روشناس کرنا چاہتی ہے،

اس سلسلہ مین جامعہ معارف مین آقا سید محمد علی نے سب سے پہلے عرفی کو لیا ہے اور اُس کے حالات اور شعروشاعری پر نہایت مفصل خطبہ دیا ہے جو ۴۰ صفحون مین بعنوانِ بالا چھپا ہے، عرفی اگرچہ درحقیقت ایک ایرانی شاعر تھا، جو شیراز مین پیدا ہوا تھا لیکن اس کے فضل وکمال نے ہندوستان مین نشوونما پائی تھی، اور استاذ مرحوم نے شعرالعجم کی چوتھی جلد مین ہندوستان کی ایک عجیب وغریب خصوصیت یہ بتائی ہے کہ،

جو چیز یہان باہر سے آتی ہے چند روز کے بعد اس مین ایسی موزونی اور لطافت آجاتی ہے کہ خود اس کے وطن مین نہ تھی،

اور اس کو متعدد مادی مثالون سے ثابت کرنے کے بعد لکھا ہے کہ:۔

بعینہ یہی فرق شاعری مین بھی ہے، ایران کے اُن شعرا کو جو ایران سے ہندوستان مین آئے اور یہان کی
آب و ہوا اور خیالات سے متاثر ہوئے، ان کا کلام اُن شعراے ایران سے ملاؤ جو ایران ہی مین رہے دونون
کے کلام مین صاف یہ فرق نظر آئیگا، عرفی نظیری، طالب آملی کلیم قدسی غزالی کے کلام مین جو لطافتِ نازک (۱)
باریک خیالی اور رنگین ادائی ہے وہ شفائی اور محتشم کاشی مین کہان پائی جاسکتی ہے؛

آقا سید محمد علی بھی اپنی تقریر مین ہندوستان کی اس خصوصیت کو تسلیم کرتے ہین چنانچہ فرماتے ہین؛

اگر عرفی در شیرازی ماند و بہ ہند نمے آمد مثل شعراے معاصر ایرانی خود شفائی و عزتی و عارف و یحیی و امثال
ایشان گمنام یا کم نام میمرد و امروز ما عرفی امروزہ را نداشتیم پس عرفی پروردۂ ہنداست و ہندوستان بوجود
عرفی افتخار می نماید شیراز را ابداً حق بالیدن بہ وجود عرفی ندارد؛ آقاے شیراز خواہش داریم عرفی را بہ ہند
واگذارید براے افتخار شما سعدی و حافظ و قاآنی بس است؛

اس کے بعد اُنھون نے عرفی کے حالات بیان کیے ہین جن کے دو ماخذ یعنی مآثر رحیمی اور تذکرۂ
عرفات ہین یعنی شاہدات مذکور ہین؛ استاد مرحوم نے بھی شعر العجم مین انھین دونون کو عرفی کے حالات کا
مستند ترین ماخذ قرار دیا ہے، لیکن ان کا بہترین ماخذ ایک اور تھا یعنی خانخانان کے حکم سے محمد قاسم سراج نے
عرفی کے دیوان کی جو ترتیب دی تھی اسپر عبد الباقی نے ایک دیباچہ لکھا تھا جسمین عرفی کے حالات اور واقعات
درج کیے تھے، چنانچہ مآثر رحیمی مین اس کا ذکر آیا ہے، اور اس تقریب سے مولانائے مرحوم بھی اس ماخذ سے واقف تھے
لیکن ان کو یہ افسوس تھا کہ؛

یہ نسخہ آجکل نایاب ہے ورنہ غالباً بہت سی دلچسپ باتین معلوم ہوتین؛

لیکن آقا سید محمد علی کو خوش قسمتی سے یہ ماخذ بھی ہاتھ آیا ہے لیکن مولانائے مرحوم نے اس ماخذ سے جن
دلچسپ باتون کے معلوم ہونے کی توقع کی تھی، وہ پوری نہین ہوئی، اور انھون نے جو حالات بیان کیے ہین
اُن سے اُن حالات پر مطلقاً کوئی اضافہ نہین ہوا ہے، جو شعر العجم مین مذکور ہین؛ آقا محمد علی نے دیوان عرفی کے متعلق

اپنی جو تحقیقات بیان کی ہے وہ تلخیص کے لایق ہے کہ اس سے بہت سے دلچسپ حقایق کی پردہ دری ہوتی ہے، وہ کہتے ہین: "محمد قاسم سراج نے خانخانان کے حکم سے عرفی کا جو دیوان مرتب کیا تھا اس مین قصیدہ، غزل مثنوی اور قطعہ و رباعی کے چودہ ہزار شعر تھے اسوقت یہی کلیات عام طور پر متداول ہے لیکن اسمین اشعار کی تعداد چودہ ہزار سے کم ہے یعنی غزل کے اشعار تقریباً چار ہزار قصائد کے تقریباً تین ہزار مثنوی مجمع الابکار کے تقریباً ایک ہزار چار سو مثنوی فرہاد و شیرین کے تقریباً پانچسو رباعیون کے تقریباً چار سو پچاس اور قطعات کے تقریباً پانچسو ہین جن کی مجموعی تعداد تقریباً نو ہزار ہوتی ہے، بقیہ اشعار کا حال معلوم نہین کیا ہوئے لیکن غزل کے ان چار ہزار اشعار مین ممکن ہے کہ ایک ہزار شعر عرفی کے ہون بقیہ اشعار ایسے شعراء کے ہین جو استاد نہین معلوم ہوتے بلکہ بالکل ہندی نظر آتے ہین، عرفی قصیدہ کا بہت بڑا استاد تھا جو انوری اور خاقانی کی ہمسری کا دعوی کرسکتا تھا، لیکن اگر اس کی غزلون پر نظر ڈالی جائے تو وہ کسی غزل گو کے دوش بدوش نہین کھڑا ہوسکتا، مین ایران مین تھا کہ عرفی کا کلیات جو ہندوستان مین چھاپا گیا تھا وہان آیا، مین نے اس کے قصائد پڑھے تو تسلیم کیا کہ وہ ایک بہترین اُستاد ہے، لیکن اس کی غزلون کے پڑھنے سے مجھ کو مایوسی ہوئی اور مایوسی کے ساتھ تعجب ہوا کہ جو شاعر قصیدہ مین اس قدر مضمون آفرین اور بلیغ ہو وہ غزل مین کیون ہندی اور مہمل گو نظر آتا ہے، اگرچہ اس کی غزلون مین چند عمدہ غزلین بھی نظر آئین، تاہم میرا تعجب بدستور قائم رہا، لیکن جب ہندوستان مین آیا تو یہان کا یہ عجیب طریقہ دیکھا کہ یہان کے چھاپے خانے بہت سے اشعار کو چھاپ کر ایک شاعر کی طرف منسوب کردیتے ہین، اور اُن کو لوگ وحی کی طرح قبول کرلیتے ہین، حالانکہ وہ اشعار کسی طرح اس شاعر کی طرف منسوب نہین کیے جاسکتے، مثلاً حافظ کا جو دیوان ۱۳۲۵ھ مین بمبئی مین چھپا ہے اس کی ایک غزل مین ایک شعر یہ ہے

اندر رنگ برگ پان وسپاری وچونہ شد ‏ دندان آن نگار سفید وسیاہ وسرخ

حالانکہ خواجہ حافظ پان، سپاری سے واقف نہ تھے،

اسی طرح ہندوستان مین جو غزلین ظہیر فاریابی کے نام سے چھپی ہین وہ کسی ہندی شاعر کی ہین، اور اس

مجموعہ مین ایک غزل بھی ایسی نہین ہی جو ظہیر کی طرف منسوب کی جا سکے، یہ ظہیر اپنے اس دیوان مین ایک جگہ کہتا ہے کہ مین صائب کے انداز مین شعر کہتا ہون، حالانکہ ظہیر صائب سے چھ صدی پہلے گذرا ہے،

آقائے ممدوح کہتے ہین کہ ہندوستان مین پہلے یہ طریقہ تھا جواب بھی موجود ہے کہ یہان کے شعرا اساتذۂ قدیم کا تخلص اختیار کرتے تھے، چنانچہ سعدی ہندی کا نام ہم سب کو معلوم ہے، اور ظہیر ہندی کی غزلین ظہیر فاریابی کے نام سے مطبع نولکشور لکھنؤ نے شائع کی ہین، دکن مین اب بھی ایک شاعر ہے جس کا تخلص نظامی ہے، اس بناپر مین نے یہ راے قائم کی تہی موجودہ مطبوعہ نسخہ مین جو غزلین عرفی کے نام سے شائع ہوئی ہین وہ کسی دوسرے غیرمعروف شاعر کی ہین، جس نے اپنا تخلص عرفی کیا تھا، البتہ اس مین چند غزلین عرفی کی بھی شامل ہوگئی ہین اور مطبع نولکشور اس خلط مبحث کا ذمہ دار ہے، لیکن جب مین نے قلمی نسخے دیکھے، یہان تک کہ وہ قلمی نسخہ بھی میری نظر سے گذرا، جو عرفی کے زمانے کے قریب لکھا گیا ہے تو مجھے افسوس کے ساتھ معلوم ہوا کہ قلمی نسخے بھی مطبوعہ نسخے کے ساتھ مطابقت رکھتے ہین، اب مین نے مزید تحقیقات کی تو معلوم ہوا کہ جو مصیبت بیچارے خواجہ حافظ پر آئی تھی وہی غریب عرفی پر بھی آئی ہے، یعنی خواجہ حافظ کا دیوان خود اُن کے زمانے مین مرتب نہین ہوا تھا بلکہ اُن کے بعد اُن کے دولت مند شاگرد محمد گل اندام نے اُس کو مرتب کیا اور جس شخص کے یہان خواجہ کے اشعار ملے اُس سے اُن کو حاصل کیا، یہان تک کہ اخیر مین ایک غزل کی قیمت ایک اشرفی مقرر کی تاکہ اس لالچ سے جس شخص کے پاس حافظ کی غزلین ہون وہ اس کے حوالے کردے، چنانچہ اشرفی کے لالچ سے بہت سے لوگ حافظ کے نام سے خود غزلین لکھکر یا دوسرون سے لکھواکر لائے اور اس زرین صلہ کو حاصل کیا، نتیجہ یہ ہوا کہ حافظ کے دیوان مین اس قسم کی غزلین شامل ہوگئین،

بنویس دلا بیار کاغذ   از عاشق بیقرار کاغذ

اسی طرح خود عرفی کا دیوان بھی اس کی زندگی مین مرتب نہین ہوا بلکہ اس کی وفات کے بعد اس کی ترتیب خانخانان کے حکم سے دی گئی، اس بناپر اس مین دوسرون کی بہتدیاہ غزلین بھی شامل ہوگئین، مآثر رحیمی اور

کلیات عرفی کے دیباچہ کے مطابق عرفی نے پہلے ایک دیوان خود مرتب کیا تھا جسمین ۶ ہزار شعر تھے لیکن دوسرون کی نقل لینے سے پہلے ہی وہ ضائع ہوگیا، چنانچہ اس نے خود ایک غزل مین جس کا ایک شعر یہ ہے

شش ہزار آیت احکام ہنر باختہ ام   رصد شرع سبز چون نشود محو کہ من

اس پر افسوس کیا ہے اُس کے بعد اس نے ۹۹۶ھ مین آٹھ ہزار شعر کا ایک دوسرا دیوان مرتب کیا اور اسکے مرتب کرنے کے تین سال بعد وفات پائی، اور اپنے مرض الموت مین اس دیوان کا مسودہ خانخانان کے پاس بھیجدیا کہ اُس کے حکم و توجہ سے صاف ہو کے شایع ہوجائے، لیکن یہ مسودہ ۱۰۲۴ھ یعنی ۲۵ برس تک خانخانان کے کتب خانہ مین یونہین پڑا رہا، اُس کے بعد محمد قاسم سراج کے سپرد کیا گیا کہ وہ اس کو مرتب و شائع کرے، اس کے ساتھ یہ تاکید بھی کی گئی کہ جس شخص کے پاس عرفی کے اور اشعار ہین ان کو بھی اس دیوان مین شامل کیا جائے، سراج نے اس خیال سے کہ عرفی کے چھ ہزار اشعار پہلے ضائع ہوچکے ہین، اس لیے اس کے تمام اشعار کی مجموعی تعداد چودہ ہزار ہے، اس کے دیوان کو چودہ ہزار شعر تک پہونچایا، اس اضافہ کے متعلق استاذ مرحوم شعرالعجم مین لکھتے ہین کہ

"صمصام الدولہ شہنواز خان نے تذکرۂ بہارستان سخن مین لکھا ہے کہ عرفی کا ضائع شدہ کلام بھی آخر ہاتھ آیا اور دیوان مین داخل کردیا گیا، لیکن جو نسخے اس سے پہلے شائع ہوچکے تھے، وہ ناقص رہے، یہ بیان قرین قیاس معلوم ہوتا ہے، مین نے عرفی کے دیوان کے نسخے باہم مختلف دیکھے ہین، میرزا صائب نے اپنی بیاض مین عرفی کے اکثر اشعار انتخاب کیے ہین جو موجودہ دیوانون مین نہین ملتے،

لیکن اس عبارت سے یہ معلوم نہین ہوتا کہ عرفی کا ضائع شدہ کلام کب ہاتھ آیا؟ اور کس کے ہاتھ آیا؟ اگر وہ خود محمد قاسم سراج کو ملا تو اس کے متعلق آقا سید محمد علی فرماتے ہین کہ مجھ کو سراج کے ادبی پایہ اور شاعرانہ مذاق کا حال معلوم نہین ہے، ممکن ہے کہ وہ حاطب اللیل ہو اور عرفی کے نام سے رطب و یابس جو کچھ ملا ہو سب کو ایک جگہ جمع کردیا ہو، خود خانخانان کو امورِ سلطنت اور کثرت مشاغل سے اول سے آخر تک سراج کے ترتیب دادہ

دیوان کے مطالعہ کرنے کی فرصت نہ ملی ہو اور سراج نے عرفی کے نام سے چھ ہزار خارجی شعر کو شامل دیوان کرکے خانخانان سے عظیم الشان صلہ حاصل کر لیا ہو، لیکن اگر سراج کے علاوہ کسی اور نے یہ کی پوری کی تو حقیقت اور بھی مشتبہ ہو جاتی ہے، بہرحال دیباچہ کلیات عرفی، مآثر رحیمی اور خود عرفی کے مادۂ تاریخ کے مطابق عرفی نے جو دیوان خود مرتب کیا تھا، اس میں ۲۷۰ غزلیں اور ۲۶ قصیدے تھے، لیکن اب مطبوعہ نسخے میں ۵۶۴ غزلیں اور ۱۸ قصائد ہیں، جن میں آقا سید محمد علی کے نزدیک تقریباً ۳ سو غزلیں عرفی کی نہیں ہیں، اور ان کو عرفی کے اصل کلام سے الگ کیا جا سکتا ہے، البتہ قصائد سب کے سب عرفی کے ہیں، کیونکہ سب کا انداز ایک ہی ہے، اور سب میں شاعرانہ احساسات موجود ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ سراج نے عرفی کے اور ممدوحین کے یہاں سے لیکر بقیہ قصائد کو جمع کیا تھا،

شاید یہ کہا جائے کہ ایک قصیدہ گو شاعر قصیدہ کے مثل غزل نہیں کہہ سکتا، اسی طرح غزل گو شاعر غزل کے درجہ کے قصیدے نہیں کہہ سکتے، مثلاً خاقانی اور انوری کی غزلوں کا درجہ ان کے قصائد سے پست ہے، اور سعدی اور حافظ کے قصائد اُن کی غزلوں سے فروتر ہیں، اس لیے اگر عرفی کی غزلیں اُس کے قصائد کے رتبہ کو نہیں پہونچتیں تو اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ جعلی اور مصنوعی ہیں، لیکن اس فرقِ مراتب کے تسلیم کر لینے کے بعد بھی کم از کم یہ ماننا پڑیگا کہ گو ایک شاعر جس نے اپنی عمر کسی صنف شعر میں بسر کی ہے، دوسری صنف میں پست رتبہ ہو جاتا ہے، تاہم وہ اس میں بالکل مبتدی اور مہمل گو بھی نہیں بن جاتا، مثلاً حافظ اور سعدی کے قصائد اگرچہ ان کی غزلوں کے درجہ کو نہیں پہونچتے، تاہم وہ بلند اور اُستادانہ اشعار سے بالکل خالی نہیں ہیں، اسی طرح انوری، ظہیری، اور خاقانی کی غزلیں بھی اگرچہ اُن کے قصائد سے فروتر ہیں لیکن باینہمہ ان کا انداز ان کے قصائد ہی کا ہے، لیکن عرفی کی طرف جو غزلیں منسوب ہیں وہ اس کے قصائد سے بالکل میل نہیں کھاتیں، چنانچہ اگر کوئی شخص انوری کے قصائد کو عرفی کے قصائد پر ترجیح دینا چاہے تو اسکو اس خطرناک موازنہ میں نہایت غور و فکر سے کام لینا پڑیگا، لیکن عرفی کی غزلوں پر غزل کے ہر اُستاد کی غزلوں کو بہ آسانی ترجیح

دینا چاہے تو اس خطرناک موازنہ مین نہایت غور و فکر سے کام لینا پڑیگا، لیکن عرفی کی غزلون پر غزل کے ہر استاد کی غزلون کو بہ آسانی ترجیح دیجا سکتی ہے، عرفی نے قصائد مین اساتذۂ قدیم کا تتبع کیا ہے، اور کامیاب ہوا ہے، لیکن اس کے برعکس جہان کہین غزل مین کسی استاد کا تتبع کیا ہے، افسوسناک طور پر ناکامیاب رہا ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ عرفی نے بہت سے قصائد کی ابتدا مین تشبیب لکھی ہے جو ایک قسم کی غزل ہے لیکن اگر ان تشبیہون کا مقابلہ اُس کی غزلون سے کیا جائے تو زبان و بیان مین زمین و آسمان کا فرق معلوم ہوگا،

مادی حیثیت سے عرفی کے کلام پر بحث کرنے کے بعد اُنھون نے معنوی حیثیت سے اُس کے کلام پر نظر ڈالی ہے، اور اس سلسلے مین سب سے پہلے تاریخی حیثیت سے اُسکے اسلوب سخن اور انداز بیان کی تعیین کی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ رودکی، دقیقی اور فردوسی کے زمانہ تک شعرائے ایران سادگی بیان اور فصاحت الفاظ کا زیادہ لحاظ کرتے تھے، اور تشبیہات و استعارات قریب الماخذ استعمال کرتے تھے لیکن نظامی اور خاقانی نے اس روش کو بدل کر دقیق مضامین پیدا کیے، اور بعید الفہم تشبیہات و استعارات سے کام لیا، یہی وجہ ہے کہ ان کا کلام عوام کی سمجھ سے بالاتر ہے، اور اس سے صرف علما فائدہ اُٹھا سکتے ہین، لیکن ساتوین صدی مین امامی ہروی، مجد ہمگر، سعدی، ہمام اور خواجہ حافظ نے پھر اس پیچیدہ روش کو بدل کر قدما کا سادہ اسلوب بیان اختیار کیا، الفاظ عام فہم اور سلیس استعمال کیے، اور تشبیہات و استعارات سے بہت کم کام لیا، اس لیے شاعری بالکل عام فہم ہوگئی، اور شعر گوئی کا عام مذاق پیدا ہوگیا لیکن نوین صدی مین پھر اس روش مین انقلاب پیدا ہوا، اور شعرا نے پھر وہی نظامی اور خاقانی کا پیچیدہ انداز کلام اختیار کیا، امیر علی نوائی اور مُلا عبدالرحمن جامی نے اس کی ابتدا کی، اور فغانی نے اُس کے تتبع مین زیادہ نام پیدا کیا اور فغانی کے معاصرین مین اہلی شیرازی، خواجہ آصفی اور میر شاہی نے بھی اس کا تتبع کیا، یہان تک کہ لسانی شریف تبریزی، یحییٰ لاہیجی، محتشم کاشی، ضمیری اصفہانی اور وحشی بافقی کے زمانے تک یہ روش تمام ایران

ہندوستان اور توران پر محیط ہوگئی اس کے بعد مرزا قلی میلی، خواجہ حسین ثنائی، ولی دشت بیاضی، صالحی، قاضی نورالدین اصفہانی، فہمی، حاتم کاشی، قمی، صبری اور ساؤجی وغیرہ نے اس اسلوب مین اور بھی اغراق ومبالغہ سے کام لیا، اس کے بعد عرفی کا زمانہ آیا تو اس نے اس شراب تند کو اور بھی دو آتشہ کردیا، اور تمام شعرا مثلاً فیضی، رکنائے مسیحی اور حکیم شفائی بھی اس کی تقلید کرنے لگے، اور نوین صدی کے اواخر سے بارھوین صدی تک یہ روش قائم رہی، اور اس نے اس قدر مقبولیت حاصل کی کہ گویا شاعری کی ایک مستقل صنف ہوگئی اور اس مین متعدد کتابین تصنیف ہوئین، چونکہ اس روش نے ہندوستان مین زیادہ وسعت اور مقبولیت حاصل کی، اس لیے ہندوستان کے لوگ اس طرز کے اساتذہ مثلاً فیضی، عرفی، نظیری، بیدل، صائب اور غنی وغیرہ کی عزت شعرائے ایران سے زیادہ کرنے لگے، اور ایرانیون نے اس طرز کو ہندی طرز کا لقب دیا، اور آج تک ہندوستان مین یہی روش متداول ومقبول ہے، لیکن ایران مین بعض سیاسی اسباب کی بنا پر بعد کو یہ روش بدل گئی، اور بارھوین صدی کے اواخر مین ہاتف اصفہانی، صباحی بیدگلی، اور لطف علی بیگ آذر وغیرہ نے وہی سعدی اور حافظ کی سادہ روش اختیار کرلی، اور اس روش نے قاآنی، سروش اور فروغی جیسے شعرا پیدا کردیے،

عرفی کے اسلوب وانداز بیان کے بعد انھون نے اس کے قصائد سے مثالین پیش کرکے اسکی تائید کی ہے، لیکن اس کے علاوہ عرفی کے کلام مین اور بھی بہت سی خصوصیات ہین، جن کو انھون نے بالکل نظرانداز کردیا ہے، لیکن انھون نے جو کچھ ارشاد فرمایا ہے، وہ بہرحال ایک ادبی مجلس کی شان کے موافق ہے، اور اگر شعبۂ جامعۂ معارف مین اس قسم کی تقریرین ہوتی رہین تو امید ہے کہ فارسی زبان اور فارسی شاعری کے متعلق بہت سے تاریخی مباحث سے ہندوستان آشنا ہوجائیگا، عام ناظرین کے لیے اس رسالہ کی قیمت ۱۲ ہے، اور مولف کے پتہ سے حیدرآباد سے ملے گی،

"ع"

نقشِ ارژنگ

پنجاب کے نوجوان شاعر چودھری جلال الدین صاحب اکبر بی اے نے اس نام سے اپنا مجموعۂ کلام شائع کیا ہے، اکبر بادشاہ کا خطاب جلال الدین تھا، اس مناسبت سے جلال الدین صاحب کا اکبر تخلص کرنا تاریخی مناسبت پر مبنی ہے، ان کا مجموعۂ کلام چھوٹی تقطیع کے ۱۳۵ صفحون مین ہے، اور مختصراً مختلف اصنافِ سخن پر حاوی ہے، شروع مین مختلف اصحاب کے قلم سے بہ ترتیب تعارف، مقدمہ اور گران قدر رائین لکھی گئی ہین، ان مین سے ہر صاحب نے اکبر کی شاعری کے متعلق حوصلہ افزا خیالات ظاہر کیے ہین،

یہ مجموعہ تین حصون پر منقسم ہے نقوشِ رنگین[۱] جسمین مختلف عنوانون پر چند نظمین، رباعیات اور قطعات ہین، نقشِ غیرفانی دوم[۲] یہ اُن غزلون کا مجموعہ ہے جو اُنھون نے میٹرک پاس کرنے کے بعد کالج کی زندگی مین کہین، اور نقشِ غیرفانی حصۂ اول[۳] مین میٹرک پاس کرنے سے پہلے کی چند غزلین ہین،

پہلے حصہ مین شفقِ صبح، ایک تصویر دیکھ کر، بچپن، اقبال لسان العصر اکبر، خونِ آرزو، تجدیدِ آرزو، انارکلی، دعا، اے پنجاب کے مختلف عنوانات پر ان کی نظمین نہایت دلکش، فصیح اور مؤثر ہین،

یہ خواب ہے کہ طلسمِ خیال ہے، کیا ہے؟ ریاضِ خلد کا رنگِ جمال ہے کیا ہے؟

یہ روز و شب کا مقام زوال ہے کیا ہے؟ مری نگاہ کا حدِّ کمال ہے، کیا ہے؟

بلندیون پہ یہ رنگین مکان کیسا ہے

جہان بھر سے انوکھا جہان کیسا ہے

رباعیات کے ذیل مین ہے،

جب روح غمِ جہان سے گھبراتی ہے ذکرِ غمِ شاہ سے سکون پاتی ہے

آئینے کی طرح آنسوؤن مین مجھکو تصویر حسین کی نظر آتی ہے،

غزلون مین اکبر نے حسرت موہانی کے رنگ کا تتبع کیا ہے، اور کامیابی کے ساتھ اس کی پیروی کی ہے، اس لیے اُن کو آئندہ "پنجاب کا حسرت" کہنا مناسب ہوگا، بیان کی سادگی، الفاظ کی روانی، ابتذال کے پرہیز، فارسی ترکیبون کی ہلکی سی چاشنی، یہ سب باتین اکبر مین پائی جاتی ہین جس کا ثبوت اُن کا یہ کلام ہے،

بہارِ زندگانی گلفشان معلوم ہوتی ہے ترِی تصویر سینے مین نہان معلوم ہوتی ہے

مصیبت کشمکشہائے محبت کی نہین جاتی وفا کی ٹیس دردِ جاودان معلوم ہوتی ہے

فروغِ بیخودی ہے اُن کے پیراہن کی رنگینی کوئی موجِ شرابِ ارغوان معلوم ہوتی ہے

فسانے قیس کے کچھ آشنا معلوم ہوتے ہین کتابِ عشق دل کی داستان معلوم ہوتی ہے

تری چشمِ خمار آلود مین اک ستمِ قاتل ہے نگاہِ مہربانی جانستان معلوم ہوتی ہے

بہارِ نازسے اُس نوگلِ رعنا کی اے اکبر محبت گلستان درگلستان معلوم ہوتی ہے

اسی زمین اور قافیہ ردیف مین تین غزلین ہین اور تینون اچھی ہین، ان کی ایک غزل کا شعر ہے، اور کتنا اچھا شعر ہے،

وہ چشمِ دلنواز ہے پھر برسرِ کرم حاصل سکون یاس کی راحت نہین مجھے

اسی قسم کے اور بہت سے اچھے شعر اُن کے کلام مین موجود ہین، جو اُن کے حسنِ ذوق کو ظاہر کرتے ہین،

تاہم ان تمام خوبیون کے ساتھ "پنجاب کے حسرت" کے متعلق ہمین "یوپی کے حسرت" کی اس راے سے اتفاق ہے کہ شاعر نے اپنے مجموعۂ کلام کی اشاعت مین عجلت کی، خاندانِ مومن کے رنگ کے لیے دیگر خصوصیات کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ فارسی ترکیبون اور محاورون پر کامل عبور ہو، اُس کے بغیر اس رنگ کا نباہنا آسان نہین، کہتے ہین،

ہے ستم خوردۂ جنون اکبر اسکی خانہ بدوشیان نہ گئین

عیسائی دنیا مین جو مختلف فیہ امور ہین، اور اس سلسلہ مین علمی تحقیق و تدقیق کے لحاظ سے جو موشگافیان کی گئی ہین، انھین عمداً نظر انداز کر دیا جائے، اس لیے یہ کتاب دراصل محض سرسری اور سادہ حالات پر مشتمل ہی لیکن اس موقع پر بھی کہین کہین خواجہ صاحب نے بعض تاریخی و علمی حقایق کے انکشاف کی کوشش کی ہی، مثلاً ص ۳۵ پر ایک سامری عورت کے سلسلہ مین سامریون کے متعلق فرماتے ہین کہ "دراصل وہ فارسی نژاد تھے"، لیکن تمام سامریون کو فارسی نژاد بتانا صحیح نہین ہے کیونکہ خود کتاب مقدس کی تصریحات سے پتہ چلتا ہے کہ سمرون مین بنی اسرائیل کے ایسے قبائل بھی آباد تھے جو مذہب سامری کے پیرو تھے، اور خصوصاً خواجہ صاحب جس عورت کا تذکرہ فرما رہے ہین وہ خود اپنے الفاظ "ہمارے باپ یعقوب" اور "کنوان عطا کیا" (یوحنا ۴ : ۱۲) سے اپنے اسرائیلی ہونے کا ثبوت پیش کر رہی ہے،

کتاب کی بڑی خوبی یہ ہے کہ اس موضوع پر سیحی توسط سے جو حالات مل سکتے تھے، سب کو سلسل اور مربوط طریقہ سے یکجا کر دیا گیا ہے، البتہ ایک آدھ مقام پر بعض چیزین ایسی نظر انداز ہو گئی ہین جنھین خاص اہمیت حاصل ہے، مثلاً جس موقع پر بتایا گیا ہے کہ یہود نے حضرت مسیح کے قتل کا فیصلہ کیا وہان یہ بھی بتانا تھا کہ فیصلہ قایافس سردار کاہن نے کیا اور اُسکے ساتھ اس کے متعلق یوحنا کے اس بیان کو بھی پیش کرنا تھا کہ "اُس نے یہ اپنی طرف سے نہین کہا بلکہ اس سال سردار کاہن ہو کر نبوت کی" (یوحنا ۱۱ : ۱۵) کیونکہ جیسا کہ معلوم ہے پھر اسی قایافس ہی نے حضرت مسیح کے لیے مذہبی عدالت سے موت کا آخری فیصلہ سنایا،

خواجہ صاحب ان اسرائیلیات مین مسلمانون کے لیے جا بجا قوسین مین اسلامی عقیدے بھی نہایت مختصر جملون مین لکھتے گئے ہین اور آخر کے چند صفحون مین "حضرت عیسیٰ کی نسبت مسلمانون کا خیال" کے عنوان سے اسلامی عقائد بھی پیش کیے ہین، لیکن خواجہ صاحب کی یہ مختصر تصریحات اس مربوط اسرائیلی افسانے کے سامنے جسکو خواجہ صاحب نے مرتب کیا ہے قطعی ناکافی ہین اگرچہ اُنھون نے بعد مین اس موضوع پر ایک رسالہ لکھنے کی امید دلائی ہے، لیکن ضرورت تھی کہ اسی موقع پر اس ضمیمہ کو اور وسعت دیتے

اور اسلامی عقائد اور اس کے استدلالات کو بھی مناظرانہ طرز تحریر سے علحدہ ہو کر یکجا کر دیتے، تاکہ ناظرین عیسائیون کے عقائد کے موافق عیسائی التعلیم کا نمونہ" دیکھنے کے بعد اسلامی معتقدات سے بھی پوری طرح آگاہ ہو جاتے،

آخر مین "اسلامی علم و ادب مین حضرت عیسیٰ کا ذکر" کے عنوان سے عیسائیون کو مخاطب کر کے لکھتے ہین کہ "اسلامی شعرا نے حضرت عیسیٰ کا نام بھی اپنی شاعری کا ایک مستقل باب قرار دے لیا، جسمین ہر شاعر نے مختلف طریقون سے حضرت عیسیٰ کی تعریف لکھی ہے" اور اس ذیل مین مختلف شعرا کے کلام نمونہ کے طور پر پیش کیے ہین، اس سے خواجہ صاحب کا مقصود یہ ہے کہ حضرت مسیحؑ اور اُن کے معجزات پر مسلمانون کو اس درجہ یقین رہا کہ اُن کے ادبیات مین "اعجاز مسیحائی" ایک خاص عنوان قرار پا گیا، اور شعرا نے مختلف خیالات جذبات اور احساسات کے ادا کرنے مین اس وصف کو مجازاً استعارہ، تشبیہ اور تمثیل کے طور پر استعمال کیا،

افسوس ہے کہ خواجہ صاحب اپنی اس تالیف مین اپنے مخصوص طرز انشا کو قائم نہ رکھ سکے، اور دیباچہ مین اس کا خود اعتراف کیا ہے لیکن اس سلسلہ مین انھون نے ایسی بے اعتنائی کی کہ دلی کا انتساب لکھتے ہوئے خواجہ صاحب کے شایان شان نہین، مثلاً "اسے بڑی فکر دامنگیر ہو گئی" یا "احکامات" "رہایش" اور "انکساری" وغیرہ جیسے الفاظ کا استعمال، اس سے بدگمانی ہوتی ہے کہ خواجہ صاحب نے اسمین خود محنت کم کی ہے...... حقیقت یہ ہے کہ خواجہ صاحب اب کامیاب مصنف ہو چکے ہین، اُن کو اب خود زیادہ محنت کرنے کی ضرورت بھی کم ہے، خدا خواجہ صاحب کے قدردانون کو سلامت رکھے، اُن کی ہر تحریر کو وہ دعا تعویذ سمجھتے ہین اور ایک مصنف کے لیے اس عہد مین اس سے زیادہ اور کیا چاہیئے، کتاب ۲۱۲ صفحون پر تمام ہوئی ہے، لکھائی چھپائی اچھی اور کاغذ اوسط درجے کا ہے، قیمت ۱۲/ جناب ابن عربی صاحب کارکن حلقہ مشائخ بکڈپو دہلی سے طلب کیجیے،

"ر"

مطبوعاتِ جدیدہ

الکحل اور زندگی، جناب جان اے ہنٹر ایم بی سی ایم کا ایک رسالہ "الکحل اور زندگی" کے نام سے ہے جس مین نہایت دلچسپ پیرایہ مین سائنس کے اصول کی روشنی مین شراب کے خطرناک اثرات بتا کر اُن سے محترز رہنے کی تلقین کی گئی ہے، کتاب مختلف اسباق مین منقسم ہے، اندازِ بیان نہایت سلیس اور دلکش ہے، اور سائنس کے اہم اور پیچیدہ مسائل دلچسپ تمثیلون سے نہایت آسان پیرایہ مین سمجھائے گئے ہین، جناب مولوی حامد حسن صاحب قادری نے اس رسالہ کو اُردو مین منتقل کیا ہے، ترجمہ کی زبان نہایت صاف سادہ اور سلیس ہے، حجم ۱۴۱ صفحے، تقطیع چھوٹی، لکھائی چھپائی اور کاغذ اچھا ہے، قیمت ۱۲ر، پتہ: میکملین اینڈ کمپنی لمیٹیڈ، کلکتہ، بمبئی، مدراس، لندن،

شرف اصحاب الحدیث۔ یہ حافظ ابو بکر خطیب بغدادی متوفی ۴۶۳ھ صاحب تاریخ بغداد کا ایک نایاب رسالہ ہے جسمین اُنھون نے جماعتِ اصحاب حدیث کے فضائل ومناقب لکھے ہین، شروع مین "اصحاب احادیث" کی اصطلاح متکلمینِ اسلام کے مقابلہ مین قائم ہوئی تھی، کیونکہ محدثین کی مقدس جماعت جسمین آئمۂ مجتہدین بھی تھے عقائد مین متکلمین کے عقائد سے اصولی اختلاف رکھتی تھی، حافظ ابو بکر خطیب بغدادی آخر عمر مین اسی جماعت مین داخل ہوگئے تھے اور اسی وقت یہ رسالہ ان کے قلم سے نکلا تھا، اب تک یہ رسالہ حلیۂ طبع سے عاری تھا جناب مولانا محمد صاحب اڈیٹر اخبار محمدی دہلی شکریہ کے مستحق ہین کہ وہ اس نایاب رسالہ کو مدینہ منورہ کے کتب خانہ سے نقل کرلائے، اور اُسکو اُردو ترجمہ کے ساتھ فضائلِ محمدی کے نام سے موسوم کرکے شایع کیا ہے رسالہ مین جیسا کہ اُس کے نام سے ظاہر ہو اس

جماعت کے فضائل ومناقب اور اس کا برسرحق ہونا ثابت کیا گیا ہے، اور اس کے مقابل گروہ کی غلطیان اور گمراہیان بھی واضح کی گئی ہین، رسالہ کا ترجمہ صاف اور سلیس ہے، آخر کے دو صفحون مین عربی اور اُردو دونون مین مؤلف کے سوانح حیات سرسری طور پر درج کیے گئے ہین، حجم مجموعی ۱۴۲ صفحے، لکھائی چھپائی اور کاغذ اچھا ہے، قیمت عہ پتہ:- دفتر اخبار محمدی اجمیری دروازہ دہلی،

اسوۂ حسنہ، مولوی سیّد محمد اسحاق صاحب نے حدیث کی مختلف صحیح کتابون سے اخلاق وموعظت کی پانچسو حدیثین جمع کی ہین، اور اُن کا ترجمہ "اسوۂ حسنہ" یا "اسلامی اخلاق" کے نام سے شائع کیا ہے، ترجمہ صاف اور سلیس ہے، لیکن کیا بہتر ہوتا اگر اخلاق کے مختلف ابواب قائم کرکے ان حدیثون کو ان کی مناسبت سے مختلف ابواب مین تقسیم کردیا جاتا، بہرحال یہ کتاب مسلمانون کے لیے مفید اور اُن کے پڑھنے کے لائق ہے، حجم چھوٹی تقطیع پر ۸۰، لکھائی چھپائی اور کاغذ اچھا ہے جلد خوشنما اور مطلّا ہے قیمت ۱۲؍ پتہ: جناب محمد فخر الدین صاحب احمدیہ کتاب گھر، قادیان،

درثمین، ہندستان کی مشہور انگریزی شاعرہ مسز سروجنی نائیڈو کے دلآویز انگریزی کلام کے منظوم ترجمے اُردو کے مختلف رسائل مین وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہے ہین، جناب تصدق حسین صاحب شکریہ کے مستحق ہین کہ اُنھون نے ان دُرہائے ناسفتہ کو ایک سلسلہ مین منسلک کرکے "درثمین" کے نام سے شایع کیا ہے، اُردو ترجمون کے مقابل کے صفحون پر انگریزی کی اصل نظمین بھی دیدی گئی ہین، ابتدا مین جناب اختر دہلوی اور جناب سیّد ہاشمی صاحب فریدآبادی رکن دارالترجمہ حیدرآباد کے دلچسپ مقدمے ہین، امید ہے کہ شائقین ادب اس شاعرۂ ہند کے انگریزی خیالی پیکرون کو اس ہندوستانی لباس مین پسند فرمائین گے، رسالہ کا حجم ۱۰۱ صفحے لکھائی، چھپائی اور کاغذ عمدہ ہے، قیمت کتاب مجلد عہ غیر مجلد عہ پتہ:- احمدیہ پریس چارمینار، حیدرآباد،

سیرگل، جناب جلیل احمد صاحب قدوائی بی اے علیگ نے اپنے ان سولہ مختصر افسانون کا مجموعہ "سیرگل" کے نام سے مرتب کیا ہے، جو وقتاً فوقتاً مختلف رسالون مین شایع ہوچکے ہین، ان مین کے چند افسانے

روسی اہل قلم چیخوف اور فرانس کے ایک اہل قلم موپاسان کے مختصر افسانون کا ترجمہ ہین، اور چند جناب مرتب کے طبعزاد ہین، اس لیے یہ سب اگرچہ ایک ہی قلم کی گلکاریان ہین، تاہم ہر ایک مین مختلف رنگ کے نقش و نگار ہین، فی الجملہ چیخوف کے افسانے پرلطف، سادہ اور صحیح کیرکٹر کا بہترین نمونہ ہین، جن مین تحلیل نفسی کے صحیح اصول ازخود نمایان ہوتے ہین، اور موپاسان کا افسانہ "گورستان کی نازنین" بھی دلچسپ اور پڑھنے کے لائق ہے، مختصر افسانون کے طرزِ تحریر مین اصل جان سلاست اور روانی ہے، جناب جلیل نے اس کے نباہنے کی خاص کوشش کی ہے، لیکن کہین کہین انھین اپنی ناکامی کا اقرار کرنا پڑیگا، مگر پھر بھی طرزِ تحریر نہایت صاف سلیس اور سادہ ہے،

ابتدا مین جناب خواجہ غلام السیدین صاحب بی اے ایم ایڈ کا مقدمہ ہے، جسمین انھون نے ان افسانون پر تبصرہ کیا ہے، حجم چھوٹی تقطیع پر ۲۰۵ صفحے، لکھائی چھپائی اچھی اور کاغذ خاصہ ہے، قیمت عہ مولف سے مسلم یونیورسٹی علیگڈھ کے پتہ سے طلب کرین،

ہماری غذائین اس نام کے رسالہ مین جناب ڈاکٹر محمد مجیب الدین احمد خان صاحب فانی لودھیانوی نے انسان کی عام غذاؤن کی علمی (سائنٹفک) اور طبی نقطۂ نظر سے تشریح کرکے اُن کے مفید یا مضر ہونے اور ان کی قوت غذائی کے تناسب اور اُن کے استعمال کرنے کے طریقے بتائے ہین، اگرچہ جناب مؤلف نے اس رسالہ کو عام فہم بنانے کی خاص کوشش کی ہے لیکن طبی اصطلاحات کے بکثرت آجانے سے ایک حد تک نامانوسیت باقی رہ گئی ہے، تاہم اُردو مین یہ تالیف انسان کی سب سے ضروری سامانِ حیات پر سب سے پہلی کتاب ہے، اس لیے ہماری قدردانی کی مستحق ہے، حجم چھوٹی تقطیع پر ۱۴۴ صفحے، لکھائی چھپائی اور کاغذ معمولی ہے، قیمت عصہ جناب مؤلف سے کننگ میڈیکل ہال دہلی کے پتہ سے طلب کرین،

"ل"

اعلان

افسوس ہے کہ اڈیٹر صاحب معارف مدراس وحیدر آباد کے طویل سفر سے اب تک واپس تشریف نہ لاسکے، اِس لئے اس مہینہ کا پرچہ بغیر شذرات کے شایع کیا جاتا ہے، آیندہ ماہ مین اس کی تلافی ہو جائے گی،

"مینجر"

مجلد بستم | ماہ ربیع الثانی ۱۳۴۶ھ مطابق ماہ اکتوبر ۱۹۲۷ء | عدد چہارم

فہرست مضامین

مقالات

نکاح بلا وَلی،

ضمیمۂ مباحث سابقہ اوپر کا مضمون چھپ جانے کے بعد ایک اور واقعہ پر نظر پڑی، جس سے ہمارے خیال کی مزید تائید ہوتی ہے، فاطمہ بنت قیسؓ ایک مشہور صحابیہ ہین، قدیم ہجرت کرنے والی صحابیات مین ان کا شمار ہے، سنہ ۱۰ھ مین جب حضرت علیؓ کی فوج یمن بھیجی جارہی تھی، ان کے شوہر بھی اس مین شامل تھے، انھون نے کسی وجہ سے راستہ سے اپنی بیوی کو طلاق بھجوادی، وہ آنحضرت صلعم کے پاس آئین، آپ نے فرمایا عدت گذرنے کے بعد اپنی نسبت مجھ سے مشورہ کر لینا، عدت کے بعد ان کے نکاح کے خواہان کئی اکابر صحابہ تھے، جن مین حضرت معاویہؓ حضرت عبد الرحمان بن عوفؓ اور حضرت ابوجہمؓ ہین، آپ نے اپنی طرف سے حضرت اسامہ بن زیدؓ کا نام پیش کیا، حضرت فاطمہؓ کے اہل خاندان نے اسامہؓ کو ناپسند کیا، اور خود حضرت فاطمہؓ کو بھی تامل تھا، مگر ارشاد نبوی سے وہ انحراف نہ کرسکین اور آپ سے عرض کی،

امری بیدک فانکحنی من شئت (مسلم ذکر دجال)

میرا معاملہ آپ کے ہاتھ مین ہے جس سے چاہئے میرا نکاح کردیجئے،

آنحضرت صلعم نے ان کا نکاح حضرت اسامہؓ سے کردیا، اور ان کے اولیار کی ناپسندیدگی کی کوئی پروا نہ کی،

اس واقعہ کے متعدد اجزا ہیں، اور ہر ایک کا علحدہ علحدہ ثبوت مجھ کو دینا ہے، سب سے اوّل یہ کہ اُن کے اولیا، یا اہل خاندان مدینہ مین موجود تھے، اور دوسرے یہ کہ انھون نے اس کو ناپسند کیا، تیسرے یہ کہ اولیا نے نہین بلکہ خود انھون نے یا آنحضرت صلعم نے انکی طرف سے وکیل بنکر انکا نکاح کر دیا، ان کے اولیا موجود تھے، حضرت فاطمہؓ کے باپ قیس کا حال معلوم نہین، لیکن تاہم ان کے خاندان بنی فہر کے ارکان موجود تھے، حضرت ابن اُمِ مکتوم، ان کے رشتہ کے بھائی تھے، صحیح مسلم مین ہے،

انتقلی الی بیت ابن عمك عمرو بن ام مکتوم (مسلم) اپنے چچازاد بھائی عمرو بن ام مکتوم کے ہان چلی جاؤ،

اعتدی فی بیت ابن عمك ابن ام مکتوم (ایضاً) اپنے چچازاد بھائی ابن ام مکتوم کے گھر مین عدت گذارو،

انتقلی الی ابن عمك عبد اللہ بن عمرو بن ام مکتوم وھو رجل من بنی فھر فھر قریش من البطن الذی ھی منہ، اپنے چچازاد بھائی عبد اللہ بن عمرو بن ام مکتوم کے پاس جاؤ، وہ قریش کے خاندانِ فہر کے تھے، اور فاطمہ بھی اُسی خاندان کی تھین،

وہ خود کہتی ہین، کہ مین نے اپنے خاندان کے لوگون مین عدت گذاری،

ان اعتدّ فی اھلی (مسلم باب طلاق مذکور) مین اپنے خاندان کے لوگون مین عدت گذارون،

ان کے علاوہ حضرت فاطمہ بنت قیسؓ کے حقیقی بھائی ضحاک بن قیس موجود تھے، جنکی عمر اس وقت غالباً سات برس کی ہو گی، یعنی اتنی ہی تھی، جتنی حضرت ام سلمہؓ کے صاحبزادہ کی تھی، جن کو اُن کی ماں نے اپنا نکاح پڑھانے کا حکم دیا تھا جیسا کہ گذر چکا ہے، وہ ۳ھ مین پیدا ہوئے تھے، (دیکھو تہذیب و اصابہ وغیرہ) صحیح مسلم مین اسی واقعہ کے ضمن مین ہے،

فاطمۃ بنت قیس اخت الضحاك بن قیس (ذکر الدجال) فاطمہ بنت قیس ضحاک بن قیس کی بہن،

اب یہ بات باقی رہی کہ اُن کے اہل خاندان نے اس نکاح کو ناپسند کیا تھا، طبقات ابن سعد مین صرف تین راویون کے واسطے سے تحریری روایت ہے یہ تینون رجال مسلم کے ہین،

اخبرنا يزيد بن هارون، اخبرنا محمد بن عمرو عن ابي سلمه عن فاطمة بنت قيس انها حدثته كتبوا منها كتابا، انها كانت تحت رجل من قريش من بني مخزوم فطلقها البتة فلما حلت ذكرت ان معاوية وابا جهم خطباها فذكرت ذلك لرسول الله صلعم فقال رسول الله صلعم اما معاوية فلا مال له واما ابو جهم فلا يضع عصاه عن اهله، فاين انتم من اسامة بن زيد فكان اهلها كرهوا ذلك فقالت لا اتزوج الا من قال رسول الله۔

(جلد ۸ صفحہ ۲۰۱)

ہم سے یزید بن ہارون نے بیان کیا، ان سے محمد بن عمرو نے بیان کیا، انھون نے ابو سلمہ سے ابو سلمہ نے خود فاطمہ بنت قیس سے انھون نے بیان کیا اور لوگون نے اس کو تحریر مین ضبط کر لیا، کہ وہ قریش کے خاندان بنی مخزوم مین سے ایک کی زوجیت مین تھین، اس نے ان کو طلاق بائن دیدی، جب وہ عدت گذار چکین تو اُن کو معاویہ اور ابو جہم نے پیام دیا، فاطمہ نے آنحضرت صلعم سے اسکا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا معاویہ تو مفلس ہین، ابو جہم اپنی بیوی پر ڈنڈا لئے رہتے ہین، تم لوگ (خطاب فاطمہ کے خاندان والون سے ہے) اسامہ کو کیون بھولے ہو، تو گویا فاطمہ کے خاندان والون نے انکو ناپسند کیا، فاطمہ نے کہا مین تو اسی سے بیاہ کرونگی، جس سے رسول اللہ صلعم نے کہا ہو،

صحیح مسلم مین ہے کہ آپ نے حضرت فاطمہ بنت قیس رض سے کہا،

انكحي اسامة بن زيد فكرهته ثم قال انكحي اسامة فنكحته، (باب طلاق مذکور)

اسامہ بن زید سے نکاح کر لو، تو مجھکو ناپسند ہوا، پھر آپ نے کہا کہ اسامہ سے نکاح کر لو تو مین نے ان سے نکاح کر لیا،

مسلم کی دوسری روایت مین ہے کہ حضرت فاطمہ بنت قیس رض بیان کرتی ہین،

فلما كلمني رسول الله صلعم قلت امري بيدك

تو جب رسول اللہ صلعم نے مجھ سے گفتگو کی تو مین نے

فانکحنی من شئت (ذکر دجال)	کہا میرا معاملہ آپ کے ہاتھ میں ہے، جس سے چاہیے میرا نکاح کر دیجئے،

مسلم کی تیسری روایت میں ہے،

فانکحہا رسول اللہ صلعم اسامۃ بن زید (باب طلاق مذکور)	تو رسول اللہ صلعم نے اسامہ بن زیدؓ سے اُن کا نکاح کر دیا،

پورا واقعہ ذہن نشین کر لینے کے بعد یہ صاف ثابت ہوتا ہے کہ حضرت فاطمہؓ کے رشتہ دار اہل خاندان اور اولیا موجود ہیں، تاہم براہ راست لڑکی کو (ان کا سن اس وقت سترہ برس معلوم ہوتا ہے) پیغام دیا جا رہا ہے، لڑکی اپنا معاملہ اولیا کے ہاتھ میں نہیں دیتی، بلکہ خود رسول اللہ صلعم کے ہاتھ میں دیتی ہے، اور رشتہ داروں کی مرضی کی پروا کئے بغیر خود (فنکحتہ) یا رسول اللہ صلعم کی وکالت میں (ولایت میں نہیں) وہ حضرت اسامہؓ سے نکاح کر لیتی ہیں،

ہمیں یہ معلوم ہے کہ قاضی عیاض اور امام نووی نے حضرت فاطمہ بنت قیسؓ اور حضرت ابن ام مکتومؓ کے اس باہمی نسب کو جو صحیح مسلم میں ہے، اہل انساب کی روایت کی بنا پر قبول کرنے میں تردد ظاہر کیا ہے، مگر روایات مسلم کے مقابلہ میں روایات انساب کیا چیز ہیں؟ علاوہ ازیں "اہلی" "میرے خاندان کا" کیا جواب ہوگا؟

المامون

خلیفہ مامون الرشید کے عہد سلطنت کے حالات، اب تک اس کے بازاری نسخے عام طریقے سے فروخت ہوتے تھے، اب مطبع معارف نے خاص اہتمام سے طبع کرا کے شایع کیا ہے، کاغذ اور لکھائی چھپائی بہترین ہے، ضخامت ۲۲۴ صفحے قیمت ۱۲؍ و ۱۴؍

"منیجر"

معیارِ تاویل

لفظ "صلوٰۃ" قرآن شریف مین،

از

سید سلیمان ندوی،

ہم نے اگست کے شذرات مین ،،غیر مذہبی عربی تعلیم،، کے فتنہ سے مسلمانون کو ہشیار کیا تھا آج اُس کی متعدد پیش نظر مثالون مین سے ایک مثال آپ کے سامنے ہے، مولوی نعیم الرحمان صاحب ایم اے لکچرار عربی و فارسی الہ آباد یونیورسٹی، عربی کے لایق گریجویٹ ہین، عربی سے بعض تاریخی کتابون کا اردو مین ترجمہ کر چکے ہین، اب حال مین آپنے مسئلہ صلوٰۃ،، کے متعلق دادِ تحقیق دی ہے، نماز کا بعض لوگون پر سخت ہونا، خود قرآن کی شہادت ہے، اب اس کی سختی کو کم کرنے کیلئے، مختلف تجویزین سوچی جارہی ہین، بعض اصحاب تو نماز کے اوقات کو کم کرنا چاہتے ہین، بعض رکعات کی تخفیف کے خواستگار ہین، بعض ارکان کی تقلیل کے خواہشمند ہین، اور ان سب کا استدلال قرآن پاک سے ہے، یضل بہ کثیرًا و یھدی بہ کثیرًا،

مولانا نعیم الرحمان صاحب ایم اے کی رائے ہو کہ نماز کی مخصوص صورت صرف مسجدون مین جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے والون کے لئے ہے، علحدہ اور منفرد اشخاص کے لئے یہ مخصوص صورت واجب نہین، بلکہ محض دل سے "یادِ خدا،، کر لینا کافی ہے، کاش یہی ہوتا،

سوچنے کی بات یہ ہے کہ یہ گمراہیان اور غلطیان کیون پیش آرہی ہین ؟ اس لئے آرہی ہین،

کہ "کتاب" کے ساتھ "سنت" کو نہین لیا جاتا، یہی غلطی گذشتہ معتزلہ نے بھی کی اور اب موجودہ معتزلہ بھی کر رہے ہین، تاہم گذشتہ معتزلہ اس قدر دلیر نہ تھے کہ وہ سنت متواترہ اور عمل متواتر کی تغلیط یا تکذیب کرین مگر اب دنیا اس دقیانوسی زمانہ سے علم و فہم مین بہت کچھ ترقی کر چکی ہے،

سوال یہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلعم پر صرف الفاظ قرآنی القا ہوئے یا ان کے معانی بھی القا ہوئے، اگر پہلی صورت ہے تو نعوذ باللہ اس عہد کے اصحاب علم خود حامل وحی سے زیادہ عالم بلکہ پیغمبر بننے کے مستحق ہین، اور اگر دوسری صورت ہے تو حامل وحی نے ان معانی کی تعلیم اپنے پیرودن کو دی یا نہین، اگر نہین دی، تو

بلغ ما انزل الیک — جو تجھ پر اتارا گیا، اس کو دوسرون تک پہونچا،

کا فریضہ کیونکر ادا ہوا، اور

یعلمھم الکتاب — وہ قرآن اُن امیون کو سکھاتے ہین،

کس کی شان مین ہوگا، اور

لتبینہ — تاکہ تم لوگون کے لئے اس کی تشریح کردو،

کا کس کو حکم ہوگا،

اور اگر آپ نے اس کے معانی و مطالب اور تشریحات اپنے پیرودن کو بتائے تو وہ کیا ہوئے؟ اور کہان ہین؛ اور کیونکر مٹ گئے؟ اور کب مٹ گئے؟ اور

وانا لہ لحافظون — ہم ہین اس کی حفاظت کرنے والے،

کا وعدہ کیا ہوا، یہ حفاظت لفظی، معنوی، اور تشریحی ہر حیثیت سے تھی، اب اس تسلیم سے چارہ نہین کہ وہ عملی حیثیت سے بتواتر عمل اہل اسلام اور علمی حیثیت سے صحائف سنت اور کتب حدیث مین موجود ہین، ان صحائف و کتب و احادیث و روایات پر اصولاً بحث کرنے کی گنجائش ہر وقت حاصل ہے،

مگر اُن سے قطع نظر کرنا کسی طرح ممکن نہین، بنابرین قرآن پاک کی کسی آیتِ کریمہ کی تفسیر و تشریح کرتے وقت الفاظ اگر کئی معنی کو محتمل ہون تو عملِ تواتر اور روایتِ صحیح یہی دو چیزین ہین جو ان کے اصلی معنی کی تعیین کرین گی، اگر یہ سررشتہ ہاتھ مین نہو تو پھر صحت و خطا کا معیار کیا رہجائیگا،

اس مختصر تمہید کے بعد عرض ہے کہ قرآن پاک مین "اقامتِ صلوٰۃ" (نماز کھڑی کرنے کا) جو صحیح مفہوم ہے، اس کو ہمارے دوست مولوی زبید احمد صاحب نے نہایت خوبی سے لکھا ہے، اور بیان کیا ہے، لیکن وہی ایک آیت اُن کے استقصار سے رہ گئی ہے، جو میری تحقیق مین اقامتِ صلوٰۃ کے مفہوم کو بالکل روشن کر دیتی ہے، اور کسی شک و شبہہ کی گنجائش نہین چھوڑتی ہے، ہمارے مکرم پروفیسر نعیم الرحمان صاحب سے بخلوص عرض ہے کہ وہ بھی اس پر غور فرمائین،

"اقامتِ صلوٰۃ" سے مطلق نماز کے معنی مقصود ہین، خواہ وہ مسجد مین ہو یا غیر مسجد مین، یا ضرور ہے کہ اس کے معنی "مسجد مین نمازِ با جماعت" کے ہون، اگر دوسرے معنی مراد ہین، تو چاہئے کہ غیر مسجد مین نمازِ با جماعت نہ ہو سکے جس طرح غیر گرجا مین عیسائیون کی نماز اور غیر بتخانہ مین بت پرستون کی پوجا اور غیر آتشکدہ مین پارسیون کی عبادت نہین ہو سکتی ؟ کیا ایسا کہنا اصولِ اسلام کا براہ راست مسخ نہین ہے، اور اگر صرف "نماز" مراد ہے خواہ وہ کہین ہو تو پھر "صلوٰۃ" بمعنی مسجد کی مناسبت "اقامتِ صلوٰۃ" مین کیا رہجاتی ہے، اور اگر یہ کہاجائے کہ اس کے معنی صرف "نماز با جماعت" کے ہین خواہ وہ مسجد مین ہو یا غیر مسجد مین، تو پھر اقامتِ صلوٰۃ کے معنی "اقامتِ مسجد" کے نہین، بلکہ "اقامتِ جماعت" کے لینے ہون گے، اور "صلوٰۃ" بمعنی "مسجد" نہین، بلکہ بمعنی "جماعت" ہوگا، کیا آرامی یا عبرانی زبان مین "صلوٰۃ" جماعت کے معنی مین کہین آیا ہے ؟ جس آیت کا اوپر حوالہ دیا گیا ہے وہ حسبِ ذیل ہے،

وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ	اور جب اے رسولؐ تو اُن مسلمان مجاہدین مین ہو، اور
فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَلْيَاْخُذُوْٓا	ان کے لئے نماز کو کھڑی کرے، تو ایک گروہ تیرے

اسلحتھم، فاذا سجدوا فلیکونوا من ورائکم ولتأت طائفة اخری لم یصلوا فلیصلوا معك . . . . فاذا قضیتم الصلوٰة فاذکروا اللہ قیاماً وقعوداً وعلی جنوبکم فاذا اطمأننتم فاقیموا الصلوٰة ان الصلوٰة کانت علی المؤمنین کتاباً موقوتاً (النساء ۱۵)

ساتھ کھڑا ہو، اور اپنے ہتھیارون کو لئے رہے، اور جب وہ سجدہ کرے تو تم لوگون کے پیچھے ہو جائے، اور دوسرا گروہ جس نے نماز نہین پڑھی، وہ آئے اور تیرے ساتھ نماز پڑھے .... پھر جب تم نماز ختم کر چکو تو اللہ کو کھڑے بیٹھے سوتے یاد کرو، اور جب تم کو اطمینان ہو جائے تو نماز کھڑی کرو، بیشک نماز مسلمانون پر مقررہ وقتون پر فرض ہی،

آیت کے ابتدائی حصہ مین "اقامتِ صلوٰۃ"، کا حکم ہے، یہ میدانِ جنگ کا واقعہ ہے، دشمن باقاعدہ نماز کا موقع نہین دے رہا ہے، اب بتایئے کیا یہان اس میدانِ جنگ مین نماز چھوڑ کر مسجد کی تعمیر کا حکم ہے، یا میدانِ جنگ چھوڑ کر مسجد مین جا کر پہلے دوڑ کر نماز پڑھ آنے کا حکم ہے، یا محض نمازِ جماعت کا حکم ہے، آگے چلیئے، ایک ایک رکعت نماز پڑھ لینے کے بعد دوسری رکعت کے متعلق حکم ہے کہ پھر علٰحدہ علٰحدہ اُٹھتے بیٹھتے، اور سوتے جس طرح موقع ملے یادِ الٰہی کر لو، پھر جب اطمینان ہو تو نماز کھڑی کرو،" اطمینان کے بعد ہی یعنی اسی سفر مین میدانِ جنگ کے اندر اقامتِ صلوٰۃ کا حکم دیا گیا، اب یہان مسجد کہان سے آئی، کیا ہر صحرا، اور جنگل اور پہاڑ اور سمندر مین جہان جہان مسلمان فوج جائے، ہر منزل مین، دن مین پانچ وقت مسجد بنائی جائے، اور نماز پڑھی جائے،

حافظوا علی الصلوات والصلوٰة الوسطیٰ، سب نمازون کی نگہداشت کرو اور خصوصاً بیچ کی نماز کی،

اس آیت پاک کا ترجمہ آپ یہ کرتے ہین، کہ "تمام مسجدون کی حفاظت کرو اور خصوصاً بیچ کی یعنی مرکزی مسجد (خانہ کعبہ) کی،" بہت خوب! لیکن آیت اتنی ہی تو نہین ہے، بلکہ پوری آیت یون ہے

حافظوا على الصلوات والصلوة الوسطى وقوموا لله قانتين، فان خفتم فرجالا او ركبانا فاذا امنتم فاذكروا الله كما علمكم مالم تكونوا تعلمون ۔

(بقرہ ۳۱)

سب نمازون کی نگہداشت کرو خصوصاً بیچ کی نماز کی (یعنی عصر کی نماز) اور خدا کی سامنے خضوع و خشوع کے ساتھ کھڑے ہو، پھر اگر کوئی ڈر ہو تو پیادہ یا سوار ہو کر (جس طرح ہو سکے) اور جب ڈر جاتا رہے، تو اس طرح خدا کو یاد کرو جس طرح تم کو اس نے بتایا جو تم نہین جانتے تھے،

اگر آپ کا ترجمہ اختیار کیا جائے تو معنی یہ ہون گے،

"سب مسجدون کی حفاظت کرو خصوصاً مرکزی مسجد کی، اور خدا کے سامنے خضوع اور خشوع کے ساتھ کھڑے ہون، اگر ڈر ہو تو پیادہ اور سوار (جس طرح ہو سکے) اور جب خوف جاتا رہے تو اس طرح خدا کو یاد کرو جس طرح اس نے تم کو بتایا جو نہین جانتے تھے"،

اس حالت مین اول آیت (حفاظت مسجد) کا آیت کے بعد کے حصون سے کیا تعلق رہے گا، یعنی یہ کہ "اول تو کوشش کرو کہ مسجدون مین جا کر خصوصاً خانہ کعبہ مین جا کر نماز با جماعت ادا کرو، اور اگر اس ارادہ کی تکمیل مین جان کا خوف ہو تو خیر پیادہ ہو کر، اور اگر اس مین ڈر ہو تو سوار ہی ہو کر نماز پڑھ لو، اور جب ڈر جاتا رہے تو پھر اسی طرح پڑھو جس طرح خدا نے بتایا ہے" یہ سفر اور جنگ کا حکم ہے، جیسا کہ "خوف" اور "امن" کے الفاظ ظاہر کرتے ہین، اس کا تعلق مسجد کی نماز با جماعت سے نہین بلکہ نماز کی شکل وصورت یعنی ارکان سے ہے، یہ آیت غزوۂ خندق کے موقع کی ہے جب صحابہؓ کی اور خود حضور سرور کائنات علیہ الصلوۃ والسلام کی عصر کی نماز قضا ہو گئی تھی، اسی لئے اس نماز عصر کا خاص طور سے ذکر ہے، مطلب تو یہ ہے کہ نماز ہر حال مین ادا کی جائے، خواہ صلح ہو یا جنگ، امن ہو یا خوف، اگر حالت جنگ ہو یا میدان جنگ مین دشمن کے حملہ کا خوف ہو تو پیادہ

ہو کر پڑھو، اگر یہ بھی ممکن نہو تو سوار ہی پڑھو، پھر جب یہ حالت جاتی رہے تو جس طرح نماز کا طریقہ تم کو بتایا گیا ہے، اس طرح پڑھو،

اس کے سوا دوسرے معنی ہو نہین سکتے، جنگ مین پیادہ ہو کر پڑھنے یا سوار ہو کر پڑھنے کی اجازت دینا، اور بحالت امن اس طرح نماز پڑھنے کا حکم دینا جس طرح اُس نے یعنی (خدا نے) بتایا، نماز کی صورت و شکل اور ارکان سے اس کا تعلق ہو گا، "مسجدون کی نماز با جماعت" سے نہین، چونکہ ہمارے دوست مولوی زبید احمد صاحب نے بتفصیل اس رائے کی تغلیط کی ہے، اس لئے مجھے زیادہ کہنے کی حاجت نہین، صرف ایک بات کہنا چاہتا ہون جو مطلب قرآن پاک کا آیتون کا ہمارے مکرم پروفیسر نعیم الرحمان لینا چاہتے ہین، آنحضرت صلعم اور صحابۂ کرام نے وہی سمجھا کہ نہین، اگر نہین سمجھا تو وہی مطلب ہوا کہ حامل وحی اور اس کے پیرو خدا کے مراد و مفہوم سے واقف نہ ہوئے اور بالآخر یہ عقدہ کشائی چودہ سو برس کے بعد ایک عجمی نے کی، اور اگر واقف تھے، تو کیا تمام عمر مین ایک دن بھی، ایک دن کے پانچ وقتون مین سے ایک وقت بھی ہزارون صحابہؓ مین سے کسی ایک نے بھی اس پر عمل کیا،

مولوی زبید احمد صاحب اپنے دلائل کا ترکش خالی کرنے کے لئے گھبرا رہے ہون گے اس لئے مین زیادہ ان کو روکنا نہین چاہتا، ناظرین ذرا ان کی تیر اندازی کی داد دین، یہ مولویون مولویون کی لڑائی نہین، گریجویٹ گریجویٹ کی جنگ ہے، اس لئے براہِ عنایت "مولوی صاحبان" اپنی تکفیر و تفسیق کے بانے الگ رکھین، وہ اس مین دخل نہ دین،

لغات جدیدہ،

چار ہزار جدید عربی الفاظ کی ڈکشنری، قیمت ۸؎ "منیجر"

لفظ صلوٰۃ قرآن شریف مین

از

مولوی زبید احمد صاحب ایم اے، الٰہ آباد یونیورسٹی،

میرے قابل رفیق کار مولوی نعیم الرحمٰن صاحب ایم اے کا نام گرامی محتاجِ تعارف نہین آپ پہلے مدراس گورنمنٹ کالج مین عربی و فارسی کے پروفیسر تھے، دو سال سے الہ آباد یونیورسٹی مین لکچرار ہین، آپکا علمی ذوق اور تحقیق و تدقیق کا شوق نہایت قابل تعریف ہے، آپکے علمی مقالات اردو کے موقر رسالون مین شائع ہوتے رہتے ہین، دو سال سے الہ آباد یونیورسٹی سے ایک سالانہ علمی رسالہ نکلنے لگا ہے، اس کے گذشتہ نمبر مین آپ نے مندرجہ بالا عنوان پر ایک فاضلانہ مضمون سپرد قلم فرمایا ہے، جس تفحص و کاوش سے یہ مقالہ لکھا گیا ہے وہ درحقیقت مولانا کے شایان شان ہے، لیکن آپ جن نتائج کو پہنچے ہین ان سے مجھکو کلی اختلاف ہے، ان اوراق مین یہ اختلاف مع دلائل طرفین ارباب علم و بصیرت کے سامنے پیش کرتا ہون تاکہ صحت و عدم صحت کے متعلق رائے قائم کیجا سکے، قبل اس کے اصل مبحث کی طرف توجہ کرون، اپنے فاضل رفیق کار کی خدمت مین یہ عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہون کہ مین یہ مضمون مناقشہ و مجادلہ کی غرض سے یا خدانخواستہ آپ کی قابلیت پر حملہ کرنے کی نیت سے نہین لکھ رہا ہون، حاشا وکلا، وکفی باللہ شہیدا، بلکہ محض تحقیق حق میرا مقصود ہے مولانا کے مضمون کا ماحصل یہ ہے،

۱۔ لفظ صلوٰۃ عربی نہین آرامی لفظ ہے جسکے معنی مسجد کے ہین،

۲۔ قرآن شریف مین یہ لفظ "دعا و نماز" کے معنون مین بھی آیا ہے، مگر جہان کہین

قرآن شریف مین یہ لفظ مشتقات "اقامت" کا مفعول ہے، وہان تو اس کے معنی مسجد ہی کے ہین، اس سلسلہ مین آپ تجویز کے طور پر پیش کرتے ہین کہ جہان کہین قرآن شریف مین صلوٰۃ بمعنی "مسجد" ہے وہان یہ لفظ واؤ کے ساتھ لکھا جائے اور جہان کہین "دعا و استغفار" کے معنی مین ہو، وہان باقاعدہ الف کے ساتھ (یعنی صلاۃ) لکھا جائے،

۳- نماز کی معین شکل، صرف جماعت کے لیے مخصوص ہے، منفرد شخص کے لیے نماز مقررہ ترکیب سے ادا کرنا ضروری نہین،

پہلے دو نتیجے درحقیقت ایک ہی ہین، اس لیے دونون نتیجون پر مین بحیث مجموعی ایک ہی جگہ تنقید کرتا ہون، اور تیسرے نتیجہ کے متعلق، بعد مین علٰحدہ عرض کرونگا،

الف، لفظ صلوٰۃ عربی نہین آرامی ہے، جس کے معنی مسجد کے ہین،

ب، اقیموا الصلوٰۃ مین، صلوٰۃ کے معنی مسجد ہی کے ہین،

مولانا کے دلائل کے ساتھ ساتھ اپنا جواب دیتا جاؤنگا، مولانا کے دلائل یہ ہین

۱- قرآن شریف مین بہت سے غیر عربی الفاظ مستعمل ہین جنکی بہترین مثال لفظ رحمان ہے، ان مین سے ایک لفظ صلوٰۃ ہے جسکی اصل "صلوتا" آرامی لفظ ہے جس کے معنی مسجد کے ہین،

جواب سے پہلے ایک چھوٹے سے مقدمہ کی ضرورت ہے،

عربی کا شمار سامی زبانون مین ہے جنمین آرامی، عبرانی، سریانی و حبشی وغیرہ زبانین داخل ہین، یہ بات محققین یورپ کے نزدیک ہنوز پایۂ ثبوت کو نہین پہنچی کہ ان مین سے کون سی زبان السنۂ سامیہ کی مان ہے، لیکن یہ ان کا آخری فیصلہ ہے کہ عربی (یعنی عرب کی زبان) السنۂ سامیہ کی اگر مان نہین ہے تو مان سے قریب تر ضرور ہے، کیونکہ اقوام سامیہ کا مسکن اولی عرب تھا، یعنی بالفاظ دیگر لغات آریہ (ہندیورپی شاخ) مین سنسکرت کی جو حیثیت ہے اس سے

کہین زیادہ قریب کی ہے، لغات سامیہ پر اس مسئلہ پر مین نے اپنی کتاب ادب العرب مین پوری بحث کی ہے، غرضکہ جب عربی زبان کو السنۂ سامیہ کی مان سے قریب تر سمجھ لیا گیا ہے تو اس صورت مین جو الفاظ آرامی عبرانی اور عربی مین مشترک ہون گے وہ عربی کے الفاظ سمجھے جائین گے نہ کہ آرامی و عبرانی کے، اگر یہ بات تسلیم نہ کیجائے، تو کم ازکم یہ توضرور ماننا پڑے گا، کہ مشترک الفاظ کے لیے، ان تینون زبانون مین سے کوئی ایک بھی دوسرے کی مرہون منت نہین، مثال کے طور پر یون سمجھو کہ ہندو یورپی زبانون مین سنسکرت کو مقدم سمجھا جاتا ہے، پس سنسکرت، ژند، یونانی، اور لاطینی مین جو الفاظ مشترک ہین ان کو یا تو سنسکرت کا ماننا چاہیے، یا کم ازکم ان کا دوسری زبانون مین مستقل وجود تسلیم کیا جائے، یہ ظلم ہے کہ "پدر" کے لیے سنسکرت، ژند، یونانی اور لاطینی زبانون مین جو ایک لفظ ہے اوسے سنسکرت کا نہ مانا جائے اور یونانی و لاطینی سمجھا جائے،

اقوام سامیہ کے شروع مین صرف ایک زبان تھی، "عربی" جب وہ عرب سے نکلکر دیگر ممالک مین آباد ہوئے، تو وہان کے مقامی طبعی اقتصادی واجتماعی حالات کے ماتحت انکی اصل زبان مین فرق آجانا لازمی تھا جس طرح کہ سماترا، جاوا، کے عرب نژاد مسلمانون کی زبان، اصل عربی سے مختلف ہوکر دوسرے نام سے مشہور ہوگئی اسی طرح عربی سے آرامی وعبرانی وغیرہ زبانین مختلف ہوگئین اور کچھ زمانہ تک زندہ رہکر مردہ ہوگئین، ان کے مقابلہ مین اونکی مان یا بڑی بہن، زبان عرب وسط عرب مین پھلتی پھولتی رہی،

اس مقدمہ کے بعد عرض ہے کہ اگر لفظ "رحمٰن" یا "صلوٰۃ" عبرانی یا آرامی زبان مین جون کا تون ملجائے تو اسے عبرانی یا آرامی نہ سمجھو بلکہ خاص عربی کا لفظ جانو، ہان اگر غیر سامی لفظ عربی مین ملے تو وہ البتہ دوسری زبان کا لفظ ہے کیونکہ عربی کو غیر سامی زبان سے کچھ تعلق نہین، مثلاً سراج سامی لغت کا لفظ نہین، چراغ کا معرب ہے، مگر رحمٰن یا صلوٰۃ کو عربی لفظ نہ سمجھنا ظلم ہے،

اول الذکر لفظ کو دیکھو کہ مادۂ رحم سے مشتق ہے جو اپنے جملہ مشتقات کے ساتھ عربی مین کس قدر مستعمل ہے، صیغہ بھی عربی صرف کے مطابق، رحیم و رحمٰن کی وہی صورت ہے جو ندیم و ندمان کی ہے، پھر کوئی وجہ نہین کہ اسے غیر عربی سمجھا جائے،

قرآن شریف کی آیت واذا قیل لھم اسجدوا للرحمٰن قالوا وما الرحمن سے یہ استدلال کرنا کہ یہ غیر عربی لفظ ہے صحیح نہین، چونکہ لفظ رحمٰن علاوہ صفت ہونے کے، علَم کی حیثیت سے بھی مستعمل ہوتا تھا، تو کفار نے آنحضرتؐ سے کہا کہ کبھی تم اللہ کی پرستش کے لیے کہتے ہو اور کبھی رحمٰن کی عبادت کے لیے، چنانچہ اس سے آگے کا جملہ انسجد لما تامرنا صاف بتا رہا ہے کہ کافرون کی مراد یہ تھی کہ کیا ہم ایسے بے مذہب اور بے اصول ہو گئے کہ تم جسکو کہو گے اس کو سجدہ کرین گے، بخاری کی روایت مین ہے کہ جب حضرت علیؓ نے عہدنامہ کی پیشانی پر بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھا تو قریش نے کہا کہ ہم رحمٰن کو نہین جانتے، ظاہر ہے کہ یہ انکار لفظ کی حقیقت و معنی سے نہ تھا بلکہ بعض دیگر مذاہب والے اپنے معبود کو رحمٰن کہتے تھے، کفار نے اس معبود کے ماننے سے انکار کیا، اسکی مثال یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ہم سے کہے کہ "مسیح موعودؑ نے یہ فرمایا ہے اور "مسیح موعودؑ" سے مراد غلام احمد صاحب قادیانی کو لے تو ہم یہ جواب مین کہین گے کہ ہم "مسیح موعودؑ" کو نہین جانتے، اس انکار سے یہ لازم نہین آتا کہ ہم لفظ مسیح موعودؑ سے واقف نہین، یا ہماری زبان کا لفظ نہین،

ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رحمٰن عبرانی لفظ ہے، اگر یہ روایت صحیح ہے تو اس کے صرف یہ معنی ہو سکتے ہین، کہ اس لفظ کو زیادہ تر یہود و نصاریٰ اور بعض دیگر ارباب مذہب بولتے تھے قریش اپنے غیر مذہب والون کے معبود کا نام سمجھکر استعمال نہین کرتے تھے، چنانچہ خداوند تعالیٰ کفار کی غلط فہمی دور کرنے کے فرمایا،

قل ادعوا اللہ او ادعوا الرحمن ایاما   یعنی اے رسول ان کافرون سے کہدے کہ خدا کہکر، تدعوا فلہ الاسماء الحسنیٰ،   یا رحمن کہکر اس کے لیے سب اچھے نام ہین،

عربی مین معدودے چند الفاظ ایسے ہین کہ ان کا مادہ یا ماخذ مشخص نہین ہوتا کیونکہ اس مادہ کے دیگر مشتقات جو اس لفظ کے ہم معنی ہون عربی مین مستعمل نہین ہوتے ایسے الفاظ کا مادہ معلوم کرنے کے لیے علمائے لغت کو قدرے دشواری پیش آتی ہے، اور اس کے دو طریقے ہین، ایک تو یہ کہ دوسری سامی زبان مین اس مادہ کے مشتقات پا کر اس لفظ کو اس زبان سے منسوب کر دیتے ہین، مگر یہ غلط طریقہ ہے کیونکہ کیا یہ ممکن نہین کہ فی الواقع وہ لفظ عربی ہی کا ہو، لیکن مرور قرون سے دیگر مشتقات کا استعمال عربی مین متروک ہوگیا، اور دوسری سامی زبانون مین باقی رہا، دوسرا طریقہ جو صحیح ہے یہ ہے کہ اس لفظ کو عربی ہی کا سمجھا جائے، اور ساتھ ہی کسی ایسے عربی مادہ کو اوس کا ماخذ قرار دیدیا جائے جس مین اس لفظ کا ماخذ بننے کی صلاحیت ہو، اس قسم کے الفاظ، لفظ برہان اور منبر وغیرہ ہین، ان کے لیے طریقہ اول کے مطابق مستشرقین یورپ کا خیال ہے کہ یہ عربی کے نہین، حبشی کے لفظ ہین، مگر یہ خیال غلط ہے، صاحب قاموس نے طریقہ دوم کی بنا پر ان کو بالترتیب برہن اور نبر سے جس کے معنی بلندی و بلند کرنے کے ہین نکالا ہے، اور یہ صحیح ہے،

علم لغت کی تدوین دوسری تیسری صدی ہجری مین شروع ہوئی، اگر ایام جاہلیت مین بھی علم لغت مدون ہو جاتا اور کتابین تصنیف ہو جاتین، تو ایسے شاذ و نادر الفاظ کے ماخذ مقرر کرنے مین کوئی دشواری نہ ہوتی، دو سو تین سو برس کے بعد مسلمانون نے علم لغت کی تدوین کی طرف توجہ کی تو وہ اب کس طرح یقین کے ساتھ بتا سکتے تھے، کہ ایسے الفاظ کی اصلیت کیا ہے،

قرآن شریف مین ان نام نہاد غیر عربی سامی الفاظ کا مستعمل ہونا صاف بتا رہا ہے، کہ اہل عرب ان الفاظ کو عہد نبوی مین عام طور پر بولتے تھے، خواہ ہمین اشعار جاہلیت سے

شہادت ملے یا نہ ملے، کیونکہ اس زمانہ کے کلام کا عشر عشیر بھی ہم تک نہین پہنچا، اگر ایام جاہلیت مین یہ الفاظ عربی مین مروج نہ ہوتے تو قرآن شریف مین بھی نہ آتے ورنہ قریش کے فصحا نئے اور غیر مانوس الفاظ کا استعمال پاکر قرآن شریف پر بہت اعتراض کرتے اور اسے کلام الٰہی ہرگز نہ مانتے، کیا آج اردو کا ادیب کوئی ایسا غیر اردو لفظ استعمال کر سکتا ہے جسکو اس سے پہلے کسی نے اردو مین مطلق استعمال نہ کیا ہو، مولانا کا پہلا استدلال یہ ہے کہ یہ لفظ "صلوتا" سے نکلا ہے جو آرامی زبان کا لفظ ہے، کیونکہ عربی قبل از اسلام مین یہ لفظ مع مشتقات کہین مستعمل نہین ہوا،

مین جو کچھ اوپر عرض کر آیا ہون اسکی بنا پر یہ ناممکن ہے کہ قرآن شریف نے ایسے لفظ کو استعمال کیا ہو، جو اس سے پہلے عربون کی زبان پر مروج نہ ہو، اگر ایام جاہلیت کی شاعری مین اس لفظ یا اس کے مشتقات کا استعمال نہ ملے تو اس کے یہ معنی ہرگز نہین کہ یہ لفظ جاہلیت کی عربی مین مستعمل نہ ہوا ہوا، کیا ہمارے پاس ایام جاہلیت کا تمام کلام موجود ہے علاوہ برین ایک شعر اعشیٰ کا تو خود فاضل مضمون نگار نے حاشیہ ذیل مین نقل کیا ہے، جس مین لفظ صلّی آیا ہے اور وہ یہ ہے،

وقابلها الریح فی دنها   وصلّی علی دنها وارتسم

مگر ساتھ ہی یہ بھی تحریر فرما دیا ہے کہ مجھے اس قرأت پر شبہہ ہے وجہ شبہہ کچھ تحریر نہین فرمائی جب لغت کی مستند کتابون مین اسکا حوالہ موجود ہے تو پھر شبہہ کی کیا بات مولانا کے نزدیک صرف یہی ایک مثال ہے استعمال صلّی کی، عربی قبل از اسلام مین، مگر لسان العرب مین اس کے علاوہ اعشیٰ کا ایک اور شعر نقل ہے جس مین لفظ صلّی آیا ہے اور وہ یہ ہے (لسان جز ۱۲، ص ۱۹۸)

علیک مثل الذی صلیت فاغتمضی   یوماً فان لجنب المرء مضطجعا

تیسرا شعر ابن جریر طبری نے اپنی تفسیر مین نقل کیا ہے، (تفسیر ابن جریر جز اول صلہ)

لہا حارس لا یبرح الدھر بیتہا وان ذبحت صلّی علیہا و زمزما

چوتھا شعر نابغہ ذبیانی کا ہے، جس صلوٰۃ بمعنی دعائے رحمت آیا ہے ؂

فآب مصلوہ بعین جلیۃ وغودر بالجولان حزم ونائل

جب سرسری تلاش سے جاہلیت کے ایسے چار شعر دریافت ہوگئے جس مین لفظ صلّی آیا ہی تو یہ کہنا کہ عربی قبل از اسلام مین یہ لفظ مستعمل نہین ہوا بالکل غلط ہے،

قرآن شریف مین صرف اللہ کا ایسا لفظ ہے جس کے نسبت جائز طور پر یہ خیال ہو سکتا ہی کہ قرآن شریف سے پہلے عربی مین مستعمل نہ ہوا ہوگا، لیکن جب اشعار جاہلیت مین یہ لفظ بھی ملتا ہی تو صلوٰۃ جیسے الفاظ کے نہ ملنے کی کیا وجہ؟ -

مولانا کا دوسرا استدلال یہ ہے کہ قرآن شریف مین غیر زبان کے الفاظ کا املا یہ ہے، کہ درمیانی الف کو املا مین نہین دکھلاتے، صرف اس سے پہلے حرف پر الف بنا دیتے ہین، مثلاً "اسماعیل" کا "املا اسمٰعیل" اور رحمان کا "رحمٰن" ہے، لفظ "صلاۃ" قرآن شریف مین "صلوٰۃ" لکھا جاتا ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ غیر عربی لفظ ہے،

جواب مین عرض ہے کہ اگر یہ استدلال صحیح ہوتا، تو "صلاۃ" "صلت" لکھا جاتا نہ کہ "صلوٰۃ" یہ واؤ کیسا؟

مولانا از راہ انصاف پسندی تسلیم کرتے ہین کہ بہت سے عربی الفاظ بھی اسی طرز مین لکھے جاتے ہین، مثلاً "ظالمین" کو "ظلمین" لکھتے ہین، یا اسکا برعکس بعض غیر عربی الفاظ پورے الف کے ساتھ لکھے جاتے ہین، مثلاً سراج جو یقینی طور پر غیر سامی لفظ ہے، بغیر الف نہین لکھا جاتا، لیکن مولانا ساتھ ہی ساتھ یہ بھی فرماتے ہین کہ عربی الفاظ کو نصف الف سے لکھنا محض کاتبون کی سہولت پسندی کا نتیجہ ہے، اور غیر عربی الفاظ کو پورے الف سے لکھنا ان کی غفلت کا مولانا کا یہ محض قیاس ہی قیاس ہے، پرانی سے پرانی تحریرات مین مولانا کے مدعا کے خلاف پایا جاتا ہی،

عربی وغیر عربی الفاظ کو ادھورے الف سے لکھنے کا قاعدہ زمانۂ نبوت سے جاری ہے، چنانچہ وہ خط جو آنحضرت صلعم نے مقوقس کے نام لکھا تھا اور جو اصل حال میں دستیاب ہوا ہے، اوسکے فوٹو سے معلوم ہوتا ہے کہ لفظ اللہ جو یقیناً عربی لفظ ہے ادھورے الف سے تحریر ہے، بات صرف اتنی ہے کہ خواہ عربی الفاظ ہون یا غیر عربی، کاتبین درمیانی الف کو اکثر ظاہر نہین کرتے اور صرف حرف ماقبل پر الف بنا دینا کافی سمجھتے ہین، اس طرز املا کے لیے عربی یا غیر عربی الفاظ کی کوئی خصوصیت نہین اگر موسا وعیسا کو موسیٰ اور عیسیٰ لکھتے ہین تو ان کے غیر عربی ہونے کی وجہ سے نہین بلکہ عربی کا رسم املا بھی یہ ہے کہ اسمائے ناقص یائی کو یا کے ساتھ لکھتے ہین مثلاً اعلیٰ، اقصیٰ، حمیٰ وغیرہ، رہا مولانا کا یہ فرمانا کہ زکاۃ کو زکوۃ اور حیاۃ کو حیوۃ محض اس وجہ سے لکھا جاتا ہے کہ یہ دونون لفظ صلاۃ کی طرح آرامی لفظ ہین، نہایت تعجب خیز ہے کیونکہ ان دونون لفظون کے مشتقات جاہلیت کے ادب مین بکثرت مستعمل ہوئے ہین،

قرآن شریف مین مناۃ کا املا جو عربون کا ایک بت تھا، منوۃ ہے کیا یہ غیر عربی لفظ ہے اور کیا ربا عربی لفظ نہین جو ربوٰ کی شکل مین لکھا جاتا ہے، بات یہ ہے کہ مولانا مستشرقین سے ایسے مرعوب ہوگئے ہین کہ ان کے رکیک سے رکیک اجتہاد کے سامنے سر جھکا لیتے ہین، ان لوگون کی تبحر علمی اور تحقیق و تدقیق کا یہ عالم ہے کہ مار گولیتھ لفظ اللہ کے لیے لکھتا ہے کہ یہ قریش کا مذکر دیوتا ہے اور اللات اسکی تانیث ہے، لفظ زندیق کی بابت یورپ کے ایک مشہور مشرق شناس کی رائے ہے کہ یہ آرامی لفظ صدیقی کا مفرس ہے، مگر ڈاکٹر عبد الستار صدیقی نے حال ہی مین اس تحقیق کو غلط ثابت کیا ہے،

مین آرامی زبان نہین جانتا، انسائیکلوپیڈیا آف اسلام مین لفظ صلوۃ پر جو آرٹیکل ہے اس مین لکھا ہے کہ آرامی مین مادہ صلا ہے جس کے معنی جھکنے خم ہونے کے ہین

صلوتا اس سے اسم ہے، جس کے معنی بھی جھکنے اور خم ہونے کے ہین اس مین یہ نہین لکھا کہ صلوتا کے معنی مسجد کے ہین،

عربی مین بھی یہ مادہ موجود ہے، لیکن ثلاثی مجرد سے نہین آتا، باب تفعیل کی بھی تو ابتدا خاصیت ہے جس کے یہ معنی ہین کہ اس معنی مین وہ مادہ ثلاثی مجرد سے نہین آتا، ایسے بیشمار الفاظ ہین خاص عربی کے جو ثلاثی مجرد سے نہین آتے اور ثلاثی مزید سے آتے ہین، مثلاً بغض اور تبغیض کہ ان کی گردان باب افعال سے آتی ہے نہ کہ مجرد سے، عربی مین صلاۃ کے معنی دعا کرنے کے ہین، جیساکہ اعشیٰ وغیرہ کے شعرون سے ظاہر ہے، دعا چونکہ مخ العبادۃ ہے اس لیے نماز کو بھی کہتے ہین، آنحضرتؐ کے زمانہ سے نہین، بلکہ ہمیشہ سے، جس طرح آرامی صلاٗ سے اسم صلوتا بنا، اسی طرح یہان صلاۃ ہوا، اگر یہ لفظ آرامی مین بھی پایا جاتا ہے اور عربی مین بھی، تو کیا اس کے یہ معنی ہین کہ یہ آرامی لفظ ہے،

علاوہ برین عربی کا مشہور عالم لغت زجاج کہتا ہے کہ صلوۃ کی اصل لزوم ہے صلی (ثلاثی مجرد) کے معنی "لزم" کے ہین، اسے یجیے، اس بنا پر صلوۃ کی حقیقت ثلاثی مجرد سے بھی نکل آئی، جس قدر عربی کے لغت کی کتابین ہین، ان مین سے کسی مین بھی صلوۃ کو غیر عربی نہین کہا گیا لسان العرب مین کئی ایک وجوہ دیئے گئے ہین، (ملاحظہ ہو لسان العرب جز ۱۹ صفحہ ۱۱۹) اب ایک اعتراض باقی رہجاتا ہے، اور وہ یہ کہ اگر صلوۃ عربی لفظ ہے تو پھر اس کے مختلف ماخذ مقرر کرنے کی کیا ضرورت پیش آئی،

اس کا جواب یہ ہے کہ ہر زبان مین ایسے الفاظ بے شمار ہوتے ہین جن کے لغوی و عرفی معنون مین کئی وجوہ سے مطابقت ہوتی ہے، "عرب" خاص عربی لفظ ہے مگر ملک عرب کو "عرب" کیون کہا جاتا ہے، اس کے کئی وجوہ بیان کئے جاتے ہین، "عروض" کے عربی نہ ہونے سے کون انکار کرسکتا ہے، مگر علم عروض کو عروض کہنے کی کئی وجہین بتائی جاتی ہین، علاوہ برین لغوی و عرفی

معنون مین مطابقت کرنے ہی کی ضرورت نہین پڑتی، بلکہ علم لغت کی کتابین دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بے شمار ایسے الفاظ ہین، جن کے صرف لغوی معنی ہی بیان کرنے کے لیے تعلیل و توجیہ کی ضرورت ہوتی ہے، اور وہ توجیہ ضروری نہین کہ ہمیشہ ایک ہو، پس اگر لفظ "صلوٰۃ" یا "تصلیہ" کے معنی نماز و ادائگی نماز مقرر کرنے مین ایک سے زیادہ توجیہ بیان کیگئی تو اس کے یہ معنی نہین ہین کہ لفظ "صلوٰۃ" عربی نہین ہے،

لفظ "صلوٰۃ" کو شرعی اصطلاح کہا گیا ہے، اس سے یہ مراد ہرگز نہین کہ لغوی معنی، اصطلاحی معنی سے بالکل مختلف ہین، قرآن شریف سے پہلے بھی صلوٰۃ نماز کے معنی مین مستعمل ہوتا تھا، اسلام نے صرف اس قدر خصوصیت اور دیدی کہ اب صلوٰۃ سے مراد محض اسلامی نماز ہے یعنی اقم الصلوٰۃ کے یہ معنی ہین کہ رسول کی بتائی ہوئی نماز پڑھو،

مولانا کا تیسرا استدلال یہ ہے کہ قرآن شریف مین دو موقعون پر لفظ "صلوٰۃ" ایسا آیا ہے کہ ایک جگہ تو بالاتفاق اس کے معنی مسجد کے ہین اور دوسری جگہ قدرے اختلاف ہے، وہ دو موقع یہ ہین

(الف) لھدمت صوامع وبیع وصلوات ومساجد

(ب) لاتقربوا الصلوٰۃ وانتم سکاریٰ

مولانا فرماتے ہین کہ پہلی آیت مین "صلوٰۃ" کو سب مفسرین و علمائے لغت کنائس الیہود و مواضع الصلوٰۃ مراد لیتے ہین اور اسے عبرانی لفظ بتاتے ہین جسکی اصل "صلوتا" ہے،

اوّل تو انسائیکلوپیڈیا آف اسلام مین صلوتا کے معنی جھکنے کے لکھے ہین نہ نماز گاہ کے دوسرے اگر اس کے معنی نماز گاہ کے بھی ہین، تو مین یہ عرض کرتا ہون کہ یہان چار اسمائے ظرف (بمعنی عبادتگاہ) مستعمل ہوئے ہین، یہ چارون الفاظ عربی الاصل ہین صوامع وبیع عیسائیون کی عبادت گاہین اور صلوات یہودون کے کنیسا اور مساجد مسلمانون کی نماز گاہین، ان مین سے تین کے عربی الاصل

ہونے مین توکچھ شک نہین، صرف لفظ صلوات زیر بحث ہے، ممکن ہے عبرانی مین یہ لفظ عام نمازگاہ کے لیے مستعمل ہوتا ہو، سیاق کلام سے اور نیز مفسرین کے قول سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہودیون کے کنیسون کو صلوات کہتے ہین، کیا محض اس وجہ سے کہ کنایس الیہود کو صلوات کہتے ہین، یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ عربی مین صلوۃ بمعنی نمازکے ہے ہی نہین، قرآن شریف مین صرف ایک جگہ یہ آیا ہے جس کے معنی بھی "مطلق نمازگاہ" کے نہین بلکہ کنایس الیہود کے ہین، جسکا اطلاق عیسائیون کے صوامع اور مسلمانون کی مساجد پر نہین ہوسکتا، اگر بفرض محال "صلوات" کے معنی مطلق نمازگاہ کے بھی ہین، توکم ازکم اس آیت کریمہ سے یہ ثابت ہے کہ خدا نے مسلمانون کی نمازگاہون کے لیے "مساجد" فرمایا نہ کہ "صلوات"، چنانچہ نہ قرآن مین نہ حدیث مین نہ کسی ادب کی کتاب مین کہین بھی صلوات بمعنی مساجد مستعمل نہین ہوا، کیا مولانا بتا سکتے ہین کہ صلوات المسلمین مساجد المسلمین کے معنی مین آیا ہے،

علاوہ برین، اقیموا الصلوٰۃ مین صلوۃ بمعنی مسجد "اقیموا" کے مفعول ہونے کی صلاحیت ہی نہین رکھتا، کیا اقام المسجد کہنا صحیح ہے، کیا مولانا کوئی نظیر پیش کرسکتے ہین، جو مفہوم مولانا اقیموا الصلوۃ سے نکالنا چاہتے ہین، اسکو خداوندتعالیٰ نے بجاے اقامۃ الصلوۃ کے "تعمیر مساجد" سے اداکیا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، انما یعمر مساجد اللہ من آمن باللہ والیوم الآخر واقام الصلوٰۃ واتی الزکوۃ ولم یخش الا اللہ الخ دیکھئے آبادی مسجد اور اقامت الصلوٰۃ دو مختلف چیزین ہین، قرآن شریف مین دوسری جگہ تعمیر مسجد کے لیے لفظ اتخاذ آیا ہے، ان الذین اتخذوا مسجداً ضراراً، الخ، پھر آگے ہے لاتقم فیہ ابداً، یہان صاف ظاہر ہے کہ قیام فی المسجد سے مراد قیام صلوۃ ہے، اور کوئی معنی ممکن ہی نہین، اسی "لاتقم فیہ" کا متعدی اقام الصلوۃ ہے،

علاوہ برین اقامت اصطلاح شرع مین بمعنی تکبیر آتا ہے، جو "اقامۃ الصلوۃ" بمعنی اداے نماز

کے لیے شاہد ہے،

رہی دوسری آیت لاتقربوا الصلوٰۃ، یہان لفظ صلوٰۃ کے مفہوم کی بابت علمائے مفسرین مین قدرے اختلاف ہے، اکثر نے تو صلوٰۃ سے مراد نماز ہی لی ہے، قرآن شریف مین اس قبیل کی کئی ایک آیتین ہین، مثلاً، لاتقربوا الزنا، ولاتقربوا مال الیتیم، لاتقربوا الفواحش، اور بعض مفسرین یعنی زمخشری، ابوجعفر طوسی، اور مصنف صافی؛ صلوٰۃ سے مراد مواضع الصلوٰۃ لیتے ہین لیکن صلوٰۃ بول کر مواضع الصلوٰۃ مراد لینا لغوی بحث نہین ہے، اسکا تعلق علم بلاغت سے ہے، یعنی مظروف بولکر ظرف مراد لینا، یا حذف مضاف جس طرح واسأل القریۃ، الایۃ مین قریہ سے اہل قریہ مراد ہین، اور ان دونون صورتون کا تعلق علم بیان سے ہے نہ کہ علم لغت سے، اور یہ بات ہمارے خلاف نہین ہے، کیونکہ ان تینون مفسرین مین سے کسی نے اس آیت مین لفظ صلوٰۃ کے متعلق لغوی بحث کرکے یہ نہین کہا کہ یہ عبرانی لفظ ہے، چنانچہ زمخشری کے الفاظ تو یہ ہین، معناہ لاتقربوا مواضعہا وھی المساجد، ابوجعفر کہتے ہین لاتقربوا اماکن الصلوٰۃ غرض کہ ان علمار نے یہان حذف مضاف یا مجاز مرسل قرار دیا ہے، البتہ آیت لھدمت صوامع وبیع صلوات مین ان مفسرین نے صلوات کو کنیس الیہود قرار دیا ہے اور عبرانی لفظ بتلایا ہے، لاتقربوا الصلوٰۃ مین بھی صلوٰۃ وہی عبرانی لفظ ہوتا تو یہ ظاہر کر دیتے اور مواضع الصلوٰۃ وغیرہ نہ لکھتے،

مولانا نے الزبیدی کا قول نقل کیا ہے جس مین کوئی بات مولانا کے موافق یا ہمارے خلاف نہین، اور وہ قول یہ ہے،

والصلوٰۃ اختلف فی وزنہا ومعناہا	ترجمہ، لفظ صلوٰۃ کے وزن ومعنی کی بابت اختلاف
اما وزنہا فقیل فعلۃ بالتحریک وھو	ہے، بعض کے نزدیک اسکا وزن فعلہ بحرکت عین ہے
الظاھر المشھور، وقیل بالسکون	اور یہ قول مشہور ہے بعض کے نزدیک بسکون عین ہے

فتكون حركة العين منقولة من اللام
قاله شيخنا واما معناها فقيل الدعاء
وهو اصل معانيها ومنه قول الاعشى
وصلى على دنها وارتسم، اى دعا لها
ان لا تحمض ولا تفسد . . . . والصلاة
عبادة فيها ركوع وسجود وفي المزهر
انها من الكلمات الاسلامية وفي الكل نظر

مگر لام کی حرکت اس کو مل گئی، یہ ہمارے استاد کا قول ہے، اور رہے اس کے معنی، پس کہا گیا ہے کہ اس کے معنی دعا کے ہین اور یہی اس کے اور معانی کی بنیاد ہے، چنانچہ اعشیٰ کا قول ہے وصلی علی الخ . . . . اور صلاۃ رکوع وسجود والی عبادت کو کہتے ہین اور مزہر مین ہے کہ یہ لفظ کلمات اسلامیہ مین سے ہے،

فاضل زبیدی اس لفظ کا غیر عربی ہونا ہرگز نہین مانتا، وہ آگے چلکر کہتا ہے،

وان ارادوا ان الشرع ارتجل هذه
اللفظة فذلك ينافيه قوله تعالى انا
انزلناه قرآنا عربيا۔ وفي الصحاح
الصلاة واحدة الصلوات المفروضة
وهو اسم يوضع موضع المصدر
وصلى صلاة ولا يقال صلى تصلية

اور اگر یہ کہا جائے کہ شریعت نے سب سے پہلے یہ لفظ استعمال کیا ہے تو یہ خیال آیت کریمہ انا انزلناہ قرآنا عربیا کے خلاف ہے اور صحاح مین ہے کہ صلاۃ صلوات مفروضہ کا واحد ہے اور وہ اسم ہے جو مصدر کی جگہ استعمال کیا جاتا ہے، صلّی صلاۃ کہتے ہین اور صلی تصلیۃ نہین کہتے،

یہانتک کوئی بات زبیدی نے خلاف نہین کی، بلکہ جو کچھ کہا ہمارے موافق کہا، وہ اس لفظ کا غیر عربی ہونا گوارا نہین کرتا البتہ پہلی آیت مین صلوات کی تحقیق مین حسب معمول کنائس یہود کہتا ہے، لا تقربوا الصلوٰۃ کی تفسیر مین یہی فاضل لکھتا ہے کہ یہان بحذف مضاف مراد مساجد سے ہے، آگے چلکر کہتا ہے کہ صلوات چھوٹے صومعون کو کہتے ہین، لیکن اسکا واحد ہم نے نہین سنا، یعنی زبیدی کی رائے مین صلوات کا واحد، صلاۃ بمعنی مسجد وکنیسہ کبھی مستعمل نہین ہوتا،

یہ بیان سراسر مولانا کے خلاف ہے، اس کے بعد مولانا فرماتے ہین کہ علمائے لغت اور مفسرین نے لفظ صلوۃ کا عربی ماخذ معلوم کرنے کے لیے بیکار کوشش کی، اس موقعہ پر آپ نے چند علمائے لغت کے اقوال نقل کئے ہین مگر کسی قول سے مولانا کی تسکین نہ ہوئی، سمجھ مین نہین آتا کہ جب ان لوگون کو یہ معلوم تھا کہ صلوات بمعنی کنایس عبرانی لفظ موجود ہے تو صلاۃ بمعنی نماز کی لغوی تحقیق کے لیے اس کوہ کندن وکاہ برآوردن سے کیا فائدہ تھا،

آگے چلکر مولانا لکھتے ہین کہ اب ثابت ہوگیا کہ یہ لفظ آرامی ہے جس کے معنی عبادت گاہ کے ہین، اور قرآن شریف مین لفظ "صلوۃ" کے یہی ابتدائی معنی ہین، آپ فرماتے ہین کہ عربی کا کوئی لفظ اس مفہوم کو خوبی کے ساتھ ادا نہین کرسکتا، جیسا کہ آرامی لفظ صلوتا کی شکل معرب،

کیا خوب! یہ تو آپ نے سچ فرمایا کہ اس سے بہتر اور کوئی لفظ اس مفہوم کو ادا نہین کرسکتا تھا، مگر اس سے یہ کہان ثابت ہوگیا کہ یہ عربی لفظ نہین، آپ تو محض لفظ "صلوۃ" کی بابت یہ فرماتے ہین اور میرا اعتقاد ہے کہ قرآن مین جو لفظ جہان جو مفہوم ادا کر رہا ہے اس جگہ اس سے بہتر اور کوئی لفظ اس مفہوم کو ادا نہین کرسکتا،

اس بحث کے بعد آگے چلکر آپ فرماتے ہین کہ قرآن مین صلاۃ کے معنی "مسجد" ہی کے نہین ہین، بلکہ دعا و استغفار کے بھی ہین جسکی تائید مین آپ نے ایک حدیث شریف نقل کی ہے، من دعی الی الولیمۃ فلیجب وان کان صائما فلیصل، اس مین ایک ٹکڑا ان کان مفطرا فلیاکل رہ گیا ہے، مولانا کے حدیث نقل کرنے سے معلوم ہوا کہ مولانا احادیث کے قائل ہین، لفظ "صلوۃ" کے معنی مشخص و معین کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ یہ بتایا جائے کہ خود آنحضرت صلعم نے کیا معنی بتائے اور سامعین نے نزول قرآن کے وقت کیا معنی سمجھے، اور یہ صرف احادیث صحیحہ سے معلوم ہوسکتا ہے، صحاح ستہ کی ایک حدیث بھی مولانا پیش نہین کرسکتے جس مین اقیموا الصلاۃ کے معنی قیموا المسجد ہو

مولانا کے معتقد بالحدیث ہونے سے مطمئن ہوکر کچھ احادیث سند مین پیش کرونگا مگر ذرا آگے چل کر مولانا نے ابوالبقا کا قول نقل کیا ہے : صلوٰۃ الرب علی النبی تعظیم الحرمۃ ، وصلوٰۃ الملائکۃ اظہار الکرامۃ وصلوٰۃ الامۃ طلب الشفاعۃ ، اس کے متعلق کچھ اختلاف نہین لیکن اس سے ذرا آگے چلکر مولانا نے راغب اصفہانی کا قول نقل کیا ہے ،

الدعاء یکون بالخیر والشر ، والصلوٰۃ لاتکون الا فی الخیر . . . وکل موضع مدح اللہ تعالیٰ بفعل الصلوٰۃ او حث علیہ ذکر بلفظ الاقامۃ ، نحو والمقیمین الصلوٰۃ وغیرہ یہ تمام اقتباس مولانا کے خلاف ہے ، اسلیے اصفہانی نے "صلاۃ" کے معنی دعائے خیر کے لیے ہین ، مگر یہان مولانا نے راغب اصفہانی کے مفہوم کو غلط سمجھا ہے ، اصفہانی کا منشا صرف یہ ہے ، کہ "صلوا الصلوٰۃ" و "اقیموا الصلوٰۃ" مین بڑا فرق ہے ، اقامۃ الصلوٰۃ کے معنی یہ ہین کہ نہایت عمدگی تعدیل ارکان وطمانیت قلب کیساتھ نماز پڑھی جائے ، یہ بحث آگے آئیگی ، رہا ان کا یہ کہنا کہ مصلین منافقین کے لیے مستعمل ہوتا ہے ، صحیح نہین ، کیونکہ مصلّین کے معنی نماز پڑھنے والون کے ہین ، نہ کہ ریاکار نمازیون کے البتہ جب اس کے ساتھ ایسا قرینہ آجاتا ہے جس کے معنی ریا و نفاق کے ہون تو البتہ اس سے ریاکار نمازی مراد ہوتے ہین ، مثلاً آیت کریمہ فویل للمصلین الذین ھم عن صلاتھم ساھون الذین ھم یرآءون مین مصلّین کے معنی مین بقیہ الفاظ کی وجہ سے برے معنی داخل ہوگئے ، اور رہی یہ روایت "ان المصلین کثیر و المقیمین لھا قلیل ، اس کا یہ مطلب ہے کہ سرسری طور پر نماز پڑھنے والے بہت ہین مگر تعدیل ارکان کے ساتھ نماز ادا کرنے والے کم ہین ، ورنہ کلیتہ یہ کہدینا کہ مصلین ہمیشہ منافقین کے لیے آیا صحیح نہین ، کیونکہ صلّی ایک سے زیادہ مقامات پر عمدہ مفہوم کے ساتھ قرآن مین مستعمل ہوا ہے ، مثلاً

۱- الذی ینھی عبدًا اذا صلّی ، چونکہ یہ سورہ علق کی آیت ہے ، بہت ممکن ہے کہ

عبد مصلّی سے مراد جناب رسالتمآب ہی ہون،

۲- وذکر اسم ربہ فصلّی

۳- فلا صدق ولا صلّی

۴- انا اعطیناک الکوثر فصلّ لربک وانحر

خود لفظ مصلین بھی دو جگہ اچھے معنی مین مستعمل ہوا ہے،

۱- الا المصلین الذین ہم علی صلوٰتہم دائمون،

۲- ولم نک من المصلّین،

اس کے بعد مولانا فرماتے ہین کہ ہم "نماز گاہ" کے علاوہ لفظ صلوٰۃ ان اور چار معنون مین مستعمل ہونا فرض کئے لیتے ہین،

۱- بمعنی دعا عموماً و دعائے خیر خصوصاً

۲- بمعنی نماز مقررہ شکل مین،

۳- رحم ومغفرت کی دعا امت کے لیے،

۴- رسول مقبولؐ کے لیے تعظیم وتکریم،

لیکن اب سوال یہ ہوتا ہے کہ کس موقعہ پر کیا معنی لیے جائین، مولانا نے ان سب آیات کریمہ کی جنمین لفظ صلوٰۃ یا اس کے مشتقات آئے ہین، ایک قریب قریب مکمل فہرست دی ہے کل ۱۰۰ یا ۱۰۲ کے قریب قرآن شریف مین صلوٰۃ مع مشتقات کے مستعمل ہوا ہے، مولانا کے نزدیک مندرجہ ذیل اٹھارہ انیس موقعون پر صلوٰۃ، مندرجہ بالا معانی اربعہ مین سے کسی نہ کسی معنی مین مستعمل ہوا ہے،

۱- اولئک علیہم صلوات من ربھم، سورہ ۲-آیتہ ۱۵۶

۲۔ وھو قائم یصلی فی المحراب	سورۃ	۳	آیۃ	۳۸
۳۔ ان صلاتی ونسکی الخ	"	۶	"	۱۶۲
۴۔ ماکان صلاتھم عند البیت الا مکاء وتصدیۃ	"	۸	"	۳۶
۵۔ لا تصل علی احد منھم	"	۹	"	۸۴
۶۔ وصلوات الرسول،	"	۹	"	۹۹
۷۔ ان صلاتک سکن لھم،	"	۹	"	۱۰۳
۸۔ اصلوتک تامرک	"	۱۱	"	۳۳
۹۔ ولا تجھر بصلاتک	"	۱۷	"	۱۱۰
۱۰۔ الذین ھم فی صلوتھم خاشعون،	"	۲۳	"	۱
۱۱۔ کل قد علم صلاتہ وتسبیحہ	"	۲۴	"	۴۱
۱۲۔ واقمن الصلوۃ	"	۳۳	"	۳۳
۱۳۔ ھو الذی یصلی علیک الخ	"	۳۳	"	۴۲
۱۴۔ ان اللہ وملائکتہ یصلون علی النبی	"	۳۳	"	۵۶
۱۵۔ قالوا لم نک من المصلین،	"	۷۴	"	۴۷
۱۶۔ فلا صدق ولا صلّی	"	۷۵	"	۳۱
۱۷۔ وذکر اسم ربہ فصلّی	"	۸۷	"	۱۵
۱۸۔ الذی ینھی عبدًا اذا صلّی	"	۹۶	"	۱۰
۱۹۔ فویل للمصلین	"	۱۰۷		

اور بقیہ تمام آیات مین صلوٰۃ کے معنی مسجد کے ہین،

جواب مین اول تو یہ عرض ہے کہ اٹھارہ انیس آیتون کی بابت آپنے جو یہ لکھا ہے کہ یہان معانی اربعہ مراد لیے جا سکتے ہین، اسکی دو صورتین ہین، ایک تو یہ کہ ہر جگہ چارون معنی مراد لیے جائین دوسرے یہ کہ ہر مقام پر ان مین سے کوئی ایک معنی مراد لیے جائین، پہلی صورت تو یقیناً غلط ہے، رہی دوسری صورت مولانا نے کوئی تصریح و تشریح نہین فرمائی کہ کس جگہ کون سے معنی لیے جائین، صلوٰۃ کل پانچ معانی ہوئے، ایک مسجد اور چار اوپر لکھے ہوئے، آپ نے امتیاز کرنے کے لیے چار کو انیس آیات کے لیے مخصوص رکھا اور ایک کو بقیہ مقامات کے لیے، کیا آپ سے یہ جائز طور پر توقع نہین کی جا سکتی کہ آپ ان معانی اربعہ کے لیے بھی مزید تشریح فرما دیتے، کہ کہان کیا معنی لیے جائین، جب آپ صلوٰۃ کو آرامی لفظ قرار دیکر نماز گاہ کے معنی مین لیتے ہین تو اسی لفظ صلوٰۃ کو بعض آیتون مین دعا اور نماز عرفی وغیرہ کے معنی مین اور بعض آیتون مین مسجد کے معنی مین کس اصول کی بنا پر سمجھ سکتے ہین، جب ہر جگہ وہی لفظ وہی اصل، پھر اختلاف کیسا آپ معانی اربعہ مین نماز شرعی کے مفہوم کو بھی شامل کرتے ہین، تو جب بعض آیات مین صلوٰۃ کے معنی نماز مقررہ کے ہین، تو پھر جہان کہین آپنے اسے مسجد کے معنی مین لینا چاہا ہے، وہان بھی نماز ہی کے معنی لینے مین کیا قباحت لازم آتی ہے کہ آپ کو اس قدر کاوش کرنی پڑی،

ان آیات پر جنمین "صلوٰۃ" بقول مولانا مسجد کے معنی مین آیا ہے، نظر ڈالنے معلوم ہوتا ہے کہ ان آیات مین صلوۃ زیادہ تر مفعول واقع ہوا ہے، اقامت کا اور ایک ایک دو دو جگہ امر، قضے، محافظت، قصر بہ، قیام الی، استعانت بہ وغیرہ کا،

مولانا فرماتے ہین کہ "اقامۃ الصلوٰۃ" کے معنی عام طور پر نماز ادا کرنے کے لیے جاتے ہین مگر میری تحقیق کے مطابق اس کے "معنی مسجد قائم کرنا ہین۔ آگے چلکر مولانا نے مسجد کی اہمیت اور جماعت کی تاکید کا ذکر کیا ہے، جس سے کسی مسلمان کو کچھ اختلاف نہین ہو سکتا، لیکن یہ اہمیت

دتاکید اس صورت مین بھی قائم رہتی ہے جبکہ صلوٰۃ کو نماز ہی کے معنی مین لیا جائے، اگر جماعت کی افضلیت اور مسجد کی اہمیت سے انکار ہوتا تو البتہ صلوٰۃ کے معنی مسجد ثابت کرنے کی کوشش بکار آمد اور نتیجہ دہ ثابت ہوتی، اب تو یہ کوشش تحصیل حاصل ہے، بشرطیکہ کوئی خاص فرق نہ بیان کیا جائے، لیکن مولانا نے ایک خاص بات پیدا کی ہے جو اسی وقت صحیح ہوسکتی ہے جبکہ اقامۃ الصلوٰۃ مین صلوٰۃ کے معنی مسجد کے لیے جائین، اور وہ یہ ہے کہ نماز کی معینہ صورت صرف جماعت کے لیے مخصوص ہے، منفرد شخص کے لیے نماز مقررہ آداب رکوع و سجود سے ادا کرنا ضروری نہین، عام اعتقاد تو یہ ہے کہ اگر کوئی شخص مسجد مین جاکر یا جماعت کے ساتھ نماز نہ پڑھے اور تنہا نماز بشکل عبادت مخصوصہ ادا کرے، تو اقیموا الصلوٰۃ کے فرض سے سبکدوش ہو جائے گا، گو وارکعوا مع الراکعین کی تعمیل سے محروم رہیگا، اور اگر نہ جماعت کے ساتھ اور نہ تنہا نماز بشکل مخصوص ادا کرے تو وہ دونون حکمون کی عدم تعمیل کا ذمہ دار ہے، حقیقۃ یہ ایک بالکل نیا خیال ہے، اس خیال کو کہ یا تو نماز پڑھو جماعت کے ساتھ، ورنہ ضروری نہین، ثابت کرنے کے لیے مولانا نے، لفظ صلوٰۃ کے معنی مسجد مقرر کرنے کی جو کوشش کی ہے وہ فی الواقع تحصیل حاصل کے ذیل مین نہین آسکتی،

اب ہمین یہ دیکھنا ہے کہ صلوٰۃ کے معنی مسجد کے ہوسکتے ہین یا نہین، اس کے لیے مندرجہ ذیل امور پیش نظر رکھے،

۱- ہم اوپر ثابت کر آئے ہین کہ صلوٰۃ عربی کا لفظ ہے، کسی لغت کی کتاب مین اس کے معنی مسجد کے نہین لکھے، خود آرامی زبان مین اس کے معنی جھکنے وغیرہ کے ہین نہ کہ نمازگاہ کے، قرآن شریف کی ایک آیۃ، لھدمت صوامع وبیع وصلوات ومساجد مین صلوات کے معنی سب اہل لغت نے کنائس الیہود کے لیے ہین نہ کہ مساجد کے، کیونکہ مساجد کا لفظ خود آگے موجود ہے،

اور آیۃ لا تقربوا الصلوٰۃ مین صلوٰۃ کے معنی یا تو نماز کے ہین، یا مواضع الصلوٰۃ کے، بحذف مضاف،

۲- اگر صلوٰۃ کے معنی بفرض محال عبادت گاہ کے ہین تو اس سے مراد معابد الیہود لیے جا سکتے ہین، نہ کہ مساجد المسلمین، جسطرح اردو مین لفظ گرجا سے مسلمانون کی مسجدین مراد نہین ہوتین،

۳- خود مولانا تسلیم کرتے ہین کہ بعض آیات مین صلوٰۃ کے معنی نماز مقرر کے ہین،

۴- اقامت الصلوٰۃ مین اگر صلوٰۃ بمعنی مسجد ہے تو اقام المسجد بھی جائز ہوگا مگر یہ ترکیب نہ قرآن مین نہ حدیث مین نہ ادب مین کہین نہین آئی، اگر بفرض محال یہ ترکیب صحیح بھی ہے تو اس کے یہ معنی ہوئے کہ مسجدین قائم کرو، تو اس صورت مین تین قباحتین ہین،

(الف) محض مساجد بنا دینا یا قائم کر دینا کافی ہے۔

(ب) ہر شخص کیلئے مسجد قائم کرنا فرض ہو جائے گا،

(ج) اگر دوام و مواظبت کا مفہوم بھی لیا جائے، تو اس کے یہ معنی ہون گے کہ ہمیشہ مسجدین قائم کرتے رہو، یعنی ہر مسلمان کے لیے ایک دفعہ مسجد قائم کر دینا کافی نہین بلکہ ہمیشہ مسجدین بناتا رہے، یہ مذہب کیا ہوا آفت جان ہو گیا،

۵- فاذا قضیتم الصلوٰۃ فانتشروا مین مولانا کے نزدیک صلوٰۃ کے معنی مسجد کے ہین، مگر کیا لغۃً و محاورۃً اذا قضیتم المدرسۃ یا اذا قضیتم المسجد کے یہ معنی ہو سکتے ہین "جب تم مدرسہ یا مسجد سے فارغ ہو جاؤ، اگر صلوٰۃ کے معنی نماز کے لیے جائین تو کچھ قباحت نہین،

۶- اقامت کے معنی قابل لحاظ ہین، سب مفسرین بالاتفاق لکھتے ہین کہ اقامت الصلوٰۃ کے معنی تین ہو سکتے ہین (الف) تعدیل ارکان، کیونکہ اقام العود کے معنی لکڑی سیدھی کرنے کے ہین؛ یقیمون الصلوٰۃ ای یعدلون ارکانھا ویحفظونھا من ان یقع زیغ فی افعالھا، یا (ب) مواظبت کیونکہ محاورہ اقام السوق کے یہی معنی ہین، یا (ج) مستعدی و آمادگی و اہتمام تام بالامر، اقامہ اذا جد فیہ

ان تینون معنون مین سے عام مفسرین نے پہلے معنی کو ترجیح دی ہے، کیونکہ قرآن پاک مین دوسرے لفظ کے ساتھ اقامت اسی معنی مین استعمال ہوا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، اقیموا الوزن، ابن جریر نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ اقامۃ الصلوٰۃ اتمام الرکوع والسجود والخشوع الخ، ابن الاثیر نے بھی یہی معنی لکھے ہین، یہ جو تین معنی اقامت کے اوپر بیان ہوئے ہین، یہ نماز کے ساتھ بھی مخصوص ہو سکتے ہین نہ کہ مسجد کے لیے،

۶- جماعت کی تاکید "اقامۃ الصلوٰۃ" سے ثابت نہین ہے، بلکہ دوسری آیتون، مانند وارکعوا مع الراکعین وغیرہ سے منصوص ہے،

۷- مولانا آیۂ کریمہ حافظوا علی الصلوات والصلوٰۃ الوسطیٰ مین صلوات سے عام مساجد اور صلوٰۃ وسطےٰ سے مرکزی مسجد یعنی کعبۃ اللہ مراد لیتے ہین،

آج تک کسی مفسر نے یہان یہ معنی مراد نہین لیے، سب بالاتفاق نماز مراد لیتے ہین، اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ صلوٰۃ وسطےٰ سے مراد عصر کی نماز ہے،

مین اوپر کہین لکھ آیا ہون کہ مولانا کے معتقد بالحدیث ہونے سے مطمئن ہو کر آگے احادیث نقل کرونگا، اب وہ موقع آگیا ہے، جب کسی لفظ کے مفہوم و معنی سمجھنے کے لیے زید و عمر کے قول سے استدلال کرنے کی ضرورت پڑے تو قول رسول مقبول سب سے زیادہ مقدم و مرجح ہوگا، خصوصاً اوس صورت مین جب کہ وہ لفظ ایسے کلام کا ہو جو آپ پر نازل ہوا اور جسکی تعلیم و تلقین آپ ہی نے کی ہو، اس معاملہ مین اہم سوال صحت روایت کا ہے، مگر یہ سوال، ہر عالم لغت کے قول کے متعلق یہی ناگزیر ہے، فرض کیجئے ایک لفظ قرآن کے معنی ایک عالم لغت کچھ بتاتا ہے اور حدیث نبوی مین اس کے معنی کچھ اور ہین، تو آپ کو کسکو ترجیح دینگے، صحت روایت دونون صورتون مین مشترک ہے، کیونکہ عالم لغت کا قول اوسکی کتاب لغۃ مین درج ہے، اور حدیث نبوی صحاح ستہ یا صحیحین مین درج

ہے، جنکی صحت کا معیار معتبر سے معتبر کتاب کی صحت سے زیادہ ہے،

"صلوٰۃ وسطے" کے بارہ مین ایک نہین بہت سی حدیثین ہین، چنانچہ ابن جریر نے حافظوا علی الصلوات والصلوٰۃ الوسطی کی تفسیر مین، احادیث سے پورے تین صفحات بھر دیئے ہین، ملاحظہ ہو، تفسیر طبری جزو دوم صفحہ ۳۴۲، اگر مولانا حدیث کے قائل ہین تو ان کو اتنی احادیث "صلوٰۃ وسطے" سے نماز عصر مراد ہونے کے بارہ مین دیکھکر "مرکزی مسجد" کا خیال چھوڑ دینا چاہیئے آنحضرت صلعم سے بہتر قرآن کے الفاظ کون سمجھ سکتا تھا،

رہی مولانا کی یہ تجویز کہ جہان صلاۃ کے معنی مسجد کے ہون وہان صلوۃ کو واو کے ساتھ بلا الف لکھا جائے، اسکی بابت ایسی صورت مین جبکہ صلوٰۃ کے معنی مسجد کے قرار نہین پانے، کچھ عرض کرنا فضول ہے،

۸- مین بحث کی خاطر فرض کئے لیتا ہون کہ اقم الصلوٰۃ کے معنی مسجد قائم کرنے یا مسجد مین جا کر جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کے ہین، اور یہ بھی مانے لیتا ہون کہ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ منفرد کے لیے نماز مخصوص ضروری نہین، لیکن جہان محض صلِّ آیا ہے جیسے انا اعطیناک الکوثر فصل لربک وانحر، وہان صلِّ کے معنی اگر نماز پڑھنے کے نہین تو اور کیا ہین، کیا یہان معنی دعا کے لیے جائین گے، یعنی نعوذ باللہ خدا کے واسطے دعا کرو، یہان مسجد وغیرہ کا کچھ ذکر نہین پس محض یہ معنی ہوئے کہ نماز پڑھو، جماعت کے ساتھ کی کوئی قید نہین، اور صلِّ امر کا صیغہ ہے، لہذا نماز بلا جماعت بھی فرض ہوئی،

تعجب ہے مولانا نے اپنی فہرست مین انا اعطیناک الکوثر کا ذکر نہین کیا، اونکی فہرست مین آخری آیہ فویل للمصلین الخ ہے، ایسی ہی فروگذاشت ان سے ایک اور آیت کے ساتھ ہوئی، سورۂ معارج کی جو یہ آیۃ، الذین ھم علی صلاتھم دائمون آپنے نقل کی ہے اوسکے الا المصلین

سے نقل نہین کیا، حالانکہ لفظ مصلین کی وجہ سے یہ حصہ بھی ضرور شامل ہونا چاہیئے تھا، یہ ٹکڑا بھی آپکے خلاف ہے، کیونکہ آپ مصلین کو منافقین کے ساتھ مخصوص کرنے کی طرف مائل معلوم ہوتے ہین اور یہان مصلین منافقین کے لیے نہین آیا، بلکہ سچے مسلمانون کے لیے ہے،

۹- اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، واستعینوا بالصبر والصلوٰۃ مولانا نے تو یہ معنی لیے ہین کہ صبر اور مسجد کے ذریعہ مدد لو، مگر مین عرض کرتا ہون کہ یہان صرف نماز کے معنی مراد ہین، کیونکہ اگر اسکے معنی مسجد یا نماز جماعت کے لیے جائین تو یہ قباحت ہے کہ اگر کوئی ایک مسلمان اپنی قوم سے علٰحدہ سفر مین، دشت مین، یا دشمنون مین گھر جائے تو وہ اس صورت مین صبر تو کر سکتا ہے، مگر مسجد یا جماعت کہان سے لائیگا، خداوند تعالیٰ نے مصائب وآفات کے مقابلہ کرنے کا جو نسخہ بتایا ہے وہ اسی وقت قابلِ عمل ہے جب کہ وہ اپنے ہم مذہبون مین ہو، تنہائی کی صورت مین اس نسخہ کا نصف حصہ بیکار ہے لیکن اگر آپ صلوٰۃ کے معنی نماز کے معنی لین تو یہ صورت ہر جگہ ممکن ہو، صبر اندرونی کیفیت اور نماز بیرونی حالت ہے، جس طرح صبر ہر صورت مین ممکن ہے، اس طرح نماز بھی ہر جگہ ممکن ہے، استعینوا امر کا صیغہ ہو لہذا استعانت بالصبر والصلاۃ کی اہمیت سے انکار نہین کیا جاسکتا،

۱۰- احادیث سے ثابت ہے کہ منفرد شخص کے لیے بھی نماز بشکل عبادت مخصوصہ فرض ہے،

۱۱- مولانا اپنے اس دعوے کی تائید مین فرماتے ہین کہ نماز، دعا اور ذکر سے مختلف ہے، اور دعا اور ذکر کے لیے کوئی خاص شکل وصورت مقرر نہین مجھے تسلیم ہے لیکن اس سے یہ کہان ثابت ہوتا ہے کہ نماز مخصوص منفرد کے لیے کتاب موقوت نہین، نماز کے دعا و ذکر سے مختلف ہونے سے تو صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر خدا سے دعا مانگین یا اس کا ذکر کرین تو کسی خاص طریقہ کی پابندی کی ضرورت نہین، مگر آپ تو خود تسلیم کرتے ہین کہ نماز دعا و ذکر سے جداگانہ چیز ہے، پھر دعا و ذکر کا کسی صورت و شکل سے مقید نہ ہونا، انفرادی نماز کے کسی صورت سے مقید نہ ہونے کا کیونکر

مستلزم ہوسکتا ہے، آپ جماعت کی نماز کے لیے مخصوصہ آداب کی فرضیت کہان سے لے آئے ہین، اقم الصلوۃ کے معنی مسجد مین نماز پڑھنے کے سہی مگر اس سے یہ کیونکر ثابت ہوا کہ نماز مقررہ شکل مین یعنی اسلامی نماز پڑھو، کیا محض اقامۃ الصلوۃ کے معنی مسجد مین اسلامی نماز پڑھنے کے ہوسکے؟ اگر یہ ہے، تو جہان نماز بے مسجد کے ہوگی وہ بشکل مقررہ ہوگی،

بہرحال مولانا نے اپنے طویل قابلانہ مقالہ مین لفظ صلوۃ کی بابت تلاش و جستجو کرکے جو نتیجہ نکالا ہے وہ صحیح نہین ہے، مولانا کی خدمت مین بادب و احترام گذارش ہے کہ جو کچھ اوپر عرض کر آیا ہون اسکو بہ نظر غور ملاحظہ فرماکر اپنے تفحص و کاوش کے نتیجہ پر نظر ثانی فرمائین،

وما توفیقی الا باللہ،

نفسیات ترغیب

مصنفہ

پروفیسر وہاج الدین صاحب ورنگ آباد دکن

کسی انسان کو کسی کام، یا چیز یا تحریک کے لیے کیونکر آمادہ کرسکتے ہین اور اسکو ترغیب اور شوق دلا سکتے ہین، اس کے نفسیاتی اصول کیا ہین، اس کتاب مین انھین اصول کی تشریح ہے، تجارت، اشتہارات اور تقریر و وعظ مین ہر جگہ ان اصول کی رعایت کی ضرورت ہے، اس لیے تجار کے مشتہرین، واعظین، مدرسین اور وکلا سب کو اس کتاب کی ضرورت ہے۔

قیمت :- عہ

"منیجر"

مزدک

از

جناب سید وقار احمد صاحب متعلم ایم اے جامعہ عثمانیہ،

مزدک[1] کی شخصیت اور مذہب کے متعلق صحیح رائے قائم کرنا اس لئے مشکل ہے کہ اس کے جو حالات ہم تک پہونچے ہین وہ صرف زردشتیون ہی کے ذریعہ سے پہونچے ہین، ان سے اس بات کی توقع رکھنی کہ انھون نے مزدک اور اس کے عقائد کی صحیح معنون مین ترجمانی کی ہوگی، بے سود ہے،

مزدک کا زمانہ چونکہ چھٹی صدی عیسوی کا تھا، اس لئے اس کے حالات کا بھی اچھی طرح معلوم کرنا مشکل ہے، تاہم اس کے جو حالات مختلف کتابون مین درج ہین ہم ذیل مین بیان کرتے ہین،

قباد (غباد) اپنے بھائی کے بعد ۴۸۸ء[2] مین تخت نشین ہوا، اس کے دس سال حکومت کرنے کے بعد (یعنی ۴۹۸ء مین) مزدک نیشاپوری نے مدائن مین آکر پیغمبری کا دعوی کیا، اس کے مذہب[3] مین زردشتی شریک ہونے لگے، قباد کو بھی اس کا مذہب پسند آیا، اور اس کا بدل وجان فریفتہ ہوگیا[4] اور وہ مزدک کی ہر بات کو مانتا تھا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کو اپنے مذہب کی اشاعت کا اچھا موقعہ ملا اب وہ اپنی مرضی کے موافق ہر کام کرسکتا تھا،

---

[1] براؤن، [2] علامہ سر اقبال The Development of Metaphysics in Persia صفحہ (۱۸)، سطر (۱۵) مین تحریر فرماتے ہین کہ یہ اشتراکیت کا پہلا پیغمبر مزدک انوشیروان کے عہد حکومت (۵۳۱-۵۷۸) مین ظہور پذیر ہوا، برخلاف اس کے قاموس العلوم انگریزی، براؤن، معجم البلدان، البیرونی، "جوامع الحکایات"، اور نامہ خسروان مین لکھا ہے کہ مزدک قباد کے زمانہ مین آیا، اس کی وفات کے متعلق اگر براؤن اور قاموس العلوم انگریزی کے بیان کو تسلیم کرلیا جائے تو اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انوشیروان کی سلطنت کے آغاز سے تین سال قبل یعنی ۵۲۸ء مین اس کا خاتمہ ہوگیا تھا،

[3] Encyclopaedia Britanica Volume XXI P 223 [4] معجم البلدان صفحہ (۴۷۹) اور نامہ خسروان،

بادشاہ کے منظور نظر ہونے کی وجہ سے اس کی جرأت بڑھ گئی تھی، چنانچہ اس نے نوشیروان کی مان کو اپنے حرکات سے رنجیدہ کر دیا، جب قباد کے امرانے یہ بات دیکھی تو انھون نے اس کو قتل کرنا مناسب سمجھا، اس لئے قباد کو گرفتار کرکے قید کر دیا، مگر وہ اس قید سے نکل بھاگا، اور کثیر فوج کے ساتھ ایران پر حملہ کرکے اپنے بھائی جاماسب اور دوسرے امرا کو گرفتار کر لیا، بعد مین اس نے سب کو معاف کر دیا، اس سے قباد کے خیالات مین تبدیلی ہوئی اور اس نے مزدکیون سے کنارہ کشی اختیار کر لی، قباد نے ۴۳ سال حکومت کے بعد ۵۳۱ء مین وفات پائی، اس طرح تقریباً ۳۲ سال تک مزدک کو اپنے مذہب کی تلقین کا اچھا موقعہ ملا،

قباد کے بعد نوشیروان تخت نشین ہوا، اس نے اپنا فرض اولین سمجھا کہ مزدک اور اس کے پیروؤن کو کسی نہ کسی طرح قتل کرڈالے، پہلے اس نے چند مزدکیون پر اپنی مہربانی ظاہر کی، اس کے بعد رازمین تمام صوبہ دارون کو لکھ بھیجا کہ جہان کہین کوئی مزدکی نظر آئے اسے قتل کر ڈالا جائے، اپنے پایہ تخت مین اس نے مزدکیون سے کہا کہ وہ بھی ان کے مذہب مین شریک ہونا چاہتا ہے، اور اپنے نئے مذہب پر ایمان لانے کا اعلان سب کے سامنے کریگا، اس طرح دھوکے سے اس نے تمام مزدکیون کو ایک باغ مین دعوت دی اور وہان ان کے عالم بقا کر پہونچانے کا انتظام کر رکھا تھا، جون ہی وہ لوگ باغ مین قدم رکھتے تھے، نوشیروان کے سپاہی انھین گرفتار کرکے قتل کر ڈالتے

لہ قاموس العلوم انگریزی صفحہ ۲۹۴ مین مزدکیون کے قتل عام کی تاریخ ۵۲۸ء لکھی ہے، اس طرح یہ واقعہ مزدک کے مرنے سے تین سال قبل ہوا، مگر جوامع الحکایات، کے مقدمہ (صفحہ ۱۴۸ احکایت ۱۸۲، ۱۸۳) اور نامۂ خسروان کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے، کہ مزدکیون کا قتل عام نوشیروان کے تخت نشین ہونے کے بعد ہوا، اس لحاظ سے ۵۳۱ء مزدک کی وفات اور مزدکیون کے قتل عام کی ہونی چاہئے، تاہم اس کے متعلق بہت اختلاف ہے،

اور الٹا دفن کر دیتے، اس طرح جب ان سب کا خاتمہ ہو گیا تو اس نے مزدک کو دعوت دی، اور اس کے ہمراہ تفریح کرتا ہوا اسی مقام پر آیا، جہان سب مزدکی دفن کئے گئے تھے، نوشیروان نے مزدک سے کہا، لو یہ تو تمھارے ہی برے مذہب کا نتیجہ ہے" اس کے بعد اس نے اشارہ کیا اور اس کے سپاہیون نے اس کو گرفتار کر لیا اور اسی باغ مین جو مقام اس کے لئے مقرر کیا گیا تھا، زندہ دفن کر دیا گیا، اس طرح ایک دن مین ۰۰ہزار[1] مزدکی مارے گئے، جب یہ ہولناک واقعہ ظہور مین آیا اس وقت ایک ایرانی (Johnmaz othecus) نامی موجود تھا، یونانی مورخین Theophanes اور Lalas نے ان کا بیان لکھا ہے، مزدک اور مزدکیون کے قتل کے وقت بادشاہ کا عیسائی طبیب (Bazes) بھی موجود تھا، اس طرح ان اہم واقعات کی عینی شہادتین موجود ہین،

مزدک کے مذہبی اصول کے متعلق یہ نہین کہا جا سکتا کہ آیا یہ اصول اسی کے ہین، یا کسی دوسرے شخص کے بعض ماخذون سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا اصل مصنف خرزان (Kharrizan) ہے جو فارس کے ایک صوبہ کا باشندہ تھا،

سر اقبال فرماتے ہین کہ "اس کے مذہب کی نہایت ہی اہم خصوصیت اجتماعیت (Communism) ہے، جس کو وہ مانی کے عمومی فلسفہ کے مقابلے مین ایک ادنی چیز سمجھتے ہین اسیاسی

[1] "جوامع الحکایات" صفحہ ۱۸۴ حکایت ۱۸۲- ۱۸۳، نامۂ خسروان اور قاموس العلوم انگریزی سے قتل عام کا ہونا مسلم ہے، صرف قتل عام کی تاریخ کے متعلق مؤرخین مین اختلاف ہے، برخلاف اس کے براؤن کہتے ہین، کہ کثیر التعداد مزدکیون کا جو ۵۲۳ء کے اختتام یا ۵۲۹ء کے آغاز پر مقتول ہوئے، ان کی نسبت یہ کہنا کہ وہ تمام ایک ہی دن مین مارے گئے، درست نہین معلوم ہوتا" کیونکہ نوشیروان کی حکومت کے آغاز مین ۵۳۱ء مین مزدکیون سے بچنے کیلئے پھر کارروائی عمل مین آئی تھی اس کے بعد بھی گو بظاہر نہین مگر پوشیدہ طور پر یہ فرقہ باقی رہا،

حیثیت سے اس کا مقصد امرا اور دستورون کی قوت کو گھٹانا تھا، مجوسی مزدک کو دہریہ سمجھتے تھے جو گوشت نہین کھاتا تھا، منوچہر نے اپنے مذہب مین خون ریزی جائز کر دی تھی، یہی عنصر مزدک کے بھی مذہب کا تھا، زردشتی اس کی مذمت کرتے ہین،

مزدک[1] نے لکھا ہے، کہ ابتدائے عالم سے جہان کے دو صانع ہین، ایک فاعل خیر جس کو یزدان کہتے ہین، یہ ایک نور ہے، دوسرا فاعل شر یعنی اہرمن جس کو ظلمت کہتے ہین، اور تارکی سے تعبیر کرتے ہین، یزدان نیکی کا خدا ہے، اس سے بجز نیکی کے اور کچھ ظہور مین نہین آتا چنانچہ عقول النفوس، افلاک، کواکب وغیرہ یزدان ہی کے پیدا کئے ہوئے ہین، اس لئے اہرمن جس کا کام برائیون کا پیدا کرنا ہے' ان پر قادر نہین ہے، عناصر اور مرکبات بھی یزدان کے پیدا کئے ہوئے ہین، مگر ان مین اہرمن کو دخل ہے' مثلاً آگ جلاتی ہے، زہر جاندار کو ہلاک کرتا ہے، پانی کشتی کو ڈبو دیتا ہے، ان تمام افعال مین نقصان رسانی پائی جاتی ہے، جو اہرمن کا خاصہ ہے، چونکہ اہرمن کو فلک پر جانے اور فتنہ برپا کرنے کی قوت نہین ہے، اس لئے عالم بالا کا نام جنت رکھا ہے، اور زمین جس مین اہرمن کا بھی تصرف ہے، اور ہمیشہ اہرمن کے افعال یزدان کے مخالف ہوتے ہین، اس لئے اس کا نام دوزخ مقرر کیا ہے، اہرمن کی اتنی قدرت نہین ہے، کہ وہ آسمان پر بھی اپنا تصرف کر سکے' اس حیثیت سے وہ یزدان سے کمزور ہے، اس لئے وہ زمین پر پوری پوری مخالفت کرتا ہے، اس کی ہمیشہ یہ کوشش رہتی ہے کہ جو یزدان پرست ہین، ان کو بہکائے اور تکلیف پہونچائے، تاکہ وہ اس سے برگشتہ ہو جائین،

وہ لوگ جو دنیاوی تکلیفون سے ڈر کر یزدان پرستی کرنے سے باز رہتے ہین، ان کی روح عالم سفلی مین پڑی رہتی ہے، یہی اس کے سلئے دوزخ ہے، اور جو لوگ اہرمن کے افعال سے ڈر کر

---

[1] کتاب الملل والنحل صفحہ (۱۹۲) تاریخ کامل (۱۵۲) نامۂ خسروان اور (The Development of metaphysics in Persia)

یزدان پرستی کرتے ہین اور تکلیفون اور مصیبتون کو برداشت کرتے ہین، ان کے مرتے ہی ان کی روحین آسمان پر چلی جاتی ہین، اور وہ یزدان کے ساتھ ہمیشہ رہتی ہین، یہی ان کے لئے جنت ہے، اس لئے انسان کو اہرمن کے دام مین نہین آنا چاہئے،

مزدک نے ہستی کے دو پہلو یہان بیان کئے ہین، ایک "رشید" ہے جس کے معنی نور کے ہین، دوسرا آتار یعنی ظلمت، انہین دو پہلوؤن کو اہرمن اور یزدان کے نام سے تعبیر کیا ہے، وہ نوری افعال کو اختیاری اور ظلمت کو اتفاقی خیال کرتا ہے، نیکی کا سرچشمہ نور ہے، اور شر و فساد کا ظلمت، اب نور کے اجزا ظلمت سے جدا ہو گئے ہین جب وہ ملین گے تو اس وقت قیامت ہو گی،

اس نے اصول و ارکان تین بیان کئے ہین، یعنی پانی، مٹی، اور آگ چونکہ یہ سب باہم ملتے ہین، ان کی آمیزش سے مدبرِ خیر و شر کے حادثات پیدا ہوئے ہین، جو کچھ ان کی حالت سے حاصل ہوا وہ مدبرِ شر ہے،

یزدان کے متعلق اس کا خیال ہے کہ وہ حساس ہے اور عالم اصلی مین ایک کرسی پر اسی طرح بیٹھا ہے جس طرح ایک بادشاہ بیٹھتا ہے، اس کے حکم بردار چار ہین جو اس کی پیشی مین رہتے ہین، بازکشا، یادوھو، دانا، سور یعنی قوتِ تمیز، و قوتِ حفظ و قوتِ فہم و قوتِ سرور انہین پر یزدان کے کاروبار کا دار و مدار ہے، اس سے کسی قدر مرتبہ مین کم سات شخص ہین، وہ بھی دربار مین حاضر رہتے ہین، وہ یہ ہین، سالار، پیشکار، بالون وبروان، کاروان، دستور، کودک،

ان ساتون مین بارہ روحانی قوتین ہین، خوانندہ، دہندہ، ستانندہ، برندہ، خورندہ، دوندہ، خیزندہ، کشندہ، زنندہ، کنندہ، آیندہ، شوندہ، پایندہ، جب کسی شخص مین یہ تمام صفات پیدا ہو جائین گے، اس کا درجہ خدا کے برابر ہو گا، اور اس کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہو گی،

مزدک لوگون کو جنگ و جدال سے منع کرتا تھا، جو اکثر عورتون اور اموال کی وجہ

ہوتا ہے، اس لئے اس نے عورتون کو حلال کیا اور اموال کو جائز رکھا، (وکان مزدک ینھی الناس عن المخالفۃ والقتال ولما کان اکثر ذلک انما یقع لسبب النساء والاموال فاحل النساء واباح الاموال) اس طرح اس نے کہا کہ عورتون کو آزادی دینی چاہئے اور مال سب مین مساوی تقسیم کیا جائے، کوئی زیادہ مال رکھنے کا مستحق نہین ہے، کیونکہ ایک شخص صاحب جاہ و منصب ہو دوسرا نادار، یہ انصاف کے خلاف ہے، اس پر فرض ہے کہ وہ اپنی دولت کو نادارون پر برابر تقسیم کردے، عورتون کے متعلق وہ کہتا ہے کہ یہ بڑا ظلم ہے کہ عورت تو حسین ہو اور اس کا مرد قبیح، انصاف اور عین دین یہ ہے کہ مرد اپنی جمیلہ بیوی کو چند روز کسی ایسے مرد کو عطا کرے جس کی زوجہ بدصورت ہو، تاکہ وہ اس سے کچھ دنون لطف اُٹھائے، جو شخص اس قسم کی قسمت سے راضی نہ ہو اس کو مجبور کرنا چاہئے،

بعض مصنفون کا خیال ہے کہ مزدکی مذہب منوچہر مذہب کی طرح مسلمانون کے زمانہ تک باقی رہا، اور یہی خیالات بعد کے فرقون مین ظہور پذیر ہوئے، اسی خیال کو نظام الملک نے سیاست نامہ مین نہایت شد و مد سے بیان کیا ہے، اور اسماعیلیون کو جن سے اسے دلی نفرت تھی، مزدکیون کی اولاد ثابت کرنے کی کوشش کی ہے،

اس مذہب کے مشہور پیرو مندرجہ ذیل بیان کئے جاتے ہین، جو مختلف زمانون مین تھے، فرماد، سیراب، آئین، ہوش، محمد، قلی گرد، اسمٰعیل بیگ احمدائی غزنی، اصفہان کے مضافات مین اس مذہب کے لوگ زیادہ رہتے تھے، اسلام کے عہد مین انھون نے اپنے نام مسلمانون سے رکھ لئے، تاکہ ان کے اصلی مذہب کا راز فاش نہ ہو جائے،

———·<•>·———

فضائے آسمانی

یا

جَوِّ سماء

از مولوی حامد حسن قادری لکچرار سینٹ جانس کالج آگرہ

ایک ہیئت دان کا قول ہے کہ "آسمان کی فرضی تصویر جو مثل خلائے گنبد کے زمین کے افق سے افق تک پھیلی ہوئی نظر آتی ہے عظیم الشان اور نہایت عظیم الشان ہے، اور مین دل سے چاہتا ہون کہ مین آسمان کے اس تصور سے آگے نہ بڑھا ہوتا، لیکن اصلی آسمان عجیب پرہیبت چیز ہے، وہان اول ایک ایسی وسعت ہے جہان سے شان و رفعت کا آغاز ہوتا ہے، اس کے بعد ایسی وسعت آتی ہے جہان سے عظمت وجلال شروع ہوتا ہے، اس کے بعد ایسی وسعت پیدا ہوتی ہے جہان سے قہارانہ متانت کی ابتدا ہوتی ہے، اس کے بعد ایسی وسعت نمایان ہوتی ہے جہان سے ہیبت شروع ہوتی ہے، اس کے بعد ایسی وسعت ظاہر ہوتی ہے جہان سے وحشت کا آغاز ہوتا ہے، اور اس وسعت سے وسعتِ عالم کا خفیف سا اندازہ ہوتا ہے، اگر تم خوش وخرم ہو اور ایسا ہی رہنا چاہتے ہو تو علم ہیئت کے مطالعہ کا نام نہ لو، تمام علوم وفنون مین علم فلکیات سب سے زیادہ دہشت خیز و وحشت انگیز ہے، لیکن اگر تم اپنے مستقبل کے لئے مضطرب وپریشان ہو تو فوراً علم ہیئت کا مطالعہ کرو اور تمھاری پریشانیان کم ہو جائین گی، لیکن یہ کمی عجیب وغریب ہوگی، یعنی دنیا کی ہر چیز کی اہمیت وعظمت تمھاری نظر مین گھٹ جائیگی، خلاصہ یہ کہ علم ہیئت اگر آبِ حیات ہے، تب بھی نہایت خوفناک ہے" اس علم کے مطالعہ سے جو واقعات معلوم ہوتے ہین، اور ایسی ہیبت و وحشت اپنے اندر رکھتے ہین وہ ستارون کی

بے اندازہ کثرت اور ان کے لامتناہی درمیانی فاصلے سے متعلق ہین،

ساحل بحر یا دلدل کے کنارے پر تم نے اگر جر ثقیل کا عمل دیکھا ہوگا، تم دیکھتے ہوکہ ایک ربع میل کے فاصلہ پر ایک بڑا وزن زنجیرون اور آلات کے ذریعہ سے ہوا مین معلق ہے، پھر تم وزن کو نیچے گرتے دیکھتے ہو، وہ زمین پر آتا ہے، اور پھر اوپر کی سمت واپس جاتا ہے، جب دو یا تین فٹ زمین سے بلند ہوجاتا ہے، تو تم یکایک ایک تیز آواز سنتے ہو، اور بڑی کوشش اور غور کے بعد دریافت کرسکتے ہو کہ وہ آواز ایک سکنڈ قبل پیدا ہوئی تھی، یعنی آواز کے پیدا ہونے اور تمھارے کان تک پہونچنے کے درمیان مین اتنا وقفہ گذر گیا کہ عمال جر ثقیل نے وزن کو زمین سے تین فٹ اوپر کھینچ لیا، آواز ایک سکنڈ مین ایک ربع میل سے کچھ کم فاصلہ طے کرتی ہے، روشنی کے سفر مین بھی کچھ وقت صرف ہوتا ہے، لیکن اسکی رفتار آواز کی رفتار سے بے حد تیز ہے، یعنی ایک سکنڈ مین ایک لاکھ ۸۴ ہزار میل سے بھی کچھ زیادہ فاصلہ طے کرلیتی ہے، تو جو چیز ایک لاکھ ۸۴ ہزار میل کے فاصلے پر ہو ہم کہہ سکتے ہین کہ وہ چیز ایک «ثانیۂ نور»، کے فاصلے پر ہے، یعنی اتنی دور ہے جتنی دور روشنی ایک سکنڈ مین پہونچتی ہے، اب ایک سال مین تین کرور سکنڈ ہوتے ہین، اور آفتاب کی روشنی زمین پر پہونچنے کیلئے آٹھ منٹ لیتی ہے، لہذا بجائے اس کے کہ ہم اس فاصلہ کا حساب میلون سے کرین یون بھی کہہ سکتے ہین کہ آفتاب زمین سے آٹھ، دقیقۂ نور،، کے فاصلے پر ہے، (یعنی تقریباً آٹھ کرور نوے لاکھ میل) کس قدر عظیم الشان بعد ہے! اللہ اکبر!

آفتاب اور نظام آفتاب کے سیارون کے باہمی تناسب کا اندازہ کرنے کے لئے فرض کرو کہ ایک فٹ قطر کی طلائی گیند اور بہت سی چھوٹی چھوٹی گولیان جن کے قد مٹر کے دانے اور بچون کے کھیلنے کی گولیون کے درمیان ہین پچاس فٹ سے دو سو فٹ تک کے فاصلے پر رکھی ہوئی ہین، اس طرح کا ایک نمونہ لندن کے میوزیم آف پرکٹیکل جیالوجی مین رکھا ہوا ہے، لیکن ہمارے آفتاب کے علاوہ اور آفتاب یا ثوابت کرورون کی تعداد مین ہین، ان مین قریب ترین ستارہ (جسکا نام الفاسین ٹوری ہے)

ہم سے کم سے کم تین سال نور کے فاصلہ پر ہے، ایک سال نور ساڑھے پانچ کھرب میل کے برابر ہوتا ہے، تو یہ قریب ترین آفتاب تقریباً سولہ کھرب میل دور ہوا، اگر اس کی روشنی یکایک گل ہو جائے، تو ہم کو تین سال تک اس واقعہ کا علم بھی نہ ہوگا،

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ غیر متحرک ستارے یا ثوابت جو ہمارے آفتاب کے مثل آفتاب ہیں، کتنے ہیں؟ سرسری اندازہ یہ ہے کہ زمین کے کرۂ شمالی اور کرۂ جنوبی دونوں سے خالی آنکھ سے نظر آنے والے ستارے (کیونکہ قطب شمالی کے کرۂ ارض سے جو ستارے نظر آتے ہیں وہ قطب جنوبی کے کرہ سے نظر نہیں آتے) تقریباً آٹھ ہزار ہیں، تم کہوگے کہ یہ تو کچھ بہت زیادہ نہیں ہیں، لیکن ٹھہرو اور سنو کہ دوربین کیا کہتی ہے، قوی ترین دوربین کی مدد سے تقریباً دس کروڑ ستارے نظر آتے ہیں جن کی روشنی ان کے فاصلے کی نسبت سے کم ہوتی چلی جاتی ہے، اور دشواری سے دکھائی دیتے ہیں، اب ہم اس سے بھی آگے بڑھتے ہیں، گزشتہ نصف صدی کے اندر معلومات فلکی میں فوٹو گرافی نے حیرت انگیز وسعت پیدا کر دی ہے، اور "خشک پلیٹ" کی ایجاد نے معلومات کا نیا دروازہ کھول دیا ہے، فوٹو گرافی کی معمولی پلیٹ جس کو ہم "تر پلیٹ" کہہ سکتے ہیں دیر تک کھلی رہنے سے خراب ہو جاتی ہے، اور اس پر عکس صاف نہیں آسکتا لیکن خشک پلیٹ گھنٹوں کھلی رہ سکتی ہے ہیئت دان اس ہیئت کو ایک حصہ آسمان کے مقابل قائم کر دیتا ہے اور چار پانچ گھنٹہ کھلا رکھتا ہے، اس ترکیب سے وہ ستارے جو قوی سے قوی دوربین سے بھی نظر نہیں آتے اور چند سکنڈ یا چند منٹ میں معمولی پلیٹ پر نمایاں نہیں ہو سکتے خشک پلیٹ پر متواتر عکس ریز ہونے کی وجہ سے اپنا نقش ثبت کر دیتے ہیں، اور انسان آنکھ سے نہ دیکھ سکنے پر بھی ان کو دیکھ سکتا اور ان کے فاصلے کو ناپ سکتا ہے، اس طرح کروڑوں نئے ستاروں کا وجود ثابت ہو گیا ہے، یہ بے تعداد ستارے مختلف درجات نور رکھتے ہیں اور ماہران ہیئت نے ایسے ذرائع ایجاد کر لئے ہیں، کہ ان کی جسامت و فاصلہ کا قطعی و یقینی اندازہ کر سکتے ہیں، ان میں کثیر تعداد ہے، جو ہمارے آفتاب سے بدرجہا بڑی ہے، ایسے

ستارے بھی دریافت کئے گئے ہین جو ہم سے چار، پانچ، دس اور بارہ "سالِ نور" کے فاصلہ پر ہین، اور جدید تحقیقات کی بنا پر ایسے قوی اسباب موجود ہین کہ بہت سے فوٹوگرافی کے ستارون کو ۲۴ ہزار سالِ نور کے فاصلہ پر مان لیا جائے، یہ پر ہیبت تعداد میلون مین ظاہر نہین کی جاسکتی، ناظرین ایک سال نور کی میلون کی تعداد پیش نظر رکھین، اب اس کے بعد کیا ہے؟ نہ کوئی دیکھ سکتا ہے، نہ اندازہ کرسکتا ہے، خلاے بسیط کی حد بندی طاقت بشری سے باہر ہے،

لہذا یہ صحیح اور لازم نتیجہ ہے کہ یہ کرورون آفتاب جو ہمارے آفتاب کی مثل گرم وروشن ہین اپنا اپنا جداگانہ نظام رکھتے ہین، اور بہت سے سیارے ان کے گرد گردش کرتے ہین، وہ سیارے سرد ہونے ہو چکے ہین، اور اب روشنی نہین دیتے، بہرحال بعید ہونے کی وجہ سے اس قدر چھوٹے ہین کہ نظر نہین آسکتے یہ امر بھی قرینِ قیاس ہے کہ ان مین سے بعض بلکہ اکثر سیارون کے اندر مادۂ حیات بھی موجود ہے جو بالکل حیات ارضی نہین تو اس کے مشابہ ضرور ہے، اور گمانِ غالب ہے کہ ان بے شمار سیارون مین ذی عقل ہستیان آباد ہین، صحیح استدلال اور صائب غور و فکر کے بعد اس نتیجہ پر پہونچنا ذہنِ انسانی کی عجیب پرواز ہے،

ماہرانِ فلکیات نے اجرام سماوی کی حرکت کے متعلق جس قدر نتائج اخذ کئے ہین ان مین اس نتیجہ سے زیادہ عجیب اور پر اسرار کوئی نتیجہ نہین کہ کرورون ستارون کے مجمع مین جنکی حدو انتہا کا ہم تصور بھی نہین کرسکتے، دو عظیم الشان لہرین مخالف سمتون مین حرکت کررہی ہین، اور تمام ستارے انھین لہرون مین سے کسی ایک کے اندر شامل ہین، یہ ستارون کی لہرین کہان سے آرہی اور کدھر جارہی ہین، اس کا جواب ابتک رازِ سربستہ ہے، ایک اور نتیجہ جو آلۂ مقیاس الوان النجوم کی مدد سے حاصل ہوا ہے، یہ ہے کہ ہمارا آفتاب اور اس کے نظام کے کل سیارے ایک ستارۂ ویگا کی طرف حرکت کررہے ہین، یہ صحیح ہے کہ یہ ستارہ ہم سے ہزارون کرور میل دور ہے،

لیکن ہم کسی قدر تیزی کے ساتھ اس کی جانب دوڑے چلے جاتے ہین، یعنی ۱۹ میل فی سکنڈ کی رفتار سے،
سچ یہ ہے کہ اِس خوفناک تصادم مستقبل کے مقابلہ مین فقط اس امید کا سہارا ہے کہ ہمارے اور
دوسرے ستارون کے درمیان فاصلہ بے حد وغایت ہے، اور کسی واقعۂ ہائلہ کے پیش آنے سے قبل ایک
طویل زمانہ گذرنا ضروری ہے، نیز یہ بھی قرینِ قیاس ہے کہ فضائے آسمانی مین جو قانونِ جذب و دفع
جاری ہے اسکے زیر اثر ہمارا نظام شمسی ستارۂ ویگا کے پاس سے محفوظ گذر جاوے جس طرح موٹر کار
شاہراہ کے ہجوم کے اندر سے بے ضرر گذر جاتی ہے،

مطالعۂ فلکیات کی ترقی اور دلچسپی مین آلۂ مقیاس الالوان نے فوٹوگرافی سے کم حصہ نہین لیا،
واقعہ یہ ہے کہ ان دونون مفید ذرائع مشاہدہ نے ہر معمولی انسان کے لئے علم ہیئت کے ایجادات
واکتشافات کو دلچسپ بنادیا ہے، ہر شخص ان آلات کی مدد سے بہت سے اسرارِ فلکی کا خود مشاہدہ
کرسکتا اور ان کی تصدیق کرسکتا ہے، اگرچہ اصلی رازجن کا انحصار ریاضیات وحساب پر ہے سوائے
ریاضی دان کے کسی کے بس کی نہین، اجرام سماوی کی حرکت وجسامت کا صحیح سے صحیح اندازہ لگانا
علم ہیئت کی جان ہے چنانچہ گرینچ کی شاہی رصدگاہ کے علمائے ہیئت نے نئے دم دار ستارے
(یعنی ۱۹۰۷ء کے تیسرے تارے) کا فوٹو اس طریقہ سے لیا کہ اس سے قبل ایسا فوٹو کبھی نہ لیا گیا تھا،
ماہرانِ فلکیات کئی ہفتے تک مسلسل روزانہ رات کو خشک پلیٹ پر دمدار تارے کا فوٹو دو دو تین تین گھنٹہ
کے دقفہ کے بعد لیتے رہے، اور اس طرح جو تصویرین لی گیئن اور رایل ایسٹرانومیکل سوسائٹی مین پیش
کی گیئن ان سے تارے کی دم کی حیرت انگیز مختلف شکلین ظاہر ہوتی ہین، اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ بجائے
ستارے کے کسی جاندار چیز کی تصاویر ہین، اکتوبر ۱۹۰۹ء مین ہیلز کومٹ (ہیلی کا دریافت کردہ دمدار تارہ)
جس کا نہایت شوق و انتظار کے ساتھ انتظار تھا نظر آیا، اگرچہ عوام کے لئے مئی ۱۹۱۰ء سے قبل اس کے
نظر آنے کی امید نہ تھی، دمدار تارے ماہرانِ نجوم کے لئے غیر معمولی مسرت کا باعث ہوتے ہین،

ان سے مراد بڑے بڑے تارے ہین، ورنہ چھوٹے چھوٹے دمدار تارے جو صرف دوربین یا فوٹوگرافی کے ذریعہ نظر آسکتے ہین، ہر سال دو تین نکلتے رہتے ہین، بعض دمدار تارون کی آمد متوقع ہوتی ہے، بعض بالکل خلاف امید نظر آتے ہین، کچھ اس سبب سے کہ ان کا وقت مقرر نہین ہوتا، اور کچھ اس لئے کہ اس وقت کا اندازہ ابتک نہین ہو سکا، اڈمنڈ ہیلی پہلا عالم ہے جس نے ایک خاص دمدار تارے کی حرکت کا قانون دریافت کیا، اور پیشین گوئی کی، کہ جو تارا ۱۶۸۲ء مین نظر آچکا ہے وہی ۱۷۵۸ء مین نظر آئے گا، وہ اپنی پیشین گوئی کی صداقت کے مشاہدہ کے لئے زندہ نہ رہا، اس نے قیاس لگایا تھا کہ یہ ستارہ (جس کو اب اس کے نام ہیلیز کومٹ کہا جاتا ہے) وہی ہے جو ۱۵۳۱ء اور ۱۶۰۷ء مین نظر آچکا ہے، اس کی پیشین گوئی ایک سال بعد پوری ہوئی، جس کا سبب وہ تغیرات تھے جو دو سیارون نپچون اور یورینس نے پیدا کر دیئے تھے، چونکہ یہ دونون سیارے ہیلی کے زمانہ مین دریافت نہین ہوئے تھے، اس لئے وہ دمدار تارے کی راہ مین ان سیارون کی رکاوٹ کا اندازہ نہ کرسکتا تھا، بہرحال ۱۷۵۹ء مین وہ تارا ظاہر ہوا اور غائب ہوگیا اور پھر ۱۸۳۵ء مین نمودار ہوا، اور اس کے بعد ۱۹۱۰ء مین پوری آب و تاب کیساط ظاہر ہونے کا انتظار تھا، چنانچہ بالکل امید کے مطابق نمایان ہوا، اس کی مدت طلوع ۷۵ یا ۷۶ سال دریافت کی گئی ہے،

الفاروق

علامۂ شبلی

حضرت فاروق اعظم کی لائف اور طرز حکومت، اگرچہ مسخ شدہ صورت مین معمولی کاغذ پر اس گران پایہ کتاب کے بیسیون اڈیشن فروخت ہورہے ہین، مگر اہل نظر کو ہمیشہ اس کے اعلی اڈیشن کی تلاش تھی، مطبع معارف نے نہایت اہتمام و سعی بلیغ سے اس کا نیا اڈیشن تیار کرایا ہے، جو حرف بحرف نامی پریس کانپور کی نقل ہے، نہایت عمدہ کتابت، اعلی چھپائی، عمدہ کاغذ، دنیائے اسلام کا رنگین نفیس نقشہ مطلا ٹائٹل ضخامت ۴۱۲ صفحے، قیمت للعہ

"منیجر"

مثنوی فتح گجرات

علامۂ فیضی

از

مولانا سعید الدین خان بہادر متوسلِ سرکار بھوپال،

اکبر کی مہماتِ جنگی مین محمد حسین مرزا کی بغاوت کا استیصال ایک اہم واقعہ ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ اکبر جب سورت سے روانہ ہوکر دار الخلافہ مین پہونچا تو محمد حسین مرزا نے سورت کے لے لینے کا ارادہ کیا، اور اس کے حدود مین آکر شورش برپا کی، اگرچہ اس مین اسکو ناکامی ہوئی، تاہم اس نے بہت سے مقامات پر قبضہ کر لیا، اور احمد آباد پر مسلط ہونے کی لئے پیش قدمی کی، اکبر نے روانہ ہوتے وقت گجرات کے تمام اختیارات خان اعظم کو کہ کو تفویض کر دیئے تھے، اور احمد آباد مین محمد حسین مرزا کا اُسی سے مقابلہ تھا، لیکن خان اعظم حزم و احتیاط کی بنا پر اس سے معرکہ آرا نہ ہوا، اور اس کی خبر اکبر کو دی، اکبر کو اس کا حال معلوم ہوا تو اس نے یلغار کر کے وہان پہونچنا چاہا، لشکر شاہی ابھی ایک برس لڑکر گجرات سے آیا تھا، اور اُس نے اپنی جاگیرون سے روپیہ نہین وصول کیا تھا، اس لئے بادشاہ نے ان کو خزانۂ شاہی سے روپیہ دیا، دو ہزار کار آزمودہ بہادر ساتھ لئے، اور راستہ کے حاکمون کو حکم بھیجا کہ جتنی کوتل سانڈنیان ہون تیار کر کے اپنی انتخابی فوج کے ساتھ سر راہ حاضر ہون، الغرض اس نے ۲۰ ربیع الثانی ۹۸۱ھ کو سانڈنیون پر بیٹھکر ساڑھے چار سو میل کی مسافت نو دن مین طے کی اور یہ واقعہ اس قدر اہم خیال کیا گیا کہ فیضی نے اس کو ایک مثنوی مین نظم کیا، جس کی نسبت علامہ شبلی مرحوم شعر العجم مین تحریر فرماتے ہین کہ:-

"اکبر کی مہم گجرات پر ایک مثنوی لکھی تھی، وہ بھی ناپید ہے، چند شعر ایک خط مین نقل کئے ہین،"

لیکن یہ ناپید مثنوی میری قدیم کتابون مین قلمی موجود ہے، اور میرا ارادہ ہے، کہ اس کو طبع کرادون، مثنوی کے چند اشعار تحریر کرتا ہون، اکبر شاہ نے سانڈنی سوارون کے لشکر سے چڑھائی کی تھی اس لئے فیضی نے اس کا تلازمہ باندھا ہے،

چو سلطان انجم زحتا در زمین ... بر سم عرب گشتہ محمل نشین،
کف انداز شد بختی آسمان ... زمستی برآورد کف از دہان
کشید ند از خط صبحش مہار ... کہ پیوند خود گسلد از قطار،
شہنشہ برا ورنگ شاہنشہی ... بسر تاج اقبال ظل الٰہی، الخ

چند اشعار کے بعد اصل واقعہ کو شروع کرتا ہے،

کہ ناگہ یکے قاصدے تیز گام ... رسانید از خان عالم پیام
کہ گجراتیانند بر مکر و ریو، ... بصورت چو مردم بمعنی چو دیو
ہمہ متفق با محمد حسین ... کج اندیش و ناراست از جانبین
شہنشاہ را این سخن کارکرد ... برزم آوری عزم یلغار کرد
برون تاخت از آگرہ گرم حرب ... چو خورشید کز شرق تازد بغرب
نخستین طلب کرد جمازہ را ... در آفاق افگند آوازہ را
ہمہ ساربان کمر بستہ چست ... بویس قرن کردہ نسبت درست
شتر چو فرشتہ سرشتہ ز نور ... بانک زمان رفت بسیار دور
قد خود بہ تعظیم کردہ دوتا ... کمر بستہ از بہر خدمت دوتا
بہ تعظیم بر سینہ بنہا دہ دست ... ز راہ ادب با دو زانو نشست
خدیو عجم شاہ عالی تبار ... چو شاہ عرب بر شتر شد سوار

شتر زین سواری سرافراز شد | شتربان بعزت حدی ساز شد
بسوی زمامش چو شه دست برد | زمام ارادت بدستش سپرد
شترمرکب موکب انبیا ست | سواری بر و نسبت مصطفےٰ است
شہنشہ سواری جمازہ کرد | رہ و رسم پیغمبری تازہ کرد

تاریخون مین ہے کہ اکبر نے اس مسافت کو نو دن مین طے کیا تھا، لیکن فیضی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے، کہ اِس سفر کی مدت صرف ایک ہفتہ تھی،

شہنشہ شتابان براہِ سفر | زعمر گرامی شتابندہ تر ،
بیک ہفتہ در احمد آباد رفت | تو گوئی کہ بر مرکب باد رفت
رسانند ارباب معنی بعرض | کہ شاہ و ولی را بود طی ارض
بر ارباب کشف و کرامت جلی است | کہ شاہ بحق رتبہ داخل ولی است

اکبر احمد آباد پہونچا تو شہر کے لوگ حاضرِ خدمت ہوئے، اور فریق آمادۂ شر و فساد نظر آیا،

ہمہ پاکبازان شہر از نشیب | رسیدند ناگہ چو مردان غیب
مخالف پئے جنگ آمادہ بود | میان را بکین بستہ ایستادہ بود
سپاہِ مغل با محمدؐ حسین، | چو شوخان عیار پر شور و شین
دلیران گجراتی سبز رنگ | سراسر ور آئینۂ ملک زنگ

محمد حسین مرزا نے اختیار الملک سے ساز باز کر لیا تھا، اس لئے محمد حسین کے قتل کے بعد بھی وہ فتنہ جوئی سے باز نہ آیا، چنانچہ فیضی محمد حسین کے واقعۂ قتل کے بعد لکھتا ہے،:-

چو آن فتنہ بنشست از تیغ شاہ | دگر فتنہ برخاست از رزم گاہ

سپہ دار گجراتیان اختیار | کمین کردہ آمد پے کارزار

زرہ پوش گجراتیان یکسرہ | طپان مرغ آہنی پنجرہ

لیکن اکبر نے اس کو بھی مغلوب کر لیا، چنانچہ فیضی اختتام مثنوی کے قریب کہتا ہے:-

دو دشمن بیکبار مقہور شد | چہ گویم کہ نور علی نور شد

ملک مژدہ گویان زبالا رسید | کہ منشور (اِنَّا فَتَحْنَا) رسید

قضا گفت صد آفرین شاہ را | قدر خواند (نَصْرٌ مِّنَ اللّٰہ) را

نئی کتاب

سیر المہاجرین کا پہلا حصہ

خلفائے راشدین

از

مولوی حاجی معین الدین صاحب ندوی سابق رفیق دار المصنفین

سیر الصحابہ کے سلسلہ مہاجرین کا پہلا حصہ اس نام سے شایع ہوا ہے، اس میں حضرت ابو بکر صدیقؓ حضرت فاروقؓ، حضرت عثمانؓ ذی النورین اور حضرت علیؓ مرتضیٰ کے حالات ذاتی، سوانح، اخلاق وفضائل اور ان کی خلافت کے سیاسی، انتظامی، علمی، دینی، کارنامے، اور فتوحات ملکی بہ تفصیل لکھے گئے ہیں جنکو پڑھکر خلافت راشدہ کی ۳۲ سالہ تاریخ پوری سامنے آجاتی ہے، اور ان خلفائے راشدین کے کمالات، فضائل، مناقب اور کارنامے پیش نظر ہو جاتے ہیں، ضخامت ۴۰۵ صفحے، لکھائی چھپائی کاغذ اعلیٰ، قیمت ہے

"منیجر"

تلخیص و تبصرہ

مصر کا قانونِ نکاح

ٹرکی کے تمدنی انقلابات کا نہایت گہرا اثر مصر پر پڑ رہا ہے، اور عجب نہین کہ رفتہ رفتہ یہ سیلاب دنیائے اسلام مین پھیل جائے، نکاح و طلاق کے مسائل اور معاملات مین ٹرکی نے جو کچھ کیا ہے، وہ اخبارات کے ذریعہ آپ تک پہونچ چکے ہین، اب یہ شورش مصر تک پہونچ چکی ہے، لیکن چونکہ بحمد اللہ مصر مین ایسے روشن دل اور روشن ضمیر علما موجود ہین جو نئے حالات کو اسلام کے مطابق کرنے کی قابلیت رکھتے ہین، اس لئے انقلاب مین بھی اعتدال کی ایک صورت وہان قائم رہجانے کی امید ہوتی ہے، چونکہ معارف مین مسائلِ نکاح پر ایک مسلسل مضمون نکل رہا ہے، اس تقریب سے مصر کی پارلیمنٹ مین نکاح کے متعلق جو اصلاحی قانون پیش ہوا ہے اس کا بھی آپ کے سامنے آجانا مناسب ہے، یہ قانون مختلف مسائل نکاح طلاق نفقہ، تعدد ازدواج وغیرہ پر مشتمل ہے، اور اس کے کل ۲۵ دفعات بہ ترتیب ذیل ہین، جو المنار مصر سے لیکر نقل کئے جاتے ہین،

۱۔ تعدد زوجات،

(دفعہ ۱) ایک شادی شدہ شخص اس شرعی قاضی کی اجازت کے بغیر جس کے حلقے مین اُس کا مکان ہے، نہ کسی دوسری عورت سے نکاح کر سکتا ہے نہ کوئی شخص اس نکاح کو پڑھا سکتا ہے، نہ اس کی رجسٹری کر سکتا ہے،

(دفعہ ۲) قاضی ایک شادی شدہ شخص کو اس وقت تک دوسرے نکاح کی اجازت نہین دیسکتا

جب تک غور و فکر نہ کرلے، اور جب تک یہ نہ معلوم ہو جائے کہ وہ حسن معاشرت کی قدرت رکھتا ہے، اور جو عورتین اس کے نکاح مین ہین، اور اس کے آباد اجداد اور آل و اولاد مین جنکی کفالت اس کے ذمہ ہے، ان سے زیادہ لوگون کی کفالت کر سکتا ہے،

(دفعہ ۳) اس قانون پر عمل کرنے کے بعد نکاح کا جو دعویٰ ہوگا اگر عدالت کے سامنے اُس کا انکار کر دیا جائے، تو جب تک سرکاری کاغذ کے ذریعہ سے ثابت نہ کیا جائے، اس کی سماعت نہ ہوگی،

۲- (طلاق)

(دفعہ ۴) جو شخص حالتِ نشہ مین ہو، یا اس سے بجبر طلاق دلوائی گئی ہو، اسکی طلاق واقع نہوگی،

(دفعہ ۵) جو طلاق کسی چیز کے کرنے نہ کرنے پر متعلق ہو، واقع نہ ہوگی،

(دفعہ ۶) لفظاً یا اشارۃً جس طلاق کی تعداد بیان کر دی گئی ہو، اس سے صرف ایک طلاق واقع ہوگی،

(دفعہ ۷) طلاق کنائی یعنی جس مین طلاق اور غیر طلاق دونون کا احتمال ہو اس سے صرف بائن طلاق واقع ہوگی،

(دفعہ ۸) مکمل تین طلاق، طلاق قبل خلوت صحیحہ، طلاق باخذ مال اور اس طلاق کے علاوہ جس کے متعلق اس قانون مین یا قانون رقم ۲۵ سنہ ۱۹۲۰ء مین یہ تصریح کر دی گئی ہے کہ وہ بائن ہے، اور تمام طلاقین رجعی ہون گی،

۳- (شوہر کے شرائط پورے نہ کرنے پر فسخ)

(دفعہ ۹) اگر بی بی نکاح مین شوہر کو ایسی شرط کا پابند کرے جس مین اس کا فائدہ ہو، اور وہ مقاصدِ نکاح کے مخالف نہ ہو مثلاً یہ کہ وہ اس کے بعد کسی دوسری عورت سے نکاح نہ کریگا، یا اس کی سوت کو طلاق دیدیگا، یا یہ کہ اس کو کسی دوسرے شہر مین نہ لیجائیگا، تو یہ شرط صحیح ہو

اس کی پابندی لازمی ہوگی اور اگر شوہر اس شرط کو پورا نہ کرے، تو بی بی کو فسخ نکاح کا حق حاصل ہوگا اور جب تک وہ اس شرط کو ساقط نہ کردے یا اس شرط کی مخالفت کرنے پر راضی نہ ہوجائے اس کا حق فسخ نکاح ساقط نہ ہوگا،

۴-(میان بی بی مین نزاع اور نقصان کی وجہ سے طلاق)

(دفعہ ۱۰) اگر بی بی یہ دعوی کرے کہ شوہر اس کو ایسا نقصان پہونچا رہا ہے جس کے ساتھ ان دونون جیسے اشخاص مین عادۃً معاشرت قائم نہین رکھی جاسکتی اور علحدگی کی خواستگار ہو تو اگر ضرر ثابت ہوجائے اور قاضی ان دونون کے درمیان مصالحت نہ کراسکے تو وہ اس کو طلاق بائن دیدیگا، اور اگر ضرر ثابت نہ ہو تو قاضی دو پنچون کو بھیجے گا، اور ان دونون کی رائے کے مطابق جیسا کہ دفعات (۱۱-۱۲-۱۳-۱۴-۱۵- اور ۱۶) مین مذکور ہے، فیصلہ کریگا،

(دفعہ ۱۱) پنچون کے متعلق یہ شرط ہے کہ دونون مرد عادل ہون اور اگر ممکن ہو تو میان بیوی کے خاندان سے ہون اور اگر ان دونون کے خاندان سے نہ ہون تو ایسے اشخاص ہون جن کو میان بیوی کے حالات سے واقفیت حاصل ہو، ان مین مصالحت کرانیکی قدرت رکھتے ہون، اور نزاع کے احکام سے واقف ہون، گو قاضی کی تعلیم ہی سے سہی،

(دفعہ ۱۲) پنچون کے لئے یہ ضروری ہی، کہ میان بیوی کی نزاع کے اسباب سے واقف ہون اور مصالحت کے لئے پوری کوشش کرین اور اگر کسی معین طریقہ پر مصالحت ہوجائے تو کرادین،

(دفعہ ۱۳) جب دونون پنچ مصالحت سے عاجز آجائین، اور ضرر رسانی شوہر کی جانب سے یا میان بیوی دونون کی جانب سے ہو یا دونون کے حالات سے واقفیت نہ ہوسکے تو بلاعوض طلاق بائن کے ذریعہ سے علیحدگی کرادین،

(دفعہ ۱۴) اگر ضرر رسانی بی بی کی جانب سے ہو تو دونون پنچ وہ فیصلہ کرین جو متعینہ مصلحت کا

اقتضا ہو یعنی بی بی کو شوہر کی حفاظت مین رہنے دین یا بی بی سے معاوضہ لیکر طلاق بائن کے ذریعہ سے علٰحدگی کرادین، لیکن اگر مصلحت معین نہ ہو تو دونون پنچون کو اختیار ہے کہ علٰحدگی کرادین اور اگر شوہر طلاق دینا نہین چاہتا تو نکاح قائم رہنے دین، لیکن اگر وہ طلاق دینا چاہتا ہے تو بی بی سے معاوضہ دلاکر طلاق دلادین،

(دفعہ ۱۵) اگر دونون پنچ اختلاف کرین تو قاضی ان دونون کو دوبارہ تحقیقات کرنے کا حکم دے، اگر اب بھی ان دونون مین اختلاف باقی رہے تو دوسرے دن کو پنچ مقرر کرے،

(دفعہ ۱۶) دونون پنچون کا یہ فرض ہے کہ جو فیصلہ کرین اس کو تمام حالات مین قاضی کے سامنے پیش کرین، اور قاضی اس کو نافذ کرے،

(دفعہ ۱۷) اگر شوہر ایک سال یا اس سے زائد مدت کے لئے بی بی سے الگ کسی دوسرے مقام پر رہے، اور اگر بی بی کو اس کی دوری سے نقصان پہونچے، تو وہ قاضی سے طلاق بائن کی درخواست کرسکتی ہے، گو شوہر نے اتنا مال چھوڑ دیا ہو کہ وہ اس سے اپنے مصارف چلا سکتی ہو،

(دفعہ ۱۸) اگر مسافر شوہر کے پاس خطوط کا پہونچنا ممکن ہو تو قاضی اس کے لئے ایک مدت مقرر کردیگا اور اس کو یہ اطلاع دیگا کہ اگر اس کے ساتھ رہنے کے لئے وہ نہ آیا یا اس کو اپنے پاس بلا نہ لیا یا اس کو طلاق نہ دیدی، تو قاضی اس کو طلاق دیدیگا، تو جب مدت گذرجائیگی اور وہ اس کی تعمیل نہ کریگا تو قاضی طلاق بائن کے ذریعہ سے دونون مین علٰحدگی کرادیگا، اور اگر خطوط کا پہونچنا ناممکن ہوگا تو قاضی اس کو بلا اطلاع و تعین مدت طلاق دیدیگا،

(دفعہ ۱۹) ایک قیدی جس کے لئے آخر طور پر یہ فیصلہ ہوچکا ہے کہ اس کو ایک ایسی سزا دیگئی ہے جو اس کی آزادی کو تین سال یا اس سے زائد مدت کے لئے پابند کرے گی، اس کی بی بی اسکی قید کی مدت کے ایک سال گذرجانے پر قاضی سے بوجہ نقصان کے طلاق کی درخواست کرسکے گی، گو

اس نے اس قدر مال چھوڑا ہو جس سے وہ اپنے مصارف مین صرف کر سکتی ہو،

۵- (نسب کا دعوی)

(دفعہ ۲۰) میان بیوی کے درمیان اگر نکاح کے وقت سے ملاقات نہ ثابت ہو تو بی بی کے لڑکے کا دعوائے نسب نہ سنا جاویگا،

(دفعہ ۲۱) اگر ایک عورت شوہر کی غیر موجودگی کے ایک سال بعد بچہ جنتی ہے اس مدت مین دونون کے درمیان ملاقات ثابت نہین ہے، تو اس لڑکے کے نسب کا دعویٰ سنا نہ جائیگا،

(دفعہ ۲۲) ایک عورت جس کو طلاق دیگئی ہو یا اس کا شوہر مر گیا ہو، اگر طلاق اور وفات کے وقت سے ایک سال سے زائد مدت مین بچہ جنے تو اس کے نسب کا دعویٰ نہ سنا جائیگا،

۶- (نفقہ)

(دفعہ ۲۳) بی بی کی حالت کیسی ہی ہو لیکن اس کا نفقہ شوہر کی فراخ دستی اور تنگدستی کے مطابق معین کیا جائے گا،

(دفعہ ۲۴) عدت کے نفقہ کے متعلق تاریخ طلاق سے ایک سال سے زائد مدت کا دعویٰ نہ سنا جائیگا

۷- (پرورش کا سن)

(دفعہ ۲۵) قاضی عورتون کو سات سال کے بعد نوسال تک لڑکے کی اور نو سال سے اگیارہ سال تک لڑکی کی پرورش کی اجازت دے سکتا ہے، بشرطیکہ اس کو یہ معلوم ہو جائے، کہ اس مین دونون کی مصلحت ہے، (ع)

فلسطین مین تعلیمی جدوجہد

"الضحا" دمشق مین فلسطین کے "نظام تعلیم" پر حیفا کے سرکاری مدرسہ کے مدرس اعلی سعید صباغ کے

بعض مفید بیانات شائع ہوئے ہین جن سے وہان کی عام تعلیمی جد وجہد کا پتہ چلتا ہے،

سررشتۂ تعلیم کی نظامت اعلیٰ پر اگرچہ استعماریت کے اثر سے ایک انگریز فائز ہے، تاہم وہ اپنے صیغہ کے تمام فرائض ایک مجلسِ شوری کے مشورہ سے انجام دیتا ہے، یہ مجلس وہان کے ایسے مخصوص اہل علم پر مشتمل ہے جنھین تعلیمی صیغہ مین بھی نمایان حیثیت حاصل ہے،

سررشتۂ تعلیم کے ماتحت سب سے اہم شعبہ صیغۂ تفتیش ہے، جس کے ماتحت مختلف علوم وفنون کے لئے جدا جدا انسپکٹر اور ڈپٹی انسپکٹر ہر ضلع مین متعین ہین، جو اپنے اپنے ضلع کے تمام ابتدائی، ثانوی اور اعلیٰ مدارس مین اپنے اپنے فن کی تعلیم کا معائنہ کرتے ہین، اور اور اساتذہ کے ایک مدرسہ سے دوسرے مدرسہ مین تبادلہ کا انتظام کرتے ہین، مدارس کی عام نگرانی اور دیکھ بھال بھی اسی صیغہ کے متعلق ہے، اور پھر ضلع دار انسپکٹرون پر ہر ہر فن کے جدا جدا افسر ہوتے ہین، چنانچہ انھین اعلیٰ افسرون مین سے ایک پروفیسر خرل ہین، جو کیمبرج یونیورسٹی کے ممتاز تعلیم یافتہ ہونے کے علاوہ مشرقی زبانون بالخصوص قدیم زبانون کے فلسفہ کے خاص ماہر شمار کئے جاتے ہین، اور اسی کے ساتھ تاریخ وجغرافیہ مین بھی ان کو خاص دستگاہ حاصل ہے، اور سررشتۂ تعلیم مین انھین علوم کی نگرانی ان کے سپرد ہے، ان کے علاوہ ایک اور پروفیسر جبرئیل کانول بھی قابلِ ذکر ہین جنھین علوم طبعیہ اور ریاضیات مین خاص امتیاز حاصل ہے،

سررشتۂ تعلیم کی سب سے بڑی خوش قسمتی یہ ہے کہ اس نے پروفیسر اسعاف نشاشیبی کے خدمات بھی حاصل کرلئے ہین، انھین عربی علم وادب مین اس درجہ دستگاہ حاصل ہے کہ مصر وشام کے ممتاز اہل علم ان کے حاشیہ نشینون مین داخل ہین، ان کے علاوہ پروفیسر خلیل سکاکینی بھی جو وہان کے مختلف وطنی مدارس کے اہتمام کے فرائض انجام دیچکے ہین، اب سررشتۂ تعلیم سے منسلک ہوگئے ہین،

یہی لوگ ناظم اعلیٰ یا جانسار کی مجلسِ مشاورت کے ارکان ہین، تمام مدارس کے اساتذہ کو علمی و تعلیمی مشورے دیتے ہین، اور تعلیمی سلسلہ کی تمام نگرانی انھین کے سپرد ہوتی ہے،

خدا کا شکر ہے کہ ابتک مدارس کی تعلیمی زبان عربی ہی ہے، اسی مین تمام جدید و قدیم علوم و فنون کی تعلیم دیجاتی ہے، انگریزی زبان، زبان ثانی یا غیر ملکی زبان کے طور پر رائج کی گئی ہے، جس کی تعلیم ابتدائی مدارس کے تیسرے درجہ سے شروع ہوتی ہے،

سررشتۂ تعلیم نے تعلیم کی عام نشر و اشاعت، اور اس کو صحیح معیار پر لانے کے لئے مختلف طریقے رائج کئے ہین، چنانچہ ہر مدرسہ مین ایک کتب خانہ ضروری طور پر رکھا گیا ہے، جس مین مختلف قدیم وجدید علوم و فنون کی مفید کتابین جمع کیجاتی ہین، اور عربی زبان مین جدید علوم و فنون پر مصر و شام مین جو کتابین شائع ہوتی رہتی ہین، وہ یہان بالالتزام منگائی جاتی ہین،

اس کے علاوہ سررشتۂ تعلیم کے ماتحت ایک سالانہ اجلاس ہوتا ہے، جس مین تمام مدارس کے مدرسین اعلی، اور بعض دیگر ممتاز اساتذہ جمع ہوکر مدارس کے نظم و نسق اور علمی و تعلیمی ترقیون پر تبادلۂ خیالات کرتے ہین، اگرچہ وہان کے مدارس مین یوروپین اساتذہ بھی ہین، مگر با این ہمہ اس سالانہ اجلاس کی زبان عربی ہی ہوتی ہے،

اس کے علاوہ ہر تیسرے سال سررشتۂ تعلیم کی طرف سے تین علمی وفد تحقیق و تجسس کے لئے ملک سے باہر بھیجے جاتے ہین، جنمین سے ایک امریکن کالج بیروت کو جاتا ہے، دوسرا مصر کی یونیورسٹی مین اور تیسرا انگلستان کی یونیورسٹیون مین بھیجا جاتا ہے،

یہان کے اساتذہ کی علمی و تعلیمی ترقی کا بھی خاص اہتمام کیا گیا ہے، اس کے لئے چند امتحانات مقرر ہین، جنمین وہ مختلف سالون مین شریک ہوتے ہین، اور اسی تناسب سے ان کے مقاصد مین ترقی کیجاتی ہے، جس کی وجہ سے اساتذہ کا علمی مطالعہ ہمیشہ جاری رہتا ہے،

خالص مذہبی مدارس اس سلسلہ سے الگ ہین، اور وہ اپنی قدیم حالت پر باقی ہین، مسلمانون نے بیروت مین اپنا ایک الگ اسلامیہ کالج بھی قائم کیا ہے، جسمین طلبہ کی خاصی تعداد ہے، اسکی بنا و تاسیس کا شرف ایک غیر متمول اور پرجوش عالم کو حاصل ہے،

" ر "

اخبارِ علمیہ

دنیا کی مردم شماری مین ترقی، جدید تمدن کے بے شمار ہلاکت آفرین مصائب کے باوجود دنیا کی آبادی کے تناسب سے روبترقی ہے، چنانچہ اٹھارہوین صدی کے اوائل مین دنیا کی آبادی ۰۰۰ ملین نفوس پر مشتمل تھی، اور اب اس کی آبادی ۲۰۰۰ ملین تک پہونچ گئی ہے،

جرمنی مین الحاد، جرمنی مین قیامِ جمہوریت سے پہلے وہان کے گرجون کا نظم و نسق حکومت کے تحت تھا، جو کیتھولک اور پروٹسٹنٹ فرقون کے گرجون مین پادریون کا عزل و نصب بھی کرتی تھی، مگر ۱۹۱۹ء کے اعلانِ جمہوریت کے بعد حکومت نے صیغۂ مذہبی کو آزاد کر دیا، اور ان گرجون کا نظم و نسق وہان کی مسیحی انجمنین انفرادی طور پر انجام دینے لگین، مگر اس انقلاب کے نتائج سے ظاہر ہوا کہ مسیحیت کے حق مین یہ مذہبی آزادی راس نہ آئی، اور وہان عام طور پر الحاد و زندقہ کی وبا پھیل گئی، خصوصاً پروٹسٹنٹ فرقہ کے لوگون نے اس طرف خاص پیش قدمی کی، چنانچہ ۱۹۲۱ء تک اس فرقہ کے ۲۰۷۶۴۲ اشخاص اپنے ملحد ہونے کا اعلان کر چکے تھے،

ایک جدید قسم کی شکر، جرمنی کے ڈاکٹر برجس چند سال سے لکڑی سے شکر تیار کرنے مین مصروف تھے، اب وہ اپنی جدوجہد مین کامیاب ہوگئے ہین، اور اپنے خاص اہتمام مین ایک کارخانہ کھول دیا ہے، جس کی شکر وہان کے بازارون مین آگئی ہے، اور مقبول ہو رہی ہے، یہ شکر کسی قدر خاکستری رنگ لئے ہوئے ہے، جسمین ۹۵ فی صدی خالص شکر کے اجزاء ہین، اس اختراع سے خطرہ ہے کہ جس طرح

جرمنی نے دنیا کے مختلف حصوں خصوصاً ہندوستان مین نیل کی زراعت کو نقصان پہونچایا، اسیطرح کہین گنے کی زراعت کا بھی خاتمہ نہ کر دے،

ہوائی جہازون کی ارزانی، اس وقت ہوائی جہازون کی تجارت مین مختلف ملکون مین مسابقت جاری ہے، جس کی وجہ سے ان کی قیمت مین نہایت ارزانی ہو رہی ہے، ابتک اس مسابقت مین جرمنی کو تفوق حاصل ہے، چنانچہ وہان بڑے جہازون کی قیمت ۱۰۰۰ پونڈ اور چھوٹے جہازون کی تقریباً ۳۰۰ پونڈ ہے،

پانی کی گہرائی کی پیمائش، فرانسیسی حکومت نے بحر اٹلانٹک کی گہرائی کی پیمائش کے لئے ایک جہاز روانہ کیا تھا، اِس پیمائش کے نتائج پانی کی گہرائی کے ان قدیم نقشون سے بہت مختلف ثابت ہوئے، جو اس سے پہلے مرتب ہوئے تھے، اس کی وجہ سے یہ نتیجہ نکالا گیا ہے کہ پانی کی گہرائی مین یکسانی رہنے کے بجائے، ہمیشہ کمی زیادتی ہوتی رہتی ہے،

جزیرون کی حرکت، اسی طرح حکومت اٹلی نے ایک وفد جزیرون کی حرکت کی تحقیق کیلئے بحر روم مین بھیجا تھا، اس وفد نے بھی اپنی روداد شائع کر دی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے، کہ جزیرۂ گوزو کا مغرب کی طرف نہایت آہستگی سے ہٹتا جاتا ہے، اور اس حرکت کا صحیح اندازہ تقریباً ایک صدی مین ۱۰ میٹر ہے،

امریکہ کی دولت، حکومت ولایاتِ متحدہ امریکہ کی دولت و ثروت سال بہ سال ترقی

پر ہے، اور ابتک یہ دنیا کے بازار مین بہت سے ممالک پر سبقت لیجا چکی ہے، ذیل کے اعداد و شمار سے واضح ہوگا، کہ دنیا کے بازار مین امریکہ کو کیا مرتبہ حاصل ہے، :-

لوہے کی تجارت کے مجموعی منافع مین امریکہ کا ۵۱ فیصدی حصہ ہے،

فولاد	″	″	″	″	۶۶	″	″
تانبے	″	″	″	″	۵۱	″	″
پٹرول	″	″	″	″	۶۲	″	″
لکڑی	″	″	″	″	۵۲	″	″
دیاسلائی	″	″	″	″	۶۰	″	″
رنگ	″	″	″	″	۶۴	″	″
روئی	″	″	″	″	۵۵	″	″

اور موٹرون کا حساب یہ ہے کہ اس وقت تمام عالم مین موٹرون کی مجموعی تعداد ۲۷۵۴۶۵۴۲ ہے جس مین خاص امریکہ مین ۷۴،۲۴۱۹۹۵۱ موٹر ہین، گویا اس وقت امریکہ مین دنیا کے تمام موٹرون کے اعتبار سے ۸۱ فی صدی موٹر ہین،

شور و شغب کا اثر اعصاب پر، کولمبو یونیورسٹی کے مشہور پروفیسر ڈاکٹر لرڈ نے اپنے دو ہفتے صرف اسی تجربہ کے لئے مخصوص کردیئے تھے کہ شور و شغب سے انسان کے اعصاب پر کیا اثرات طاری ہوتے ہین،

چنانچہ وہ اس نتیجہ پر پہونچے ہین کہ انسان خواہ کسی کام مین مصروف ہو یا بیکار بیٹھا ہو اس کے اعصاب کو شور و شغب تھکا دیتے ہین، یہان تک کہ ایک سونے والا خواہ کتنی ہی بے خبری کی نیند لے رہا ہو، اس سے ضرور متاثر ہوتا ہے، اور اس کا عملی ثبوت یہ ہے کہ دو اشخاص ایک ہی

کام مین مصروف ہون ایک امن وسکون کی حالت مین کام کر رہا ہو، اور دوسرا شور وشغب مین، تو گو دونون اپنے کام کو ایک ہی وقت ختم کرین گے مگر پہلے کی بہ نسبت دوسرا شخص زیادہ تھک جائیگا

اور اس سلسلہ مین یہ سن کر حیرت ہوگی کہ اہل علم مین بھی شدید اختلاف تھا کہ آیا اعصاب مین تھکن پیدا بھی ہوتی ہے کہ نہین، کیونکہ بعض اہل علم کا خیال ہے کہ اعصاب برقی تار کی قسم کے ٹھوس ہوتے ہین، اس لئے دراصل پریشانی و درماندگی کا تعلق عضلات سے ہوتا ہے، مگر ایک انگریز موجد ڈاکٹر ہل نے ایک نہایت باریک اور نازک تھرمامیٹر ایجاد کرکے اس اختلاف کا فیصلہ کردیا، اس سے دس ملین درجہ حرارت کے ایک جزء کے اختلاف کا پتہ چلتا ہے، موجد نے اس سے ثابت کیا ہے کہ انسان کے اعصاب سے ادنیٰ سے ادنیٰ سرگرمی جو ظاہر ہوتی ہے وہ بڑی مقدار مین حرارت کو بڑھا دیتی ہے، جو ایک طویل آرام کے بغیر اپنی طبعی حالت پر نہین پہونچتی ہے، جس سے یہ نتیجہ نکالا گیا ہے کہ تمام کام کرنے والون مین سے خصوصاً دماغی کام کرنے والون کو بہت زیادہ آرام کرنے کی ضرورت ہے،

ایک مفید طبی آلہ کی ایجاد، آسٹریا کے ڈاکٹر روڈلف ایک ایسے کہربائی آلہ کی ایجاد مین کامیاب ہوگئے ہین جس سے مشتبہ موتون کی تحقیق ہوسکے گی، دیکھا گیا ہے، کہ کبھی غشی وغیرہ سے مریض کی نبض ڈوب جاتی ہے، یا حبس دم ہوکر سکتہ کا ایسا عالم طاری ہوجاتا ہے، کہ اطبا کو مریض کے موت وحیات مین تمیز باقی نہین رہتی، اور اسکی وجہ سے موت کا فیصلہ کردیا جاتا ہے، مگر اب یہ جدید آلہ اس شبہہ کو زائل کر سکے گا، یہ آلہ مریض کے پیٹ پر لگایا جائیگا، اگر اس مین کچھ بھی جان باقی ہوگی تو اس کی کہربائی رو جسم مین حرکت پیدا کردیگی، پھر اسکی مدد سے مریض کی اکھڑی ہوئی سانس کو سنبھال لیا جائیگا، اگر یہ آلہ دراصل کامیاب ہوگیا تو یہ جدید علم طب مین بہت بڑا اضافہ ہوگا،

باب التقریظ والانتقاد

مرآۃ احمدی

تاریخِ گجرات

گجرات کی تاریخ مین بہت سی کتابین لکھی گئی ہین، لیکن تفصیل وبسط اور استناد کے لحاظ سے مرآۃ احمدی کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے، یہ مرزا محمد حسن الملقب بہ علی محمد خان بہادر کی تصنیف ہے، ان کے باپ سنہ ۱۱۲۰ھ مین سلاطینِ دہلی کی طرف سے احمد آباد مین صوبۂ گجرات کے وقائع نگار تھے، اس وقت علی محمد خان بھی اپنے باپ کے ساتھ تھے، جوان ہو کر سنہ ۱۱۵۹ھ مین گجرات مین دیوان مقرر ہوئے، تاریخ وفات نہین معلوم، مگر کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ سنہ ۱۱۷۶ھ تک وہ بقیدِ حیات تھے، اور خود یہ کتاب ۱۰ صفر سنہ ۱۱۷۵ھ کو اختتام کو پہونچی،

مصنف کو چونکہ دفتری کاغذات اور وقائع سے خاندانی واقفیت تھی اور اپنے عہدہ کے لحاظ سے تمام سرکاری کاغذات اور فرامین شاہی سے براہ راست اطلاع تھی اس لئے وہ تمام واقعات جو اس کے مشاہدہ سے گذرے یا کاغذات سرکاری سے معلوم ہوئے، ان سب کو سلیقہ کے ساتھ اس کتاب مین یکجا کردیا ہے، شاہجہان، اور عالمگیر کے بہت سے فرامین بلفظہ اس مین موجود ہین، اس بنا پر اس کی اہمیت بہت زیادہ ہے، اس کے علاوہ یہ تاریخ گجرات کی کامل تاریخ ہے، یعنی آغاز سے جب گجرات پر ہندو راجہ حکومت کرتے تھے اس وقت سے اپنے عہد تک کے ایک ہزار سال کے واقعات اس نے اسمین قلمبند کئے ہین، اور یہ دعویٰ کیا ہے کہ اس نے تاریخ کے فرض کو نہایت ایمانداری اور ناطرفداری کے ساتھ ادا کیا ہے، چنانچہ خاتمہ مین لکھتا ہے:-

"دکر چون عہد نمودہ و بر خود لازم و محتم شمردہ کہ در نگارش احوالات از رعایت و عداوت

خویش و بیگانہ پرہیز داشتہ انچہ نفس الامر و بیان واقع باشد درج سازد"

یہ کتاب آج سے چالیس برس پہلے بمبئی مین ناقص صورت مین چھپی تھی، مگر یہ نسخہ نہ صرف ناقص تھا بلکہ جو چھپا بھی تھا وہ نہایت غلط، مسخ اور محرف تھا، ضرورت تھی کہ اس کتاب کو پوری صحت، اہتمام، اور تکمیل کے ساتھ چھاپا جائے، خوش قسمتی سے اس کا اصلی نسخہ جس پر خود مصنف کے دستخط اور ختم کتاب کے ایک سال بعد یعنی ۱۱۷۶ھ کا لکھا ہوا مصنف کے خاندان سے دربار کھنبائت کی سفارش سے چارلس نارمن سڈن صاحب وزیر مال ریاست بڑودہ کو ہاتھ آیا، گجرات کے رقبہ کے معتدبہ حصہ کی وراثت اور ملکیت کا شرف ریاست بڑودہ کو حاصل ہے، اس بنا پر تاریخ گجرات کا سلسلہ ریاست بڑودہ سے بھی آکر مل جاتا ہے، ایسی حالت مین ریاست مذکورہ کا فرض تھا کہ وہ اس اہم کتاب کی اشاعت کی خدمت اپنے سرے، چنانچہ اس کام کے لئے خود ریاست کے دار العلوم بڑودہ کالج مین ایک مستحق اور لائق ہستی موجود تھی، اور وہ جناب پروفیسر نواب علی ایم اے کی ذات تھی، اس کتاب کی تصحیح و تحشیہ اور طباعت کی خدمت کیلیے ہز ہائنس مہاراجہ گائیکواڑ کی حکومت قابلِ تحسین ہی کہ اسنے پروفیسر ممدوح کا انتخاب کیا، اور ممدوح نے نہایت قابلیت اور سلیقہ کے ساتھ اس خدمت کو انجام دیا،

اس وقت پیش نظر حصہ تاریخ مرآۃ احمدی کی جلد دوم ہے، جو پہلے ناقص اور غلط سلط چھپی تھی، اس مین ناقص حصہ پورا کیا گیا، غلطیون کی تصحیح کی گئی، شروع مین دیباچہ لکھا گیا، آخر مین مختلف ضروری فہرستین، اور تشریحی حوالون کے نشان دیئے گئے، اسماء و اعلام کا برنامہ بڑھایا گیا، اور اس طرح نہایت عمدہ ٹائپ مین اچھے کاغذ پر، یہ کلکتہ کے بپٹسٹ مشن پریس مین چھپوائی گئی ہے، آخر مین مشہور بنگالی مورخ جدونا تھ سرکار کا مختصر انگریزی مقدمہ ہے،

یہ جلد ۱۱۲۶ھ سے جو فرخ سیر بادشاہ کا زمانہ تھا، اور جس کی طرف سے مہاراجہ اجیت سنگھ والی جودھپور گجرات کا صوبہ دار مقرر ہو کر آیا تھا، ۱۱۷۰ھ تک کے واقعات پر مشتمل ہے، جب احمد شاہ ابدالی

ہندوستان آچکا تھا، اور گجرات تیموریون کی عملداری سے نکلکر مرہٹون کے قبضۂ تصرف مین وہ جاچکا تھا، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ جلد واقعات تاریخی کے لحاظ سے نہایت اہم اور نازک زمانہ کی تاریخ ہے، مرہٹون کے تاخت وتاراج اور ان کے عروج وکمال کا بیان بھی اس مین ضمناً آگیا ہے،

ہز ہائنس گائیکوار بڑودہ کی طرف سے مشرقی کتابون کی اشاعت کا ایک سلسلہ ہے جس مین اب تک زیادہ تر سنسکرت کتابون کو جگہ ملی ہے، یہ فارسی کتاب اور غالباً پہلی فارسی کتاب اسمین داخل ہوکر اشاعت پذیر ہوئی ہے، اب تک اس سلسلہ مین ۴۳ کتابین شایع ہوچکی ہین، اور اب یہ چوالیسوین کتاب ہے، سنٹرل لائبریری بڑودہ کے پتہ سے ملے گی، قیمت لعہ، ضخامت ۲۲۶ صفحے،

تاریخ فلسفۂ اسلام

جامعہ ملیہ نے اُردو کتابون کی تالیف وترجمہ کا جو سلسلہ شروع کیا ہے اس کی ایک کڑی یہ کتاب "تاریخ فلسفۂ اسلام" ہے یہ کتاب اصل مین، ٹ، ج، دو بوئر ایک ہالینڈی مستشرق کی جرمن کتاب کا ترجمہ ہے، جناب ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب ایم اے، پی، ایچ ڈی، (برلن) معلم فلسفہ جامعہ ملیہ نے اس ترجمہ کی خدمت انجام دی ہے، ڈاکٹر صاحب ہمارے شکریہ کے مستحق ہین، کہ انھون نے ہمکو ایک غیر زبان کی اہم تالیف سے روشناس کیا،

دو بوئر جیسا کہ خود اس کی طرف دیباچۂ مترجم مین اقرار کیا گیا ہے، اصل عربی ماخذ تک اسکی دسترس نہین ہوئی، بلکہ دوسرے یورپین مستشرقین نے اس موضوع کے متعلق جو کچھ لکھا تھا، اس کے اقتباسات کی یہ ترتیب ہے، جہان تک ایران کے عہد ساسانی اور اسلام کے عہد مین یہودی اور عیسائی علما اور فلاسفہ کی کوششون کا اور عراق وشام مین ان کی علمی جد وجہد اور تراجم کا تعلق ہے، اس کتاب کے بیانات نہایت پر معلومات اور محققانہ ہین، مگر نفس اسلامی فلسفہ اور مسلمان فلاسفہ کی

نسبت اس کا بیان نہایت ناقص اور ناقابل فہم ہے،

عجیب بات ہے کہ انھین مشرقی علماء اور فلاسفہ کی تصنیفات وخیالات جن کو ہم نے ان کی اصلی زبانون مین اکثر پڑھا ہے، جب انھین کو یورپ کے مصنفین کی ترجمانی وتفسیر کے ذریعہ سے سنتے ہین، تو یہ معلوم ہی نہین ہوتا کہ یہ وہی خیالات آراء اور افکار ہین جن کو ہم نے پڑھا ہے، بلکہ ایک نئی دنیا معلوم ہوتی ہے جو ہماری بار بار کی جانی پہچانی دنیا سے بالکل الگ ہوتی ہے،

کل کتاب سات بابون پر منقسم ہے، باب اول، فلسفۂ اسلامی کی نمود وبود کا بیان، مشرقی حکمت یونانی علوم، باب دوم فلسفہ اور عربی علوم کے متعلق، علم اللسان، علم الفقہ، علم العقائد، علم وادب وتاریخ باب سوم فیثا غورسی فلسفہ کے متعلق دو فصلین، فلسفۂ فطرت اور اخوان الصفا، باب چہارم مشرق کے نوفلاطونی اور ارسطاطالیسی حکماء مین سے کندی، فارابی، ابن مسکویہ، ابن سینا، ابن الہیثم باب پنجم مشرق مین فلسفہ کا انحطاط، غزالی، اور قاموس نگار، باب ششم مین مغرب کے فلاسفہ مین سے ابن باجہ، ابن طفیل، اور ابن رشد، کا ذکر ہے، باب ہفتم مین خاتمۂ ابن خلدون پر ہے،

سب سے پہلے یہ دیکھکر حیرت ہوتی ہو کہ اسلامی فلسفہ کی تاریخ لکھی جائے، اور اس مین رازی کا ذکر نہ ہو، شیخ الاشراق شہاب الدین سہروردی کا نام نہ ہو، ابو البرکات بغدادی کا تذکرہ نہو، ابن تیمیہ کا نام نہ آئے، اندلسی علماء مین ابن حزم اور محی الدین بن عربی کا نام نہ لینا ناقابل عفو جرم ہے، پھر فلاسفہ کی فہرست مین ابن الہیثم کا نام دیکھنا جو علم المناظر والمرایا، اور ریاضیات کے ماہر اور مصنف تھے سخت تعجب انگیز ہے،

اسی طرح مسلمانون مین فلسفہ کا اصلی دور تیسری صدی ہجری کا ہے، جس مین علاف، ابوالہذیل نظام وغیرہ پیدا ہوئے، مصنف نے اس دور کا نہایت ناقص تذکرہ علم العقائد (یعنی علم کلام) کی تاریخ مین کیا ہے، دراصل یہ کتاب اس بحث پر صرف ایک خاکہ کی کتاب ہے، جیسا کہ خود مترجم نے

دیباچہ مین لکھا ہے،

جناب مترجم نے کتاب کے ترجمہ مین پوری زحمت اُٹھائی ہے، اگر بہرحال چونکہ اس نوع کا انھون نے غالباً یہ پہلا کام کیا ہے، اس لئے وہ بہت کچھ تعریف کے مستحق ہین، یہ کتاب نہ صرف اپنے فلسفیانہ مباحث، بلکہ جرمن کی پیچیدہ ترکیب وعبارت کے سبب سے خاصی مشکل ہوگی، جیساکہ ترجمہ کی پیچیدگی اور فقرون کی طولانی سے ظاہر ہوتا ہے، تاہم ڈاکٹر صاحب کا اس مشکل کو حل کرنا اور سینکڑون محاورات اور اصطلاحات کا اردو مقابل تلاش کرلینا آسان کام نہین ہے، زبان کا سقم ہے، مثلاً وہ مقدمہ مین بھی لکھتے ہین، ‘‘چند خیالات کا مجموعہ ہوتا ہے جو اس قوم کا فلسفہ کہلاتے ہین’’ ‘‘زمانۂ حال کے مسلمان ...... کرچکے تھے’’ ‘‘کوئی اغلاط پائے جائین’’، لیکن یہ ابتدائے کار کے مسامحات ہین جو مشق سے جاتے رہین گے،

اسمار اور اعلام مین بھی مترجم سے تسامح ہوا ہے، صفحہ ۱۳۲ مین مہدیین صحیح نہین، موحدین درست ہے، ڈاکٹر صاحب کو اس مین تشابہ ہوا ہے، صفحہ ۱۲۹ مین شہر ‘‘فیرہ’’ کو وہ فیض سمجھتے ہین، صحیح ‘‘فاس’’ ہے، بعض اصطلاحات مین بھی غالباً کچھ تسامح معلوم ہوتا ہے، ایک جگہ مترجم نے علم العقائد کا مقابل علم الفرائض قرار دیا ہے جس سے مقصود غالباً علم فقہ ہے، ورنہ علم الفرائض تو وراثت کی تقسیم کے علم کو کہتے ہین، اسی طرح صفحہ ۱۴۴ مین ‘‘عقول کرات’’ کی جگہ شاید ‘‘عقول افلاک’’ ہونا چاہئے،

بعض تاریخی واقعات مین بھی غلطیان ہین، مثلاً صفحہ ۲ مین لکھا ہے ‘‘مدینہ پہلے (چار) خلفاء کا دارالحکومت تھا’’، حالانکہ یہ صریح غلط ہے، حضرت خلیفۂ چہارم کا دارالحکومت مدینہ نہین کوفہ تھا، اسی صفحہ مین ہے کہ ‘‘۱۵۰۰ء مین شیعون کی سلطنت ایران مین قائم ہونے کے بعد سنیون اور ان کی دائمی کشمکش کا خاتمہ ہوا’’ یہ سنہ تو یقیناً غلط ہے، اس وقت تک تو اسلام بھی پیدا نہین ہوا تھا، ہجری سنہ مین بھی اس قسم کا فیصلہ کن واقعہ خیال مین نہین آتا، اسی صفحہ کے آخر مین ہے ‘‘معاویہ کی فتح

کے بعد جس نے دمشق کو ممالکِ اسلام کا دار السلطنۃ بنایا، مدینہ کی اہمیت محض ذہنی (شاید دینی ہو) حیثیت سے باقی رہ گئی، اسے اس پر اکتفا کرنی پڑی کہ ایک حد تک یہودیت اور عیسائیت کے زیر اثر فقہ اور حدیث کی تدوین کرے، یہ کس قدر عظیم الشان جھوٹ ہے، یہ کس عہد کا واقعہ ہے، کہ مدینہ منورہ مین ایک حد تک یہودیت اور عیسائیت کے زیر اثر فقہ اور حدیث کی تدوین کیجائے، اس عہد مین تو وہان ایک برائے نام یہودی اور عیسائی کا بھی وجود نہ تھا، اسی طرح علم الفقہ اور علم العقائد کے بیان مین بھی مصنفانہ اغلاط پائے جاتے ہین، جن پر حواشی کی ضرورت تھی،

بہرحال جامعۂ ملیہ نے اپنی چند ہی سال کی زندگی مین، تالیفات و تراجم کا جو مفید سلسلہ قائم کیاہے، یہ کتاب اس کی ایک اہم کڑی ہے، ہم ڈاکٹر سید عابد حسین کا دوبارہ شکریہ ادا کرتے ہین، کہ انھون نے اردو مین اس بحث پر سب سے پہلی کتاب پیش کی ہے، ضخامت ۱۵۰ صفحے خط باریک، قیمت عہ، پتہ:۔ مکتبۂ جامعہ ملیہ قرول باغ دہلی،

شرح شادمانی

جلد دوم

بر قصائد حسان العجم خاقانی

از

پروفیسر شادمان

خاقانی کی شاعری کا درجہ کچھ بھی ہو، لیکن وہ اس حیثیت سے نہایت خوش قسمت ہے کہ اس کے قصائد قدیم زمانہ مین بھی داخلِ درس تھے، اور موجودہ دور مین بھی شاملِ نصاب ہین، اس کی اس خوش قسمتی کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے نصابِ تعلیم مین ایک مدت سے اس قسم کی کتابین زیادہ تر داخل ہوتی

رہین ، جو مشکل مغلق ، اور مبہم ہون ، اور خاقانی کے قصائد اس معیار پر پورے اترتے تھے ، اس لئے جہان تک درس وتدریس کا تعلق ہے ، اس کو نہایت حسن قبول حاصل ہوا ، اور آج بھی مشکل اور اعلیٰ امتحانات کے نصاب مین اس کا یہ حسن قبول قائم ہے ، چنانچہ بی ، اے اور ایم اے کے فارسی کورسون مین اس کے قصائد کا انتخاب لازمی طور پر شامل ہوتا ہے ، اور حال مین جو مشرقی امتحانات درجۂ کامل اور دبیر کامل وغیرہ کے نام سے قائم ہوئے ہین ، ان کے نصاب مین بھی اس کے قصائد شامل ہین ،

خاقانی کی اس مشکل پسندی نے ہمیشہ اہل علم کو اس کے قصائد کی شرح کرنے پر آمادہ کیا ہے ، چنانچہ قدیم زمانہ مین بھی اس کی متعدد شرحین لکھی گئی ہین ، اور حال مین بھی اہل علم کی ایک جماعت نے جنمین زیادہ تر پروفیسر شامل ہین اس کے قصائد کی شرحین لکھی ہین ، زیر ریویو شرح جس مین خاقانی کے تیرہ قصیدون کی شرح کی گئی ہے ، اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے ، جو مولوی سید محمد نقی صاحب شادمان پروفیسر اورنٹیل کالج ریاست رام پور ، کے زور قلم کا نتیجہ ہے ، اور قدیم وجدید جس قدر شرحین ملی ہین سب کو پیش نظر رکھ کر لکھی گئی ہے ،

اس شرح کی ابتدا مین سب سے پہلے ایک تمہید ہے جس مین اس شرح کی ترتیب و ماخذ کا تذکرہ ہے ، اور اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انھون نے اس کو کاوش سے لکھا ہے ، اس کے بعد خاقانی کے حالات ہین ، جو زیادہ تر اس کے اشعار سے ماخوذ ہین ، پھر خاقانی کے کلام پر ایک مختصر سا تبصرہ ہے ، جو بالکل ناکافی ہے ، اس کے بعد قصائد کی شرح شروع ہوتی ہے ، شرح کا مقصد ان طلبہ کی مشکلات کا دور کرنا ہے جن کے کورس مین خاقانی کے قصائد شامل ہین ، اس لئے اگر شرح سے پہلے اجمالی طور پر ہر قصیدہ کا موضوع اور اس کی غرض وغایت بھی ظاہر کردیجاتی تو قصیدہ کی شرح سمجھنے مین زیادہ آسانی ہوتی ، لیکن افسوس ہے کہ مصنف نے اس طرف بالکل توجہ نہین کی ،

جو لوگ اس زمانے کے امتحانات کے طرز سے واقف ہین ان کو معلوم ہے کہ طلبہ کے

دماغ پر مختلف علوم اور مختلف کتابون کا کس قدر بار رہتا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ شروح وحواشی
مین اختصار کو ہمیشہ مدّنظر رکھتے ہین، اور زیادہ پڑھنے سے گھبراتے ہین، اس اصول کی بنا پر اگر اس
شرح مین صرف خاقانی کے اشعار کے معانی ومطالب پر اکتفا کیا گیا ہوتا تو وہ طلبہ کے لئے زیادہ
آسانیان پیدا کرتی، لیکن فاضل شارح نے تشریح کے ساتھ تنقید کا فرض بھی ادا کیا ہے، اور تنقید مین
زیادہ تر صرف دو شخصون کو لیا ہے، ایک قابل نامی اور دوسرے فاضل بلگرامی، شرح کے اس طرز
کو بعض لوگون نے ناپسند کیا ہے اور بعض لوگون نے پسندیدگی ظاہر فرمائی ہے، اس لئے فاضل شارح
نے دونون رایون پر عمل کیا ہے، اور آہستہ آہستہ تنقید کا رنگ ہلکا کرتے گئے ہین، شروع کے تین قصائد
مین تنقیدی رنگ گہرا ہے، اور بقیہ قصائد مین ہلکا، لیکن بہرحال طلبہ کی موجودہ ذہنیت وحالت کے
بدلنے کے لئے یہ شرح نہایت مفید و کارآمد ہے، اس زمانہ مین طلبہ کا یہ حال ہے، کہ جب وہ امتحانات
کی تیاری کرتے ہین تو صرف تنکے کا سہارا ڈھونڈھتے ہین، ان کو ایک شرح ایک حاشیہ اور چند
نوٹ کی ضرورت ہوتی ہی، جس سے الفاظ کے معانی اور اشعار کے مطالب سمجھ مین آجائین، صحت و
عدم صحت سے ان کو بحث نہین ہوتی، تقلید محض ان کا شعار ہوتی ہی، تنقید سے کوئی غرض نہین رکھتے،
لیکن اس شرح مین مختلف شراح کے بیان کردہ مطالب ومعانی کو طلبہ کے سامنے رکھدیا گیا ہے،
اور ان کی غلطی ظاہر کردی گئی ہے، اس لئے اگر اُنھون نے اس شرح کو سامنے رکھکر امتحان
کی تیاری کی تو مختلف شُراح کے مطالب ومعانی ان کے پیش نظر ہوجائین گے، اور ان کو صحیح
وغلط مین امتیاز کرنے کا موقع حاصل ہوگا، "ع"

کتاب الفلاحت،

ابوذکریا علامہ یحییٰ بن محمد اشبیلیؒ کی کتاب کا ترجمہ جسے مولوی سید ہاشم ندوی نے ترجمہ کیا ہے، اسمین مصریون
نبطیون، یونانیون اور مسلمانون کی زراعت اور باغبانی کے اصول کی تشریح کی گئی ہی، مطبوعہ معارف پریس حجم ۲۷۰ صفحے قیمت للعہ

آداب شاعری، ضروریاتِ شاعری پر یہ ایک مفید کتاب سید محمد محب اللہ رفاعی حسینی عرف میر منور علی خان المتخلص بہ عالی حیدرآبادی نے لکھی ہے، اس مین اولاً زبان، لغتِ اُردو، محرکاتِ شعر، اغراض و مقاصدِ شعر، نفس شاعری خصوصیاتِ غزل، مصرع لگانا، بندش، تذکیر و تانیث، محاسن و معائبِ شعر، توارد، متروکات، وغیرہ شاعری کے ضروری ابواب پر اختصار کے ساتھ بحث ہے، اس کے بعد شعراء اور انشاپردازون کے لئے مختلف اصنافِ انسانی اور اشیاے کائنات کے اوصاف وصفات والقاب جو فارسی مین عموماً اہل کمال اور اہل زبان نے استعمال کئے ہین، ان کو الگ الگ لکھا گیا ہے، پھر بعض فارسی الفاظ کے ساتھ جو لاحقات عموماً لگائے جاتے ہین جیسے آرا، آفرین، افزا، بان وغیرہ اور ان مین سے ہر ایک کی ترکیب سے جو الفاظ مشہور و مستعمل ہین، ان کو لکھا ہے، پھر اور بندشین، جمع کی ہین، اس کے بعد غیر منقوط الفاظ لکھے ہین، آخر مین عروض و قافیہ کے مختصر قواعد بیان کئے ہین، کتاب محنت سے جمع کی گئی ہے، اور مبتدیون اور نوآموز شاعرون کے لئے مفید ہے، ضخامت ۷۰ صفحے، سلسلۂ انجمن ارباب اردو مین چھپی ہے، قیمت ۸ر پتہ:- دفتر رسالہ تحفہ، سرورنگر، حیدرآباد دکن،

سوانح حضرت ابوذر غفاری رض، مدت ہوئی کہ جناب مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی نے بسلسلۂ مضامین حضرت ابوذر غفاری صحابی رض کے حالات القاسم دیوبند مین لکھے تھے، اس کے بعد وہ کتاب کی صورت مین شایع ہوئے اب دوسری دفعہ دار المؤلفین دار العلوم دیوبند کی طرف سے یہ کتاب شائع ہوئی ہے، مولانا نے اس مین حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے حالات نہایت جامعیت اور استقصار کے ساتھ خاص ذوق و محبت کی زبان اور والہانہ شیفتگی کے ساتھ لکھے ہین،

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ صحابۂ کرام مین زہد و تقویٰ اور تجرد و تفرد مین مخصوص پایہ رکھتے ہین، اس

بنا پر ان کے حالات بجائے خود نہایت مؤثر ہین، اور مولانا کے طرزِ تحریر نے ان کو اور مؤثر بنا دیا ہی، امید ہے کہ اہلِ دل اصحاب اور عام مسلمان اس سے پوری طرح فائدہ اٹھائین گے، قیمت عہ، لکھائی چھپائی کاغذ اعلیٰ، پتہ:۔ مطبع قاسمی دیوبند،

رقعاتِ اکبر، لسان العصر جناب سید اکبر حسین الہ آبادی مرحوم کے خطوط کا ایک مجموعہ پہلے بھی شایع ہو چکا ہی، اب یہ نیا مجموعہ قومی کتبخانہ لاہور نے شایع کیا ہے چھوٹی تقطیع پر ۱۳۱ صفحے ہین، شروع مین سر شیخ عبد القادر (سابق اڈیٹر مخزن) کا مقدمہ ہے، اور اس کے بعد مختلف اشخاص کے نام اکبر کے خطوط ہین، سب سے پہلے مولانا سید سلیمان صاحب ندوی کے نام ۴ خطوط ہین، پھر مولانا حبیب الرحمان خان صاحب شروانی کے نام دو خط ہین، بعد ازین سید افتخار حسین صاحب کے نام ۹ خط ہین، پھر ۱۰ خط ہز اکسیلنسی مہاراجہ کشن پرشاد صاحب حیدر آبادی کے نام ہین، اس کے بعد منشی شرف الدین صاحب رامپوری کے نام کے ۳۵ رقعے ہین، اور آخر مین سر شیخ عبد القادر صاحب کے نام ۹ خط ہین، یہ خطوط اکبر کے حالاتِ زندگی اور اخلاق کے جاننے کے لئے نہایت دلچسپ ہین، اکثر خطوط مین اکبر صاحب نے اپنے اشعار کے انتخابات دیئے ہین، اور تقریباً ہر خط مین دنیا سے دل برداشتگی کے تذکرے ہین، قیمت ۱۰ / پتہ:۔ قومی کتبخانے ریلوے روڈ، لاہور،

سفرنامۂ یورپ، محترمہ جناب صغریٰ ہمایون بیگم صاحبہ نے ۱۹۲۴ء مین اپنے شوہر سید ہمایون مرزا صاحب بیرسٹر کے ساتھ ممالکِ یورپ کا سفر کیا تھا، اس سفر کے حالات روزنامچہ کی صورت مین موصوفہ برابر لکھتی گئی تھین، اور اب اس کو دو جلدون مین مرتب کر کے شایع کیا ہے، نہایت تفصیل سے ہر چیز اور ہر واقعہ کو لکھا ہے، اس سے پہلے بھی بعض مسلمان خواتین کے سفرِ یورپ کے حالات چھپے ہین، مگر جو تفصیل اس مین ہے وہ ان مین نہین، یہ کتاب ایک مسلمان خاتون کے جذباتِ مشاہدہ اور نقطہ ہاے نظر کی واقفیت کے لئے نہایت دلچسپ ہے طرزِ ادا سلیس، اور روان ہے، انگلستان، فرانس، ہالینڈ، جرمنی، سوئزرلینڈ، اٹلی کے حالاتِ سفر و مشاہدات کا ان مین تذکرہ ہے، قیمت شاید دو ڈھائی روپیہ ہو، سرورق پر لکھی نہین، پتہ:۔ صغریٰ منزل

ہمایون نگر، حیدرآباد دکن،

ذکر مبارک، ہرہائنس میمونہ سلطان شاہ بانو بیگم صاحبہ بھوپال نے سیرۃ نبوی مین یہ مختصر مگر مفید رسالہ اب سے چند سال پہلے لکھا تھا، اور نہایت مقبول ہوا تھا، تین اڈیشن اس کے پہلے چھپ چکے ہین، اب یہ اس کا چوتھا اڈیشن نواب صدر یارجنگ مولانا حبیب الرحمان خان شروانی نے اپنی طرف سے چھپوا کر مسلم ایجوکیشنل کانفرنس علی گڈھ کو دیئے ہین، قیمت ۵ر دفتر مسلم ایجوکیشنل کانفرنس علی گڈھ،

ذکر جمیل، نواب صدر یارجنگ مولانا حبیب الرحمان خان شروانی نے یہ رسالہ آنحضرت صلعم کے حالات مین غالبًا اس غرض سے لکھا ہے کہ میلاد کی مجالس مین وہ پڑھا جائے، اور عام مسلمانون مین وہ تقسیم کیا جائے، چنانچہ نہایت اختصار کے ساتھ لیکن ذوق اور محبت کی زبان مین سرور کائنات علیہ السلام کے تمام سوانح مبارکہ لکھے ہین، قیمت ۵ر پتہ:- دفتر ایجوکیشنل کانفرنس علی گڈھ،

ذکر الحبیب، مولانا ممدوح نے یہ رسالہ سرور کائنات کے اخلاق مبارکہ اور حلیۂ اقدس کے بیان مین مختصرًا لکھا ہے، ضرورت ہے کہ یہ دونون رسالے عام مسلمانون مین تقسیم کئے جائین، مستطیع اصحاب کو چاہئے کہ ان کے کئی کئی نسخے خرید کر غریب بھائیون مین اور غیر مسلمانون مین تقسیم کرین، قیمت ار پتہ:- دفتر کانفرنس علی گڈھ،

جامع الآداب، مصر مین طلبہ اور بچون کو نیک اخلاق وعادات کی تعلیم کے لئے آج کل عربی مین ایک کتاب لکھی گئی ہے، مولوی عبد الرحیم صاحب ناظم مکتبۂ علوم مشرقیہ، اسلامیہ کالج پشاور نے اس کا اردو ترجمہ کیا ہے، جس مین ہر چیز کے متعلق لڑکون کو نہایت عمدہ تعلیم دی گئی ہے، بچون کی خاطر اس کا خط بھی صاف اور بڑا شان رکھا گیا ہے، تاکہ ان کو پڑھنے مین آسانی ہو، ضرورت ہے کہ والدین اسکو اپنے بچون کے مطالعہ مین دین، ضخامت چھوٹی تقطیع پر ۵۵ صفحے، قیمت نہین لکھی، غالبًا ۴ر یا ۵ر ہو گی، پتہ:- مصنف سے اسلامیہ کالج پشاور سے طلب کیجئے،

مجلد بستم | ماہ جمادی الاول سنہ ۱۳۴۶ھ مطابق ماہ نومبر سنہ ۱۹۲۷ء | عدد پنجم

مضامین

مدراس مین چند سال سے **مجلس العلماء** نام ایک مجلس ہو جسکا صدر مقام ترچنا پلی ہے، اس کے ماتحت ایک مدرسہ ہے جسمین غریب مسلمان بچے، اور یتیم اور نومسلم تعلیم پاتے ہین، نصاب تعلیم مین قرآن پاک اور دینیات کے علاوہ اردو، ٹامل، (ملکی زبان) اور انگریزی داخل ہے، ساٹھ ستر ہزار کی اسکی ایک خوبصورت عمارت ہے، ہزار بارہ سو ماہوار اس کا خرچ ہو، تبلیغ اور اشاعت تعلیم بھی اس کے فرائض مین ہین، امسال اسکی صدارت کا شرف اڈیٹر معارف کو عطا کیا گیا تھا، اسی بنا پر مجھے ستمبر کے وسط مین مدراس جانا پڑا،

اس سفر پر آمادگی کی دوسری وجہ یہ تھی کہ کئی سال سے مدراس کے احباب سے دارالعلوم ندوۃ العلماء کے دارالاقامہ کی تعمیر کے لیے مالی اعانت کا وعدہ چلا آتا تھا، امید تھی کہ شاید یہ موقع اس عہد کے ایفا کے لئے مناسب ہو، چنانچہ مین ۷ ستمبر کی صبح کو ترچنا پلی پہنچا، اسی دن جلسہ کا آغاز تھا، مدراس کے ان علاقون کی مادری زبان ٹامل ہے، اردو یہان کے مسلمان تک بھی برائے نام سمجھتے ہین، جلسہ مین تمام تقریرین ٹامل مین ہوئین، میرا خطبۂ صدارت بھی جو گو اردو مین چھپا ہوا تھا، وہان ٹامل مین ترجمہ ہو کر اور چھپکر حاضرین مین تقسیم ہوا،

جلسہ مین علماء کی تعداد بھی ساٹھ ستر کے قریب موجود تھی، مختلف تجویزین منظور ہوئین، خیر یہ سب کارروائیان تو ہوتی ہی رہین، میرے نزدیک اصل چیز جو ہوئی وہ یہ ہے کہ رات کے وقت میری درخواست پر تمام علماء ایک

ہال مین جمع ہوئے، اور عربی مدارس کی اصلاح و ترقی اور اسلام کی موجودہ ضروریات اور علماء کے موجودہ فرائض پر ایک وسیع و مبسوط تقریر ان کے سامنے کیگئی جس سے وہ بیحد متاثر ہوئے، اور مقرر کے خیالات سے انھون نے اتفاق کیا، اور ان ضروریات کے پورا کرنے اور ان اصلاحات کے جاری کرنے پر پوری آمادگی ظاہر فرمائی۔

ترچناپلی ان علاقون کے ہندؤن کا ایک نہایت مقدس مقام ہے، آرکاٹ کی اسلامی حکومت کا دوسرا پایہ تخت یہ شہر بھی تھا، سامنے پہاڑی پر قدیم مندر ہے، مگر اس سے بھی زیادہ مہتم بالشان اور پرانا اور یادگار مندر کاویری ندی کے پار ہے، شہر کے پاس ہی دو ندیان آڑی ترچھی بہتی ہین، اور ان دونون کے تقاطع سے بیچ مین ایک چھوٹے سے جزیرہ کی صورت بن گئی ہے، اس جزیرہ پر ایک نہایت ہی قدیم، نہایت ہی عجیب اور نہایت ہی یادگار مندر بنا ہوا ہے، اول چارون طرف قلعہ کی جیسی سنگی بلند اور مضبوط دیوارین ہین، جنمین چارون رخ پر چار دروازے ہین، پھر اسی طرح ان دیوارون کے بعد پے درپے ایسی ہی قلعہ نما اور مضبوط سات دیوارین ہین، اور ہر دیوار مین پہلے ہی دروازون کے بالمقابل ساتون دیوارون مین دروازے ہین، ہر دروازے کے سامنے ایک سڑک نکلتی ہے، اس طرح مندر کے گرد چار سڑکین ہین، اور ہر سڑک کے دو رویہ بازار ہین، یہ تمام دروازے اور عمارتین سنگ تراشی اور بت تراشی کے اعلیٰ نمونے ہین، پتھرون کو کاٹ کاٹ کر اس کے بت اور ہندو اصنام کے مختلف مناظر بنائے ہین، بیچ مین اصل مندر ہے جسمین کرشنا دیوتا کا بت ہے، اور اس کے اوپر سونے کی چھتری اور کلس ہے، اسکی ایک طرف جاتریون اور میلون کے لیے ایک وسیع سائبان ہے، جو کئی سو ستونون پر قائم ہے، سورج دیوتا کی ایک پہاڑ کی طرح کی گاڑی ہے جو میلہ کے موقع پر نکالی جاتی ہے، اور ہزارون آدمی مل کر اس کو گھسیٹتے ہین،

لیکن ان تمام عجائبات سے زیادہ عجیب تر یہ ہو کہ اسکی سب سے پہلی دیوار کی پشت پر ایک گوشہ مین جڑے ایک گن

اونچائی پر اسی دیوار کے پتھر مین، نہایت جلی قلم مین بخط نسخ (عربی) لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کھدا ہوا ہے پجاریون نے اُس کو بھی ایک بت بنا لیا ہے، اُس پر ایک چھوٹی سی کھڑکی لگائی ہے، اور اس کتبہ پر شاید مدت دراز سے تیل یا گھی اور سیندور لگا رہے ہین، جس سے لا الٰہ الا اللہ کے حرف مٹنے کے قریب ہین، اور محمد رسول اللہ کے حروف پوری شان سے قائم ہین، کہا جاتا ہے کہ کوئی صوفی درویش یہان آکر بیٹھ گئے تھے، بعض کہتے ہین کہ وہ اس دیوار کے پاس مدفون ہین اور یہ ان کی کرامت ہے،

بہرحال یہ تو ایک جملۂ معترضہ تھا، ذکر مجلس العلما کا تھا، اس مجلس کے پیش نظر یہ کام بھی ہے کہ دینی، اور تاریخ اسلام کے متعلق اردو تصنیفات کو تامل مین ترجمہ کرکے تامل بولنے والے مسلمانون مین شائع کرے، چنانچہ اس مجلس سے الگ مگر اسی شہر مین چند علما مل کر قرآن پاک کا تامل مین ترجمہ کر رہے ہین، یہ ترجمہ نظرثانی کے لیے دوسرے مستند علمار کے پاس بھیجا جاتا ہے اور اُن کے مشورہ کے بعد ترجمہ مستند ہو کر تحریر مین آتا ہے،

مدراس کے ان علاقون مین عربی مدرسون کی کمی نہین ہے، مجھ سے بیان کیا گیا کہ ان مقامات مین چالیس سے زیادہ ایسے مدرسے ہین جن پر پچاس ہزار سے لیکر سات لاکھ سالانہ تک کے وقف ہین، خود شہر مدراس مین عربی کے متعدد مدرسے ہین جنہین ایک ساہوکار جمال محی الدین صاحب مرحوم کا مدرسۂ جمالیہ ہے، جس کے لیے ان کے صاحبزادہ جمال محمد صاحب اب دار الاقامہ کی نئی عمارت بھی بنوا رہے ہین، اور جس کے تمام اخراجات وہ خود اس کے وقف سے ادا کرتے ہین، خوشی کی بات یہ ہے کہ یہ مدرسہ جو پہلے پرانی طرز کا تھا، اس مین ایک سال سے اب نئی طرز پر تجدید اور اصلاح کیگئی ہے، نصاب بھی نیا بن گیا ہے جسمین قرآن پاک، حدیث شریف، فقہ، اور ادب عربی کیساتھ حساب جغرافیہ اور تاریخ کا اضافہ کیا گیا ہے، انگریزی لازمی کیگئی ہے، اور ابتدائی درجون مین تامل اور اردو دونون کی تعلیم دیجاتی ہے، یہ خیال ہے کہ اس مدرسہ کو ان علاقون کے مدرسون کے لیے نمونہ کا مدرسہ بنایا جائے،

اللہ تعالی کامیابی عطا فرمائے،

مدراس کے علاوہ مجھے اس سفر مین ویشارم، آمبور، عمرآباد، وانمباڑی بنگلور، اور میسور بھی جانا پڑا، ہر جگہ بحمد اللہ مسلمانون کو ہشیار اور بیدار پایا، **ویشارم** جو ایک چھوٹی سی جگہ، مگر مدراس کے اسلامی پایہ تخت آرکاٹ کے قریب واقع ہے، اور مدراس کے مشہور فیاض و مخیری عبد الحکیم صاحب کا وطن ہے، موصوف نے یہان دو شفاخانے قائم کئے ہین، ایک جسمانی، اور دوسرا روحانی، جسمانی شفاخانہ غربا، کا اسپتال ہے اور روحانی شفاخانہ لڑکون کا مدرسہ ہے جسمین اردو، فارسی، عربی، تامل، انگریزی اور دینیات کی کتابین پڑھائی جاتی ہین، امید ہے کہ وہان کے مسلمانون کی نگاہِ التفات سے ترقی پائیگا،

آرکاٹ کے کھنڈر جاکر دیکھے، مسجدون اور مقبرون کے سوا تمام عمارتین مٹ گئی ہین، مقبرون مین ایک پکی قبر ہے، جس پر ایک خوشنما پتھر لگا ہے، جس پر قاضی تلسانی کا نام اور سنہ وفات لکھا ہے، دیکھکر حیرت ہوئی کہ کہان آرکاٹ، ہندوستان کا ایک کنارہ، اور کہان تلسان کے قاضی جو شمالی افریقہ کا مشہور شہر ہے، مگر انھین بیسا فرد آوارہ وطن عالمون اور درویشون کا فیض تھا جس نے ہندوستان کے ذرہ ذرہ کو توحید کے نور سے منور کر دیا، انکی وفات کا سنہ گیارھسو ہجری اور کچھ تھا،

آمبور بھی خدا کے فضل سے دولتمند مسلمان سوداگرون کا مرکز ہے، آج سے چند سال پہلے یہان کے تاجرون کی جو حالت تھی وہ گو باقی نہین ہے، تاہم ایسی گئی گذری بھی نہین ہے، یہان ۱۴ کے قریب چھوٹے بڑے مدرسے ہین جنمین بعض تعلیم کے معیار کے لحاظ سے مکتب کی حیثیت رکھتے ہین، بعض ان سے کچھ اونچے ہین، لڑکیون کے مدرسے بھی ہین مگر یہ دیکھکر حیرت ہوئی کہ ان مکتبون اور ابتدائی مدرسون مین سے اکثر کی ایسی خوبصورت اور بلند عمارتین ہین، جو ہمارے

یہان کے بڑے بڑے مدرسون اور اسکولون کو حاصل نہین اللہ نے تجارت مین بڑی برکت رکھی ہی،

آمبور کے قریب وہ تاریخی مقام ہے جسکا نام گڑھ آمبور ہے ایک پہاڑ کا دامن ہے جسمین حیدر آباد، آرکاٹ، اور میسور کی مشہور لڑائی ہوئی ہے، یہ میدان جنگ اب صلح کا میدان ہے، روشن کمپنی کے خوش عقیدہ مالکین اور شرکا مین سے محمد عمر صاحب نے اپنے نام سے یہان ایک نو آبادی بسائی ہے جس مین ان کے ذاتی مکان و باغ کے علاوہ ایک خوشنما مسجد اور ایک عظیم الشان عمارت جامعہ دار السلام ہے، مدرسہ کی عمارت جس مین درسگاہ دار الاقامہ، مطبخ، مدرسین کے کمرے اور تمام ضروریات ہین، نہایت مستحکم، خوشنما اور بلند ہے، ستر اسی لڑکے ہین آٹھ دس مدرسین ہین، نصاب مین بھی تجدید و اصلاح کیگئی ہے اور کوشش کیجا رہی ہے، کہ یہ درسگاہ پورے اطراف مدراس مین، اصلاح ارتدعات اور صحت عقیدہ کی اشاعت کرے، یہان کے طلبہ اور مدرسین کے سامنے دینی مدارس اور طریقۂ درس کے تغیر و اصلاح پر گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ تقریر ہوئی، اور جدید نصاب کے متعلق مشورے دیئے گئے

وانمباڑی ان اطراف کے مسلمانون کی تعلیم کا مرکز ہے، یہان مسلمانون کا ایک کالج اور اسکول ہے، اور دونون کی عمارتین خاصی ہین، طلبہ کی تعداد بھی معقول ہے، مگر آدھے سے زیادہ طلبہ اور اساتذہ بھی ہندو ہین، اور دونون ملکر اتحاد و اتفاق سے یہان کام کر رہے ہین، مگر سرمایہ تمامتر مسلمانون کا ہے، اور وہی اس کے منتظم بھی ہین، مگر یہ دیکھکر حیرت ہوئی کہ اسکول مین ہندو اور مسلمان طلبہ اکثر درجون مین الگ الگ پڑھتے ہین، کہ ہندوون نے اپنے لیے ذریعۂ تعلیم ٹامل اور مسلمانون نے اردو کو قرار دیا ہے، ایک ہی ملک کے ایک ہی شہر کے ایک ہی کالج کے، ایک ہی درجہ کے طلبہ کی اس حیثیت سے تقسیم تعجب انگیز ہے، یہان بھی میرا لکچر مذہبی تعلیم اور ہندو مسلم اتحاد پر ہوا،

وانمباڑی مین اسکے علاوہ چند عربی مدارس ہین جنمین بعض بہت پرانے ہین چنانچہ وہان کا مدرسہ مفید عام ۱۳۰۴ھ سے قائم ہی، یہان سب سے عجیب چیز لڑکیون کا مدرسہ ہی جس کیلئے ابھی ایک عظیم الشان عمارت تعمیر ہوئی ہی، پس پردہ لڑکیون کا امتحان لیا، بعض لڑکیون نے نہایت ہی عمدہ صحتِ مخارج کے ساتھ قرآن پڑھا، قرآن پاک کا ترجمہ سنایا، اردو پڑھی، فارسی عبارت کا ترجمہ کیا، یہان بھی مسلمان لڑکیون کی تعلیم پر ایک مختصر تقریر کیگئی، یہان عربی کا ایک پرانا مدرسہ معدن العلوم ہے، جسمین اس دفعہ دوبارہ جانے کا اتفاق ہوا، طلبہ کے اصرار پر یہان عربی زبان مین علما، کے فرائض پر بیٹھے بیٹھے کچھ تقریر کی جس کو طلبہ اور علما رنے توجہ سے سنا،

آمبور سے آتے ہوئے راستہ مین **ویلور** پڑا، یہان بھی کچھ دور اسلامی کے یادگار کھنڈ ملے شہر بڑا ہی، یہان ایک مدرسہ پرانا ہی جسکی تاریخ شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی کے قریب پہنچتی ہی، اور دہان کا فیض بھی وہان پہنچا ہی، دوسرا مدرسہ باقیات صالحات نیا ہی جسکو شاید تیس برس گذرے ہون، یہ مدراس کا سب سے بڑا مدرسہ ہی، مولانا عبدالوہاب صاحب مرحوم نے اسکی بنا ڈالی تھی، عمارت بھی نہایت شاندار ہی، درسگاہین اور لڑکون اور مدرسین کے رہنے کے کمرے بھی بلند و مستحکم ہین، مسجد بھی عظیم الشان ہی، ریل کا وقت کم نہ ہونے کی وجہ سے چند منٹ سے زیادہ یہان ٹھہرنے کا اتفاق نہ ہوا، سرمایہ اس کے پاس کافی ہی، ابھی چند سال ہوئے کہ سی عبدالحکیم صاحب نے یہان ایک طب کا شعبہ قائم کرنے کے لیے پچاس ہزار روپیے دیئے ہین، اور بھی اسکو بڑی بڑی امدادین حاصل ہین، مگر باینہمہ اس کا نصابِ درس پرانا ہے،

بنگلور، میسور کا کنٹونمنٹ اور ریاست کے دفاتر کا صدر مقام ہے یہان بھی مسلمانون کے مدارس ہین، لڑکیون کا ایک اچھا خاصہ مدرسہ ہے، یہان محمد علی ہال مین مسلمانون کی دینی و دنیوی تعلیم پر تقریر کیگئی، اور نوجوانون کو مذہبی تعلیم کی دعوت دیگئی،

میسور، ہندوستانی ریاستون مین اپنے انتظامات اور سیاسی تنظیم و قانونی آزادی کی حیثیت سے اوّل درجہ کی

ریاست ہے، افسوس ہو کہ یہان مسلمانون کی تعلیمی حالت اچھی نہین، یہان چار پانچ فیصدی سے زیادہ مسلمان نہین، انکی مادری زبان تلنگی ہو، مسلمانون کا کوئی خاص مدرسہ نہین اور نہ کوئی الگ اسکول ہو، حالانکہ یہان تعلیم کا نظام نہایت مکمل ہو، شہر مین دو چار خوشحال علما وہان کے سرکاری کالج کے تعلق سے موجود ہین، عیسائیت کی تبلیغ پورے جوش سے جاری ہو، اور اب کچھ کچھ آریت نے بھی دخل پانا شروع کیا ہے، تاہم ایک دو مسلمانون کی کوششون سے جنمین سے ایک "دیوانہ ملا" (مگر یہ ملا "دیوانہ بکار خویش ہشیار ہے") ان کا نام مولانا مسلم ویلوری ہے، انگریزی بھی جانتے ہین، انھون نے ایک چھوٹا سا یتیم خانہ قائم کیا ہے، جسمین بتیس چھبیس یتیم بچے ہین، انکی تعلیم و تربیت کا وہ بہترین فرض انجام دے رہے ہین، انکو صنعت بھی سکھائی جاتی ہو اور مذہبی تعلیم بھی دیجاتی ہو، اللہ تعالیٰ اُس کے کامون مین برکت دے تو یہان کی ایک اہم چیز ہوگی؛

میسور کے اندرونی علاقون مین مسلمانون کی حالت بہت بری ہو کسی قسم کی تعلیم نہین ہو، جاہل پیرون کو فروغ ہو جنمین سب سے بڑا حصہ پنجاب کے ایک بڑے کامیاب پیر صاحب کا ہو، ابھی پنجاب سے ایک نابینا مولوی گئے تھے، وہان جا کر اہلحدیث و احناف مین جھگڑا کرا آئے، شہر کی جامع مسجد مین جمعہ کے بعد مسلمانون کی حالت، مسلمانون مین اتحاد و مصالحت اور اسلام کے عقائد صحیحہ پر وعظ ہوا، بعد کو خطون سے معلوم ہوا، کہ اس تقریر سے وہان دونون فرقون کی مخالفت مین بہت کمی ہو گئی، خدا ایسا ہی کرے،

اس ضمن مین سب سے اہم کام یہ ہوا کہ میری کوشش سے نہین بلکہ صرف خدا کے فضل اور بعض مخلص مسلمانون کی ہمت سے جنمین سب سے پہلا نام ساہوکار رجال محمد صاحب کا ہے، دار العلوم ندوۃ العلماء کے دار الاقامہ کے لیے ستائیس ہزار کی رقم چندہ ہوئی جسمین اکیس ہزار وصول ہو گئے، اس طرح ارکانِ ندوۃ العلماء کو بڑی فکر سے نجات ملی، اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر دے،

مقالات

القضا فی الاسلام

یعنی

اسلام مین فیصلۂ مقدمات

از مولانا عبد السلام صاحب ندوی

مولنا نے یہ مضمون سنہ ۱۹۲۶ء کے نومبر مین اورنٹیل کانفرنس کے اجلاس منعقدۂ الہ آباد مین پڑھا تھا، اور نئے موضوع ہونے اور مصنف کی تلاش و محنت کے سبب سے خاص طور سے پسند کیا گیا تھا، اس موضوع پر اب تک اردو مین کوئی چیز نہین لکھی گئی اکثر وہ اشخاص جو اسلامی قانون سے دلچسپی رکھتے ہین، اس قسم کے معلومات کے خواہشمند ہوتے ہین، اسلئے مناسب معلوم ہوتا ہو کہ اسکو معارف مین بھی شایع کیا جا اور علحدہ رسالہ کی صورت مین بھی چھاپا جائے، "اڈیٹر"

اسلامی نظام حکومت مین قاضی کا منصب نہایت اہم ہے، اس بنا پر اسلام کے اساسی قانون یعنی قرآن مجید مین اس منصب کے تمام ضروری خصوصیات و اوصاف بہ تصریح مذکور ہین، مثلاً قاضی کے سامنے جو مقدمات پیش ہوتے ہین، ان مین مدعی، گواہ اور قاضی کو دو مختلف فرض انجام دینا پڑتا ہے، مدعی اور گواہ حق کو ثابت کرتے ہین اور بشرط ثبوت قاضی اس حق کو مدعا علیہ پر عائد کرتا ہے شرعی اصطلاح مین انھی دونون فرائض کا نام اثبات و الزام ہے، اور ان دونون مین مدعی و گواہ کے فرض یعنی "اثبات" کے لیے صداقت اور قاضی کے فرض یعنی "الزام" کے لیے عدالت ایک لازمی چیز ہے، اسلئے مدعی اور گواہ کا اخلاقی بلکہ قانونی فرض یہ ہے کہ سچائی کے ساتھ دعوی کو ثابت کرین، اور قاضی کا فرض یہ ہے کہ وہ عدل و انصاف کے ساتھ مدعا علیہ پر اس دعوی کا مطالبہ عائد کرے، اسی لیے قرآن مجید نے انفصال مقدمہ کے ان دونون ضروری اجزاء کا ذکر تبصریح کیا ہے،

وتمت کلمات ربك صدقا وعدلا، تیرے خدا کے احکام سچائی اور انصاف (دونون حیثیتون) سے مکمل ہین

بالخصوص قاضی کے فرض یعنی عدل و انصاف کی ہدایت بار بار کی ہے،

واذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل تم لوگ جب لوگون کے درمیان مقدمات کا فیصلہ کرو تو انصاف کیساتھ کرو،

اور یہ انصاف اس قدر عام ہو کہ غیر قومین بھی اوس سے متمتع ہو سکین چنانچہ یہودیون کے معاملات کے متعلق خود رسول اللہ صلعم کو حکم دیا گیا،

وان حکمت فاحکم بینھم بالقسط ان اللّٰہ یحب المقسطین، اگر تم یہودیون کے معاملات کا فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ کرو کیونکہ خدا انصاف کرنے والون کو دوست رکھتا ہے،

لیکن یہ عادلانہ فیصلے اُسی وقت کیے جا سکتے ہین جب وہ ایک عادلانہ قانون کے مطابق کیے جائین، اور زمانۂ قدیم مین یہ عادلانہ قانون صرف آسمانی کتابون مین موجود تھا، اسلیے رسول اللہ صلعم کو مخاطب کرکے ارشاد ہوا،

فاحکم بینھم بما انزل اللّٰہ ولا تتبع اھواءھم عما جاءک من الحق، ان آیات واحکام کے مطابق انکے درمیان فیصلہ کرو جنکو خدا نے اوتارا ہی اور جو حق تمھارے پاس آیا ہی اوسکو چھوڑکر ان لوگون کی خواہشون کی پیروی نہ کرو

اور جو لوگ عادلانہ قانون کے مطابق فیصلہ نہین کرتے ان کو سخت ملامت کیگئی،

ومن لم یحکم بما انزل اللّٰہ فاولئک ھم الکفرون جو لوگ خدا کی اوتاری ہوئی آیات کے مطابق فیصلہ نہین کرتے وہ لوگ کافر ہین

دوسری آیتون مین اس قسم کے لوگون کو کہین فاسق اور کہین ظالم کہا گیا ہی، اور ایک آیت مین اس کو زمانۂ جاہلیت کا فیصلہ قرار دیا گیا ہے،

وان کثیرا من الناس لفسقون افحکم الجاھلیۃ یبغون اور بہت سے لوگ فاسق ہین کیا یہ لوگ زمانۂ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہین؟

یہی وجہ ہے کہ صرف صالح، ہدایت یافتہ اور برگزیدہ لوگون کو منصبِ قضاء کا اہل قرار دیا گیا، کیونکہ صرف یہی لوگ خدائی احکام اور آسمانی قانون کے مطابق فیصلہ کر سکتے ہین، چنانچہ بہت سے انبیاء کے رشد و صلاح اور ہدایت و برگزیدگی کے تذکرے کے بعد ارشاد ہوتا ہے،

اولٰئک الذین اٰتینٰھم الکتٰب والحکم والنبوۃ یہی وہ لوگ ہیں جنکو ہم نے کتاب دی ہے اور فیصلہ اور پیغمبری کا منصب عطا فرمایا اور ان لوگوں کے ہاتھ میں نہایت واضح قوانین و احکام دیدیئے گئے ہیں کہ قانونی پیچیدگیاں زنجیرِ عدل کی کڑیوں کو باہم الجھا نہ دیں،

ولقد اٰتینا بنی اسرائیل الکتٰب والحکم والنبوۃ ورزقنٰھم من الطیبات وفضلنا ھم علی العٰلمین واٰتینٰھم بینٰت من الامر ہم نے بنو اسرائیل کو کتاب دی اور فیصلہ اور پیغمبری کا منصب عطا فرمایا اور ان کو پاک روزی اور تمام دنیا پر فضیلت دی اور اونکو کھلے ہوئے احکام دیئے،

منصبِ قضاء کے یہ ایجابی اور وجودی اجزاء تھے، لیکن سلبی اجزاء میں جو چیزیں عدل و انصاف میں رکاوٹ ڈالنے والی ہیں ان میں سب سے خطرناک چیز رشوت خواری ہے، اسلیے اوسکی نسبت ارشاد ہوا،

ولا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل وتدلوا بھا الی الحکام لتاکلوا فریقا من اموال الناس بالاثم وانتم تعلمون، اور اپنے درمیان اپنے مال کو ناروا طور پر نہ کھاؤ اور اوسکو حکام تک رسائی حاصل کرنے کا ذریعہ نہ بناؤ تاکہ لوگوں کے مال کا ایک حصہ گناہ کے ساتھ جان بوجھکر خورد برد کر جاؤ،

قرآن مجید کے ساتھ احادیث میں بھی اس منصب کی ذمہ داریوں کے متعلق نہایت تفصیلی ہدایات موجود ہیں، مثلاً،

من ولی القضاء فقد ذبح بغیر سکین جو شخص قاضی مقرر ہوا وہ بے چھری ذبح کر دیا گیا،

من طلب القضاء واستعان علیہ وکل الیہ ومن لم یطلبہ ولم یستعن علیہ انزل اللہ ملکا یسددہ، جس شخص نے منصبِ قضاء کو خود چاہا اور اس کے حاصل کرنے کیلئے دوسروں کی مدد چاہی تو یہ منصب تنہا اوسی کے سپرد کر دیا گیا اور جس شخص نے نہ اسکو چاہا نہ اوس کے حاصل کرنے کیلئے دوسرے کی مدد کا خواستگار ہوا اوسکے لیے خدا ایک فرشتہ کو اوتاریگا جو اوسکو سیدھا راستہ دکھائیگا،

القضاۃ ثلاثۃ واحد فی الجنۃ واثنان فی النار قاضی تین قسم کے ہوتے ہیں جنمیں ایک جنت میں جائیگا اور بقیہ دو جہنم میں

فاما الذی فی الجنۃ فرجل عرف الحق فقضی | جو قاضی جنت مین جائیگا وہ وہ ہے جس نے حق کو سمجھکر فیصلہ کیا اور
بہ ورجل عرف الحق فجار فی الحکم فھو | جس قاضی نے حق کو سمجھا لیکن ظالمانہ فیصلہ کیا وہ جہنم مین جائے گا،
فی النار ورجل قضی للناس علی جھل | اور جس نے بے سمجھے بوجھے فیصلہ کیا وہ بھی جہنم مین جائیگا،
فھو فی النار،

لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم | رسول اللہ صلعم نے رشوت لینے والے اور رشوت دینے والے
الراشی والمرتشی، | دونون پر لعنت بھیجی،

انہین ذمہ داریون کی بنا پر صحابۂ کرامؓ اس منصب کو بمشکل قبول کرتے تھے، چنانچہ ایک بار خود رسول اللہ صلعم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو یمن کا قاضی مقرر کرکے روانہ کرنا چاہا تو انھون نے ان الفاظ مین معذرت کی،

تبعثنی وانا حدیث السن ولا علم لی بالقضاء | آپ مجھے روانہ فرماتے ہین حالانکہ مین کمسن ہون اور مجھکو فیصلہ کا علم نہین ہے،

سنن ابوداؤد مین ہے کہ ایک بار دو شخص آئے اور ایک مجمع مین فیصلہ کے لیے ایک شخص کی تلاش کرنے لگے، مجمع مین سے ایک شخص نے کہا کہ "مین فیصلہ کرونگا" حضرت ابومسعود انصاریؓ نے جو مجمع مین موجود تھے مٹھی بھر کنکری لیکر اسکو مارا اور فرمایا،

مہ انہ کان یکرہ التسرع الی الحکم، | ٹھہرو، فیصلہ کرنے کے لیے بہت جلد تیار ہوجانا مکروہ خیال کیا جاتا تھا،

عہد رسالت کے بعد حضرت عمرؓ نے بھی اپنے عہد خلافت مین ان ہدایات وارشادات پر سختی کیساتھ عمل کیا اور عام طور پر تمام حکام کو لکھ بھیجا،

اجعلوا الناس عندکم فی الحق سواء قریبھم | انصاف مین تمام لوگون کو برابر قرار دو، اور قریب وبعید کو یکسان
وبعیدھم وبعیدھم کقریبھم وایاکم والرشی | سمجھو اور رشوت سے سخت احتراز کرو،

اس کے ساتھ مزید احتیاط کے لیے یہ قاعدہ مقرر کیا کہ جو شخص معزز اور دولت مند نہ ہو وہ قاضی نہ مقرر

۱؎ کنز العمال جلد ۳ صفحہ ۱۷۴،

کیا جاے اور اس کی وجہ یہ لکھی کہ دولتمند رشوت کی طرف راغب نہ ہوگا، اور معززآدمی پر فیصلہ کرنے مین کسی کے رعب و داب کا اثر نہ پڑے گا[1]،

علانیہ رشوت خواری کے علاوہ بہت سے مخفی طریقے ایسے ہین جنکے ذریعہ سے رشوت لیجاسکتی ہے، حکام کو اگر تجارت کی اجازت دیجائے تو وہ اس کے ذریعہ سے بہت کچھ ناجائز مالی فوائد بھی حاصل کرسکتے ہین، اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب قاضی شریح کو منصب قضاء پر مامور کیا تو فرمایا،

لا تشتر ولا تبع ولا ترتش[2] نہ کچھ خریدو، نہ کچھ بیچو اور نہ رشوت لو،

تحفے اور ہدیے بھی درپردہ رشوت بن سکتے ہین، اور موجودہ زمانے مین حکام کے سامنے جو ڈالیان پیش کیجاتی ہین وہ اسی سلسلے کی ایک کڑی ہین، اس لیے خود رسول اللہ صلعم نے تمام عمال کو ہدیہ لینے کی ممانعت فرمائی تھی اور حضرت عمرؓ نے اس کو علانیہ رشوت قرار دیا جس کی وجہ یہ ہوئی کہ ان کی خلافت سے پہلے ایک شخص معمولاً ہر سال ان کی خدمت مین اونٹ کی ایک ران ہدیۃً بھیجا کرتا تھا، ان کے زمانہ خلافت مین وہی شخص ایک بار فریق مقدمہ ہوکر دربار خلافت مین حاضر ہوا، تو کہا کہ اے امیرالمومنین! ہمارے مقدمہ کا ایسا دوٹوک فیصلہ کیجئے جس طرح اونٹ کی ران کی بوٹیان ایک دوسرے سے جدا کیجاتی ہین، حضرت عمرؓ اس ناجائز اشارے کو سمجھ گئے اور اسی وقت تمام عمال کو لکھ بھیجا کہ ہدیہ نہ قبول کرو کیونکہ وہ رشوت ہے[3]،

فقہا نے اس مین اور بھی سختیان کی ہین، مثلاً ان کے نزدیک قاضی کسی کے یہان مخصوص دعوت بھی نہین کھا سکتا البتہ وہ عام دعوتون (مثلاً شادی بیاہ کی دعوتون) مین شریک ہوسکتا ہے، اپنے اعزہ و اقارب کا ہدیہ اگرچہ وہ قبول کرسکتا ہے، لیکن جب ان کا مقدمہ اوس کے اجلاس مین دائر ہو تو اس کو ان کا ہدیہ بھی قبول نہین کرنا چاہیئے، اسی طرح اگر کوئی شخص معمولاً اس کو قاضی ہونے سے پہلے ہدیہ

---

[1] اخبار القضاۃ لمحمد بن خلف وکیع بحوالہ الفاروق [2] کنز العمال جلد ۳ صفحہ ۱۷۴ [3] ایضاً جلد ۳ صفحہ ۱۷۱

دیا کرتا تھا تو وہ اگرچہ اس کا ہدیہ لے سکتا ہے، لیکن اگر اس کا مقدمہ اس کے اجلاس مین دائر ہو یا وہ اس حالت مین ہدیے کی مقدار کو بڑھا دے تو قاضی کو اس کے قبول کرنے سے احتراز کرنا چاہیئے[۱]

رشوت اور ہدیہ کے علاوہ اور بھی بہت سے جذبات واحساسات غلط یا نامنصفانہ فیصلے کا سبب ہو سکتے ہین، اس لئے رسول اللہ صلعم نے ان جذبات واحساسات سے معرا ہو کر فیصلہ کرنے کا حکم دیا اور فرمایا لا یقضی الحکم بین اثنین وھو غضبان قاضی غصے کی حالت مین دو آدمیون کے درمیان فیصلہ نہ کرے،

مدعی یا مدعا علیہ کے رونے دھونے سے بھی بہت سے حکام متاثر ہو جاتے ہین، لیکن ان ہدایات کی بنا پر قضاۃِ اسلام پر اس کا کوئی اثر نہین پڑتا تھا، چنانچہ ایک بار قاضی شریحؒ کے اجلاس مین ایک عورت ایک مرد کے خلاف مقدمہ دائر کرنے آئی، اور رونے لگی، امام شعبیؒ بھی وہان موجود تھے وہ اس کے رونے سے متاثر ہوگئے، اور کہا کہ "مین اس غریب کو مظلوم خیال کرتا ہون"، لیکن قاضی شریحؒ پر اس کا کچھ اثر نہ ہوا، اور فرمایا کہ حضرت یوسفؑ کے بھائی بھی تو شام کے وقت اپنے باپ کے پاس روتے ہوئے آئے تھے[۲]، ان تمام احکام وہدایات کے ساتھ امام یا قاضی القضاۃ کو ہمیشہ قاضیون کی نگرانی بھی کرتے رہنا چاہیئے[۳]

ان تمام ہدایات کے بعد بھی اسلام مین قاضی کی تنہا رائے انفصالِ مقدمہ کے لیے کافی نہین ہے بلکہ اس کو علمار کی ایک جماعت کے مشورے سے فیصلہ صادر کرنا چاہیئے[۴] اور موجودہ زمانے کی قانونی اصطلاح مین اس برگزیدہ جماعت کو جوری یا اسیسر بھی کہہ سکتے ہین،

اسلام مین امام مقدمات کے فیصلون کے لیے ایک ساتھ دو قاضیون کا تقرر بھی کرسکتا ہے، اور ایسی حالت مین صرف ایک قاضی کو مقدمات کے فیصلے کا حق نہین حاصل[۵] ہوتا اور یہ بعینہ وہی صورت ہے

---

[۱] ہدایہ جلد ثالث صفحہ ۱۰۲، [۲] الطرق الحکمیہ صفحہ ۲۶، [۳] المقارنات والمقابلات صفحہ ۲۰، [۴] المقارنات والمقابلات صفحہ ۲۹ [۵] ایضاً صفحہ ۲۹،

جو موجودہ زمانے کی ہائیکورٹون مین پائی جاتی ہے،

قاضی کے تقرر کے شرائط

فقہانے قاضی کے تقرر کے لیے دیانت، ثقاہت، عدالت، راستبازی، پاکبازی، نیک کرداری اور اجتہاد کو ضروری قرار دیا ہے، اور قضاۃ اسلام نے ان اخلاقی محاسن کی بعض عجیب وغریب مثالین قائم کی ہین، مثلاً قاضی ابو خزیمہ جب اپنے کپڑے دھوتے تھے، یا شریک جنازہ ہوتے تھے، یا اور کوئی ذاتی کام کرتے تھے، توجب تک ان مشاغل مین مصروف رہتے تھے، اتنے زمانے کی تنخواہ نہین لیتے تھے اور کہتے تھے مین مسلمانون کا ملازم ہون اس لیے جب تک ان کے کام کے علاوہ دوسرے مشاغل مین مصروف رہون مجھے ان کے مال کا لینا جائز نہین [1]، ایک باران کو کسی مقدمہ کے متعلق ایک خط ملا جسکو انھون نے اپنی آستین مین رکھ لیا، ایک شخص نے اون سے اس خط کے کھولنے کی درخواست کی تو بولے اس کا تعلق انفصال مقدمہ سے ہے، اور فیصلہ کے لیے ایک خاص وقت مقرر کر دیا گیا ہے، چنانچہ جب اجلاس پر بیٹھے تو خط کھولا [2]، ہمارے فقہا نے قاضی کے تقرر کے لیے یہ شرط بھی لگائی ہے کہ اس کو انسانون کے عام اخلاق وعادات سے بھی واقف ہونا چاہیئے کیونکہ بہت سے فیصلے ان پر موقوف ہوتے ہین [3]، اور قضاۃ اسلام انسانی کیرکٹر کے مختلف مدارج سے جس قدر واقف تھے اوس کی مثال بعض مقدمات کے فیصلہ مین آئے گی،

ہر مذہب کیلئے الگ الگ قضاۃ کا تقرر

آج اگرچہ انگریزی سلطنت کے زیر حکومت مختلف مذاہب کے لوگ رہتے ہین، لیکن بایں ہمہ ایک ہی جج تمام مذاہب کے لوگون کا فیصلہ کرتا ہے، اسلام مین بھی اگرچہ ایک مدت تک ایک ہی قاضی اسلام کی تمام مختلف المذاہب رعایا کا فیصلہ کرتا تھا، لیکن مصر مین ملک الظاہر بیبرس نے ۶۶۳ھ مین اسلام کے چارون فقہی مذاہب یعنی حنفی، شافعی، مالکی، اور حنبلی کے لیے الگ الگ قاضی مقرر کئے [4]۔

قاضی القضاۃ

اسلام مین تمام قاضی ایک اور اعلیٰ عہدہ دار کے ماتحت ہوتے تھے جسکو قاضی القضاۃ کہتے تھے اور اس زمانے مین اس کو چیف جسٹس کہہ سکتے ہین، اسلام مین سب سے پہلے یہ منصب امام ابو یوسفؒ کو ملا جو

---

[1] کتاب الولاۃ صفحہ ۳۶۳۔ [2] وہ ۳۶۴۔ ۳ صفحہ ۳۶۶، [3] ہدایہ جلد ثالث کتاب ادب القاضی صفحہ ۱۸۱ [4] محاضرۃ الاوائل صفحہ ۹۷،

امام ابوحنیفہؒ کے نہایت مشہور شاگرد تھے، اور انھون نے اپنے اثر سے علما، کے لیے ایک خاص لباس رائج کیا اور حنفی مذہب کی عام اشاعت کی[1] چونکہ یہ بہت بڑا ذمہ دارانہ عہدہ تھا اس لیے بعض سلاطین نے اس پر ضمانت کا لینا ضروری سمجھا، چنانچہ معزالدولہ نے عبداللہ بن الحسین بن ابی الشوارب کو قاضی القضاۃ مقرر کیا تو یہ شرط لگا دی کہ وہ سالانہ دو لاکھ درہم کی ضمانت ادا کیا کرین[2] اس باطنی اثر و اقتدار کے ساتھ قاضی القضاۃ کا اجلاس ظاہری حیثیت سے بھی نہایت شاندار ہوتا تھا، چنانچہ مقریزی لکھتا ہے،

جب خلیفہ خود مختار ہوتا ہے تو ایک آدمی کو جج کا منصب عطا کرتا ہے اور اس کو قاضی القضاۃ کا لقب دیتا ہے، اور اسکا درجہ تمام ارباب العمائم اور ارباب القلم مین سب سے بڑا ہوتا ہے اور وہ بعض اوقات مبلغ (پروپیگنڈسٹ) بھی ہوتا ہے، اور اس کو اس وقت قاضی القضاۃ اور داعی الدعاۃ کہتے ہین، مذہبی امور مین کوئی چیز اس کے اختیارات سے باہر نہین ہوتی اور دوشنبہ، اور سشنبہ کو زیادہ تر جامع عمرو بن العاص مصر مین ایک فرش اور حریر کے مسند پر بیٹھ کر اجلاس کرتا ہے اور اپنے اپنے مقدمہ کی تاریخ کے مطابق گواہ اس کے گرد داہنے بائین بیٹھتے ہین، اور اس کے اجلاس مین پانچ دربان ہوتے ہین، دو اس کے سامنے کھڑے رہتے ہین، دو مقصورہ (کٹھرہ) کے دروازے پر رہتے ہین اور ایک فریقان مقدمات کو اس کے سامنے لا کر پیش کرتا ہے، اس کے اجلاس مین چار احکام نویس ہوتے ہین جنھین دو دو آمنے سامنے بیٹھتے ہین، اس کے لیے کرسی دوات ہوتی ہے یعنی ایک روپہلی دوات جو محل کے خزانون سے اس کے پاس بھیجی جاتی ہے، اور ایک خاص تنخواہ دار شخص ہوتا ہے جو اس کو لاتا ہے، اسکی سواری کے لیے اصطبل سے ہمیشہ ایک خچر شہابی رنگ کا بھیجا جاتا ہے اور خچر کا یہ مخصوص رنگ تمام ارباب حکومت مین صرف اسی کے لیے مخصوص ہے، اور اس پر ایک طرفی اور محلی زین کسی جاتی ہے جو زینون کے خزانہ سے آتی ہے تھوا دن

---

[1] محاضرۃ الاوائل صفحہ ۱۲۶ [2] ر صفحہ ۹۸،

کے موقع پر اوسکی خدمت مین طوق بھیجے جاتے ہین اور اس کو ستھرے خلعت پہنائے جاتے ہین
لیکن اس کے ساتھ طبل و بوق نہین ہوتا، البتہ جب وہ فیصلۂ مقدمات کے علاوہ تبلیغ و
اشاعت کی خدمت بھی انجام دیتا ہے، تو خلعت کیساتھ طبل، بوق اور جھنڈیان بھی ہوتی ہین
جو ان جھنڈیون کے مثل ہوتی ہین، جنکے ساتھ وزیر صاحب السیف کو مشرف کیا جاتا ہے،
اور جب وہ خاص طور پر فیصلہ کے لیے بیٹھتا ہے، تو اس کے گرد قرار کھڑے ہوتے ہین اور
اور اس کے سامنے اعلان کرنے والے ہوتے ہین، اور اگر خلیفہ یا وزیر اس جگہ ہوتے ہین تو علانیہ
ان کے نام کا اعلان کرتے ہین، اور اس کے سامنے لوگ دربانون، اور پہرہ دارون کے ذریعہ
سے لائے جاتے ہین اور جہان وہ موجود ہوتا ہے کوئی فوجی یا سویلین عہدہ دار اوس کے آگے
نہین بڑھ سکتا اور کسی جائداد یا جنازے پر بغیر اوسکی اجازت کے نہین جا سکتا، اور جبتک وہ
اجلاس پر ہے کوئی شخص اسکو اٹھا نہین سکتا، اور کسی گواہ کی توثیق و تعدیل بغیر اوس کے
حکم کے نہین کیجا سکتی وہ دوشنبہ اور پنجشنبہ کے دن خلیفہ کو سلام کرنے کے لیے محل مین بیٹھتا ہے،
اور اس کے نائب برابر فیصلہ کرتے رہتے ہین، اور بیت المال کا وکیل اس کے سامنے حاضر
ہوتا ہے اور وہ ٹکسال کے دفتر کا بھی نگران ہوتا ہے، اور وہ خود اس کو بند کرتا ہے اور اس
پر مہر لگاتا ہے اور اس کے کھولنے کے وقت بھی موجود رہتا ہے[1]

دارالعدل اگرچہ عام لوگون کے مقدمات کے فیصلے کے لیے یہ انتظامات کافی تھے، لیکن خود حکام کے مقدمات
کے فیصلے کے لیے اسلام مین کوئی مستقل اور علیحدہ انتظام نہین تھا، اور آج بھی اسکا کوئی الگ انتظام نہین ہے
بلکہ وزیر ہند تک پر بھی عام عدالتون ہی مین مقدمات دائر کیے جاتے ہین، زیادہ سے زیادہ یہ کیا جاتا
ہے کہ بعض حکام کے مقدمات کے فیصلہ کے لیے کمیشن مقرر کر دیا جاتا ہے، یا عارضی طور پر خاص عدالتین

---

[1] مقریزی جلد دوم صفحہ ۲۴۶،

قائم کردی جاتی ہین، لیکن اسلام مین ابتدا ہی سے یہ محسوس کیا جاتا تھا کہ اگر ان معاملات مین حکام کی کوئی خاص حیثیت نہ قائم کیگئی، تو اس سے ان کے رعب و داب مین فرق آجائیگا جو سیاست وحکومت کیلئے نہایت ضروری ہے، چنانچہ ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تمام عمال کو طلب کیا اور ایک تقریر مین فرمایا کہ "جس شخص کو عمال سے کوئی شکایت ہو وہ کھڑا ہو کر پیش کرے"، اس پر ایک شخص اٹھا اور کہا کہ "آپ کے عامل نے مجھے سو کوڑے مارے ہین؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا "کیا تم بھی اوسکو سو کوڑے مارنا چاہتے ہو؟ اوٹھو" لیکن حضرت عمرو بن العاصؓ نے کہا کہ "یہ امر عمال پر گران ہوگا، اور آئندہ کے لیے ایک نظیر قائم ہوجائیگی" لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ "یہ نہین ہوسکتا خود رسول اللہ صلعم نے بھی ایسا ہی کیا ہے"؛ بالآخر حضرت عمرو بن العاصؓ نے مستغیث کو اس شرط پر راضی کیا کہ فی تازیانہ دو اشرفیان لیکر اپنے حق سے باز آئے[1]

لیکن دمشق مین جب بعض امراء نے لوگون پر مظالم کئے تو سلطان نور الدین شہید نے مستقل طور پر ایک دار العدل قائم کیا جسمین صرف ان مظالم کا فیصلہ کیا جاتا تھا جو وزراء اور امراء، رعایا پر کرتے تھے، اور یہ پہلا دار العدل تھا جو اسلام مین قائم کیا گیا تھا[2]

ثالث اگر کسی شخص مین وہ تمام اوصاف پائے جائین جو قاضی کے لیے ضروری ہین، تو اس کو دو شخص اپنے مقدمہ کے فیصلہ کے لیے ثالث مقرر کرسکتے ہین، اور اگر وہ دونون اس کے فیصلہ پر راضی ہوجائین تو اسکا فیصلہ نافذ ہوسکتا ہے، البتہ اگر قاضی کے اجلاس مین اس کے فیصلہ کا مرافعہ کیا جائے اور وہ اس کے مذہب کے موافق صحیح نہو تو وہ اوسکو منسوخ کرسکتا ہے، لیکن حدود و قصاص یعنی فوجداری کے مقدمات مین کسی شخص کو ثالث مقرر کرنے کا حق حاصل نہین ہے[3]، اور موجودہ قانون بھی اسکی اجازت نہین دیتا،

قاضی کے فرائض و اختیارات اسلام مین انفصال مقدمات کے علاوہ قاضی کے اور بھی چند فرائض ہین، اور اس کے اختیارات مین اور بھی چند چیزین داخل ہین مثلاً اسلام مین:-

[1] کتاب الخراج صفحہ ۶۰ [2] محاضرۃ الاوائل صفحہ ۸۳ [3] ہدایہ جلد ثالث صفحہ ۸

(۱) اوقاف کی نگرانی بھی قاضی کے فرائض مین داخل ہے، اور قضاۃِ اسلام نے جس مستعدی اور دیانت کے ساتھ اس فرض کو ادا کیا ہے، تاریخِ اسلام اس پر ناز کرسکتی ہے، مثلاً مصر مین پہلے اوقاف کا کوئی باضابطہ انتظام نہ تھا بلکہ وہ یا تو خود اہل وقف کے قبضے مین تھے یا ان کے متولی انکا انتظام کرتے تھے، لیکن ہشام کے عہدِ خلافت مین جب توبہ بن نمر مصر کے قاضی مقرر ہوئے تو انھون نے کہا کہ "منافعِ وقف کے اصلی مستحق صرف فقرا اور مساکین ہین، اس لیے مین ان کو خود اپنے قبضے مین لینا چاہتا ہون تاکہ وہ ضائع نہ ہونے پائین اور ان مین وراثت نہ جاری ہونے پائے"، چنانچہ انھون نے مصر کے تمام اوقاف کا انتظام اس وسیع پیمانے پر کیا کہ ان کے مرنے سے پہلے پہلے اوقاف کا ایک عظیم الشان محکمہ قائم ہوگیا،[۱] اور اس کے بعد تمام قضاۃ نے مختلف طریقون سے نہایت مستعدی کے ساتھ اوقاف کی نگرانی کی، چنانچہ قاضی محمد بن ابو اللیث نے تمام اوقاف کا بذاتِ خود معائنہ کیا، اور خود اپنے قلم سے ان کی فہرست مرتب کی اور بہت سے اوقاف کے متعلق فیصلے کئے،[۲] قاضی ہارون بن عبداللہ مصر کے قاضی مقرر ہو کر آئے تو تمام اوقاف کے مداخل و مصارف سے واقفیت حاصل کی اور اس سے ایک وقف بھی نہ چھوٹا،[۳] مصر کے جو اوقاف قضاۃ اور اہل اوقاف کے قبضے مین تھے، قاضی لہیعہ نے شہادت لیکر یا خود اہل اوقاف سے اقرار کراکے ان کی تجدید کی، چنانچہ اس پر ایک شخص نے ان کی تعریف کی تو فرمایا کہ "مین ایک مدت سے اس کو چاہتا تھا، اور خدا سے میری دعا تھی کہ مجھکو ان اوقاف کے فیصلے کا موقع عطا فرمائے اب یہ موقع نصیب ہوا تو مین نے ایک ایک وقف کے متعلق اپنا فیصلہ صادر کیا اور ہر ایک کے متعلق نئی شہادتین حاصل کین"،[۴] قاضی عبداللہ عبدالرحمان بن عبیداللہ العمری نہایت مستعدی کے ساتھ اوقاف کو قائم و آباد رکھنا چاہتے تھے، چنانچہ خود انکی نگرانی کرتے تھے اور دن کے اکثر حصے مین معمارون کے ساتھ بیٹھکر وقف شدہ عمارات کی مرمت کرواتے تھے، چنانچہ ایک بار ان سے کہا گیا کہ "امام مالکؒ کے نزدیک اوقاف کی مرمت ضروری نہین" تو بولے کہ

---

[۱] کتاب ولاۃ مصر للکندی صفحہ ۳۴۶، [۲] رر صفحہ ۴۵۰، [۳] رر صفحہ ۴۴۴، [۴] رر صفحہ ۴۷۲،

اگر مرمت ہی نہ ہوگی تو وہ کیونکر قائم رہ سکین گی[۱]، قاضی عبد الملک بن محمد الحزمی نے ہر مہینے کے تین دن اوقاف کی نگرانی کے لیے خاص کر دیئے تھے جس مین محکمہ اوقاف کے اہل کارون کو ساتھ لیکر ان کی مرمت، اصلاح، اور صفائی کا حکم دیتے تھے، اگر ان مین کوئی خرابی نظر آتی تھی تو متولی کو دس کوڑے مارتے تھے[۲]۔

(۲) یتیمون کے مال اور جائداد کی نگرانی بھی قاضی کے فرائض مین داخل تھی، اور قضاۃ اسلام نے اس فرض کو بھی نہایت مستعدی کیساتھ ادا کیا ہے، چنانچہ مصر مین پہلے یتیمون کے مال و دولت کا کوئی باضابطہ انتظام نہ تھا، لیکن قاضی عبدالرحمن بن خدیج نے سب سے پہلے اس کا انتظام کیا اور ہر قبیلے کے چودھری (عریف) کو اس کا ضامن بنایا[۳]، اس کے بعد قاضی خیر بن نعیم نے سب سے پہلے خلیفہ ابو جعفر کے حکم سے اس کو بیت المال مین داخل کیا اور اس کے لیے علیحدہ علیحدہ رجسٹر بنوائے، جنمین ہر یتیم کے مال کے مصارف و مداخل درج ہوتے تھے[۴]، قاضی مفضل بن فضالہ یتیمون کے معاملات پر اس قدر نظر رکھتے تھے کہ ان کی نسبت ایک بزرگ بار بار کہا کرتے تھے کہ

ولی الیتیم کابیہ[۵] یعنی یتیم کے باپ کی طرح اوسکی ولایت کا فرض ادا کیا،

قاضی ہارون بن عبد اللہ مصر کے قاضی مقرر ہوئے تو بذات خود یتیمون کے مال کا معاینہ کیا، اس کا حساب لیا اور ان کے معاملات مین کوئی خرابی دیکھی تو ان کے اولیا کو سزا دی اور علانیہ ان کی تشہیر کی[۶]، قاضی محمد بن ابو اللیث نے عام اعلان کر دیا تھا کہ جس شخص کے قبضہ مین یتیمون کا مال ہوگا اور وہ اس کو حاضر نہ کرے گا تو وہ قانونی حفاظت کے حدود سے خارج کر دیا جائیگا، چنانچہ اس اعلان کے بعد ان کے رعب و داب سے خائف ہو کر لوگون نے یتیمون کا تمام سرمایہ اپنے قبضے سے نکال کر بیت المال مین داخل کر دیا[۷]، قاضی عمری پہلے شخص تھے جنھون نے بیت المال مین ایک صندوق بنوا کر رکھدیا تھا

[۱] کتاب ولاۃ مصر للکندی صفحہ ۵۹۳، [۲] ایضاً صفحہ ۳۸۳، [۳] ایضاً صفحہ ۳۲۲، [۴] ایضاً صفحہ ۳۵۵، [۵] ایضاً صفحہ ۳۸۲، [۶] ایضاً صفحہ ۴۴۴، [۷] ایضاً صفحہ ۴۵۰،

جس مین یتیمون کا تمام سرمایہ جمع کیا جاتا تھا[۱]، قاضی ہارون بن عبد اللہ اگرچہ بذات خود یتیمون کے مال کی نگرانی نہایت دیانت سے کرتے تھے، لیکن جس صندوق مین یہ مال جمع کیا جاتا تھا، اسکی کنجی غیر محتاط اشخاص کے سپرد کردی تھی اور وہ اس مال کو بہت کچھ خورد برد کر جاتے تھے، چنانچہ قاضی محمد بن ابی اللیث نے ان پر اس کے متعلق مقدمہ دائر کروا دیا[۲]،

(۳) جو لوگ موجود نہ ہون ان کے مال کی نگرانی بھی قاضی کے فرائض مین داخل تھی، اور قضاۃ اسلام نے اسی دیانت و سرگرمی سے ان کی نگرانی بھی کی، چنانچہ قاضی ہارون بن عبد اللہ نے اس قسم کے لوگون کے تمام مال و دولت کو اکٹھا کرکے بیت المال مین داخل کیا اور ان کے لیے رجسٹر بنوائے[۳]، قاضی محمد بن ابی اللیث نے عام اعلان کردیا تھا کہ جن لوگون کے ہاتھ مین غیر موجود اشخاص کا مال ہوگا، اگر وہ اس کو حاضر نہ کرینگے تو قانونی حفاظت سے محروم کر دیے جائینگے[۴]،

(۴) لاوارث لوگون کے مال و دولت کی نگرانی بھی قضاۃ کے فرائض مین داخل تھی، اور انھون نے اسی ایمانداری کے ساتھ اس فرض کو بھی انجام دیا، چنانچہ قاضی ہارون بن عبد اللہ نے اس قسم کے لوگون کے تمام سرمایہ کو اکٹھا کرکے بیت المال مین داخل کیا اور اس کے لیے رجسٹر بنوائے[۵]، قاضی عمری نے ایک صندوق بنوا کر بیت المال مین رکھدیا تھا جس مین یتیمون اور لاوارثون کا مال جمع کیا جاتا تھا[۶]،

انفصال مقدمہ — لیکن قاضی کا سب سے عام اور اہم فرض انفصالِ مقدمہ ہے، اور اس حیثیت سے اسلام مین قاضی کے فرائض حسب ذیل ہین،

۱۔ وہ مقدمہ کی پیشی اور شہادت گذراننے کے لیے ایک تاریخ مقرر کرے،

۲۔ تاریخ معینہ پر اگر مدعی گواہون کو نہ پیش کرسکے تو وہ اوس کے خلاف فیصلہ کرسکتا ہے،

۳۔ وہ مقدمہ کے فیصل کرنے کے بعد خود اپنی مرضی سے اس پر نظر ثانی کرسکتا ہے،

---

[۱] کتاب ولاۃ مصر للکندی صفحہ ۴۰۱ [۲] صفحہ ۴۵۰ [۳] صفحہ ۴۴۴ [۴] صفحہ ۴۵۰ [۵] صفحہ ۴۴۴ [۶] صفحہ ۴۰۵

۴۔ اوس کو انفصالِ مقدمہ مین غصہ کرنا اور گھبرانا نہین چاہئیے[۱]،

۵۔ اس کو مدعی، اور مدعا علیہ کے ظاہری بیان اور وضاحتِ تقریر کے مطابق فیصلہ کرنا چاہئیے گو یہ ممکن ہے کہ یہ فیصلہ اندرونی حالات اور صحیح واقعات کے لحاظ سے صحیح نہ ہو[۲]، یہی وجہ ہے کہ گو کسی جج کو مقدمہ کی اصلی حالت معلوم ہو، لیکن وہ اپنے علم کے مطابق فیصلہ نہین کر سکتا بلکہ اس معاملہ مین اسکی حیثیت صرف ایک شاہد کی ہوگی،

۶۔ اس کو مدعی، اور مدعا علیہ دونون کے بیانات کو سنکر فیصلہ کرنا چاہئیے[۳]،

۷۔ وہ اگر فریقین کے درمیان صلح کرادے تو بہتر ہے[۴]،

۸۔ اُس کو فریقین کے ساتھ یکسان برتاؤ کرنا چاہئیے[۵]،

۹۔ اگر مدعی مدعا علیہ کو حاضرِ عدالت کرانا چاہتا ہے تو قاضی کا فرض ہے کہ وہ اس کو طلب کرے، البتہ اس مین اختلاف ہے کہ صرف دعویٰ کرنے کے ساتھ ہی اس کو طلب کرنا چاہئیے، یا جب مدعی یہ ثابت کر چکے کہ دعویٰ کی کوئی اصلیت ہے[۶]۔ مدعا علیہ کے حاضر کرنے کے جو طریقے اس زمانے مین مستعمل ہین قریب قریب وہی طریقے اسلام مین بھی ہین[۷]،

۱۰۔ فریقین کو قاضی کے سامنے بیٹھنا چاہئیے[۸]،

موجودہ زمانے مین بھی انفصالِ مقدمات کے وقت یہ تمام پابندیان ایک جج پر عائد ہوتی ہین لیکن آج حکام کی بدمزاجی اور گھبراہٹ عموماً مشہور ہے اور مساوات بین الفریقین کے متعلق بمشکل کہا جا سکتا ہے کہ

۱۶۹

[۱] کنز العمال جلد ۳ صفحہ ۱۴، او دارقطنی صفحہ ۵۱۱، [۲] صحیح مسلم کتاب الاقضیہ باب الحکم بالظاہر واللحن بالحجۃ، [۹] الطرق الحکمیہ صفحہ [۳] ابوداؤد کتاب الاقضیہ باب کیف القضاء، [۴] صحیح مسلم کتاب الاقضیہ باب استحباب اصلاح الحاکم بین الخصمین [۵] دارقطنی صفحہ ۵۱۲ [۶] الطرق الحکمیہ صفحہ ۱۰۱ و ۱۰۲ [۷] المقارنات والمقابلات صفحہ ۵۰، [۸] ابوداؤد کتاب الاقضیہ باب کیف یجلس الخصمان بین یدی القاضی،

ہمارے حکام ان پر عمل کرتے ہین یا کم ازکم کرسکتے ہین، لیکن اسلام کی عدالتی تاریخ مین اس پر اس شدت سے عمل کیا گیا ہے کہ ایک بار حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے یہان ایک شخص آیا اور انھون نے اس کو کئی دن تک مہمان رکھا لیکن ایک دن جب وہ فریقِ مقدمہ بنکر ان کے سامنے حاضر ہوا تو بولے "اب آپ تشریف لیجائیے ہم فریق کو صرف فریق کے ساتھ ٹھہرا سکتے ہین"[۱] یہی وجہ ہے کہ فقہا رنے لکھا ہے کہ اگر قاضی ایک فریق کی مہمانداری کرے تو اس کا فرض ہے کہ دوسرے فریق کو بھی مہمان بنائے۔

یہ صرف دورِ خلافت راشدہ کی مستثنیٰ مثال نہین ہے بلکہ زمانہ مابعد کے قضاۃ نے بھی اسی اصولِ مساوات پر عمل کیا ہے، چنانچہ ایک بار خلیفہ عبدالملک قاضی خیر بن نعیم کے اجلاس مین اپنے چچا زاد بھائی کا فریق بنکر آیا اور ان کے فرش پر بیٹھ گیا، انھون نے کہا کہ "اپنے چچازاد بھائی کے ساتھ کھڑے ہو" عبدالملک کو یہ ذلت گوارا نہین ہوئی اور مقدمہ کو چھوڑ کر چلا آیا،[۲]

ایک بار خلیفہ ابوجعفر نے قاضی غوث بن سلیمان سے اپنا ایک ذاتی مقدمہ فیصل کرانا چاہا، جب داخلۂ مقدمہ کے تمام شرائط پورے ہوچکے تو انھون نے نہایت تہذیب سے کہا کہ "اب اگر مناسب ہو تو امیرالمومنین اپنے فریق کے برابر بیٹھ جائین"، چنانچہ وہ ان کے فرش سے اتر کر اپنے فریق کے برابر بیٹھ گیا،

سماعت مقدمات

اسلام مین دعوون کی تین قسمین کی گئی ہین،

۱- بعض دعوے تو ایسے ہوتے ہین جنکی تردید و تکذیب خود رسم و رواج سے ہوجاتی ہے، مثلاً ایک شخص ایک طویل مدت سے ایک گھر پر قابض ہے، ایک شخص اوسکے قبضہ و تصرف کو دیکھتا ہے، لیکن اس طویل مدت مین کوئی روک ٹوک نہین کرتا اور یہ بھی ظاہر نہین کرتا کہ اس گھر سے اسکا حق متعلق ہے، کسی قسم کا خوف بھی اس اظہار مین مانع نہین ہے، اور ان دونون اشخاص مین قرابت یا وراثت کا کوئی تعلق بھی نہین ہے، باینہمہ وہ اس طویل مدت کے بعد اس گھر کی ملکیت کا دعویدار ہوتا ہے،

۲- اس کے بالکل برعکس بعض دعوی ایسے ہوتے ہین جنکی نسبت خود رسم و رواج سے معلوم ہوجاتا ہے کہ وہ سچ ہین

---

[۱] کنز العمال صفحہ ۲، [۲] کتاب ولاۃ مصر للکندی صفحہ ۳۲۶، [۳] ایضاً صفحہ ۳۷۵،

یا سچے ہو سکتے ہین مثلاً ایک مسافر کا یہ دعوی کہ فلان شخص کے پاس مین نے فلان چیز امانتہً رکھی ہی، یا یہ کہ مین نے اپنی فلان ہمسفر کو فلان چیز کا امین بنایا ہے،

۳- ان دونون کے درمیان بعض دعوے ایسے ہوتے ہین جنکی تصدیق اگرچہ رسم و رواج سے نہین ہوتی تاہم رسم و رواج سے انکی تردید و تکذیب بھی نہین ہوتی مثلاً دو شخصون مین باہم بالکل بیگانگی ہی لیکن با این ہمہ ان مین ایک شخص دوسرے پر اپنے قرض کا دعوی کرتا ہے[1] ان تینون قسمون مین پہلے قسم کے دعوی کی تو سماعت ہی نہین ہو سکتی، البتہ اخیر کے دونون دعوے قابل سماعت ہین، اور ان کی سماعت کے متعلق قاضی کو حسب ذیل اختیارات حاصل ہین

۱- ایک کام کو وہ کرنا نہین چاہتا لیکن مقدمہ مین صحیح نتیجہ تک پہنچنے کیلئے وہ کہہ سکتا ہی کہ مین ایسا کرونگا[2]،

۲- وہ ایک شخص کے اقرار کے خلاف فیصلہ کر سکتا ہی بشرطیکہ یہ ثابت ہو جائے کہ انصاف و صداقت کا اقتضاء اوس کے اقرار کے خلاف ہے[3]،

۳- ایک حاکم دوسرے حاکم کے فیصلہ کو منسوخ کر سکتا ہی[4]، جسکے معنی یہ ہین کہ اسلام نے اپیل کا دروازہ کھول دیا ہے،

۴- وہ مقدمات مین صحیح نتیجہ تک پہنچنے کے لیے قرائن و علامات سے کام لے سکتا ہی[5]، کیونکہ اسلام مین مقدمات کے فیصلونکی ایک بنیاد صلحاء کے فیصلون کی نظیر ہے[6] اور انبیاء گذشتہ کے بعض فیصلون سے یہ اختیارات مستنبط ہوتے ہین چنانچہ سنن نسائی کتاب آداب القضاء مین یہ روایت موجود ہی کہ ایک بار دو عورتین اپنے لڑکون کو ساتھ لیکر باہر نکلین، سوء اتفاق سے ایک کے لڑکے کو بھیڑیا اٹھا لیگیا، اور جو لڑکا بچگیا اس کے متعلق دونون مین نزاع پیدا ہوئی، اور مقدمہ حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت مین پیش ہوا انھون نے اُس عورت کے حق مین فیصلہ کیا جو دونون مین بڑی تھی، فیصلہ کے بعد دونون حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس سے ہو کر گذرین تو انھون نے

---

[1] الطرق الحکمیہ صفحہ ۲۴۸ [2] سنن نسائی کتاب آداب القضاء، باب السعۃ للحاکم فی ان یقول للشئی الذی لا یفعلہ افعل لیستبین الحق

[3] الطرق الحکمیہ صفحہ [4] سنن نسائی کتاب آداب القضاء، باب نقض الحاکم ما یحکم بہ غیرہ ممن ہو مثلہ او اجل منہ

[5] الطرق الحکمیہ صفحہ ۱ [6] سنن نسائی کتاب آداب القضاء، باب الحکم باتفاق اہل العلم،

کہا کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے کیا فیصلہ کیا؟ ان دونون نے واقعہ بیان کیا تو بولے دو چھری لاؤ مین لڑکے کو دو ٹکڑے کرکے دونون کے درمیان تقسیم کردون" لیکن چھوٹی عورت اس پر راضی نہین ہوئی، اور کہا کہ "مین اپنا حصہ بھی اپنے فریق ہی کو دیتی ہون" انھون نے یہ لڑکا اسی کو دلوایا، اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ

۱- انھون نے اس لڑکے کے دو ٹکڑے ہونے کی دھمکی اس لیے دی تھی کہ جس کا لڑکا ہے اس کی محبت اس کو گوارا نہ کرے گی، اور وہ اس پر راضی نہ ہوگی، حالانکہ وہ درحقیقت ایسا کرنا نہین چاہتے تھے،

۲- اگرچہ چھوٹی عورت نے یہ تسلیم کرلیا تھا کہ اس کا حصہ بھی بڑی عورت کو دے دیا جائے، لیکن حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کے اقرار کے خلاف فیصلہ کیا،

۳- انھون نے حضرت داؤد علیہ السلام کے فیصلہ کو منسوخ کردیا،

۴- انھون نے چھوٹی عورت کی عدم رضامندی کو قرینہ قرار دیا اور اس سے اس کی محبت کا پتہ لگایا،

الفاروق

علامہ شبلیؒ

حضرت فاروق اعظم کی لائف اور طرز حکومت، اگرچہ مسخ شدہ صورت مین معمولی کاغذ پر اس گران پایہ کتاب کے بیسون اڈیشن فروخت ہو رہے ہین، مگر اہل نظر کو ہمیشہ اسکے اعلیٰ اڈیشن کی تلاش تھی مطبع معارف نے نہایت اہتمام وسعی بلیغ سے اسکا نیا اڈیشن تیار کرایا ہے، جو حرف بحرف نامی پریس کانپور کی نقل ہے، نہایت عمدہ کتابت، اعلیٰ چھپائی، عمدہ کاغذ، دنیائے اسلام کا رنگین نفیس نقشہ مطلا ٹائیٹل، ضخامت ۴۱۲ صفحے، قیمت للعہ

"منیجر"

غنی کشمیری

از

جناب مولوی اکرام الحق صاحب سلیم ایم اے

غنی آن سخنگوئے بلبل صفیر	نوا سنجِ کشمیر مینو نظیر
چو آن محفل افروز در خانہ نیست	تہی تر ازو ہیچ کاشانہ نیست (اقبال)

ہندوستان کے ان مشاہیر فارسی شعراء مین سے جنپر فارسی شاعری ہمیشہ ناز کرے گی ایک مولانا غنی کشمیری ہین، تعجب ہے کہ علامہ شبلی نعمانیؒ نے جہان ابو طالب کلیم کا تذکرہ کیا ہے، وہان ان کے ہمسر اور ہمعصر ملا محمد طاہر غنی کی طرف توجہ نہین فرمائی، اسکی وجہ یا تو یہ ہو سکتی ہے، کہ غنی کسی نئی طرز کے موجد نہ تھے، یا یہ کہ ان کا کسی دربار سے تعلق نہ تھا، وجہ کچھ ہی ہو، اس سے کسی کو انکار نہین ہو سکتا کہ وہ اس قابل ضرور ہین کہ دنیا کو ان سے اور ان کے کلام سے روشناس کیا جاے،

جیسا کہ عام طور پر فارسی شعراء کے سوانحِ حیات کا حال ہے، مولانا غنی کے حالات زندگی بھی مفصل معلوم نہین، تذکرہ نویس اپنی عادت کے موافق بجز دو چار مدحیہ جملون کے اور کچھ نہین لکھتے، شاعر کے اخلاق و عادات، خط و خال، خواطر و تفردات، ایسی چیزین ہین جنسے ان کو سروکار نہین ہوتا، غنی اس کلیہ سے کب مستثنیٰ ہو سکتے تھے، چنانچہ ان کی تاریخِ تولد، والد کا نام، خاندانی حالات، طرزِ معاش، وغیرہ تک تاریکی مین ہین،

ابتدائی حالات عمر تذکرۂ شمع انجمن مرتبۂ نواب صدیق حسن خان مین صرف اتنا لکھا ہے:-

"غنی کشمیری از قبیلہ اسی است"

تذکرہ نویس تو خیران باتون کو غیر ضروری سمجھتے ہین، افسوس تو یہ ہے کہ خود مولانا نے بھی اپنے ابتدائی حالات کا صراحتہً یا کنایتہً کہین ذکر نہین کیا، اتنا مسلم ہے، کہ کشمیر کے رہنے والے تھے، اور ۱۰۷۹ھ[1] مین وفات پائی، "ڈاکٹر ریو فرماتے ہین کہ غنی نے عالم شباب مین انتقال کیا،[2] ان کا یہ قول غالباً مرزا محمد افضل سرخوش کے بیان پر مبنی ہے[3] جسکی اصلی عبارت یہ ہے،

"امامرغ روحش درعین شباب بسرپنجہ شاہین اجل گرفتار گردید"

مگر مجھے اس سے اختلاف ہے اور اس کے دو وجوہ ہین،

(ا) غنی اپنے اشعار مین متعدد جگہ اپنی پیری کا ذکر کرتے ہین، اور نہایت صریح طور پر، ملاحظہ ہو؛

(۱) زپیری چنان گشتہ ام ناتوان — کہ دندان بجنبد جائے زبان

(۲) ریخت دندان ز دہن رفت جوانی برباد — آہ ازین ژالہ کہ در مزرع بختم افتاد

(۳) ازضعف پیری است مراتکیہ چون عصا — گردم ہنوز ہرزہ چہ چون طفلان نے سوار

(۴) زپیری ریخت دندانم ندارم تن بیاد حق — بازی آخرین تسبیح چون اطفال گم کردم

(۵) موئے سرکردم سفید اما خیالات درسر است — اخگر پنہان تہ این تودۂ خاکستر است

(ب) غنی کو ضعفِ اعضا کی بیحد شکایت تھی، درد بھی لاحق تھا، وہ اس سے اسقدر تنگ آگئے تھے کہ دعا کرتے تھے،: "باشد اے کاش عمر کوتاہ مرا" انھون نے خود اس ضعف کی مفصل کیفیت بیان کی ہے فرماتے ہین:-

قوتِ رفتار دارم باوجود ضعفِ پا — چون قدم در رہ گذارم میرود پایم ز جا

پشتِ پاگردید خم افزود ضعفِ تن مرا — گرچہ محکم می شود چون رشتہ میگردد دوتا

---

[1] دیوان منتخب سراج مین بھی سنہ وفات ۱۰۷۹ دیا ہے، [2] فہرست کتب فارسیہ محفوظہ برٹش میوزیم صفحہ ۶۹۲ [3] دیوان غنی مطبوعہ نولکشور صفحہ ۱۴

گر چنین از درد اعضا خشک گردد پیکرم	می شود انگشت پایم رفتہ رفتہ خارِ پا
در علاج درد اعضا سخت حیران ماندہ ام	کاش میکردم ز حیرت یکنفس گم دست و پا
گشتن از پہلو بہ پہلوئے وگر معراج ماست	نردبانے بہر ما گردید نقش بوریا
بسکہ در اعضائے ما افتادہ از خشکی شکست	ہر رگِ ما گشتہ موئے کاسۂ زانوی ما

میرے اعضا اس قدر شکستہ ہوگئے ہین کہ ہر رگِ زانو ایسی معلوم دیتی ہے جیسے کاسۂ چینی مین بال آگیا ہو، شعر مین لطیف ابہام ہے، جب چینی مین بال آجائے تو وہ ٹوٹ جاتی ہے ع ہو بے صدا وہ چینی جس مین کہ بال آیا،

قوت جذب پر کاہے بدست ما نماند	کاش بودے استخوانِ دست و پا از کہربا
روزگارے معنی لغزش نفہمیدم کہ چیست	عاقبت افتاد این معنی مرا در پیش پا
لشکرِ ضعف ار بناز د بر سرمن باک نیست	می گریزم لنگ لنگان در پناہِ مصطفےٰ
قصہ در مدت ندارد ہیچ پا یا نے غنی	تا بکے پیشِ طبیبان سر کنی این ماجرا

ایک رباعی مین فرماتے ہین،

دارم دردے کہ ہست جانکاہ مرا	باشد اے کاش عمر کوتاہ مرا
ہر چند کہ نیست مہلک این دردے	دایم تا مرگ است ہمراہ مرا

غنی کی نحیف البدنی کا یہ حال تھا کہ "از پیکر ہیولانیش پوستے و استخوانے ماندہ بود"[1] "عین شباب" مین اعضا کا اس قدر ضعیف ہو جانا مستبعد ضرور ہے، اور خاصکر جب پیری کا صریح ذکر موجود نہو، تو صرف یہی نتیجہ نکل سکتا ہے کہ مولانا نے عالمِ شباب مین نہین بلکہ عالمِ شیب مین وفات پائی،

تعلیم | تحصیلِ علم کا ان کو نہایت شوق تھا[2] اور علوم مروجہ مین کمال حاصل کیا تھا، مولانا کا خطاب

---

[1] تمہید دیوان غنی مطبوعہ نولکشور ص ۵ [2] سرخوش کلمات الشعرا قلمی نسخہ،

اسی بات پر دال ہے، شاعری تو ان کے نزدیک ایک ثانوی چیز تھی، تمہید دیوان میں ہے[1]

"علم را نقاب عرفان ساختہ شعرش پردہ داری ہردو می نمود و معارف حقیقی در لباس علوم رسمی روپوش می ساخت"

اس بیان کی تصدیق وہ خود بھی فرماتے ہیں: ؎

زشعر من شدہ پوشیدہ فضل و دانش من ‏ ‏ ‏ ‏ چون میوہ کہ بماند بزیر برگ نہان

ابتدائے سخن گوئی مرزا محمد افضل سرخوش کلمات الشعراء میں لکھتے ہیں "تاریخ شعر گفتن او از لفظ غنی برمی آید"

اگر یہ صحیح مانا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا، کہ مولانا نے ۱۰۶۰ھ میں شاعری شروع کی، ابوطالب کلیم ۱۰۶۱ھ میں مرے ہیں، غنی نے تاریخ کہی ہے،

"طور معنی بود روشن از کلیم"

یہ مسلم ہے، کہ کلیم مولانا کے رفقا میں سے تھے، علامہ شبلیؒ ایک جگہ ضمناً لکھتے ہیں[2] کہ "یہ تینوں شاعر (کلیم، صائب اور غنی) کشمیر میں مدت تک ہمدم اور ہم قلم رہے، اور باہم مشاعرے رہتے تھے"

اب دیکھئے ۱۰۴۲ھ میں ظفرخان احسن کشمیر کی صوبہ داری پر فائز ہوا ہے، اور مرزا صائب اس کے ساتھ کشمیر آئے ہیں، اور وہاں سے ہوتے ہوئے باپ کے ساتھ وطن کو واپس چلے گئے ہیں[3] علامہ شبلیؒ فرماتے ہیں[4]، کہ "مرزا نے اخیر زندگی تک ایران سے قدم باہر نہیں نکالا" ضرور ہے کہ ان حالات کے ہوتے ہوئے، ۱۰۴۲ھ ہی میں غنی سے ملاقات ہوئی ہوگی، اور کچھ مدت ہم صحبتی کا لطف رہا ہوگا، کلیم کی وفات پر غنی نے جو قطعۂ تاریخ لکھا ہے، اس میں ایک شعر ہے، ؎

عمرہا در یاد او زیر زمین
خاک برسر کرد قدسی و سلیم

---

[1] ص ۴ [2] شعر العجم ج ۳ ص ۱۹۸ [3] ایضاً ص ۱۷۵ [4] ایضاً،

حاجی جان محمد قدسی اور علی قلی سلیم دونون مولانا کے زمرۂ احباب مین داخل تھے[1]، اور مسلمہ طور پر سنہ ۱۰۶۰ھ سے پہلے فوت ہوئے، کلیم بھی سنہ ۱۰۵۵ھ مین کشمیر مین تھا[2]، یہ ممکن نہین کہ ان تمام باکمال شعرا کی ہم صحبتی کے باوجود غنی سخن سنجی کی طرف ملتفت نہ ہوئے ہون، مگر دفعۃً سنہ ۱۰۶۰ھ ہی مین بالکل بیساختہ طور پر غنی تخلص اختیار کرکے شاعری شروع کر دی ہو، اس بات کا واضح ثبوت کہ مولانا غنی سنہ ۱۰۶۰ھ سے بھی پہلے شاعری کرتے تھے ان کے اس شعر سے حاصل ہوتا ہے،

گلشنِ کشمیر را امسال شادابی کم است ۔۔۔ گر گلِ ابرے نمایان ست آن ہم بے نم است

یہ ایک تاریخی واقعہ ہے کہ سنہ ۱۰۵۵ھ مین کشمیر پر قحط کا سخت حملہ ہوا ہے، اس وقت تربیت خان حاکمِ کشمیر تھا، مولانا غنی بداہتہً اسی قحط کی طرف اشارہ کرتے ہین، دیوان مین ایک قطعہ ہے جس سے الٰہی شاعر کی تاریخِ وفات سنہ ۱۰۵۲ھ برآمد ہوتی ہے اس مین تخلص طاہر دیا ہے،

گفت تاریخ وفاتش طاہر ۔۔۔ برد الٰہی ز جہان گوئے سخن

قیاس ہو سکتا ہے، کہ ممکن ہے شروع مین طاہر تخلص کرتے ہون اور بعد مین غنی اختیار کیا ہو، اور وہ حسنِ اتفاق سے سنہ ۱۰۶۰ھ مین، اس پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ دیوان مین بجز اس قطعہ کے اور کوئی غزل یا فرد نہین جس مین طاہر آتا ہو، یہ درست ہے، مگر دیوان مین متعدد غزلین ایسی ہین جنمین مقطع نہین دیا گیا اور غیر مسلسلہ اشعار مین بھی صرف معدودے چند تخلص کے حامل ہین، اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے، کہ ہر ردیف مین صرف پانچ سات غزلین مکمل ملتی ہین، اور ردیف اول کے ۴۸ غیر مسلسلہ اشعار مین صرف دو ہین، جنمین تخلص ہے، اس کے ساتھ یہ بھی قابلِ غور ہے کہ کہا جاتا ہے[3]، غنی نے اپنے اشعار مین سے ایک بیاض مرتب کر لی تھی، اور باقی تلف کر دیئے تھے، اگر یہ صحیح ہو تو اغلب ہے کہ انھون نے ابتدائی اشعار ہی ضائع کئے ہونگے، بہرحال یہ بات وثوق سے نہین کہی جا سکتی یہ ایک نظریہ ہے

---

[1] بانکی پور کیٹلاگ نمبر ۲۳۳، [2] شعر العجم ج ۳ ص ۱۰۸، [3] میر حسین دوست سنبھلی تذکرۂ حسینی تتمۂ دیوان غنی ص ۱۴۲،

سفر | نواب صدیق حسن خان کے اس فقرہ سے کہ "مدت العمر در شہر خویش گذرانید" معلوم ہوتا ہے کہ مولانا نے کبھی کوئی سفر اختیار نہین کیا، ممکن ہے وہ سفر کو ناپسند کرتے ہون، کیونکہ فرماتے ہین، ؎

سفر چگونہ گزینم ز آستانہ خویش — کہ ہمچو مردم چشم بقید خانہ خویش

مگر یہ صحیح نہین کہ تمام عمر کہین نہین گئے، وہ خود ایک رباعی مین کشمیر سے دور ہونے کا کنایۃً ذکر کرتے ہین،

کردہ است ہوا ئے ہند دلگیر مرا — ای بخت رسان بباغ کشمیر مرا

گشتم ز حرارت غریبی بے تاب — از صبح وطن بدہ طباشیر مرا

احباب | غنی نے تمام عمر گوشۂ عزلت مین بسر کی، علامہ اقبال فرماتے ہین، ع

"چو اندر سرا بود در بستہ داشت"

تمہید دیوان مین ہے کہ "بجز معنی بیگانہ باہیچکس آشنائی نمی کرد"

شاید یہی وجہ ہے، کہ ان کے دیوان مین ان کے دوستون کا کوئی ذکر موجود نہین، بلکہ وہ خود ان کے عدم حصول کے شاکی ہین ؎

کردم ہر چند جستجو در عالم — یاران موافق بہ جہان دیدم کم

افسوس کہ ہمچو مہرہائے شطرنج — یک رنگ نیند ہم نشینان با ہم

تاہم اس کے بھی معترف ہین کہ دنیا مین صحبت و اختلاط ناگزیر ہے، ؎

کس راز دام صحبت مردم نجات نیست — عنقا است گوشہ گیر غنی در زمان ما

پہلے آچکا ہے، کہ قدسی، سلیم، صائب، ان کے رفقا مین سے تھے، کلیم اور امیر الامرا اسلام خان سے تو خاص انس تھا، ان کی تاریخ وفات کہی ہے اور جس خلوص کے ساتھ کہی ہے اسکا اندازہ ان اشعار سے ہوسکتا ہے،

قطعہ تاریخ وفات ابو طالب کلیم

حیف کز دیوار این گلشن برید — طالبا آن بلبل باغ نعیم

اشک حسرت چون نمی ریزد قلم	شد سخن از مردن طالب یتیم
ہر دم از شورش دل اہل سخن	چون زبان خامہ میگردد دو نیم
عمرہا در یاد او زیر زمین	خاک بر سر کرد قدسی و سلیم
عاقبت از اشتیاق یک دگر	گشتہ اند این ہر سہ در یکجا مقیم
گفت تاریخ وفات او غنی	طور معنی بود روشن از کلیم

امیر الامرا اسلام خان،

حیف کز فوت قدوهٔ امرا	بہ سپہر داغ شد نصیب سیاہ
دور زان آفتاب اوج کمال	مردمک شد ز گریہ ابر سیاہ
شد نفس نالہ در گلو مارا	ہمچو نے، زین مصیبت جانکاہ
جست این مصرع از زبان غنی	مرد اسلام خان والاجاہ

اہل وعیال مولانا دنیاوی تعلقات سے بالکل آزاد تھے، ان کے اہل وعیال کے متعلق تذکرہ نویس تو عادۃً خاموش ہین، ان کے اشعار سے بھی پتہ نہین چلتا، معلوم ہوتا ہے، انھون نے شادی نہین کی اور تجرد مین ہی زندگی بسر کرتے رہے،

مذہب اگرچہ صوفیانہ خیالات بھی دیوان مین موجود ہین، اور امام حسینؓ کی تعریف مین بھی یہ شعر ہے،

کے بدو رجز اسر خرو تو اند شد	کہ خاکپاے شہیدان کربلا باشد

مگر ذیل کے شعر سے صاف طور پر ثابت ہوتا ہے، کہ غنی اہل سنت والجماعت سے تعلق رکھتے ہین،

دفع شد وسواس خاطر از نماز باحضور	ما بدست لبتہ وا کردیم قفل لبتہ را

دست لبتہ سے اشارۃً یہ ثابت ہوتا ہے،

اخلاق و عادات مولانا محمد طاہر غنی کو مبدء فیاض سے طبیعت بھی غنی کرامت ہوئی تھی، وہ استغنا کی

بلند سطح پر پہنچے ہوئے تھے، جہان ان کی نگاہ مین دنیوی جاہ و احتشام کی کوئی وقعت نہین رہی تھی، نصیرآبادی کے الفاظ مین "...... درکمال بے تعلقی بودہ چشم بر زخارفِ دنیا کہ در نظرِ عارف قدرِ برگ کاہے ندارد نکشودہ وعلت آن غنی معنوی ہم بود"

صاحب شمع انجمن اس کی تصدیق یون کرتے ہین، "بغنائے طبعی مجبول بود، باوصفِ بے دستگاہی بحضورِ خاطر بسر می برد، ازین جاست کہ غنی تخلص می کرد"

عہد شاہجہانی کے پرتکلف تمدن مین جب کہ سازِ عشرت کی صدائین فضائے ہند کو معمور کررہی تھین اور وہ خواب آور نغمے کاہلی اور تنعم پرستی کا ایسا جذبہ پیدا کر رہے تھے، جسے حضرت عالمگیرؒ دیکھ کر تھرا اٹھے اور اس قحط الرجال کے زمانہ مین جب کہ مردانگی کے اوصاف مفقود ہو چلے تھے، ایسے شخص کا پیدا ہونا جو صبر و استقلال، ایثار و استغنا کا نمونہ قائم کردے کچھ کم تعجب انگیز نہین استغنا کا یہ حال تھا کہ صاحب مشاہیرِ کشمیر لکھتے ہین کہ مولانا نے اپنے رہنے کے لیے ایک چھوٹا سا کمرہ منتخب کر رکھا تھا، مگر جب اندر ہوتے تو دروازہ بند کردیا کرتے اور جب باہر تشریف لیجاتے تو کواڑ کھلے رکھتے، ایک دوست نے اس کا سبب پوچھا تو فرمایا کہ متاع دوکان تو مین ہون، جب مین نہ ہون تو دروازہ بند کرنا بے سود ہے، علامہ اقبال اسی واقعہ کو نظم کرتے ہوئے لکھتے ہین[۲] :-

غنی آن سخن گوئے بلبل صفیر — نوا سنجِ کشمیرِ مینو نظیر
چو اندر سرا بود در بستہ داشت — چو رفت از سرا تختہ را وا گذاشت
یکے گفتش اے شاعر دلرسے — عجب دارد از کار تو ہر کسے
بپاسخ چہ خوش گفت مردِ فقیر — فقیر و باقلیم معنی امیر
زمن آنچہ دیدند یاران رواست — درین خانہ جز من متاعے کجا است

[۱] قلمی نسخہ، [۲] پیام مشرق صفحہ ۱۲،

غنیؔ تا نشیند بہ کاشانہ اش | متاعِ گرانے است در خانہ اش
چو آن محفل افروز در خانہ نیست | تہی تر ازین ہیچ کاشانہ نیست

اپنے استغنا کا ذکر وہ خود ان الفاظ مین کرتے ہین،

دائم چو انم از مددِ ہمتِ بلند | یعنی ز بارِ منت کس خم نگشتہ ایم
ہر کہ چون من زد قدم در راہ استغنا غنیؔ | اطلسِ گردون بپائے ہمتش پا تابہ است
لب سوال غنیؔ پیش مکان مکشا | کہ ترسم از دہنت لقمۂ زبان گیرند

مولانا نے ہمیشہ اپنے آپ کو اربابِ دولت و ثروت سے بے نیاز رکھا، وہ پیٹ کی خاطر کسی امیر یا بادشاہ کی چوکھٹ پر ناصیہ فرسائی کرنا ذلت سمجھتے تھے، فرماتے ہین، ؎

غنیؔ از نیک نامی زر نہ گیرد | کہ نامِ زر گرفتن ہم گدائی است
سعی روزی بر نمیدارد مرا از جائے خویش | آبرو چون شمع می ریزم بے دریائے خویش

صلۂ شعر کے قبول کرنے سے انھین عار تھا، ؎

چرا غنیؔ صلۂ شعر از کسے گیرد | ہمین بس است کہ شعرش گرفت عالم را

اسی بنا پر انھون نے تمام عمر فقر و فاقہ مین بسر کی اور کبھی ملول خاطر نہ ہوئے، اور اس بے دستگاہی مین کمال جمعیتِ خاطر سے دن گذارتے رہے، انھون نے اپنا اطمینان اس شعر مین ظاہر کیا ہے، ؎

ما بفقر و فاقہ خو کردیم ہمچو آسیا | گر رسد روزی غبار خاطر ما می شود

مولانا کی متوسع شخصیت، ان کی علو ہمتی، اور خودداری ایسی نہ تھی کہ لوگ اس سے متاثر نہ ہوتے، عوام تو کیا خواص بھی ان کا ادب کرتے تھے، خود حاکم کشمیر نہایت تعظیم سے پیش آتا تھا، مگر مولانا کی آزا

---

[1] تاریخ حدیقیہ مین یہ بے بنیاد الزام لگایا گیا ہے کہ ۲۵؁ جلوس مین غنی نے شاہ جہان کی خدمت مین قصیدہ پیش کیا اور ہزار روپیہ انعام پایا، اس مین مصنف کو سہو ہوا ہے وہ شاعر فرد غنی تھا نہ کہ غنی،

طبیعت ان کے احترامات اور تکلفات کی گرانباری کی کب متحمل ہو سکتی تھی، وہ اس سے تنگ آگئے تھے، جھنجلا کر فرماتے ہیں :-

از تواضعہائے مردم سخت حیرانم غنیؔ ہر کہ می افتد بپایم کندۂ پا می شود

روایات | مولانا کی شخصیت کے ارد گرد بھی بہت سی روایات جمع ہو گئی ہیں، تذکروں میں ایسے قصے عام طور پر تفریح کے لیے درج کئے جاتے ہیں، مگر بہت کم حقیقت پر مبنی ہوتے ہیں، ہم مولانا کے متعلق دو روایات لکھیں گے، ان کے متعلق مشہور ہے[1] کہ شاہ ہند نے سیف خان حاکم کشمیر کو لکھا کہ غنیؔ کو ہماری خدمت میں دہلی روانہ کر دو، سیف خان نے غنیؔ کو بادشاہ کا پیغام دیا، تو انھوں نے جانے سے انکار کر دیا اور کہا کہ لکھ دو غنیؔ دیوانہ ہو گیا ہے، سیف خان نے کہا کہ بھلا ایک فرزانہ کو دیوانہ کس طرح لکھ سکتا ہوں، غنیؔ دفعتہً دیوانہ وار دربار سے نکل کھڑے ہوئے، اور تین دن کے بعد مر گئے، قصہ کا وجود شاہ ہند کے پیغام پر منحصر ہے، اور ثابت کرنا مقصود ہے، کہ غنیؔ شاہی درباروں سے بے نیاز تھے، شاہ ہند کے نام کی تصریح کہیں نہیں، شاہ جہان نہیں ہو سکتا، کیونکہ جب غنیؔ فوت ہوئے ہیں تو حضرت اورنگ زیب عالمگیرؒ سریر آرائے سلطنت تھے، اب دیکھئے مولانا شاہی فرمان کے تین دن بعد فوت ہوئے ہیں، تو گویا حضرت عالمگیرؒ ہی کا فرمان گیا ہوگا، اب یہ قریباً ناممکن ہے، کیونکہ بقول علامہ شبلی نعمانیؒ عالمگیر کے "زہد خشک نے تو شاعری کا چراغ ہی گل کر دیا"[2]

(۲) میر حسین دوست سنبھلی "تذکرۂ حسینی" میں فرماتے ہیں،

"مرزا صائب این بیتش را شنیدہ عزیمت کشمیر نمودہ" مشعر

موئے میان تو شدہ کر اپین کرد جدا کاسۂ سرہا ز تن

پرسید کہ کراپین گر نام رشتہ ایست کہ کوزہ گران کاسہ را از چرخ جدا می سازند، گفت بلے غنیؔ دیوان خود را

---

[1] بانکی پور کیٹلاگ نمبر ۳۰۳، اڈنبرا کیٹلاگ مرتبہ اشرف "غنی" [2] شعر العجم ج ۳ ص ۱۷۱

که از یک بیت برگزیده بود، و دو هزار بیت بیاض نگاشته و باقی را بآب داده بود، پیش مرزا گذاشت امیرزا از مطالعهٔ آن نهایت محظوظ شد خصوصاً بر بیتے حسرتها خورده گفت که کاش که این همه که در تمام عمر گفته ام باین کشمیری می دادم و او این یک بیت حوالهٔ من می کرد، بیت

حسن سبزے بخط سبز مرا کرد اسیر   دام همرنگ زمین بود گرفتار شدم

یہ روایت بہت کچھ حقیقت پر مبنی ہے، مگر یہ درست نہین کہ مرزا صائب محض غنی کی ملاقات کیلئے ایران سے چل کر آئے، پہلے آچکا ہے کہ مرزا ۱۰۴۲ھ مین کشمیر گئے اور وہان سے ہوتے ہوئے وطن کو واپس چلے گئے، اور پھر انھون نے اخیر زندگی تک، ایران سے باہر قدم نہین نکالا[۱] البتہ اتنا ضرور ہے، کہ "چون کسے از ہند وارد ایران می شد، مرزا صائب می فرمود کہ برائے ما تحفہ از ہند آوردہ و آن عبارت است از اشعار غنی"

دیوان | کہا جاتا ہے کہ مولانا نے ایک لاکھ سے زیادہ اشعار لکھے تھے، مگر ہم تک صرف دو ہزار کے قریب اشعار پہنچے ہین اور بقول سیرنگر والہ داغستانی (صاحب ریاض الشعرا) نے بھی ان کے دو ہزار اشعار دیکھے تھے، تمام تذکرہ نویس اس بات پر متفق ہین، کہ انکا دیوان مرزا محمد علی ماہر نے ترتیب دیا، مگر مطبوعہ دیوان کے دیباچہ مین یہ عبارت ہے: "اما بعد مسلم مجرم بعرض میرساند...... چون این کم ہیچ زبان بجناب آن مغفور نسبت شاگردی داشت..... خواہم باتفاق ...... سرحلقہ شاگردان رسید ملک شہید بتدوین دیوان حق شاگردی بتقدیم رسانم"

معلوم نہین یہ مسلم کون ہین، قرائن سے مقدم الذکر بیان زیادہ قابلِ اعتبار معلوم ہوتا ہے، البتہ یہ ممکن ہے کہ مسلم نے ماہر کے مدون دیوان کو ازسر نو ترتیب دیا ہو،

مطبوعہ دیوان مین دو ہزار کے قریب اشعار ہین، جو فرد قطعات، رباعیات پر مشتمل ہین،

دیوان کے قلمی نسخے بھی نایاب نہین، برٹش میوزیم کا نسخہ (علامت OR 300) اٹھارہوین صدی کے شروع اوّل کا لکھا ہوا ہے، خط شکستہ آمیز ہے، اور متن خاصہ صحیح ہے، کیمبرج لائبریری مین چار

---

[۱] شعر العجم ج ۳ ص ۵ ، [۲] سراج الدین علیخان آرزو مجمع النفائس ،

نسخے موجود ہین، انڈیا نمبر ا، بانکی پور، دیوان ہند اور شاہانِ اودھ کے علمی خزانے بھی اس قیمتی چیز سے خالی نہین،

دیوان مین مکمل غزلیات کی نسبت فرد اور قطعات بہت زیادہ ہین، اور ایک نظر دیکھنے پر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مختلف اللون جواہر ریزے بلا نظم و ترتیب کہین کہین سے چنکر یکجا کر دیئے گئے ہین اور در حقیقت ایسا ہی ہے، مولانا کی زندگی مین تو ان کے اشعار بے ترتیب ہی رہے، ان کی وفات کے بعد ان کے شاگردون اور دوستون نے مختلف سفینون سے جمع کر کے دیوان مین منضبط کر دیئے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بعض شعر الحاقی آ گئے اور بعض اصلی شعر اور لوگون کے ملک مین چلے گئے، مولانا کو اپنی زندگی مین بھی اس بات کی شکایت تھی، ؎

یاران بردند شعر ما را   افسوس کہ نام ما نبردند

اور وہ غزل جس پر صائب نے تضمین کی ہے، ؎

در جواب آن غزل صائب کہ می گوید غنی

یاد ایامے کہ دیگر شوقِ ما سر پوش داشت

مطبوعہ دیوان مین نہین ہے،

نطشے

مشہور جرمن فلاسفر، فریڈرک نطشے کی سوانحعمری اور اس کے خیالات، افکار، اور تصانیف پر بحث و تبصرہ، مصنف پروفیسر سید مظفر الدین ندوی ایم اے، اس کتاب کو مصنف نے چار ابواب پر تقسیم کیا ہے، پہلے باب مین اس کے سوانح اور تصنیفات کا حال ہے، باقی تین ابواب مین خیر و شر، مسیحیت، اور آئندہ سپر مین (فوق البشر) پر اس کے خیالات اور نظریون کی تشریح، قیمت عمر

پرنس کائتانی کی ایطالی تواریخِ اسلام

کا

مقدمہ

مترجمہ:- شیخ عنایت اللہ صاحب ایم اے معلم عربی گورنمنٹ کالج جھنگ

اطالیہ کے مشہور مستشرق نے جو ایک طرف علومِ مشرقیہ کا عالم اور دوسری طرف خاندانی امیر و نواب ہے، اس بیسوین صدی عیسوی کے آغاز سے ایطالی زبان مین ایک ضخیم اسلامی تاریخ کی تالیف مین مصروف ہے جسکی متعدد جلدین شائع ہو چکی ہین، اس کتاب کا مختصر تذکرہ معارف کے کسی نمبر مین گذر چکا ہے، اس کی شہرت مشرق و مغرب دونون مین پھیل چکی ہے، اس کتاب کا موضوع یہ ہے کہ ہر واقعہ کے متعلق بہ ترتیب سنین، مستند مورخینِ اسلام کے بیانات لفظی ترجمہ کے ساتھ ایطالی زبان مین یکجا کر دیا جائے، اور ساتھ ہی ساتھ اس کے متعلق حواشی اور تبصرے، ذیل مین لکھے جائین، اس کتاب سے مؤلف کی تاریخِ اسلام پر انتہا وسیع النظری ثابت ہوتی ہے،

اس کتاب کی اہمیت کے تذکرے لائق فضلائے یورپ کی زبان سے اب تک سنتے چلے آئے تھے، اور اسکی عمدگی وخوبی کا نقش دل پر بیٹھ چکا تھا کہ خبر معلوم ہوئی کہ اس کا ترجمہ ترکی زبان مین شروع ہو گیا ہے، اس ترکی ترجمہ کا ایک نسخہ دیارِ عرب مین بھی پہنچا، وہان سے ایک صاحبِ بصیرت نے اوس کو پڑھکر لکھا، کہ "پرنس کائتانی کی تواریخ الاسلام طبل بلند بانگ، اور ہیچ باطن ثابت ہوئی، مغرب چاہے اسکی جتنی قدر کرے، اگر مشرق کی داد کی یہ مستحق نہین"، اسی زمانہ مین معارف مین کسی عربی رسالہ کے

واسطہ معارف مین اس پر ایک تبصرہ شائع ہوا، اس کو پڑھکر ہمارے عزیز دوست شیخ عنایت اللہ صاحب ایم اے نے لکھا کہ مین اس کتاب کا اردو ترجمہ کرنا چاہتا ہون ' ہمین پہلے تو تعجب ہوا کہ کیا ہمارے نوجوان انگریزی خوانون مین کسی کو تاریخ اسلام سے بھی ایسی دلچسپی ہے، اور اس سے زیادہ تعجب یہ ہوا کہ کیا کوئی ہم مین ایطالی زبان کا جاننے والا بھی موجود ہے، مگر جیسا کہ شیخ صاحب کے تذکرہ مین پہلے لکھا جا چکا ہے، انھون نے اپنی تعلیمی تاریخ سنا کر ہماری حیرت کو دور کر دیا،

موصوف نے پرنس کائتانی کی کتاب کا مقدمہ ہمارے پاس بھیجا ہے، اوسکو پڑھکر معلوم ہوگا کہ ہمارے بڑے سے بڑے مستشرق کو اسلام کی تاریخ اور علوم کی طرف توجہ کن جذبات اور دلون کا نتیجہ ہے، پہلے ہی باب مین اون کے خیالات بے حجاب ہوکر سامنے آجاتے ہین، بہرحال یہ مقدمہ ہم مسلمانون کے پڑھنے کے لائق ہے، یہ مقدمہ چھ فصلون پر منقسم ہے، جو بہ ترتیب آپ کے پیش نظر ہونگی، (معارف)

فصل اوّل

چھٹی صدی مسیحی اور ساتوین کے آغاز مین سلطنت بزنطینی کی مضطرب تاریخ سے کوئی علامت ان عظیم الشان واقعات کی بطور پیش خیمہ کے ظاہر نہین ہوتی جو ساتوین صدی کے وسط مین ایشیا کو تہ و بالا کرنے والے تھے، کسی کو سان و گمان نہ تھا کہ تاریخ عالم مین ایک جدید طاقتور عنصر ظہور مین آنے والا ہے، جس کے وجود سے تمام لوگ اخیر وقت تک بیخبر رہے،

عربون کے ناگہانی ظہور اور ان کی سریع ترقی نے چند سالون مین تمام مشرق کی ہیئت و صورت کو بدل دیا، یونانی اور ایرانی جنکو ایک عرصۂ دراز کے اخلاقی، سیاسی اور فوجی انحطاط نے ذلیل و خراب حال اور لامتناہی جنگون نے کمزور کر دیا تھا، ان نئے دشمنون کے بڑھتے ہوئے سیلاب کی تاب مقاومت نہ لا سکے، یہ واقعات اس قدر سرعت کیساتھ ظہور مین آئے کہ پیشتر اس کے کہ اس عہد کے لوگ ان لاعلاج

اور ناقابل تلافی نقصانات کی ماہیت کو سمجھین جو انھین پہنچے تھے یونانی جبل طارس کے پار دھکیل دیے گئے تھے، اور سلطنت ایران صفحۂ تاریخ سے مٹ چکی تھی، یونانی اپنے پایۂ تخت بزنطین مین لرزہ بر تن، قوی ہیکل ایرانی دیو کو گرتے دیکھ رہے تھے، لہذا انھین نہ صرف اپنی شکست سے بلکہ جس سرعت سے ساسانی سلطنت خاک مین ملگئی، اپنے حریف کی طاقت کا اندازہ لگانے کے لیے کافی فرصت تھی، یونانیون نے سلطنت ایران کے برخلاف صدیون تک اپنا بہترین خون بہایا تھا، مگر انھین چندان قابل لحاظ فتوحات حاصل نہ ہوئین، اس کے برعکس عربون کی نئی اور وحشی قوم کو دیکھو جسکو اس وقت تک کوئی جانتا نہ تھا، ان بدویون نے اچانک اپنے دشوار گذار صحراؤن سے نکلکر چند وارے نیارے کی لڑائیون مین بڑے کشت و خون کے بعد اس سلطنت کو شکست دی اور دس سال سے کم مدت مین اسکو ہمیشہ کے لیے صفحۂ ہستی سے محو کر دیا، چند سالون کے بعد ہی وحشی بے شمار تعداد مین خود قسطنطنیہ کی دیوارون کے نیچے نمودار ہوئے اور اگر وہ پسپا ہوئے تو ان کی پسپائی یقیناً بزنطینی پایۂ تخت کے محافظین کی شجاعت کی وجہ سے نہ تھی،

اگر آج ہمارے لیے یہ بات معلوم کرنا ممکن ہو کہ ان دور دراز نسلون کے دلون مین کیا کچھ گذرا تو ہم بلاشبہہ ان پر اسی قسم کا استعجاب اور خوف و ہراس مسلط دیکھین گے جو اس شخص پر طاری ہوتا ہے جو اپنے بدن کے جزء اعظم کو آگ کے شعلون مین فنا ہوتے دیکھتا ہے، اور خوف کھاتا ہے کہ باقی تمام جسم کا بھی یہی انجام ہونے والا ہے، جنگل کی آگ کے مانند جس کے شعلے جہان کہین پہنچتے ہین نئی خوراک حاصل کرتے ہین، اس آگ نے جو عرب مین مشتعل ہوئی، چند سالون کی قلیل مدت مین تمام دنیا کو بحر اطلانتک کے سواحل سے ہند کے تپتے ہوئے میدانون تک طے کر ڈالا اور تمام دنیا پر چھا جانے اور اس کو بھسم کر دینے کی دھمکی دی،،

حیرت و استعجاب کے وہ جذبات جو ان ناگہانی واقعات سے جنکی نظیر دنیا کی تاریخ مین تقریباً ناپید ہے، اتنی صدیون بعد ہمارے دل مین پیدا ہوتے ہین، یقین ہے کہ خلفاء اولین کے ہمعصرون

نے ان کو بہت زیادہ محسوس کیا ہوگا، کیا شاید انھین اس بات کا علم تھا کہ دشمن قبائل کی نقل وحرکت کو کوئی چیز نہین روک سکتی؟ بوجہ اپنی انتہائی کمزوری کے عیسائی اقوام اس ہیبت ناک آتش زدگی کے بالمقابل بے حس وحرکت اور بے دست وپا کھڑی رہین، ان سے کچھ نہ بن آیا، بلکہ انھین کچھ کرنے کی جرأت تک نہ ہوئی، کسی مین اس آگ کے روکنے کی طاقت نہ تھی، جب یہ فرد ہوئی تو اس کا فرد ہونا بیرونی مزاحمت کی وجہ سے نہ تھا، بلکہ محض اس وجہ سے کہ اس کا اندرونی زور ختم ہوچکا تھا، صرف اس وقت عیسائی اقوام کو اپنی مصیبت کی بے پایانی کو سمجھنے اور بازیافت کے لیے سعی کرنے کی فرصت اور مہلت ملی یونانیون کی سستی اور بزنطینی قیاصرہ کی کمزوری کی وجہ سے عیسائیت کئی آباد صوبے اور لاکھون پیرو کھو چکی تھی، جنکی تعداد شاید کل پیروان دین مسیح کی ایک تہائی سے زیادہ تھی، خود دین مسیح کا گہوارہ بیدینون کے قبضہ مین تھا، یہ مصیبت کبریٰ ہلاکت آفرین تھی جس کا مداوا کسی سے نہ ہوسکتا تھا، اگرچہ کھوئے ہوئے املاک اور نفوس کی بازیافت کے لیے جدّ وجہد اس دن سے لیکر آج تک بند نہین ہوئی اور اب بھی مشرق مین جاری ہے مگر جو فتوحات حاصل ہوئی ہین وہ اس بات کا لحاظ کرتے ہوئے حقیر نظر آتی ہین کہ اسّی برس سے کم عرصہ مین عیسائیت نے کیا کچھ ہاتھ سے دیا، اور تیرہ صدیون کی جدّ وجہد اور کشمکش کے بعد کیا کچھ واپس لیا ہے، اس ناکامی پر دل وجگر کے جتنے بھی پھپھولے پھوڑے جائین، تھوڑے ہین، مگر ہماری تلخ نوائی اور بھی زیادہ اندوہناک بنجاتی ہے اگر ہم ان فتوحات کو بھی حساب مین لین جو اسلام نے سولھوین اور سترھوین صدی مین حاصل کین، اور جنکو عیسائیت نے ابھی جزءً واپس لیا ہے،

یہ جنگجو بہادر کون تھے؟ کس چیز نے ان کو اپنے بھیانک صحراؤن سے دنیا کی فتح کے لیے باہر نکلنے کی تحریک کی؟ وہ ایسے حیرت انگیز کارنامے سرانجام دینے کے کس طرح قابل ہوئے، انھون نے چند سالون کی مختصر مدت مین جو فتوحات حاصل کین وہ اتنی عظیم الشان اور مکمل کیون ثابت ہوئین، کہ باوجود تیرہ صدیون کی جد وجہد اور ان کے قوی ذرائع و وسائل کے جو ہمارے اعلیٰ تمدن کے قبضۂ تصرف مین ہین،

ہم تہذیب و تمدن اور دین کے اس بڑے دشمن کو پیچھے دھکیلنے مین کامیاب نہین ہوئے ؟ شاید ہم مین کوئی نقص ہے درحالیکہ اس کے برعکس ہمارے حریفون کو کوئی ناقابلِ انکار فوقیت اور فضیلت حاصل ہے جس کی بدولت وہ زبردست چلے آرہے ہین اور ہم باوجود اپنی ترقیات کے اس کے اثر و نفوذ کو زائل نہین کر سکے، ساتوین صدی مسیحی اور اس کے مابعد عیسائی اسلام کی فتح و ظفر کی تشریح سے ہرگز آگاہ نہ تھے، تشریح کے یہ معنی تھے کہ انسان کو اپنے نقائص کا علم ہو، اور یہ وہ بات ہے جو کبھی کسی قوم کو حاصل نہین ہوئی، خلفاء اولین کے ہمعصر عیسائیون نے اپنے آپ سے اس قسم کے سوالات نہین کئے، انھین اس بات کا مبہم سا علم تھا کہ فاتحین ایک نئے مذہب کے پیرو ہین، اور یہ کہ وہ دین مسیح کو باطل قرار دیتے ہین، وہ یہ بھی جانتے تھے کہ اس نئے مذہب کی بنیاد ایک پیغمبر نے رکھی تھی، جو یونانی اور لاطینی پادریون والی عیسائیت کو منسوخ کرنے کا مدعی تھا، انھون نے اس مخترع کا نام سنا تھا مگر اس کے نام کا تلفظ ان کے لیے اس قدر مشکل تھا کہ وہ اسے صحت اور درستی کے ساتھ نہین پکار سکتے تھے، چونکہ نئے مذہب نے اپنے آپ کو تلوار کے زور سے بہت کشت و خون کے بعد پھیلایا تھا اور رومی اور بزنطینی پادریون والی عیسائیت کو بڑی سختی کے ساتھ رد کیا تھا، اسلیے ان امور کا لازمی نتیجہ تھا کہ اسلام اپنے آپ کو عوام کے ذہنون مین ایک نہایت خونخوار صورت مین پیش کرے، اور ایک شیطانی دھوکا نظر آئے،

مدافعت کی ضرورت سے مجبور ہو کر عیسائی پادریون نے جو اس وقت اپنی جاہل قوم پر مسلط تھے، اپنے خوفناک دشمن کو ہر ممکن ذریعہ سے بدنام کرنے کی کوشش کی، ان کی مدت سے خواہش تھی، کہ تمام دنیا کو عیسائی بنایا جائے، مگر اسلام کی عظیم الشان کامیابیان نہ صرف ان کے لیے سدِ راہ ثابت ہوئین، بلکہ خود عیسائیت کے وجود کے لیے ایک دائمی خطرہ بن گئین، یہ خطرہ اس لحاظ سے اور بھی بڑا تھا، کہ عیسائیت ابھی تک دینی مسائل اور سیاسی تفرقون کے باعث بے نتیجہ داخلی جھگڑون مین مبتلا تھی، درحالیکہ عیسائی لوگ فرقہ سازی اور الحاد کی مصیبت مین گرفتار ہونے کی وجہ سے دشمن کا یکجہتی کے ساتھ مقابلہ نہین کر سکتے تھے، مسلمان

متنق اور زبردست تھے، اور عیسائیت کے تمام نظام کو یک قلم مردود قرار دیتے تھے، اور کہتے تھے کہ پادریون والی عیسائیت وہ مذہب نہین ہے جس کی حضرت مسیحؑ نے تعلیم دی تھی بلکہ وہ پادریون اور دیگر شریر لوگون کی ساختہ پرداختہ چیز ہے، اس طرح اسلام وسط ایشیا، ایشیائی کوچک، افریقیہ اور ہسپانیہ مین ہر روز نئے پیر دحاصل کر رہا تھا، ہر روز مسلمان تعداد مین بڑھتے تھے اور عیسائی گھٹتے تھے، یہ پہلا موقع تھا کہ ایک نئے مذہب نے ظہور کرکے عیسائی مذہب کو از سرتاپا رد کیا اور تمام دنیا کی اقوام کے مذہبی عقیدہ کی بنیادی اصلاح کا بڑا اٹھایا، کسی مذہب نے حتی کہ عیسائیت نے بھی اتنی سریع، مکمل اور پائدار فتوحات حاصل نہین کی تھین، لہذا عیسائی لوگ دین جدید کے بانی کو (نعوذ باللہ) ایک بیرحم فریبی اور شیطان مجسم خیال کرنے لگے جس کا مقصد دنیا کے اکیلے سچے مذہب یعنی عیسائیت کو تباہ کرنا تھا، حضرت محمد (صلعم) ان کے دین اور ان کے جانشینون سے بڑی نفرت کیجانے لگی، اس نفرت کے ساتھ خوف بھی شامل تھا اور جون جون عیسائی لوگ مسلمانون کے ہاتھون زیادہ نقصانات برداشت کرتے گئے اور ان کا خطرہ بڑھتا گیا یہ نفرت بھی زیادہ ہوتی گئی، بجائے اس کے کہ یہ نفرت امتدادِ زمانہ کے ساتھ کم ہوتی مختلف حالات نے اس کو بیدار اور قائم رکھنے مین حصہ لیا، کیونکہ جب مسلمانون کا اندرونی زور ختم ہوگیا، اور وہ اس قابل نہ رہے کہ عیسائی اقوام کا نقصان کرے اپنی فتوحات کے دائرہ کو وسیع کرین تو اس وقت بھی ایشیائے کوچک اور ہسپانیہ کی دنیوی لڑائیون اور بحرالمتوسط کے ساحلون پر افریقی قرامین (Corsairs) کی غارت گری نے اس نفرت کو زندہ رکھا اور دین

ؔلہ نقل کفر کفر نباشد، ناظرین آئندہ ترجمہ پڑھتے وقت بھی اس اصول کو یاد رکھین، (مترجم) ؔلہ عہد متاخرین کی لاطینی زبان مین (Cursarius) بحری قزاق یا بحری قزاقون کے جہاز کو کہتے ہین، انگریزی لفظ (Corsair) فرانسیسی (Corsaire) اور ہسپانی (Corsario) اسی سے مشتق ہین عربون نے اسکو ہسپانی سے اخذ کرکے قرصان (جمع قرامین) بنالیا، شمالی افریقہ کے مسلمان بربری قرامین کے پہلو بہ پہلو یورپ کے عیسائی قرامین بھی تھے اسٹینلی لین پول صاحب نے اپنی ایک مستقل تصنیف بربری قرامین کی تاریخ کے لیے وقف کی ہے، (مترجم)

مسیحؑ کے تارکین اور مرتدین کی وجہ سے عیسائی لوگ قدرتی طور پر خائف اور ہراسان رہے،

یہ نفرت جو اختلافِ مذہب ونسل پر مبنی تھی، صلیبی جنگون کے زمانہ مین اور بھی زیادہ ہوگئی،

ان لڑائیون کے دوران مین عیسائیون نے باوجود ہزارہا جانین صرف کرنے کے محض چندروزہ فتوحات

حاصل کین، پرانی نفرت کے ساتھ ان شکستون کی کلفت اور غم وغصہ بھی شامل ہوگیا جو انھون نے ایسے

دشمن سے اٹھائی تھین جو اپنی فتح کو اس بات پر بطور حجت اور وجہ ثبوت کے پیش کرتا تھا، کہ حق اسکی جانب پرہے،

مسیحؑ کی مقدس قبر کو چند سالون کی مختصر مدت کے لیے چھڑانے کے لیے لاکھون قیمتی جانون کی بے فائدہ قربانی کی

گئی، مگر یروشلم کی ریاست کے زوال کے بعد یہ مقام ہمیشہ کے لیے عیسائیت کے دشمنون کے ہاتھون مین واپس

چلا گیا، اور آج بھی وسلم سپاہی جو عیسائیون کے مقدس ترین معبد مین بحقارت وتنفر متبا کو نوشی کرتا ہے،

اس سلطان کی زبردست حکومت کا نمائندہ اور مظہر ہے جس کا بزعم خود حضرت محمدؐ کے خلیفہ ہونے کی حیثیت

سے دین مسیحؑ کو نیست ونابود کرنا فرض منصبی ہے،

ہم سے قریب تر زمانہ مین عیسائیت نے بہادرانہ کشمکش اور جنگ وجدال کے بعد ہسپانیہ کے

موروں (Moors) پر فتح پائی، مگر قسطنطنیہ کے ہاتھ سے جاتے رہنے اور مسلمانون کے ہنگری مین اور

وائنا کی دیوارون کے سامنے نمودار ہونے سے ان کے لیے یہ فتح بڑی گران قیمت ثابت ہوئی، خود اطالیہ

کا ملک جو کہ یورپ کی عظیم الشان نشاۃ ثانیہ کا گہوارہ تھا، معرضِ خطر مین تھا، اور محض ایک سلطان کی اتفاقی

موت کی وجہ سے ایک تباہی خیز حملہ سے بچ گیا، اسی دوران مین وینس اور جینوا کے ہاتھ سے مشرق کی تمام

نوآبادیان یکے بعد دیگرے نکل گیئن، ترکون کی عظیم الشان فتوحات سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا فتحمند

اسلام کے خوفناک قالب مین ازسرنو جان پڑگئی ہے اور یہ کہ وہ خلفاے اوّلین کی شان وشوکت کی

ہمسری کرنا چاہتے ہین، اور یورپ اور باقی تمام دنیا کو مغلوب کرکے عیسائیت کو ہمیشہ کے لیے ذلیل

کرنا چاہتے ہین، جس طرح کہ آٹھوین صدی مسیحی مین پرینیز کے پہاڑون پر عربون کے حملہ کا رکنا محض

اذرنجہ (Andrianople) اور چارلس مارٹل کی وجہ سے نہ تھا، اسی طرح اگر ترکون نے سترھوین صدی عیسوی مین یورپ کو مفتوح نہ کیا تو اس کا سہرا محض اہل ہنگری اور صقالبہ کے سر نہین ہے، وہ زبردست موجین جو عیسائی تمدن کی انتہائی حدود کے ساتھ ٹکرا رہی تھین، جسد اسلام کے منتفی ہونے سے پہلے کی آخری دھڑکنین تھین،

لیکن اگر ترکون کے اندرونی انحطاط نے یورپ مین ان کی پیشقدمی کو روک دیا، اور عیسائی اس قابل ہوئے کہ اپنی جدّوجہد اور بازیافت کے کام کو از سرنو شروع کرین، جو آج بھی جاری ہے، تاہم فتح وظفر کا دن ہنوز دور ہے، مسئلۂ شرقیہ کی تمام گذشتہ تاریخ، پچھلی لڑائی مین[1] (۱۸۹۷ء) یونانیون کی بدانجامی اور شکست اور بلقان کی مسلسل مشکلات کے زمانہ تک ثابت کر رہی ہے، کہ اس شخص مین ابھی کتنا دم خم باقی ہے جسکو بے انصافی سے "مرد بیمار" کہا جاتا ہے، انیسوین صدی کے اختتام پر یونانیون کی شکست کے یہ معنی ہین کہ عیسائی تہذیب، اسلامی تمدن کے سامنے ایک دفعہ پھر پسپا ہوئی ہے اور اس سے یہ ثابت ہے کہ مسلمان اقوام اب بھی سمجھدار سردارون کی ماتحتی مین مشرق کے انحطاط پذیر عیسائیون کے مقابلہ مین فوجی لحاظ سے زیادہ طاقتور ہین،

یورپ اور دنیائے اسلام کے باہمی تعلقات پر کئی پہلوؤن سے بحث ہوسکتی ہے، مگر تیرہ صدیون کی تاریخ کے مندرجۂ بالا مختصر اور سطحی بیان مین اس مسئلہ کے صرف ایک پہلو کو لیا گیا ہے، چونکہ مین اس مقام پر اپنے مبحث سے دور نہین جانا چاہتا، اس لیے مین نے عمداً دوسرے اہم پہلوؤن پر زور نہین

[1] یاد رہے کہ کتاب ہذا کا سنِ تالیف ۱۹۰۳ء اور سنِ اشاعت ۱۹۰۵ء ہے، مصنف نے اپنے عہد کے واقعات سے جو نتیجہ اخذ کیا ہے وہ آج بھی حرف بحرف صحیح ہے، اور امتدادِ زمانہ سے اس کی صحت مین ذرہ بھر فرق نہین آیا کیونکہ چار سال ہوئے ترکون نے مصطفےٰ کمال کی زیر قیادت ایشیائے کوچک مین سمرنا کے محاذ پر یونانیون کو جو شکست فاش دی اس سے مصنف کے متذکرۂ بالا واقعات تاریخی کا اعادہ ہوگیا ہے، اور مصنف کے اخذ کردہ نتیجہ کی تصدیق مزید، (مترجم)

دیا ہے، جن کے رو سے یہ ثابت کرنا آسان ہے کہ اسلامی تہذیب اور تاریخ کا مطالعہ کیا کچھ دلچسپی رکھتا ہے، مگر یہ وسیع مضمون تاریخی لحاظ ہی سے دلچسپ نہیں ہے بلکہ یہ ایک ایسا مضمون ہے جس کے کئی مسائل مہمہ لاینحل پڑے ہین، جو آج تک یورپ کے ماہرینِ سیاست کو بہت بیچین رکھتے ہین، اسلام آج بھی عیسائیت کے بعد دنیا کا سب سے زبردست مذہب ہے اور بوجہ اپنے معتقدین کے یقین کامل کے جو انھین اپنے مذہب کی حقانیت پر ہے، مسیحی عقائد کی اشاعت کے لیے بڑا بھاری سنگِ راہ ہے اور آئندہ کئی صدیون تک رہیگا، آج بھی عیسائی یورپ باوجود ان بیشمار وسائل اور ساز و سامان کے جنکو وہ استعمال مین لا سکتا ہے، اپنے تمدن کی آزادانہ توسیع کے راستہ مین اسلام کو مانند ایک ناقابلِ گذار دیوار کے حائل پاتا ہے،

گلِ رعنا

ازجناب مولانا حکیم عبدالحی صاحب مرحوم سابق ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ

جس مین اردو زبان کی ابتدائی تاریخ اور اسکی شاعری کا آغاز اور عہد بعہد کے باکمال اردو شعراء کے صحیح حالات اور ان کے منتخب اشعار اور ان کے ہر قسم کے کلام کے نمونے درج ہین، دار المصنفین اعظم گڈہ نے شائع کیا ہے، لکھائی چھپائی عمدہ کاغذ اعلیٰ ضخامت ۴۸۰ صفحے قیمت صعہ/

"منیجر"

اسلامی شمسی قمری سال

تقویم المنہاج القویم

از

مولانا ابو الجلال صاحب ندوی

سنہ و سال کے حساب کے بغیر دنیا مین کسی متمدن قوم کا کام نہین چل سکتا، انسان کا فطری سال شمسی ہے، اور فطری مہینہ قمری ہے، قمری مہینون کے فطری ہونے کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ مہینہ کے لئے شاید دنیا کی ہر زبان کا لفظ چاند کے نام سے مشتق ہے، عربی مین مہینہ کو شہر کہتے ہیں، کلدانی مین شہرا چاند کا نام تھا، فارسی کا ماہ ہندی کے ماس اور چاند دونون کا مرادف ہے، انگریزی کا منتھ صاف صاف موون کا فرزند ہے، اس سے بھی واضح دلیل یہ ہے کہ مہینون کے ایام ساری دنیا مین ہفتون پر منقسم ہین، وجہ یہ ہے کہ چاند کی حالتون مین ہفتہ وار نمایان امتیاز پیدا ہوتا رہتا ہے

فطری سال کے شمسی ہونے کی دلیل یہ ہے کہ "سال" کے نامون کو ہر زبان مین نہین تو کم از کم عرب اور ہندوستان کی بولی مین بارش سے خاص تعلق ہے، ہندی کا برش اسکی برشاکال سے خاص مناسبت رکھتا ہے، عربی کا عام (برس) اگرچہ بارش کے معنی نہین دیتا مگر عوم (تیرنا) کو پانی سے خاص تعلق ہے، یہود کا پہلا مہینہ نیسان ہے، اس کا قدیم نام ابیب تھا، (ع ب ب) کو سامی زبانون مین پانی سے خاص ربط ہے، چنانچہ اُباب پانی ہی کو کہتے ہین، ابر نیسان ہماری فارسی زبان مین بہت مشہور ہے، سال کے بارہ مہینے فرض کرنے کی وجہ بھی یہی ہے کہ دو برساتون کے درمیان عموماً ۱۲ ہی مہینے گذرا کرتے ہین،

بہرحال ہمارا طبعی سال شمسی اور طبعی مہینہ قمری ہے یہی وجہ ہے کہ دنیا کی تقریباً تمام قدیم قومین قمری مہینے اور شمسی سال استعمال کرتی تھین لیکن پورے ۱۲ قمری مہینون کے ایام کی مجموعی تعداد شمسی سال کے ایام سے کسرے زاید ۱۰ یا ۱۱ روز کم ہوتی ہے اس لئے قمری مہینون کو شمسی برسون مین تحویل کرنے کے لئے کبیسہ کا اصول عام طور پر رائج تھا،

یہ طریقہ یہود کی بدولت عرب مین بھی معروف تھا لیکن جب اسلام آیا تو اس نے اپنی ساری عبادتین اور کارروائیان صرف قمری مہینون کے اعتبار سے رکھین، رمضان کے روزے، عیدین کی نماز، اور کعبہ کا حج یہ سالانہ عبادتین ہین، ان کے لئے اسلام نے کبیسہ کا اصول مرعی نہ رکھا، عرب کے بعض قبائل اپنی لوٹ مار کے لئے نسی کرتے تھے یعنی ہر سال ایک قلمس (علم کا دریائے ذخار) کھڑا ہوکر اعلان کر دیتا تھا، کہ آیندہ سال کا ذی الحجہ فلان ماہ مین ڈال دیا گیا، اسلام نے اس کی سختی سے مخالفت کی بعض لوگون نے نسی اور کبس کو ایک چیز سمجھ رکھا ہے، اس لئے وہ سمجھتے ہین کہ اسلام نے کبیسہ کو حرام کردیا،

ان کا یہ خیال غلط ہے، نسی اور کبیسہ ایک چیز نہین، اور نہ کبیسہ کی خدا نے ممانعت کی ہے، بلکہ کبیسہ کا حساب تو خود قرآن پاک نے بھی استعمال کیا ہے، بلکہ اس نے صاف کہدیا ہے کہ چاند اور سورج دونون کو اور ان کے منازل کو خدا نے اسی لئے بنایا ہے، تاکہ تم برسون کا حساب و شمار جانو،

لیکن اس مین شک نہین کہ اسلام نے اپنی سالانہ عبادتون کا مدار قمری مہینون کو شمسی برسون مین تحویل کرنے پر نہین رکھا، اس لئے مسلمانون کا مذہبی سال یقیناً قمری ہے، اور اپنے مذہبی سال کو شمسی بنانے کی نہ تو ہم کو ضرورت ہے اور نہ اجازت، مگر تمدنی حیثیت سے مالی کاروبار کیلئے ہمکو شمسی یا شمسی قمری سال استعمال کرنے کی اسلام نے کوئی ممانعت نہین کی ہے،

ابتدا مین مسلمانون کو مالی سال الگ کرنے کی ضرورت بہت کم محسوس ہوئی، لیکن جس جس طرح تمدن بڑھتا گیا، حکومت پھیلتی گئی تو چونکہ مسلمان سلاطین نے اپنی ماتحت رعایا کے تمدنی رسم و رواج اور طرز حکومت مین بہت کم دخل دیا، اس لئے رعایا سے خراج وصول کرنے کے لئے انھین اسی شمسی حساب کی پابندی کرنی پڑی جو ایران و عراق مین پہلے سے رائج تھا، لیکن تنخواہون کی تقسیم کے لئے وہی عربی حساب قمری سالون کا قائم رہا،

۳۶۳ھ مین خلیفہ طائع للہ عباسی کے زمانہ مین قمری اور شمسی برسون کی میزان برابر رکھنے کے لئے قاعدہ مدخل آذار ایجاد ہوا، مسلمان کسی طرح اپنا سال ہجری چھوڑ نہین سکتے تھے، اور شمسی سنہ دوسرون کا استعمال کرنا مناسب نہ تھا، اس لئے صورت یہ اختیار کی گئی کہ مسلمانون نے بھی رومیون کی طرح اپنا مالی سال آذار (مارچ) کے مہینہ سے شروع کیا، اور اپنے مالی سال کو بھی ہجرت ہی کی طرف منسوب کرتے تھے، مارچ کے مہینہ کی پہلی تاریخ جس سنہ ہجری مین پڑتی تھی، اسی سنہ کے نام سے یہ مالی سال بھی نامزد کرتے تھے، لیکن ہر ۳۳ برس قمری مین ایک برس مارچ کی پہلی تاریخ سے خالی ہوتا ہے، اس لئے ایک برس کا نام کاغذات سے محذوف ہوجاتا تھا، یہی قاعدہ مدخل آذار ترکون نے بھی قبول کیا، مگر اس مین بہت کچھ مالی دشواریان پیش آتی رہتی ہین،

قاعدہ مدخل آذار کے اس نقص کا نتیجہ ملک شاہ سلجوقی کے عہد مین ۴۶۷ھ مین یہ نکلا کہ ایک دن خزانہ مین خرچ کے واسطے ایک پیسہ بھی باقی نہ رہا،

اس لئے فقہا سے فتوی لیکر ملک شاہ نے عمر خیام کو فارسی حساب کو از سر نو درست کرنیکا حکم دیا، اس نے سات نامور حکما کی ایک مجلس ترتیب دی اور بحث و مباحثہ کے بعد کامل تین سال محنت کرکے سنہ ملکشاہی جلالی ایجاد کیا، اور زیچ ملکشاہی مین اس کے اصول بیان کردیئے، ملکشاہی تقویم کا اصول وہی ہے جس پر نظام دکن کے سنہ الہی اکبر شاہی کی بنیاد قائم ہے،

پارسیون کا یزدجردی سال بھی دراصل خیامی اصول پر قایم ہے،

ملک شاہ کا سنہ جلالی چونکہ کسی قوم کی مقدس تاریخ سے وابستہ نہین ہے اس کو قبولِ عام اور دوام د قیام حاصل نہ ہوسکا، اس لئے اسلامی ممالک مین ایک زمانہ سے مسلمانون کا ایک الگ شمسی سنہ تصنیف کرنے کا خیال ہورہا تھا، ترکون نے اس پر بہت کچھ غور و فکر کیا، بھوپال مین بھی ایک سنہ محمدی ایجاد ہوا تھا، مگر چلا نہین،

حال مین حسن وفقی بک آل القاضی ایک دمشقی عالم نے ایک شمسی ہجری تقویم بنا کر دنیائے اسلام پر ایک بڑا احسان کیا ہے، انھون نے اپنی محنت کے نتیجہ کو ایک کتاب تقویم المنہاج القویم کی صورت مین ہدیہ عام کیا ہے، قیمت ؟ پتہ مکتبہ سلفیہ قاہرہ،

قرآن مجید نے ایک موقع پر مسجدِ قبا کے روزِ تعمیر کو (اول یوم) کہا ہے، اسی آیت سے تفاؤل کی بنا پر صحابۂ کرامؓ نے اپنے سنین کی ابتدا واقعۂ ہجرت سے کی، حسن وفقی بک نے حساب لگایا تو مسجدِ قبا کے سنگ بنیاد کا دن ۱۲ ستمبر ۶۲۲ء روز سہ شنبہ تھا، اور یہ آفتاب کے برجِ میزان مین داخل ہونے کی تاریخ تھی، اس لئے انھون نے اپنے شمسی ہجری سنہ کی ابتدا اسی تاریخ سے کی اور بجائے رومی مہینے استعمال کرنے کے عربی زبان کے اسماے فصول کو دوبارہ زندہ کرکے حسب ذیل نامون سے انھون نے اسی شمسی ہجری سنہ کو نامزد کیا،

مہینہ کا نام	تعداد ایام	کیفیت
خرفی (خریف کا مہینہ)	۳۰	خریف کا پہلا مہینہ ۱۹۱۶ء مین یکم خرفی مطابق ۲۴ ستمبر
وسمی (گھاس اُگانے والا)	۳۰	" " دوسرا " " یکم وسمی " ۲۴ اکتوبر
برک (سرما)	۳۰	" " تیسرا " " یکم برک " ۲۳ نومبر
شیبان (برف)	۳۰	" " چوتھا " " یکم شیبان " ۲۳ دسمبر

مہینہ کا نام	تعداد ایام	کیفیت
ملحان (سپید و شفاف)	۳۰	سردی کا دوسرا مہینہ سنہ ۱۹۲۰ مین یکم ملحان مطابق ۲۲ جنوری
زنہ (سختی سرما)	۳۰	" " تیسرا " " یکم زنہ " ۲۱ فروری
ربعی (ربیع والا)	۳۰ سال کبیسین ۳۱	ربیع کا پہلا مہینہ " " یکم ربعی " ۲۲ مارچ
دفئی (بارش گرما)	۳۱	" " دوسرا " " یکم دفئی ۲۱ اپریل
ناتق (رمضان کا قدیم نام)	۳۱	" " تیسرا " " یکم ناتق ۲۲ مئی
ناجر (پیاسا)	۳۱	گرما کا پہلا مہینہ " " یکم ناجر " ۲۲ جون
آجر (گرما)	۳۱	" " دوسرا " " یکم آجر " ۲۳ جولائی
بجناخ (بجھانے والا)	۳۱	" " تیسرا " " یکم بجناخ " ۲۳ اگست

اب تک عام طور پر یہ مشہور ہے کہ شمسی سال کے ایام کی مقدار ۳۶۵ دن چھ گھنٹے ہین، لیکن حقیقۃً اس کی مقدار اس سے کم یعنی ۳۶۵ دن ۵ گھنٹے اور کچھ دقیقہ اور ثانیہ ہین حسابی صورت بیان مین یون کہین گے کہ ایک سال شمسی ۳۶۵.۲۴۲۲۱۶ دن کا ہوتا ہے، اس بنا پر حسن توفیق بک نے ہر تین سال کو ۳۶۵ دن کا اور ہر سال کو جو ۴ پر پورا پورا تقسیم ہو جائے، ۳۶۶ دن کا قرار دیا ہے، لیکن ہر ۱۲۸ وان سال یعنی ۱۲۸ سنہ شمسی ہجری اور ۲۵۶ سنہ شمسی ہجری وغیرہ جو ۱۲۸ پر پورا پورا تقسیم صرف ۳۶۵ دن کا ہوگا

ہمارا متداول قمری ہجری سال ۳۵۴.۳۶۷۰۶۸ دن کا ہوتا ہے، اس کی ابتدا یکم محرم سنہ ۱ھ سے ہوتی ہے، نیا شمسی ہجری سنہ اس سے ۶۷ دن بعد سے شروع ہوتا ہے، اس بنا پر ہمارے قمری ہجری اور شمسی ہجری سنون کے نامون مین فرق ہونا ضروریات سے ہے، اجاب حسن دفقی بک نے ان دونون سنین کے توازن کا قاعدہ یہ بتایا ہے، مثلاً،

(۱) س = ق - ق/۳۳ یعنی شمسی ہجری سنہ اس طرح بنے گا کہ قمری ہجری سنہ کے نام

کی تعداد سے اسی تعداد کے ۱/۳۳ کو گھٹا دیا جائے تو شمسی ہجری سنہ کا نام معلوم ہو جائیگا، مثلاً سنہ ۱۳۳۷ھ کو شمسی قمری بنانا ہو تو ۱۳۳۷ سے ۱۳۳۷/۳۳ گھٹا دین گے، سنہ ۱۲۹۷ ش ھ جواب نکل آئیگا،

(۲) شمسی ہجری سنہ کو قمری بنانا ہو تو س + س/۳۲ کے قاعدہ سے جواب حاصل ہوگا، یعنی شمسی سنہ کے نام مین اس کا ۱/۳۲ جوڑ دین گے، مثلاً ۱۲۹۷ مین ۱۲۹۷/۳۲ جوڑ دین تو سنہ ۱۳۳۷ جواب نکل آئیگا،

(۳) مسیحی سنہ میلادی کی ابتدا سے ۶۲۱ سال ۲۷۶ دن بعد ہمارے نئے شمسی ہجری سنہ کی ابتدا ہوتی ہے، پس اگر ہم کو سنہ میلادی کو شمسی ہجری بنانا ہو تو قاعدہ یہ ہے کہ سنہ میلادی کے نام کو شمسی سال کے ایام کی مقدار سے ۶۲۱ سال ۲۷۶ دن گھٹا کر پھر شمسی سال کی مقدار ایام سے تقسیم کر دین گے، مثلاً ہم سنہ ۱۹۱۹ع کو شمسی ہجری بنانا چاہین تو صورت عمل یون ہوگی،

= (۱۹۱۹×۳۶۵٫۲۴۲۲۶ − (۶۲۱ سال ۲۷۶ دن)) / ۳۶۵٫۲۴۲۲۶

= (۷۰۰۸۹۹٫۸۱۲۵۰۴ − (۲۲۶۸۱۵٫۴۱۶۱۳۶ + ۲۷۶)) / ۳۶۵٫۲۴۲۲۶

= ۴۷۳۸۱۸٫۳۹۶۳۶۸ / ۳۶۵٫۲۴۲۲۶ = ۱۲۹۷ سال ۱۶ ۲۲۴۲٫۹۹ دن،

اس بنا پر نتیجہ یہ نکلا سنہ ۱۹۱۹ع سنہ ۱۲۹۸ ش ھ کے برابر ہے،

جناب حسن وقفی بک نے تاریخون کی مطابقت کے لئے نہایت سہل اصول وضع کر دیئے ہین، انکی کتاب تقویم المنہاج القویم اس قابل ہے کہ ارباب حساب اس کو غور سے دیکھین ہمارے نزدیک ان کا مشورہ قابل قبول ہے، یہ کتاب ۲۶۳ صفحے کا مجموعہ ہے جس مین حسب ذیل ابواب و فصول ہین،

(۱) کلمہ مصنف،

(۲) مقدمہ،

(۳) دن اور گھنٹے کا بیان،

(۴) مہینہ کی حقیقت،

(۵) سال کی اصلیت

(۶) عثمانی مالی سال،

(۷) تطبیق تواریخ کے جدید اصول اور جدولین اور ان کے استعمال کا طریقہ،

سیرت عائشہ رضؓ

(طبع دوم) ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حالاتِ زندگی اور ان کے مناقب و فضائل و اخلاق اور ان کے علمی کارنامے اور ان کے اجتہادات اور صنفِ نسوانی پر ان کے احسانات، اسلام کے متعلق ان کی نکتہ سنجیان اور معترضین کے جوابات، کاغذ اور لکھائی چھپائی اعلیٰ ضخامت ۴۵۰ صفحے قیمت عہ،

"منیجر"

عربون کی تہذیب

از

ایچ ، جی ، ویلز

مترجمہ جناب ریاض الحسن صاحب ، بمبئی ،

اسوقت دنیا مین کم کوئی ایسا انگریزی جاننے والا ہوگا جو مسٹر ایچ ، جی ، ویلز کے نام سے ناواقف ہو، اس نے فن فسانہ نگاری مین جو قابل قدر جدت پیدا کی ہے وہ محتاج بیان نہین اس کا قلم سائنس کے اہم سے اہم مسئلون کو اس طرح ، فسانہ کی صورت مین پیش کرتا ہے ، کہ ان کو ہر شخص آسانی سے سمجھ جاتا ہے جنگ عظیم کے زمانہ مین اس نے چند کتابین تصنیف کین جنمین عیسائی مذہب کے تمام بنیادی اصول کو پاش پاش کر دیا ، سنہ ۲۲ء مین اُسنے رسالہ پیرسن (لندن) مین ایک مضمون مین عیسائیت پر سخت حملہ کیا ، اور عیسائیت کو انسانی فطرت کے بالکل منافی ٹھہرایا ، یہ کہنا تحصیل حاصل ہے کہ اس مضمون سے کتنا شور و غوغا بلند ہوا ، عیسائیت کی اس نفرت نے کسی حد تک اسکو بعض اسلامی اصولون کا گرویدہ بنا دیا ہے ، حسب ذیل مضمون اسی جذبہ کا نتیجہ ہے جو اس نے عربون کی ذہنی اور دماغی ترقی پر سپرد قلم کیا ہے ، اس مین مختصراً انہون نے تمام شعبون پر ایک سرسری نظر ڈالی گئی ہے چونکہ از حد دلچسپ ہے اس لیے ترجمہ درج ذیل ہے ،

یہ دیکھا گیا ہے کہ یورپ کے بڑے بڑے لوگ جنکی دماغی سطح عوام کیا بلکہ خواص سے بھی بہت بلند تھی ، عیسائیت سے سخت بیزار تھے ، بعض تو ان مین اسکا اظہار علانیہ کرتے ، اور بعض کسی ذاتی وجہ سے رک کر زبان اور قلم پر قفل لگا لیتے ، ان مین سے بعض جنھون نے صرف عیسائیت ہی کا مطالعہ کیا تھا جب عیسائیت سے بیزار ہوئے تو سیدھے دہریت کی طرف گئے ، اسلیے اسلام ان تک پہنچا ہی نہین ، اس گروہ مین والٹیر ، روسو ، نیٹشے ، ہربرٹ اسپنسر ، ہکسلے ، ڈارون ، ہیوم ، ہرنین ویلز کے نام قابل ذکر ہین ، ان مین سے بعض اگر دہریے نہین تھے تو وہ عیسائی بھی نہین تھے ، بلکہ خدا کے متعلق ان کا عقیدہ اسلامی عقیدہ کے قریب قریب تھا ،

(مترجم)

ترکون کی تاریخ ، صلیبی معرکہ آرائیون کے قصے ، اور اسلام اور عیسائیت کے مابین بڑی بڑی لڑائیون کے واقعات کا ذکر کرنے سے قبل جسکی وجہ سے آج تک انسانیت کے اس دو بڑے گروہ مین نااتفاقی اور عدم رواداری کی خلیج حائل ہے ، یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ عربون کے دماغی نشو و نما اور ان کے ارتقائی منازل کے متعلق کچھ سپرد قلم کیا جائے ، یہ لوگ ساتوین صدی مین اس خطۂ زمین پر پھیلنا شروع ہو گئے تھے جس پر کبھی یونانیون کے علم و فضل کا ڈنکا بجتا تھا ، رسول اللہ صلعم سے چند پشت قبل ان کا دماغ نشو و نما کی ابتدائی منزل طے کر چکا تھا ، اس زمانہ مین شعر و شاعری کا کافی چرچا تھا ، مذہبی مباحثے منعقد ہوتے تھے جنمین اکثر قومی

اور قبائلی روایات کو تازہ رکھنے کی روح حلول کیے ہوئے تھی، ان واقعات کا مقابلہ یونانیون کے صرف اس زمانہ سے ہو سکتا ہے جب انکی تہذیب کا آفتاب عین نصف النہار پر پورے آب و تاب کیساتھ جلوہ گر تھا اس لیے کہ یونانیون نے سائنس کے علم کو ایجاد کیا، لیکن اگر یونان سائنس کا موجد ہے تو عرب بھی کسی طرح اس سے کم نہین، آج دنیا مین علم و عمل کا جو پر تو ہمارے سامنے موجود ہے یہ سب عربون کا طفیل ہے، جنکے ذریعہ سے یہ چیزین ہم تک پہنچین بعض لوگون کا یہ خیال کہ اس تجدید علم مین روما کا بھی کچھ حصہ ہے، واقعات کی دنیا سے قطعاً دور ہے،

جب ہم عرب کا ذکر کرتے ہین تو اس سے ایک خاص چیز مراد ہوتی ہے، اسلام مین عربی تہذیب کو قدیم عربی تہذیب سے وہی تعلق ہے جو سکندر اعظم کے بعد سے یونانی تہذیب کو قدیم یونانی تہذیب سے ہے، عرب ابتدائی فاتحانہ حملون کے بعد یونانی ادب کے پہلو بہ پہلو آکر کھڑے ہو گئے، لیکن انھون نے اس سے جو کچھ استفادہ حاصل کیا وہ قدیم یونانی زبان کے ذریعہ سے نہ تھا، بلکہ عبرانی مین جو تراجم تھے انھون نے اسکو سامنے رکھا، نسطوری اور دوسرے عیسائی جو بازنطینی سلطنت کے مشرقی حصص مین آباد تھے عربون کے ساتھ تعلق رکھنے کی وجہ سے بہ نسبت بازنطینی درباری عیسائی پادریون کے کہین زیادہ تیز دماغ اور زود فہم ہو گئے تھے، اس گروہ کا اثر نہ صرف ساسانیون کے زمانہ تک محدود رہا، بلکہ اسلام مین اتراک کے قوت حاصل کرنے سے قبل ان کا کافی اثر تھا، ایرانی انھین اپنا عقل کل مانتے تھے اس لیے کہ یونانی علم طب کو ان لوگون نے ایک حد تک محفوظ کر رکھا تھا، اور اس مین چند قابل قدر اضافے بھی کئے تھے، اموی خلفا کے دور مین دربار کے بیشتر اطبا نسطوری تھے جنھون نے بغیر کسی دباؤ کے بخوشی اسلام قبول کیا تھا، ریاضی اور فلسفہ مین ارسطو کے بہت سے اقوال، ان لوگون نے قدیم یونانی زبان مین اس حد تک جمع کئے تھے کہ اگر ان کا مقابلہ سینٹ بندکٹ یا کیپڈر، دسے کیا جائے تو مؤخر الذکر کا درجہ بالکل ہیچ معلوم ہوتا ہے، ان نسطوری دماغون مین عربون نے اپنی تیز دماغی اور علم پروری کی جو قلم لگائی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ علوم و فنون کے چمن مین بہار آگئی، اور شجر علم جو مدتون سے سوکھا پڑا تھا، از سر نو بار آور ہو گیا، گویا علم کا ذوق اور اس کی تلاش و جستجو کا ایک دریا امنڈا اور اپنے ساتھ بڑی سے بڑی چٹانون کو جو راہ مین حائل تھین خس و خاشاک کی طرح بہائے گیا،

ایران نے جو اب تک مذہبی تحریکون کا جولانگاہ بنا تھا دوسری طرف ایک اور ہی گل کھلایا یعنی اس سیلاب کے سامنے جب اس کی ایک نہ پیش گئی تو اس نے جھٹ عربی وضع قطع اختیار کر کے اندر اندر ایک نیا مسلک شروع کیا جس سے اسلام مین ایک نئے مذہب کی بنیاد پڑی جو تشیع کے نام سے مشہور ہے، یہ واضح رہے کہ یہ چیز خالص ایرانی نژاد ہے عرب کو اس سے کچھ تعلق نہین، ایرانیون نے یونانی زبان بھی سیکھی اور عربون کو اس سے کافی فائدہ ہوا، لیکن ایرانیون کے علاوہ ایک گروہ اور بھی تھا جو میدانِ علم مین کافی ترقی کر چکا تھا، یہ گروہ یہود کا تھا، عربی دماغ علم کا ایک خزینہ تھا اور یہود نہایت زودفہم تھے،

زبان آوری مین یہود کبھی نمایان نہین ہوئے، اسلام سے ہزار سال قبل انکی زبان یونانی تھی اور اس پر مصر کا زیادہ اثر تھا، لیکن آج تمام اسلامی ممالک مین ان کی تحریری اور تقریری زبان عربی ہے یہان تک کہ ان کی بعض پرانی اور اہم کتابین عربی مین لکھی گئین، مثلاً میمونیون کی کل مذہبی کتابین عربی مین ہین، زبان کی اس خلط ملط مین جسمین یہود کو زیادہ دخل تھا، آج یہ پتہ لگانا نہایت دشوار ہے کہ عربی تہذیب مین خالص یہود کا اثر کہان ختم اور عربون کا کہان شروع ہوتا ہے،

اس کے علاوہ علم کا ایک تیسرا مشعل ہند مین روشن تھا جہان سے اس کی شعاعین برابر عرب پر پڑتی رہین یہ مشعل خالص علم ریاضی کا تھا، جس کے متعلق اس وقت مفصل بحث کرنا طول امل ہوگا، لیکن اس مین ذرا بھی شبہہ نہین کہ جس وقت عربی ماہتاب آسمانِ علم پر ضو فشانی کر رہا تھا اس وقت ایک طرف علوم سنسکرت کی بھی کہکشان جلوہ گر تھی، دونون مین مدتون سرگوشیان رہین، یہانتک کہ تاریک آسمان جگمگا اٹھا، اموی خلفاء کے زمانہ مین عربون کا ذوقِ علم اور شوقِ جستجو معرضِ ہستی مین آگیا تھا، لیکن اس کا شاندار ظہور عباسیون کے زمانہ مین ہوا، دنیا کے تمام علوم مین تاریخ کا پایہ سب سے بلند ہے، عربی تہذیب کے ابتدائی دور مین جو قابل قدر مصنفین گذرے ہین ان مین بیشتر حصہ مؤرخین کا ہے، جو جغرافیہ کو بھی اکثر تاریخ کے رنگ مین لکھتے ہین، امتدادِ زمانہ سے جیسے جیسے علم کا شوق بڑھتا گیا ویسے تفریحی افسانہ نویسی کا فن ایجاد ہوا، لیکن جب علم کی

ضرورت خواص سے گذر کر عوام تک پہنچی اور کاروبار مین اس کی ضرورت پڑنے لگی تو آہستہ آہستہ ایک منظم تعلیمی درسگاہ وجود مین آنا شروع ہوئی، یہان تک کہ نوین اور دسوین صدی عیسوی مین علم القواعد اور علم اللسان کا اتنا بڑا ذخیرہ جمع ہوگیا جسکی مثال وہ خود آپ ہے، مغرب کی تعلیمی تحریک کے شروع ہونے سے صدیون قبل اسلامی دنیا مین متعدد مقامات پر مسجدون کے مدرسون سے بڑی بڑی یونیورسٹیان ہوگئی تھین، ان مین بصرہ، کوفہ، بغداد، قاہرہ اور قرطبہ کی یونیورسٹیان قابل ذکر ہین، ان مقامات پر علم کی جو مشعلین روشن تھین ان کی روشنی صرف اسی جگہ تک محدود نہ تھی بلکہ اسلامی دنیا سے تجاوز کرکے یکسان اطراف عالم پر پڑتی تھین، مشرق اور مغرب کے بیشمار طلبہ دور دراز ملکون سے صعوبتین برداشت کرکے آئے اور علم کی دولت سے مالامال ہوئے، قرطبہ کو لیجئے، یہان عیسائی طلبہ کی خاصی کثرت تھی جن کے ذریعہ سے عربی فلسفہ کی کرنین ہسپانیہ سے نکلکر پیرس، اکسفورڈ اور پڈوا (شمالی اٹلی کی یونیورسٹی) کی یونیورسٹیون پر چمکین اور ساری مغربی دنیا کو منور کر دیا، قرطبہ کے مشہور فلسفی ابن رشد[1] (۱۱۲۶-۱۱۹۸ ء) کی شخصیت غالباً مغربی تہذیب پر عربی اثر کا بہترین نمونہ ہے اس نے ارسطو کے فلسفہ کی گہرائی اس وضاحت سے پیمائش کی کہ ایک مسئلہ کی مذہبی اور علمی حیثیت کو بالکل صفائی سے ایک ایک کر دیا اور اپنی اس شرح سے علمی تحقیقات کا وہ دروازہ دنیا پر کھولدیا جو اب تک تنگ نظر اسلامی یا عیسوی اثر کے ماتحت مذہبی مباحثون کے ہنگامون کی وجہ سے بند تھا، دوسری ممتاز شخصیت اس سلسلہ مین حکیم ابن سینا کی ہے (۹۸۰-۱۰۳۷ ء) جو اطبا کا سرتاج مانا جاتا ہے، یہ نامور ہستی اسلامی دنیا کے دوسرے سرے پر

---

[1] ابن رشد کے متعلق اب تک جتنی کتابین شایع ہوئین ہین ان مین غالباً مولوی یونس مرحوم کی کتاب (شائع کردہ دار المصنفین) نہایت جامع ہے، ابن رشد عقل کو عین مذہب سمجھتا ہے، اجتہاد اس کی نظر مین بہترین چیز ہے جو خدا نے انسان کو عقل کے ذریعہ سے عطا کی، اسلام اور علوم عقلیہ اس کے لیے ہم معنی الفاظ ہین، اس لیے کہ وہ اسلام کو عین عقل کے مطابق سمجھتا ہے، اور اس پر دلائل دیتا ہے، یونانی فلسفہ پر اسکو اکثر سخت اعتراض ہے، م

یعنی بخارا مین عالم وجود مین آئی، ابی سینا مدتون خراسان مین سفر کرتا رہا (ارسطو کے فلسفہ کا نامور شارح ہونے کا حق اس کو بھی حاصل ہے)

رسم الخط مین ترقی اور کتابین نقل کرنے کا فن اسکندریہ، دمشق، قاہرہ، اور بغداد مین رائج تھا، ۹۷۰ء کے آخر مین صرف غربا کی تعلیم کے لیے شہر قرطبہ مین ۲۷ مدارس تھے،

ٹیمپر[1] اور شول کا قول ہے کہ فن ریاضی کی عظیم الشان عمارت عربون نے یونانیون کی قائم کردہ بنیاد پر تعمیر کی اس لیے کہ ابتدائی ایام مین عربون مین اعداد کا ذکر سننے مین نہین آیا، تھیوڈرک اعظم کے زمانہ مین بوتھیس نے چند نشانات کا استعمال کیا جو ہمارے موجودہ ۹ تک ہندسون سے ملتے جلتے تھے، اسی طرح جربرٹ کے ایک شاگرد نے بھی چند نشانات بنائے تھے جو موجودہ ہندسون سے بہ نسبت بوتھیس کے ہندسون کے قریب تر تھے لیکن آخری ہندسہ یعنی صفر بارہوین صدی عیسوی تک معرض ظہور مین نہین آیا تھا، اسکی ایجاد یا دریافت کا سہرا ایک عرب ماہر فن ریاضی کے سر ہے جو محمد ابن موسیٰ (خوارزمی) کے نام سے مشہور تھا، اس نامور ہستی کو نہ صرف صفر دریافت کرنے کا فخر حاصل ہے بلکہ اس نے پہلے پہل اعشاریہ کا استعمال کیا اور ہندسون کی ترتیب موجودہ صورت مین کی مگر چند ہندوستانیون کا دعوی ہے کہ صفر اور اعشاریہ ہند کی ایجاد ہے، مساحت کو لیجئے، اقلیدس مین عربون نے زیادہ اضافہ نہین کیا، مگر الجبرا خالص ان کی ایجاد ہے، سطحی مثلث کے علم کو ترقی دی اور اس کو عروج کو پہنچایا جس کے سلسلہ مین خط مماس، جیب مستوی وغیرہ ایجاد ہوئے، طبیعات مین بھی ان کی کافی ایجادین ہین، مثلاً شاقول (رنڈولم) ان کے زور دماغ کا نتیجہ ہے، عینک سازی مین ان کو کافی مہارت تھی، اور اس فن مین بھی بہت سی چیزین ان کی وجہ سے دنیا مین آئین، دنیائے نجوم بھی ان کے پے درپے دماغی حملون سے نہ بچ سکی، ستارون کی رفتار اور حرکت معلوم

[1] دیکھو تاریخ یورپ مصنفہ ٹیمپر اور شول،

کرنے کے لیے بہت سے آلات ایجاد ہوئے، اور متعدد رصدگاہین بنائی گئین جو اب تک استعمال مین ہین، آفتاب کے گرد کرۂ ارض کا اپنے محور پر گردش اور آفتاب سے اس کے فاصلہ کا پتہ لگایا اور موسم گرما اور سرما کے وہ اوقات معلوم کئے جب دن اور رات برابر ہوتے ہین غرضکہ فنِ نجوم مین انھون نے نہایت قابلِ قدر اضافہ کیا، علمِ طب کو لیجئے، یونانیون کے علمِ طب کو ان سے چار چاند لگ گئے، انھون نے علمِ صحت اور علم الاجسام مین تحقیقاتین کین اور دواؤن کے نام رکھے، ان کے خواص دریافت کئے جو بعینہٖ آج رائج ہین، ان کا ایجاد کردہ طریقۂ علاج آج اس صدی مین بھی اکثر استعمال کیا جاتا ہے، عرب جراح بیہوش کن دواؤن سے ناواقف نہ تھے اور اکثر تو ایسی محیرالعقول جراحی کرتے کہ دنیا دنگ رہ جاتی، اور لطف یہ کہ یہ تمام علوم عربون نے اس زمانہ مین رائج کئے جب مغرب جاہلیت کے دور سے گذر رہا تھا، دواؤن کے استعمال پر پادریون نے سخت بندش کر رکھی تھی، تاکہ لوگ مذہبی رسوم، جھاڑ پھونک اور ٹوٹکون سے علاج کرائین، علمِ کیمیا کے تو وہ سرے سے موجد تھے اور بہت سی نئی چیزین دریافت کین مثلاً کھار (پوٹاس) چاندی کا شورہ (نائٹریٹ آف سلور) گندھک وغیرہ، الکحل عربی زبان کا لفظ ہے، مگر معلوم ہوتا ہے کہ اس کے اجزا، شراب کی شکل مین پلینی کو معلوم تھے، جو پہلی صدی عیسوی مین گذرا ہے،

مصنوعات مین وہ اپنے زمانہ سے بہت آگے تھے، عمدہ سے عمدہ اور خوبصورت چیزین نہایت صفائی سے تیار کرتے تھے، سونا چاندی، تانبا، پیتل، لوہا، فولاد وغیرہ ان دھاتون پر نہایت اعلیٰ درجہ کی نقاشی کرتے تھے مگر ان کے فن کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ کپڑا بننے مین آج تک ان سے کوئی بازی نہ لیجا سکا، ہم آج ان کی بعض تیار کردہ چیزون کا مقابلہ اگر موجودہ زمانہ کی مصنوعات سے کرتے ہین تو عقل دنگ ہو جاتی ہے، کاغذ سازی کا علم ان کو بخوبی معلوم تھا، اور رنگین چیزین وہ اپنے ہی بنائے رنگ سے رنگتے تھے، چمڑا سجھانے اور اس کو استعمال کے لائق بنانے

ہین ان کو اتنا کمال تھا کہ اسکی دھوم سارے یورپ مین تھی، دوائیون مین ٹنکچر کا استعمال کرتے تھے شکر بنانا، اس کا صاف کرنا عمدہ سے عمدہ شراب کی کشیدگی کا راز ان کو معلوم تھا، زراعت کے فن مین بھی بڑا نام پیدا کیا، کھیتون کے سیراب کرنے کے لیے عمدہ پختہ نہرین تعمیر کی تھین، شور، اور بنجر زمین کو زرخیز بنانے کے طریقون سے آگاہ تھے، زراعت کے سلسلہ مین قلم لگانے مین تو ایسے استاد تھے کہ اکثر تجربہ کرتے کرتے نئے نئے قسم کے پھل پھول اُگائے، مغرب مین انھون نے بہت سے مشرقی پھولون کو پروان چڑھایا اور ان پر متعدد کتابین اور رسالے لکھے، اس سلسلہ مین ایک چیز کا انسانی دماغ کی ترقی اور نشوونما کی نسبت سے اگر پتہ لگایا جائے تو وہ نہایت اہم ہے، یعنی صنعت کاغذسازی اس صنعت کو عربون نے وسط ایشیا کے ذریعہ سے چینیون سے سیکھا، اور پھر یورپ نے عربون سے لیا، کاغذ ایجاد ہونے کے قبل تک کتابین چمڑے کے ٹکڑون یا پاپیرس (ایک قسم کا قدیم مصری کاغذ) پر لکھی جاتی تھین، عربون نے جب مصر پر قبضہ کیا تو پاپیرس کی برآمد بند ہوگئی، اس کمی نے چھاپنے کے فن کو ایجاد ہونے مین کافی دیر لگائی جس کی وجہ سے تعلیم مین سخت دقت لاحق ہوئی، قرون وسطیٰ مین یورپ کی تمام تر جہالت اگر اس روشنی مین دیکھی جائے تو صاف نظر آئے جسکو یورپ کے مورخین تسلیم کرتے ہوئے رکتے ہین،

المامون

علامہ شبلی

خلیفہ مامون الرشید کے عہد سلطنت کے حالات ابتک اس کتاب کے بازاری نسخے عام طریقے سے فروخت ہوتے تھے، اب مطبع معارف نے خاص اہتمام سے طبع کراکے شائع کیا ہے، کاغذ اور لکھائی چھپائی بہترین ہے، ضخامت ۲۲۸ صفحے قیمت عہ و عہ

"منیجر"

تلخیص و تبصرہ

جامعۂ آل البیت بغداد

چند سال گذرے کہ عراق کی وزارت اوقاف نے دارالعلم بغداد میں ایک ایسی یونیورسٹی قائم کرنا چاہی، جس مین صحیح اسلامی مذہبی تعلیم کے ساتھ دور حاضر کے جدید علوم و فنون کی تعلیم کا مکمل نظام قائم ہو، لیکن انگریزی استعماری حکومت کی موجودگی مین وزارت اوقاف اس مقصد مین کامیاب نہ ہو سکی تو اس نے اپنے لائحۂ عمل کے صرف ایک حصہ کو عملی جامہ پہنایا، اور "شعبۂ دینیۂ عالیہ" کے نام سے اس یونیورسٹی کے ایک حصہ کا افتتاح ہو گیا،

اس شعبہ کے ماتحت جو مدرسہ ہے اس مین مختلف علوم اسلامی کے لئے عالم اسلامی کے مختلف ممتاز اہل علم کے خدمات حاصل کئے گئے ہین چنانچہ فقہ حنفی کی تعلیم کے لئے استاذ محمد سعید راوی اور استاذ منیر قاضی، اہل سنت کے اصول فقہ کی تدریس کے لئے استاذ عبد الجلیل آل جمیل، اور شیعی اصول فقہ کے لئے سید مرتضی آل یسین مقرر کئے گئے ہین، اور عراق کے مشہور رہنما استاذ طہ بک ہاشمی مدیر معارف عام علم تاریخ، محاکمات تاریخیہ، اور تاریخ مذہب پر، اور ٹیونس کے مشہور رہنما استاذ عبد العزیز ثعالبی فلسفۂ اسلامی و حکمۃ تشریع پر فاضلانہ خطبات دیتے ہین، علم النفس کے لئے ڈاکٹر ناجی بک اصیل، علم الاقتصاد کے لئے استاذ عبد الالہ حافظ، اور علم الاجتماع کی تدریس کے لئے استاذ صبیح بک نشأت مقرر ہین،

اس شعبہ کی طرف سے موضوع ن کا ایک رسالہ بھی شایع ہوتا ہے جس مین ان اساتذہ کے تمام خطبے شایع ہوتے ہین، اس پرچہ کی اشاعت کا کوئی خاص وقت مقرر نہین، بلکہ جب اساتذہ کے محاضرات سو صفحون تک پہونچ جاتے ہین تو وہ ایک پرچہ کی شکل مین شایع کر دیئے جاتے ہین، ابتک ایسے چھ پرچے شایع ہو چکے ہین، پہلا پرچہ

شعبان ۱۳۴۴ھ مین اور آخری محرم ۱۳۴۶ھ مین نکلا تھا،

طلبہ اس مدرسہ مین اپنی ثانوی تعلیم ختم کرکے داخل ہو سکتے ہین جن کے لئے ملکی وغیر ملکی کی کوئی شرط نہین رکھی گئی ہے، داخلہ کے لئے صرف مسلمان ہونا کافی ہے،

مدرسہ کا افتتاح ۱۹۲۵ء مین ہوا تھا جس مین وزارتِ اوقاف کی مجلس علما رنے ۱۲ طلبہ کو منتخب کرکے داخل کیا تھا، اور پھر جب ۱۹۲۶ء مین یہ طلبہ دوسری جماعت مین پہونچے تو پہلی جماعت کیلئے ۱۴ طلبہ کا دوبارہ انتخاب ہوا، اس شعبۂ دینی کا افتتاح ۲، ۲ لاکھ روپیہ سے عمل مین آیا ہے، مدرسہ کا احاطہ دریائے دجلہ کے کنارے ۴۰ ہزار میٹر مربع مین واقع ہے جس کے اردگرد نہایت خوش نما باغ لگے ہوئے ہین، عمارت دو حصون مین منقسم ہے، ایک حصہ مین سات کمرے ہین، جو درس کے لئے مخصوص ہین، اور دوسرے حصہ مین طلبہ کا دار الاقامہ ہے، اور ان دونون حصون کے وسط مین خطبون کے لئے ایک شاندار ہال ہے جس مین ۱۵۰ اشخاص کی گنجایش ہے، اور پھر اس عمارت کے اوپر بھی بالکل اسی طرح ایک دوسری منزل بنی ہوئی ہے،

اور اس احاطہ کے پہلو مین یونیورسٹی کے مختلف شعبون مثلاً انجنیری، طب قدیم و جدید، قانون، مختلف مشرقی و مغربی زبانون کی تدریس، اثری عجائب خانہ، رصد خانہ، کتب خانہ، دار الاقامہ اور مسجد وغیرہ کیلئے جدا گانہ زمینین نامزد کی جاچکی ہین، خدا کرے کہ وزارتِ اوقاف کے منصوبے پورے ہون اور دار العلم بغداد مین جامعہ آل البیت کے نام سے مدرسہ نظامیہ بغداد کا منظر سامنے آجائے، "ر"

ایک نوجوان ترک پروفیسر کے جدید نظریئے

ترکی کے آخری حیرت انگیز انقلاب سے ترکون کی ذہنی کیفیت مین بھی جو انقلاب ہوا ہے، اس کا اثر وہان کے علمی حلقہ پر بھی پڑا ہے اور اس سلسلہ مین جہان بہت سے قابلِ ستائش علمی کارنامے انجام پا رہے ہین وہان اسی ہیجانی و وجدانی کیفیت مین ایسی چیزین بھی سرزد ہو جاتی ہین جو مضحکہ خیز ہونے کے ساتھ غایت درجہ پرلطف ہوتی

ہین، تفریح طبع کے لیے بیجا نہ ہوگا، اگر اس سلسلہ کی بعض نئی کڑیان ناظرین کے سامنے پیش کیجائین

اس ذہنی انقلاب کے سلسلہ مین ترکون مین بعض ایسے اہل علم افراد بھی نمایان ہوئے ہین جنھین ترکی قومیت، ادبیات، تمدن اور معاشرت کو دنیا کے سامنے قدیم سے قدیم شکل مین پیش کرنے کا خاص شغف ہے، کہ اگر ایک طرف یونان و مصر کے قدیم تمدن کو روشناس کیا جاتا ہے، اور ان کے متعلق اثری و کتبی دلائل و شواہد سے جدید نظریئے قائم کرکے پایۂ ثبوت تک پہونچائے جاتے ہین، تو دوسری طرف تورانی تمدن و آداب کی بھی بحث و تحقیق ہونی چاہئے،

چنانچہ کچھ دن گذرے کہ ترکی اخبار و رسائل مین یہ بحث نہایت زور و شور سے جاری تھی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام دراصل ترکی النسل تھے جب اس نظریئے کی بحث و تحقیق سے فرصت ملی تو زبان کا مسئلہ چھڑا، اور ایک آواز اٹھی کہ "ترکی زبان قدیم ترین علمی زبانون کا سرچشمہ ہے" نیز "قدیم سے قدیم تمدن مین ایسے شواہد موجود ہین جو اس کو تورانی تمدن کی ایک شاخ ثابت کرتے ہین، مثلاً یونانی زبان مین "نوموس" (NOMOS) کا لفظ جس کے معنی "قانون" کے ہین حقیقت مین ترکی لفظ "ناموس" سے اخذ کیا گیا ہے جس کے معنی ترکی زبان مین "شرف و عزت" کے آتے ہین،

اسی طرح قانون حمورابی کے متعلق بابل مین جو انکشاف ہوا ہے، اور اس کو حمورابی قانون سے منسوب کیا گیا ہے، اس مین کی متعدد نظمین ترکون کے ان قدیم قبائل سے ماخوذ ہین جو قدیم زمانہ مین وہان آباد تھے، اسی طرح ایک یہ نظریہ بھی ہے کہ ملک شام کی شہری بنا انھین اتراک کے ہاتھون انجام پائی، کیونکہ وہان طرابلس الشام کے قریب جو جزیرہ "ارواد" ہے وہ لفظ "عورت" سے ماخوذ ہے، اور یہ احتمال ہوسکتا ہے کہ اس جزیزہ مین صرف عورتین رہتی ہون، اس لئے اس کا نام "ارواد" یعنی عورت قرار پاگیا،

یہ نظریئے بظاہر اس درجہ مضحکہ خیز ہین کہ ہم ان کو ترکون کے خلاف ایک عام پروپگنڈے سے تعبیر کرکے قابل اعتنا نہین سمجھتے لیکن عالم اسلامی کے مشہور رہنما شکیب ارسلان نے جو ترکون کی محبت مین بھی کافی بدنام ہوچکے

ہین، رسالہ الزہرا مصر مین ان کو درج کرکے سرسری طور پر ان کی تردید کی ہے، مثلاً بتایا ہے کہ لفظ "ناموس" دراصل ترکی کا نہین عربی زبان کا لفظ ہے، اور عربی مین یونانی زبان سے آیا، عربی مین اس کے دو معنی آتے ہین، ایک "قانون و نظام" مثلاً "ناموس نشو و ارتقا" یا "نوامیس طبیعیہ" یا انجیل مین ہے "مین "ناموس" کی تنقیص کے لئے نہین بلکہ اس کی تکمیل کے لئے آیا ہون، اور دوسرے معنی "شرف و عزت" مثلاً "فلان صاحب ناموس ہے" یہ دوسرے معنی دراصل عام محاورہ ہے، جو عربون مین آخر زمانہ مین رائج ہوا، اور ترکی زبان مین دوسرے عربی الفاظ کے ساتھ یہ لفظ بھی داخل ہوا جیسا کہ اردو زبان مین بھی انھین معنون مین استعمال کیا جاتا ہے، اور اس کے علاوہ "ناموس" کا لفظ اسلام کے قبل سے فصیح عربی مین "شکار کی ٹٹی" اور "راہب کے خیمہ" اور محرم راز کے معنون مین موجود ہے، اس لئے بہرحال ترکی زبان سے قبل عربی زبان مین یہ لفظ موجود تھا جس کی شہادت مین عربی زبان کے لغت کی کتابین موجود ہین، بہ خلاف اس کے خالص ترکی زبان مین یہ لفظ موجود نہین ہے،

اور شاید امیر شکیب ارسلان بھی ان مزخرفات کی طرف اعتنا نہین کرتے اگر یہ ترکی یونیورسٹی کے ایک ممتاز پروفیسر یوسف ضیا ابک کے قلم کے "رشحات" نہ ہوتے، لیکن اِس سلسلہ مین ہمین شیخ محب الدین الخطیب مدیر الزہرا سے بھی ایک گونہ شکایت ہے، کہ انھون نے ترکون کے ایک فرد واحد کے فعل کو ترکون کی پوری نوجوان جماعت "کمالیون" کی طرف منسوب کرکے مضحکہ اڑایا ہے، باوجودیکہ اِسی جماعت اور اِسی یونیورسٹی کے ممتاز پروفیسرون نے یوسف ضیا ابک کے خیالات کی نہ صرف تردید کی بلکہ یہان تک لکھا گیا، کہ ایسے مزخرفات کی اشاعت ترکی یونیورسٹی کے لئے باعث ننگ و عار ہے، اور پھر ترکون کے تمام ممتاز اخبارات یہان تک کہ نیم سرکاری اخبار "جمہوریت" ان خیالات سے تبری کرکے یوسف ضیا ابک کو مطعون کر چکے ہین،

"ر"

خدا اور رُوح

محمد عبد الروف بی اے حیدر آباد دکن

روسی حکیم ٹالسٹائے نے جس طرح گہرے سے گہرے خیال کو نہایت سادگی سے بیان کردیا ہے، اُسی کا ایک نمونہ ذیل کی تحریر ہے،

حکیم ٹالسٹائے کہتا ہے:-

مجھکو خدا اور روح کا اسی طرح علم ہے جس طرح نامحدود کا یعنی بذریعہ تعریف نہین بلکہ بالکل ہی دوسرے طریقہ سے، تعریفات میرے لئے اس علم کو برباد کردینے والی ہین، جس طرح مجھکو اس کا یقینی علم ہے کہ اعداد نامحدود ہین، اسی طرح مین جانتا ہون کہ ایک خدا ہے، اور مجھ مین روح ہے، میرے اس علم مین کسی قسم کا شک وشبہہ نہین، کیونکہ مین ناگزیر طور پر اس تک پہونچ جاتا ہون، اعداد کی نامحدودیت کے یقین تک مین طریقۂ جمع سے پہونچتا ہون،

خدا کے یقینی علم تک میری رہبری یہ سوال کرتا ہے کہ مین کہان سے آیا؟

روح کے علم کے لئے یہ سوال کہ، مین کون ہون؟ میرا رہنما ہے،

جب یہ سادہ سوالات میری رہبری کرتے ہین تو مین اعداد کی نامحدودیت، خدا اور میری روح کے وجود کے قطعی علم تک پہونچ جاتا ہون،

ایک مین، مین، ایک شامل کرتا ہون پھر ایک کا اضافہ کرتا ہون، اسی طرح ایک ایک بڑھاتا چلا جاتا ہون یا ایک چھڑی کو دو حصون مین تقسیم کرتا ہون، پھر دو دو جمع کرتا چلا جاتا ہون اس کے بعد مجھکو اس کا علم ناگزیر ہو جاتا ہے کہ عدد نامحدود ہے،

مین اپنی مان کے بطن سے پیدا ہوا جو میری نانی سے پیدا ہوئی اور میری نانی میری پڑنانی سے، آخر سب سے پہلے پیدا کرنے والا کون ہے؟ لہذا مین مجبوراً خدا کے وجود تک پہونچ جاتا ہون،

میرے پاؤں "مین" نہین، میرے ہاتھ "مین" نہین، میرا سر "مین" نہین، یہان تک کہ میرے خیالات بھی "مین" نہین، آخر مین کیا ہون؟ "مین" "مین" ہون یعنی مین، میری روح ہون،

چاہے مین کسی جہت سے خدا کے وجود تک پہونچنے کی کوشش کرون نتیجہ سب کا ایک ہے، میرے خیالات اور میری عقل کی ابتدا، خدا، میری محبت کی اصل وہی اور میرے مادہ کی بنیاد بھی وہی خدا،

روح کے تصور کی بھی یہی حالت ہے، اگر مین اپنی صداقت کی تلاش پر غور کرون تو مجھ کو علم ہوتا ہے کہ میری یہ صداقت کی تلاش میری ایک غیر مادی بنیاد پر مبنی ہے یعنی میری روح پر،

اگر مین اپنے اچھائی سے اُلفت کے جذبات کی طرف توجہ مبذول کرون تو مجھکو معلوم ہوتا ہے کہ وہ تو صرف میری روح ہے جو اُلفت رکھتی ہے،

کیا ہمارے متشکک احباب ان سادہ لیکن گہرے خیالات پر ایک لمحہ غور فرمائین گے؟

نئی کتاب

سیر المہاجرین کا پہلا حصہ

خلفائے راشدین

از مولوی حاجی معین الدین صاحب ندوی سابق رفیق دار المصنفین

سیر الصحابہ کے سلسلۂ مہاجرین کا پہلا حصہ اس نام سے شایع ہوا ہے، اس مین حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت فاروقؓ، حضرت عثمانؓ ذی النورین اور حضرت علی مرتضیٰؓ کے حالات ذاتی، سوانح، اخلاق وفضائل اور ان کی خلافت کے سیاسی، انتظامی، علمی، دینی کارنامے، اور فتوحات ملکی بتفصیل لکھے گئے ہین جنکو پڑھکر خلافت راشدہ کی ۳۰ سالہ تاریخ پوری سامنے آجاتی ہے، اور ان خلفائے راشدین کے کمالات وفضائل، مناقب اور کارنامے پیش نظر ہوجاتے ہین ضخامت ۴۰۵ صفحے لکھائی چھپائی کاغذ اعلیٰ، قیمت ہے

"منیجر"

اخبارِ علمیّہ

آیندہ، اس نام سے ایران مین ایک نہایت شاندار علمی و سیاسی ماہوار رسالہ ڈاکٹر افشار کی اڈیٹری مین طہران سے فارسی زبان مین نکلنا شروع ہوا ہے، اس کے تازہ نمبر مین پہلا مضمون سرمایہ داری پر، اور دوسرا مضمون ایران مین نمایندون کے طریقۂ انتخاب پر ہے، اُن کے علاوہ تاریخِ فلسفہ پر ایک مضمون ہے جس مین دکھا گیا ہے، کہ ایران کا دماغ اس کے لئے خاص طور سے موزون ہے، اور اسلامی زمانہ مین بھی دراصل ایرانیون ہی نے اس کی خدمت کی اور اسلام مین اس کو رواج دیا، یہ بھی بتایا گیا ہے کہ برمکیون کا مشہور آتش خانہ نوبہار ترکستان کے اس شہر مین واقع تھا جس کو اب افغانی مزارِ شریف کہتے ہین،

اسکول آف اورنیٹل اسٹڈیز لندن مین اس وقت مصر کی ایک مسلمان خاتون بھی زیرِ تعلیم ہین جھنون نے حضرت رابعہ بصریہؒ کے سوانح و حالات کو اپنا موضوعِ مطالعہ قرار دیا ہے، معلوم ہوا ہے، کہ انھون نے اس کے متعلق بہت سے معلومات فراہم کئے ہین،

اس وقت ہندوستان کی دو اسلامی ریاستون سے بیک وقت اندلس کے متعلق دو نہایت عمدہ کتابین شائع ہوئی ہین، دار الترجمہ حیدرآباد دکن سے مولوی عنایت اللہ صاحب ناظم دار الترجمہ نے اندلس کا جغرافیہ جس مین نئے اور پرانے نامون کی تطبیق بھی کی ہے، اور اس کا نقشہ بھی بنایا ہے، شایع کیا ہے، اور بھوپال سے میر دبیر قاضی ولی محمد صاحب نے اندلس کا سفرنامہ شایع کیا ہے جس مین اندلس کے موجودہ آثار خاص طور سے بیان کئے ہین،

لاہور مین حفظ العلوم کے نام سے اردو لغات اور علوم اور سوانح کی جو قاموس تیار ہو رہی ہے، اور جس کا ذکر پہلے بھی معارف مین ہو چکا ہے، مولانا محمد علی، سر شیخ عبد القادر اور سید حسرت موہانی نے اس کی تحسین کی ہے، یہ بھی معلوم ہوا ہے، کہ مولوی محمد شفیع صاحب وائس پرنسپل اورنٹیل کالج لاہور جو مشرقی علوم کے نامور عالم و محقق ہین اور پروفیسر براؤن کے خاص شاگردون مین ہین وہ اس کے مضامین پر نظر ثانی کر رہے ہین،

معلّمِ زبان گراموفون کسی دوسرے ملک کی زبان سیکھنے مین ایک بڑی دقت یہ تھی کہ خاص زبان کے بولنے والے استاد ہر طالب العلم اور ہر اسکول کو میسر نہین آ سکتے تھے، اور غیر زبان دان استاد کے ذریعہ سے جو تعلیم ہوتی ہے اس سے زبان کا لہجہ، الفاظ کا تلفظ، اور محاورات کی واقفیت نہین آتی، اس کا حل اس طرح کیا گیا کہ گراموفون کے ریکارڈون مین فصیح زبان دان کی گفتگو اتاری جاتی ہے کہ طالب العلم ان کو سنکر، الفاظ لہجہ اور تلفظ کی درستی کرین، یہ طریقہ اب اس قدر پسند کیا گیا اور مفید سمجھا گیا کہ لندن یونیورسٹی کالج مین اس کا ایک خاص شعبہ قائم ہو گیا ہے، اور اس کے ذریعہ سے انگریز بچون کو صحیح و فصیح فرنچ سکھائی جاتی ہے، اب اس صیغہ کے خاص معلّمین نے اس طریقہ مین چند اور ترقیان کی ہین، کل تعلیم ۱۵ دو رُخے ریکارڈون مین دیجاتی ہے، اور الفاظ سے لیکر فقرون اور عبارتون تک بتدریج ترقی رکھی گئی ہے، اور ان مین سے گرامر، ریڈر اور کتاب کا سب کام لیا جاتا ہے، اور ساتھ ہی ۶۰۰ صفحون کی کتاب لکھی ہے جس مین اس کے طریقے اور بیانات کی تشریح کی گئی ہے،

حضرت عیسیٰؑ کی انسانی سوانحمریان، پروفیسر رنان جو اسلامی ادبیات اور علوم کے ماہر تھے، انھون نے شاید اسلام ہی کے اثر سے اس بات کی کوشش کی تھی، کہ انسانی حیثیت یعنی ایک پیغمبر کی صورت مین حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سوانحمری لکھین جس مین ان کی الوہی حیثیت کو کوئی درجہ نہ دیا جائے، اس وقت سے حضرت عیسیٰؑ کی اس حیثیت سے سوانح نگارون کی ایک جماعت پیدا ہو گئی، ابھی حال مین حضرت عیسیٰؑ کی دو سوانحمریان لکھی گئی ہین، ایک انگریزی مین اور

دوسری فرنچ مین، انگریزی کتاب کا نام "مسیح کی ایک نئی سوانحعمری" (A new Biography Jesus) ہے، اور اس کے مصنف کا نام شرلے جیکسن کیس ہے، فرنچ کتاب کا نام (Jeu dan de Jesus) ہے، اور مصنف کا نام ہنری باربوسے ہے، دونون نے حضرت عیسیٰؑ کی تاریخی شخصیت کو تسلیم کیا ہے، مگر ان کی اصلی شخصیت کے بارہ مین دونون کے دو خیال ہین، باربوسے نے یہ ثابت کرنا چاہا ہے، کہ حضرت عیسیٰؑ ایک "انقلاب پسند اشتراکی" (ریوولشنری کمیونسٹ) تھے، اور اسی لئے وہ دولتمندون سے نفرت کرتے تھے، اور غریبون سے محبت کرتے تھے، انگریز مصنف نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے خود کبھی مسیح ہونے اور اپنی دوبارہ آمد کا دعویٰ نہین کیا، یہ بعد کے لوگون کا اضافہ ہے، ٹائمز (لندن) کے تعلیمی ضمیمہ (۲۷ اکتوبر) کے اڈیٹر نے ان دونون مصنفون کے دعوون کے ماننے سے انکار کیا ہے،

جرمنی مین ڈاکٹر، جرمنی مین ۴۴ ہزار ڈاکٹر ہین جن مین سے ۵۲۷۶ جراح (سرجن) ہین، ۲۲۷۶ جلدی اور دموی امراض کے اور ۲۳۹ اندرونی اعضا کے ماہرین ہین،

شیطان کی پرستش، متعدد سیاحون نے بیان کیا ہے کہ مغولستان (منگولیا) مین ایک فرقہ ہے، جو شیطان کی پرستش کرتا ہے، شیطان کے نام سے یہان بہت سے معبد ہین جن مین شیطان سے دعا مانگی جاتی ہے، اور اس کے لئے انسانون کی قربانی کی جاتی ہے، انسان کو صندوق مین بند کرکے میدان مین بھوکا پیاسا چھوڑ دیتے ہین، جب وہ مرجاتا ہے، تو اس کو چیل کوے، گدھ وغیرہ کھاجاتے ہین، اس ملک کی آبادی ۲۵ لاکھ کی ہے، اور اس کی وسعت ۱۵ میل مربع ہے،

فلسطین کے قدیم آثار، فلسطین کی جمعیت آثار قدیمہ کے ارکان نے لندن کے مرکزی صیغہ مین عرض داشت

پیش کی ہے، کہ روز بروز فلسطین کے بہت سے آثار قدیمہ برباد ہوتے جاتے ہین، اس پر مشہور محقق آثار قدیمہ سر پیٹری کا خیال ہے، کہ اس سے بچنے کا ایک واحد وسیلہ صرف یہی ہے کہ فلسطین مین جلد از جلد آثار قدیمہ کا عجائب خانہ کھول دیا جائے، امید ہے کہ موصوف کا مشورہ قبول کر لیا جائیگا،

طلاق کی عمر، ایک ماہر فلسفۂ اخلاق واقعات طلاق پر غور کرکے اس نتیجہ تک پہونچا ہے کہ طلاق کے حادثے بالعموم دو مختلف زمانون مین واقع ہوتے ہین، یا تو شادی کے بارہ برس کے بعد طلاق ہوتی ہے، ورنہ بیس سال تک اجتماعی مدت گذار کر طلاقین دیجاتی ہین، اور اس کا یہ بھی خیال ہے. ۶۰ فی صدی طلاق ایسے زن وشو مین ہوتی ہے جو صاحب اولاد نہین ہوتے.

پیرس مین مسلمان، پیرس مین مسلمانون کی آبادی ۶۵ ہزار ہے،

پیرس مین مرد اور عورت، پیرس مین مردون کی بہ نسبت تین لاکھ تیس ہزار عورتین زیادہ ہین،

یورپ مین تعدد ازدواج، یہ خبر حیرت کے ساتھ سنی جائیگی کہ وہی یورپ جو اسلام کے مسئلۂ تعدد ازدواج پر سب سے زیادہ معترض تھا، جنگ عظیم کے بعد وہی سب سے زیادہ اس کی ضرورت کو محسوس کر رہا ہے، چنانچہ المرشد بغداد ایک امریکن اخبار "سیاح" سے ناقل ہے کہ یورپ اور امریکہ مین خود عورتین ایسی سوسائٹیان قائم کر رہی ہین، جن کا مقصد ملک مین تعدد ازدواج کو رواج دینا ہے، اس قسم کی سوسائٹیان، لندن، پیرس، برلن، اور بروسل مین قائم ہوئی ہین،

ادبیات

جامِ صہبائی

از اثر صہبائی،

(۱)

محرومِ بقا حبابِ شہرت کے مزے　　آلودۂ غم سرابِ دولت کے مزے
ہر چند محبت بھی ہے فانی لیکن　　فردوس نژاد ہین محبت کے مزے

(۲)

ہے دیر و حرم مین اور نہ میخانون مین　　مفقود ہے یہ بلند کاشانون مین،
ہر چند کہین نہین ہے تسکین یا رب　　لیکن ہے اگر تو تیرے دیوانون مین،

(۳)

زندہ تو بہت ہین سوزِ ہستی ہی نہین،　　میکش تو بہت ہین جوشِ مستی ہی نہین
عالم مین بہت، مگر عمل ہے مفقود　　حق بین تو بہت ہین حق پرستی ہی نہین

(۴)

بیگانۂ عقل و ہوش ہو جاتا ہون　　طوفانِ یمِ خروش ہو جاتا ہون
تقدیر کو کوستا ہون ہنگامِ شکست　　جب سوچتا ہون خموش ہو جاتا ہون،

(۵)

نیرنگ طلسم زندگی کو پایا ہے　　آلودۂ غم ہر اک خوشی کو پایا،
تسکین ہے اگر تو ذکرِ یزدان مین اثر　　سرچشمۂ بیخودی اسی کو پایا،

باب التقریظ والانتقاد

تلقیح فہوم اہل الاثر

مصنفہ

حافظ ابو الفرج ابن جوزیؒ بغدادی

امام ابن جوزی رحمہ اللہ کی تصنیفات نے اسلام کو جسقدر فائدہ پہونچایا ہی، اور اہل علم کو جس قدر ممنون احسان بنایا ہے، وہ محتاج بیان نہین ہے، امام ممدوح کی ایک تصنیف یہ کتاب بھی ہے جس کا نام تلقیح فہوم اہل الاثر فی مختصر السیر والاخبار ہے، یہ کتاب ۱۸۹۳ء مین جیسا کہ اکتفار القنوع کا بیان ہے، تلقیح فہوم اہل الاثار فی مختصر السیر والاخبار کے نام سے یورپ مین چھپ چکی ہے، اس مطبوعہ یورپ نسخہ کی اصل برلن کے کتبخانہ مین ہے، لیکن خوش قسمتی سے اس کا ایک نسخہ ہندوستان مین بھی ٹونک کے کتبخانہ مین موجود تھا، اس دوسرے نسخہ سے مولوی سید محمد یوسف رائے بریلوی ٹونکی نے نقل لے کر اور تصحیح کر کے اس کو دہلی سے شایع کیا ہے،

مولوی سید محمد یوسف ہندوستان کے ایک مشہور علمی خاندان سادات رائے بریلی کے رکن ہین، ان کو قدیم اور نایاب کتابون کا بڑا شوق ہے، وہ اکثر ہندوستان کے گوشون مین نایاب کتابون کو تلاش کرتے انکی نقلین لیتے اور بقیمت شایقین تک پہونچاتے رہتے ہین،

اس کتاب کی تصحیح و تحشیہ مین انھون نے کافی محنت اٹھائی ہے، اس کے لئے انھون نے ابن سعد، کنز العمال، انساب سمعانی، سیرۃ ابن ہشام، سیرت مغلطائی، انوار محمدیہ، زرقانی، معارف ابن قتیبہ، خصائص کبری، استیعاب

اور مغنی، وغیرہ کتابون کے علاوہ حسب ذیل قلمی کتابون سے بھی مدد لی ہے،

مسند ابو یعلی موصلی، تاریخ ابی حاتم، عسکری کی کتاب الاوائل اور ایک قلمی حاشیۂ استیعاب،

اس قدر محنت کے بعد بھی بعض مقامات پر تصحیح نہ ہو سکی، اور وہان حاشیہ دیکر (کذا فی الاصل) لکھدیا گیا ہے،

معلوم نہین مولانا نے برلن کے مطبوعہ نسخہ سے کچھ مدد لی یا نہین، مقدمۂ ناشرین اس نسخہ کا ذکر تو ہے، لیکن یہ نہین بتایا کہ اس سے کیون مدد نہین لی گئی،

فاضل ناشر کے حاشیہ کو ہم نے جا بجا سے پڑھا، یقیناً وہ داد کے مستحق ہین، اور مفید ہین لیکن بعض مقامات پر جہان ان کو طویل حاشیہ دینا پڑا ہے، یہ معلوم ہو جاتا ہے، ایک عجمی اپنے عجمی لحن مین بول رہا ہی، کاش ایسا نہ ہوتا،

اصل کتاب کی ترتیب یہ ہے کہ شروع مین ابتداے آفرینش حضرت آدم اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کا ذکر ہے، اس کے بعد رسول اللہ صلعم کی زندگی کے حالات ہین، اس کے بعد صحابہ کے حالات شروع ہوتے ہین جس مین پہلے فضل صحابہؓ، صحابی کی تعریف، مراتب صحابہؓ اور صحابہؓ کی تعداد اور بڑے بڑے مشہور صحابہ کا ذکر ہے، پھر ردیف وار دوسرے صحابہؓ کا تذکرہ ہے، اس کے بعد مشہور صحابیاتؓ پھر ردیف وار عام صحابیاتؓ کا ذکر ہے، ہر قسم کے صحابہؓ اور صحابیاتؓ کے حالات کے بعد ان حدیثون کا ذکر ہے جن پر فقہ کا دار مدار ہے، اس کے بعد صحابہؓ کو مختلف طبقات پر تقسیم کر کے بتایا ہے، کہ کون حفاظ تھے، کون محدثین تھے، کن کا شمار فقہا مین تھا، وغیرہ وغیرہ اس کے بعد اولیات کا بیان پھر فن حدیث ورجال کے متعلق دوسری مفید باتین ہین

کتاب علوم و معلومات کا خزانہ ہے، حافظ ابن جوزی نے کوشش کر کے اس کوزہ مین دریا کو بند کیا ہے، اس بنا پر اس کی اشاعت اہل علم پر بڑا احسان ہے، امید ہے کہ اہل علم اس کی قدر کرین گے، اور اس سے فائدہ اٹھائین گے، قیمت ؟ پتہ محمد یوسف مدرسہ حاجی علی جان، گھنٹہ گھر دہلی،

"ج"

مشرقی کتبخانہ پٹنہ کی فارسی کتابون

کی

آٹھوین فہرست

معارف ج ۰ا نمبر ۳ مین پٹنہ لائبریری کی فارسی مخطوطات کی سات فہرستون پر ریویو ہوچکا ہے، اب ہمارے سامنے اس کی آٹھوین کڑی ہے، جو کتبخانہ کی عام فہرستون کے لحاظ سے گیارہوین جلد ہے، اس کے مرتب بھی وہی خان بہادر مولوی عبد المقتدر صاحب ہین جنھون نے پچھلی جلدین ترتیب دی ہین، اس لئے اس مین بھی وہ تمام خوبیان جو پچھلی جلدون مین تھین موجود ہین،

اس جلد مین طب، منطق، ہندسہ، ہیأت و نجوم، رمل، فال، تعبیر، اسمائے جواہر، فن تعمیر، خط کشی و رنگ آمیزی اور عکس و تصویر کی کتابون کا تذکرہ ہے، جن مین حسب ذیل کتابین خاص اہمیت رکھتی ہین،

نور العین، ۸۱ ۴ھ کی تصنیف اور ۸۸۱ ۹ھ کی تحریر، خط پاکیزہ نستعلیق، مصنف ابی روح محمد بن منصور بن ابی عبد اللہ بن منصور، جرجانی معروف بہ زرین دست، ملک شاہ سلجوقی کے حکم سے لکھی گئی، اس مین سوال و جواب کی شکل مین، آنکھون کی شناخت آنکھون کی قابل دید اور نا قابل دید بیماریان، اور ان کی دوا درمان، اور آنکھون کو نفع نقصان پہونچانے والی چیزون کا بیان ہے، اور بتایا گیا ہے کہ کون کون عمل جراحی آنکھ کے کن کن امراض کو فائدہ پہونچا سکتے ہین، اور کون امراض چشم اس قسم کے ہین کہ انھین دوا و تدبیر کچھ کام نہین کرسکتی، یہ تمام مباحث ۱۰ ابواب مین پھیلا کر لکھے گئے ہین، کتاب مین ۴۰ ۹ مسائل کا ذکر ہے، انداز بیان سوال و جواب کا ہے، مصنف نے کتاب مین بڑے بڑے حکما مثلاً حنین بن اسحاق اور زکریا رازی وغیرہ کا تذکرہ کیا ہے، مصنف نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ ان حکما نے زیادہ تفصیل کے ساتھ آنکھ کے امراض سے بحث نہین کی ہے، نمبر کتاب ۹۷۱،

۲۔ ذخیرۂ خوارزم شاہی، مصنف کا نام یاقوت نے (معجم البلدان ج ۲ ص ۵۵) ابو ابراہیم بن الحسین بن محمد الحسینی بتایا ہے، حاجی خلیفہ نے اسماعیل بن الحسین بن محمد حسینی اور کتبخانہ کے نسخہ پر اسماعیل بن الحسین بن محمد بن احمد الحسینی الجرجانی لکھا ہے، سال وفات یاقوت نے ۵۳۱ھ بتایا ہے، حاجی خلیفہ نے مختلف مقامات پر ۵۳۰ھ ۵۳۱ھ اور ۵۳۵ھ لکھا ہے، خود اس کتاب سے یہ پتہ چلتا ہے کہ مصنف ۵۰۴ھ کے قریب خوارزم آیا، جب کہ محمد شاہ خوارزم سلطان سنجر کی طرف سے وہان (۴۹۱ھ تا ۵۲۱ھ) حاکم تھا، اسی کے نام سے یہ کتاب تصنیف کی، حاجی خلیفہ نے اس مصنف کی تین کتابون کا اور ذکر کیا ہے، یادگار، خفی، علائی، (پٹنہ لائبریری ۹۲۶ع) اغراض الطب (انڈیا آفس نمبر ۲۲۸۶) اس کتاب کو مصنف نے ۹ حصون پر تقسیم کیا تھا جن مین سے ۴ حصے کتبخانہ مین موجود ہین، یہ کتاب فارسی زبان کی قدیم سے قدیم طبی انسائیکلوپیڈیا کا پرانے سے پرانا نسخہ ہے،

۳۔ علاجات دارا شکوہی مصنفہٗ نور الدین محمد عبد اللہ حکیم شیرازی،

۴۔ شرح بست باب طوسی، اصطرلاب کے بیان مین، شارح نظام الدین عبد العلی بن محمد بن حسین البرجندی، یہ کتاب بوہار لائبریری مین بھی ہے،

۵۔ کفایت التعلیم، مصنفہٗ امام ظہیر الدین ابی المحامد محمد بن مسعود بن الزکی الغزنوی، خط صاف نستعلیق، فن نجوم کی ایک نایاب کتاب،

۶۔ معیار الازمان، مختلف اقوام کے شہور وسنن کے بیان مین ایک قیمتی تصنیف، مصنف کا نام منشی الملک فخر الدولہ دبیر الملک راجہ رتن سنگھ، بہادر ہشیار جنگ ہے، مصنف ۱۱۹۵ھ مین لکھنؤ مین پیدا ہوا ۱۲۳۰ھ تک کمپنی کا ملازم تھا پھر ملازمت سے الگ ہوکر لکھنؤ آرہا ۱۲۳۴ھ مین یہ کتاب تصنیف کی، نسخہ ۱۲۳۹ھ کا لکھا ہے،

۷۔ رسالۂ رمل، نصیر الدین طوسی،

۸۔ بازنامہ، مصنف کا نام معلوم نہین، چڑیون کے حالات، ان کی بیماریان اور علاج،

نادر کتابون کے ذیل مین اور بھی کتابون کے نام ہین، مگر انکی تفصیل تطویل سے خالی نہین، مولوی

عبد المقتدر صاحب کی ان کوششون نے ان کو یورپ کے حلقۂ علم مین بھی ممتاز کیا ہے، اور وہان کے اچھے اچھے لوگون نے ان پر تقریظین لکھی ہین جو حد درجہ حوصلہ افزا ہین، اور یہ چیز ان کو یورپ کی شاگردی کے بغیر حاصل ہوئی ہے،

اہل علم کو یہ فہرستین گورنمنٹ پریس، پٹنہ سے مل سکتی ہین، "ج"

برُہان اور عبرت،

برہان جناب خواجہ مولانا محمد عبد الحیٰ صاحب فاروقی استاذِ تفسیر و ناظم دینیات جامعہ ملیہ دہلی نے قرآن مجید کی تفسیر کا جو سلسلہ شروع کیا ہے، یہ کتابین اسی کی ایک کڑی ہین، الہلال کلکتہ نے تفسیرِ قرآن کا جو نیا طرز قائم کیا وہ دورِ جدید مین بہت مقبول ہوا اور متعدد لوگون نے اس کی نقل و تقلید کی خواجہ صاحب بھی اسی طرز کے مقلد ہین [illegible] کی تفسیر زیادہ تر سیاسی رنگ رکھتی ہے، قرآن پاک کے نزول کا منشا صرف حصولِ حکومت و سلطنت نہین وہ جس طرح جماعتی زندگی کی تعلیم دیتا ہے اسی طرح وہ شخصی زندگی کی تعلیم بھی دیتا ہے لیکن اس تفسیر کی یک طرفہ حیثیت نے اس کی تفسیری حیثیت کم کر دی ہے،

برہان جو سورہ نور کی تفسیر کا نام ہے، اور جس کا موضوع صرف عورتون کی عصمت کا تحفظ ہے، اس قسم کے مضامین کی تو گنجایش ہی نہین رکھتا، لیکن خواجہ صاحب نے اس مین بھی سیاست کی آمیزش کر ہی دی ہے، بہر حال یہ تفسیر تفسیر تو ہے نہین البتہ قرآن مجید کو اصل قرار دیکر اس مین دورِ جدید کے متعلق مختلف خیالات ظاہر کئے گئے ہین، لیکن تفسیری حیثیت سے وہ اس سے زیادہ بحث و نظر کے محتاج ہین، مثلاً رجم کے متعلق جو انھون نے خیالات ظاہر کئے ہین تفسیری حیثیت سے وہ اس سے زیادہ بحث و نظر کے محتاج ہین، کیونکہ رجم کے متعلق وہ تسلیم کرتے ہین کہ اس کا حکم قرآن مجید مین نہین ہے، بلکہ وہ شریعت کے قوانین عامہ سے مستنبط ہے، حالانکہ اس کی اصلی وجہ یہ ہے کہ حدود کے متعلق جب تک کوئی آیت نازل نہین ہوتی تھی، رسول اللہ صلعم احکامِ تورات

کے مطابق سزا دیتے تھے، اور توراۃ مین زانی کے سنگسار کرنے کا حکم موجود ہے، البتہ قرآن نے اس کے بجائے سو دُرّون کی سزا مقرر کی، اس لئے اصل سوال یہ ہے کہ اس آیت نے رجم کی سزا کو جو بہ اتباعِ تورات رسول اللہ صلعم نے دی تھی منسوخ کردیا یا وہ قائم ہے؟ لیکن نسخ کے لئے یہ ثابت کرنا ضروری ہے کہ سو دُرّون کی سزا کا حکم رجم کے بعد نازل ہوا ہے، اور یہ یقینی طور پر ثابت نہین ہے حضرت علی کرم اللہ وجہ نے اسی تعارض کی بنا پر دونون مین تطبیق دی ہے یعنی پہلے دُرّے لگائے ہین پھر رجم کیا ہے، کیونکہ ان دونون کا جمع کرنا ممکن تھا، بہرحال یہ ایک اصلاحی کتاب ہے جو قرآن مجید کو پیش نظر رکھکر لکھی گئی ہو، اس لئے قابلِ مطالعہ ہے، لکھائی چھپائی عمدہ قیمت عہ ضخامت ۴۸ صفحہ مکتبۂ جامعہ ملیہ دہلی سے مل سکتی ہے۔

عبرت، خواجہ صاحب کی تفسیر القرآن کا یہ دوسرا ٹکڑہ ہے جس مین سورۂ یوسف کی تفسیر کی گئی ہے اور حسب معمول سیاسی خیالات پر مشتمل ہے، بلکہ بعض جگہ اس نے نہایت بدنما صورت اختیار کرلی ہے مثلاً حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے سے جو متعدد مذہبی و اخلاقی نتائج نکالے ہین، ان مین چند نتائج حسب ذیل ہین،

(۱) انگریزون کے دورِ حکومت مین بکثرت لوگ قحط و گرانی سے مرتے ہین لیکن وقوعِ قحط سے پہلے وہ اس کا کوئی انتظام نہین کرتے بلکہ غلون کو خرید کر خود ہی مصنوعی قحط ڈال دیتے ہین،

(۲) مالیات کا صیغہ اصل ذریعہ حکومت ہے لیکن فنانس ممبر صرف انگریز ہوتے ہین ہندوستانی نہین ہوتے،

اسی قسم کے سیاسی اور اصلاحی خیالات سے کتاب لبریز ہے، اور ان خیالات کا حصہ اصل تفسیر سے زیادہ ہے،

سیاسی حیثیت سے کسی حکومت پر نکتہ چینی کرنا کوئی قابلِ اعتراض بات نہین ہے لیکن سیاست خود ایک مستقل فن ہو، اور اسی فن کے حدود مین رہکر اس پر نکتہ چینی کیجا سکتی ہے قرآن مجید کا موضوع اس سے الگ ہو، اور وہ اس موضوع سے ذرہ برابر بھی نہین ہٹتا، خود عہد نبوت مین بہت سی جبار و قہار سلطنتین قائم تھین اور وہ اپنی رعایا پر ظلم بھی کرتی تھین، لیکن قرآن مجید نے نہ انکے سیاسی نظام کو نہ انکے طریقِ حکمرانی پر کہین نکتہ چینی کی ہو، پھر ایسی مقدس کتاب کی تفسیر مین اصل متن کے مطالب و مقاصد کو چھوڑ کر خارج از بحث سیاسی بحث کہان تک موزون ہوسکتی ہو، بہرحال خواجہ صاحب کا جذبۂ حریت و آزادی قابلِ قدر ہو لیکن اسکا اظہار بے موقع کیا جاتا ہو، اس ٹکڑے کی لکھائی چھپائی بھی عمدہ ہو ضخامت ۹۰ صفحہ، قیمت عہ، اور مکتبۂ جامعہ ملیہ دہلی سے مل سکتی ہو،

"ع"

سفرِ حجاز، جناب خطیب قادر بادشاہ صاحب المخلص بہ بادشاہ مرحوم نے ۱۹۰۶ء مین حرمین شریفین کا جو سفر کیا تھا اس کے حالات مراسلات کی صورت مین مخبرِ دکن مدراس کو روانہ کرتے رہتے تھے، بعد کو انھون نے یہی مراسلات بہ ترمیم و اصلاح سفرنامے کی صورت مین شایع کر دین اور ہمارے سامنے اس سفرنامہ کا دوسرا اڈیشن ہے، اب اگرچہ حجاز کی زمین و آسمان بالکل بدل گئے ہین، اور اس سرزمینِ مقدس مین بہت سے سیاسی و مذہبی انقلابات رونما ہو چکے ہین، اس لئے اِس پُرانی داستان مین کوئی لطف باقی نہین رہا، تاہم سفرِ حج کے جو سادہ حالات انھون نے خلوص و صداقت سے بلا تصنع و تکلف لکھے ہین وہ موثر ہین، اِنھون موقع بہ موقع ان کے چند اشعار اور بھی زیادہ دلچسپی پیدا کرتے ہین، لکھائی چھپائی متوسط ضخامت ۱۴۷ صفحہ قیمت ۸ر نمبر ۸۰، گوڈون اسٹریٹ مدراس سے خطیب محمد عبد الرشید سے مل سکتی ہے،

التحقیق الحسن فی اثبات القمیص فی الکفن، مولانا ابو المکارم محمد علی صاحب اختلافی مسائل پر چھوٹے چھوٹے رسائل اکثر لکھا کرتے ہین، انھون نے اس رسالہ مین آثار و احادیث سے یہ ثابت کیا ہے کہ عہدِ رسالتؐ، عہدِ صحابہؓ اور عہدِ تابعین مین کفن مین قمیص دینے کا رواج تھا، اور اس پر جس قدر اعتراضات ہوتے ہین ان کے جوابات دیئے ہین، رسالہ کے دیکھنے سے مصنف کی تحقیق و وسعتِ معلومات کا اندازہ ہو سکتا ہے، لکھائی چھپائی متوسط ضخامت ۱۶ صفحہ قیمت و پتہ درج نہین،

ہدایۃ المنطق، علمِ منطق فرنگی محل کے فضل و کمال کا ہر دور مین جزءِ کمال رہا ہے، جناب مولانا عنایت اللہ صاحب فرنگی محلی افسر مدرس مدرسۂ عالیہ نظامیہ فرنگی محل لکھنؤ نے اس سنتِ دیرینہ کو اس دور مین زندہ کیا ہے، منطق کے مسائل کو اردو مین نہایت وضاحت کے ساتھ لکھا ہے، اور اصطلاحاتِ منطقیہ کی پیچیدگیون سے عموماً احتراز کیا ہے، تاکہ بچون کو مطالب کے سمجھنے مین آسانی ہو، لیکن باوجود اس اختصار کے منطق کے تمام ضروری مسائل اس رسالے مین آگئے ہین، امید ہے کہ مدارسِ عربیہ کے طلبہ اس سے فائدہ اُٹھائین گے، ضخامت ۲۹ صفحہ، قیمت درج نہین، مصنف سے معلوم ہو سکتی ہے،

النفحۃ الاجلیہ فی الصلات الفعلیہ، عربی زبان میں بہت سے افعال کسی حرف جر کے ذریعہ سے متعدی ہوتے ہیں جن کو اس فعل کا صلہ کہا جاتا ہے، لیکن چونکہ ان افعال اور ان حروف کے مواقع استعمال کا علم تمامتر تتبع و استقراء پر موقوف ہے، اس لئے جن کی نظر وسیع نہیں ہوتی وہ ان افعال کے صلات میں اکثر غلطیاں کرتے ہیں، اسی غرض سے مولوی محمد طیب مکی مرحوم نے اس رسالہ میں اصولاً تمام افعال کے صلے بتائے ہیں، اور اشعار و امثلہ سے اُن کی توضیح کی ہے، ادبا بالخصوص طلبہ کے لئے وہ بہت مفید ہے، تقطیع خورد، ضخامت ۱۱۲ صفحہ، قیمت ۱۰ر پتہ:۔ شبلی بک ڈپو لکھنؤ،

جامع عثمانی، تقریباً ہر ملک اور ہر شہر کا قبلہ اور ان کے اوقاتِ نماز میں اختلاف ہوتا ہے، اس لئے اوقات نماز کی صحیح تعیین ایک مذہبی خدمت ہے، اور مولوی محمد عبد اللہ صاحب اختر مدراسی نے جو علم ہیئت کا عمدہ ملکہ رکھتے ہیں اس کتاب کے ذریعہ سے حیدرآباد دکن اور اس کے تعلقات کے متعلق یہ خدمت انجام دی ہے، اور اس اسلامی ریاست کے تمام تعلقوں کیلئے اوقاتِ نماز کی الگ الگ جدول بنا دی ہے جو ۸۰۰ صفحات میں آئی ہے، ہم کو یقین ہے کہ اس اسلامی ریاست کے طول و عرض میں اس کی پابندی سے مسلمانوں کے ایک اہم فریضۂ مذہبی پر ٹھیک مذہبی ہدایات کے مطابق عمل ہو سکے گا، لکھائی چھپائی معمولی قیمت اور پتہ درج نہیں،

احمد خان و عزیزہ، یہ ایک ناول ہے جس کو آقا محمد کرمانی بی اے مدرس فارسی مدرسۂ عالیہ متعلق بہ نظام کالج حیدرآباد دکن نے جدید فارسی زبان میں لکھا ہے، اور قصے کی دلچسپی کے ساتھ بعض اخلاقی نتائج بھی نکالے ہیں، جو لوگ قصص و حکایات کی چاشنی کے ساتھ جدید فارسی محاورات سے واقفیت حاصل کرنا چاہتے ہیں، ان کے لئے یہ ناول مفید ہو گا، ضخامت ۱۸۴ صفحے لکھائی چھپائی عمدہ قیمت عہ مصنف سے مل سکتا ہے،

پسِ پردہ، یہ جناب آغا حیدر دہلوی کے ان چند مضامین کا مجموعہ ہے جو دلی کی زنانہ زبان اور زنانہ لب و لہجہ میں لکھے گئے ہیں، قدیم زمانہ میں ریختی جو اردو شاعری کی ایک صنف ہے، زنانہ محاورات اور زنانہ زبان کے تحفظ کا ذریعہ تھی، لیکن اس زمانہ میں ریختی کے غیر سنجیدہ خیالات نے اس کو بالکل تہذیب و شائستگی کے درجہ سے گرا دیا، اس لئے دورِ جدید میں گویا زنانہ زبان بالکل متروک ہو گئی، لیکن ان مضامین نے تہذیب و شائستگی کے ساتھ دوبارہ عورتوں کی

زبان کو زندہ کر دیا ہے، اس لئے جو لوگ دہلی کی بیگمات کے محاورات سے واقف ہونا چاہتے ہین، ان کے لئے یہ مجموعہ بہت مفید ہوگا، اس مجموعہ مین بہت سے محاورات اور بہت سے الفاظ ایسے آگئے ہین جن کو غیر زبان دان نہین سمجھ سکتے بہتر ہوتا اگر اخیر مین ان کے حل کرنے کے لئے ایک فرہنگ لگادی جاتی لکھائی چھپائی عمدہ، ضخامت ۱۸۰ صفحے تقطیع خورد قیمت ۱۲؎ جناب یوسف رضا صاحب مسلم یونیورسٹی علی گڈھ سے مل سکتا ہے،

کتاب الہدیٰ، جناب سیٹھ یعقوب حسن صاحب نے کتاب الہدیٰ کے نام سے قرآن مجید کے متعدد مضامین کو آیتون کے حوالون کے ساتھ ساتھ یکجا کرنے کا جو کام شروع کیا تھا اور جس کا مقدمہ کشاف الہدیٰ کے نام سے پہلے شائع ہو چکا ہے، اس کا پہلا حصہ اب شائع ہوا ہے جس مین خدا کی ذات و صفات اور تمام اجزائے کائنات کی آفرینش کے متعلق قرآن مجید کی تمام آیتون کو یکجا کر کے ان کا ترجمہ اور ان کی شرح و تفسیر کی ہے، قدیم تفسیرون مین چونکہ ہر آیت کی الگ الگ تفسیر کی گئی ہے، اس لئے ان سے دل پر ایک مضمون کی تمام آیتون کا جو مجموعی اثر پڑنا چاہئے تھا وہ نہین پڑتا، لیکن اس کتاب نے اس کمی کو پورا کر دیا ہے، اس لئے جو لوگ قرآن مجید کے تمام مضامین و مطالب پر الگ الگ دفعۃً واحدۃً حاوی ہونا چاہتے ہین ان کے لئے یہ کتاب نہایت مفید ہے، لکھائی چھپائی عمدہ ضخامت ۲۵۶ صفحے، قیمت ؟ پتہ:- سیٹھ یعقوب حسن صاحب امیلا پور، مدراس،

گہوارۂ اردو، یہ کم سن بچون کو اردو سکھانے کے لئے لکھا گیا ہے، اس کے مؤلف مولوی حکیم محمد عثمان صاحب ندوی ہین جنکو بچون کی تعلیم کا اچھا خاصہ تجربہ بھی حاصل ہے، اس رسالہ کے دو حصے ہین، مصنف کا نظریہ یہ ہے کہ بچون کو ان کے گہوارہ ہی سے صحیح زبان سکھائی جائے، چنانچہ اسی اصول پر انھون نے اپنا یہ رسالہ ترتیب دیا ہے، پہلے حصہ مین چھ ماہ کے بچہ سے لیکر جب وہ غون غان شروع کرتا ہے، بہ ترتیب چار سال کے بچہ کی زبانی تعلیم کے اسباق چھ چھ مہینے کے تفاوت سے لکھے گئے ہین، ہر شش ماہی کی عمر کی مناسبت سے الفاظ اور اسی مناسبت سے اس کی تدریجی ترقی کے سبق مصنف نے بڑی محنت سے جمع کئے ہین جنمین زیادہ تر مفردات ہین، دوسرے حصہ مین الف بے، اور فقرے اور عبارتین ہین، ہمین امید ہے کہ کم سن بچون کے والدین اس مفید جدت تعلیمی کو پسند کرین گے، قیمت ۸؎ پتہ: مصنف سے محلہ بیگہ، شیخو پورہ ضلع مونگیر،

مجلد بستم	ماہ جمادی الثانی سنہ ۱۳۴۶ھ مطابق ماہ دسمبر سنہ ۱۹۲۷ء	عدد ششم

مضامین

شذرات

اس نمبر پر یہ جلد تمام ہوجاتی ہے، جن صاحبون کا چندہ اس مہینہ ختم ہوگیا ہوگا، آیندہ جنوری کا پرچہ ان کے نام وی پی
ہوگا، جن صاحبون کو آیندہ خریداری منظور نہ ہو وہ اطلاع دیدین تو دفتر پر احسان ہوگا بعض ایسے اصحاب بھی ہین، جو پرچہ
خریدنا چاہتے ہین، مگر وی پی وصول ہونے پر ڈاکیہ کو دوسرے وقت اس کے لانے کی ہدایت کرتے ہین، مگر چونکہ ڈاک
کا صیغہ صرف ایک ہی دفعہ ان کے پاس اس کے پہنچانے کا ذمہ دار ہے، اس لیے وہ عموماً دوسری دفعہ نہین لیجاتا، یا
چندروز ڈاکخانہ مین امانت رہنے کے بعد وہ دفتر مین واپس آجاتا ہے، اور ان صاحبون کو دوبارہ وی، پی منگوانا پڑتا ہے
اس طرزعمل سے دفتر کو اور خریدارون کو دونون کو نقصان پہنچتا ہے، امید ہے کہ خریدار اصحاب اس طرزعمل کو بدل کر خود
اپنے کو بھی اور ہم کو بھی ممنون فرمائین گے،

گذشتہ ماہ اکتوبر مین مدراس سے واپسی مین تقریباً دس برس کے بعد حیدرآباد میرا جانا ہوا، اور مسلسل ۲۰ روز تک وطن
رہنے کا اتفاق ہوا، دوران قیام مین شہر کے ارکان و عمائد، اہل علم، اور اہل قلم اصحاب نے نمایندۂ دارالمصنفین کی جو قدر افزائی
کی، وہ اسکی توقع سے زیادہ تھی، ان دس برسون کے اندر حیدرآباد نے جو سب سے زیادہ شاندار ترقی کا منظر پیش کیا ہے،
وہ اس کا **جامعۂ عثمانیہ** ہے، جامعۂ عثمانیہ اور دارالترجمہ کے توسل سے حیدرآباد مین تقریباً تمام ہندوستان کی روح
کھینچ کر آگئی ہے، جامعۂ عثمانیہ کی انجمن اتحاد کی تقریر مین مین نے ظرافتہً کہا تھا کہ ہم کو ہندوستان مین جو قحط رجال نظر آتا ہے،
اس کی اصلی وجہ یہان آکر معلوم ہوئی، یعنی ہندوستان کے فضلا کا بڑا حصہ ہندوستان سے کھنچکر دکن مین آباد ہوگیا ہے،
اور ہندوستان خالی رہ گیا ہے، اس وقت میرے خیال مین جامعۂ عثمانیہ اور دارالترجمہ کے تعلق سے قدیم اور جدید

علوم کے ماہرین کی تعداد سو سے کم نہ ہوگی، اس سے اعلیٰ حضرت فرمانروائے کشور دکن کی قدردانی، مردم شناسی اور علم دوستی کا اندازہ ہوگا، داغ کا مصرع معنوی حیثیت سے اب موزون ہوا ہے،

حیدرآباد آجکل گلزار ہے،

لیکن اس خوشی کے ساتھ ایک غم بھی تھا کہ گو حیدرآباد کے آسمان مین سیکڑون ستارے چمک رہے ہین لیکن علم و دانش کا وہ آفتاب غروب تھا جو اس **نظام شمسی** کا مرکز تھا، یعنی نواب عماد الملک مولوی سید حسین بلگرامی مرحوم، مرحوم اب شہر سے باہر ایک پہاڑی کے دامن مین ایک لطیف و سبک بے سقف کی بارہ دری کے اندر استراحت فرما ہین، اللہ تعالیٰ ان کو اپنی رحمتون سے سرفراز کرے،

اس بات مین کسی شبہہ کی گنجائش نہین کہ جامعۂ عثمانیہ کی تجویز توقع سے زیادہ کامیاب ہوئی، اور بالآخر اس طویل فکری مناظرہ کا کہ مغربی علوم و فنون کی تعلیم مادری زبان مین دی جاسکتی ہے یا نہین، اور اردو زبان اس قابل ہے یا نہین عملی استدلال سے فیصلہ ہوگیا، اور جامعۂ عثمانیہ نے ثابت کردیا کہ مادری زبان ہی مین تعلیم دماغی نشو و نما کے اصلی جوہر کو نمایان کرسکتی ہے، پروفیسرون اور استادون کو کیمیا، طبیعیات اور ریاضیات کے دقیق سے دقیق مسئلہ کو اردو اصطلاحات اور زبان مین تعلیم دیتے ہوئے دیکھکر یہ محسوس ہوتا تھا کہ طلبہ پر غیر مادری زبان اور مسئلہ کی دقت کا دوگونہ بار نہین پڑرہا ہے، حقیقت یہ ہے کہ جب کبھی ہندوستان کو قومی تعلیم کا خیال آئیگا تو عثمانیہ یونیورسٹی ہی اس خیال کا سنگِ بنیاد قرار پائے گی،

یہ بھی خوشی کی بات ہے کہ خوش قسمتی سے عثمانیہ یونیورسٹی کو ہر علم و فن کے لیے اچھے سے اچھے اور لائق سے لائق استاد جو اس بازار مین مل سکتے تھے میسر آئے ہین، اور اس حیثیت سے وہ ہندوستان کی کسی یونیورسٹی سے کم

مرتبہ نہین ہے، بلکہ شاید وہ بہت سی سرکاری یونیورسٹیون سے اس بارہ مین بہتر ہو،

جامعہ کی بالفعل خود اپنی کوئی عمارت نہین، متعدد بڑی بڑی کوٹھیون اور کرایہ کی عمارتون کو جو آس پاس تھین کرایہ پر لیکر استعمال مین لایا جا رہا ہے، اور کہین کہین ان کو تھوڑے تغیر سے مصرف کے قابل بنا لیا گیا ہے اور بعض کمرے تو ایسے موزون بنگئے ہین کہ وہ بالکل بے جوڑ نہین معلوم ہوتے ہین، خصوصاً تجربہ گاہ، جو معلوم ہوتا ہے کہ بالکل اسی غرض کیلئے بنا ہے، تاہم اگر جامعہ کے لیے کوئی خاص عمارت بنجائے جو زیر غور ہے تو اس کی ظاہری شان وحیثیت بھی دوبالا ہو جائے،

کیمیا اور طبعیات کے تجربہ گاہ بھی بہت کچھ ترقی یافتہ ہین، یہ سنکر خوشی ہوئی کہ طلبہ کی تعداد سال بسال آرٹس (فنون) کی جگہ علوم (سائنس) مین بڑھ رہی ہے، یہین کے تجربہ گاہ مین وہ نادر زمانہ چیز بھی دیکھنے مین آئی جس کو لوگ ریڈیم کہتے ہین، ایک مختصر کمرہ کو خاص اسی کے لیے موزون کیا گیا ہے، ہر طرف دروازہ بند کرکے اور بیرونی روشنی کی در آمد کو سیاہ پردون سے روک کر جب کوٹھری بحر ظلمات بنا لی گئی اور پھر نور کا ٹکڑا ڈبیہ سے نکال کر جب آنکھ کے سامنے کیا گیا تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ اندھیری رات مین سینکڑون چھوٹے چھوٹے تارے آسمان سے گرکر ادھر اودھر فضا مین پھیل رہے ہین،

جامعہ عثمانیہ کا کوئی پہلو اگر قابل افسوس ہے تو وہ شعبۂ دینیات ہے، اس شعبہ مین ہندوستان کے بڑے بڑے فاضل استاد ہین، جنہین سے ایک بھی اگر ہندوستان کے کسی عربی مدرسہ کو میسر آجائین تو وہ اوسکی شہرت کے لیے کافی ہے، مگر باین ہمہ اوسکی طرف طلبہ یا طلبہ کے اولیا کا رجحان نہین، حالانکہ اعلیٰ حضرت نے اپنی غایت دین پروری اور قدرشناسی کی وجہ سے اس شعبہ کے طلبہ کو حقوق ملازمت اور عزت وسند مین وہی درجہ عنایت کیا ہے جو دوسرے

ستیون کے کامیاب طلبہ کو مرحمت فرمایا ہے، تاہم ادھر میلان نہین، اس کو مسلمانون کی بدبختی کے سوا اور کس چیز سے تعبیر کیا جائے،

جامعۂ عثمانیہ کی تعلیمی کامیابی درحقیقت اس کے دار الترجمہ کی ممنونِ احسان ہے، یہی وہ شعبہ ہے جس نے جامعہ کو اس قابل بنایا ہے کہ وہ مادری زبان مین تعلیم کا اہم کام انجام دے، انگریزی، عربی، فارسی کے ضخیم اور دقیق تراجم کا کام یہان نہایت عمدگی سے انجام پا رہا ہے، یہان کے تراجم اگر اردو کتابون کے عام بازارون تک آجائین تو معلوم ہو کہ اس کے ذریعہ سے اردو زبان کو کس حد تک مالا مال کر دیا گیا ہے، سیاسیات، طبعیات، ریاضیات، اخلاقیات، تاریخ اسلام، تاریخ یورپ، تاریخ ہند، جغرافیہ، اور ہر علم و فن کی کتابین تیار ہو چکی ہین، اور تیار ہوتی جاتی ہین، اور اس وقت تک ایک سو کے قریب کتابین چھپ چکی ہین،

حیدرآباد کی علمی کوششون کا تیسرا میدان دائرۃ المعارف ہے جہان سے قدیم شرقی کتابین چھپکر شائع ہوتی ہین، یہ دائرہ شاید آج سے تیس برس پہلے ملا عبد القیوم مرحوم اور نواب عماد الملک مرحوم کی کوششون سے وجود مین آیا، اور اس کے ذریعہ سے بہت سی قدیم و نادر عربی کتابین چھپکر شائقین علم کے ہاتھون تک پہنچین اور جنھون نے نسیم بہار بنکر حیدرآباد کی علم دوستی کی خوشبو چار دانگ عالم مین پھیلا دی، اس وقت دائرہ مین ایسے محنتی، اور جفاکش اور لائق کارکن اور مصححین موجود ہین، جو اپنے کام کو فرض شناسی کے ساتھ انجام دے رہے ہین، یہ افسوس ہے کہ دائرہ کی حیثیت ایک غیر سرکاری مجلس کی ہے، اور اس کا مطبع بھی اسکی حیثیت سے فروتر ہے، اور قلت سرمایہ کے باعث کام کرنے والون کا معاوضہ بھی اتنا نہین کہ وہ ایسے گران شہر مین فارغ البالی اور اطمینان سے کام کر سکین، گدائے گوشہ نشین کی یہ رائے رموز مملکت مین مداخلت تو نہ سمجھی جائے گی کہ مجلس اشاعۃ العلوم نظامیہ اور دائرۃ المعارف کو ایک کر دیا جائے، تاکہ دونون کام ایک نظام مین منسلک ہو جائین اور دونون کو فائدہ پہنچ سکے،

کتبخانۂ آصفیہ حیدرآباد کی علمی عمارت کا چوتھا ستون ہے، ہمارے خیال مین کتابون کی کثرت، نوادر کی کثرت، قلمی کتابون کی کثرت، فائدہ اٹھانے والون کی کثرت، استفادہ کی سہولت اور حسنِ انتظام کے لحاظ سے یہ ہندوستان کے تمام مشرقی کتب خانون سے بہتر ہے، دس برس کے بعد اس کو اب دیکھنے کا اتفاق ہوا، کتابین بڑھتی جاتی ہین، ضرورت ہے کہ اسکی جدید فہرست نئے اسلوب پر تیار کیجائے، موجودہ ناظمِ کتب خانہ نے اس کام کا آغاز کر دیا ہے، مگر یہ نہایت اہمیت اور وقتِ نظر کا کام ہے، اس کے لیے خاص توجہ درکار ہے،

امسال **ندوۃ العلماء** کا سالانہ اجلاس امرتسر مین تھا، نومبر کی ۲۵-۲۶-۲۷ تاریخین اس کے لیے مقرر تھین، جناب مولانا غلام حسین صاحب وزیر امور داخلیہ و وزیر تعلیمات ریاست بہاولپور اس کے صدر تھے، جلسہ مین علما، اور تعلیم یافتہ اصحاب، اور عام مسلمان شریک تھے، ریاستِ بہاولپور کو ندوۃ العلماء سے اس کے آغاز سے جو تعلق رہا ہے مولانا ممدوح کی صدارت نے اس کو اور بھی مستحکم اور ناقابلِ شکست بنا دیا، دار العلوم کی درسگاہ کی عمارت تمامتر اسی ریاست کی ایک شاہی خاتون کی مرہون منت ہے، ہماری امید تھی کہ اس درسگاہ کا ناتمام حصہ بھی اسی ریاست اسلامیہ کے دست جود وسخا سے انجام کو پہنچے، چنانچہ اس اجلاس مین جناب معلی القاب ہز ہائنس فرمانروائے ریاستِ بہاولپور خلد اللہ ملکہ کی طرف سے پندرہ ہزار کی گرانقدر امداد مرحمت فرمائی گئی، ہز ہائنس کی اس توجہ و التفاف شاہی سے متاثر ہو کر ریاستِ عالیہ کے ارکان و عمائد نے بھی دس ہزار کی رقم فراہم کی، اور ریاست کی طرف سے دار العلوم کے صیغۂ وظائف مین تین سو سالانہ کی جو رقم عنایت ہوئی تھی، وہ بڑھا کر پانچسو سالانہ کر دیگئی،

جہان تک مسلمانانِ شہر کا تعلق ہے، جلسہ کے اہتمام حسنِ انتظام اور مہمان نوازی کے مصارف کے علاوہ ان سے خود ندوہ کو مالی امداد ان کی حیثیت سے کم ملی، جلسۂ عام مین دو ڈھائی ہزار کا عام چندہ ہوا، مگر اس کی تلافی کا وعدہ جنوری مین کیا گیا ہے یعنی ڈھائی ہزار کی مزید رقم اس مہینہ مین جمع کیجائے گی، ارکانِ

ندوۃ العلما، اس ایفائے عہد کے لیے چشم براہ ہین،

اس اجلاس کا معنوی ماحصل یہ رہا کہ یہ طے پایا کہ دار العلوم مین مدرسین اور مبلغین کی تیاری کے لیے دو درجے کھولے جائین، بڑی مشکل یہ ہے کہ نئے مدرسے جو نئے انداز پر کھل رہے ہین، ان کے لیے لائق مدرسین نہین ملتے اور روز بروز تدریس کا فن کم ہو رہا ہے، اس طرح لائق اور قابل مبلغین کا قحط ہے، میری طرف سے یہ تجویز پیش ہوئی، اور اس پر ایک گھنٹہ تک تقریر کا سلسلہ جاری رہا، ہم کو خوشی ہے کہ حاضرین نے اس ضرورت کا اعتراف کیا، اور اس کے لیے مسرت کیساتھ آمادگی کا اظہار کیا، تجویز تھی کہ ہونہار اور مستعد طلبہ کو اس کام کے لیے دو دو برس کے لیے پینتیس پینتیس روپیے تک کے وظیفے دیئے جائین، اور ان کو دار العلوم مین تدریس و تبلیغ کی تعلیم دیجائے، چنانچہ اب تک اس شعبہ مین جن صاحبون نے مالی امداد کا وعدہ فرمایا وہ حسب ذیل ہین، ساہوکار جمال محی الدین صاحب مدراس ۳ وظیفے، مولانا غلام حسین صاحب صدر اجلاس و وزیر داخلیہ و تعلیمات بہاولپور ۱ وظیفہ، جناب نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمن خان شیروانی ۱ وظیفہ، جناب حاجی نظام الدین صاحب ناظم مالیات حمایت اسلام لاہور، ۱ وظیفہ، مسلمانان ہوشیار پور ۱ وظیفہ، جناب منشی امتیاز علی صاحب وکیل فیض آباد، ۱ وظیفہ، انجمن اسلامیہ امرتسر ۱ وظیفہ، دار العلوم کے فارغ التحصیل طلبہ جو اس درجہ مین داخل ہونا چاہین، اپنی درخواستین معتمد تعلیمات دار العلوم کے پاس بھیج سکتے ہین،

حسب دستور، نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمن خان شیروانی کی دلگداز اور مؤثر تقریر جلسہ کی روح تھی، دار العلوم کے طلبہ نے عربی اور اردو مین جو تقریرین کین وہ نہایت حوصلہ افزا تھین، مولوی عبد الرحمان کاشغری کا عربی قصیدہ، اور محمد اکبر اور نجم الدین طالب علم کی تقریرین بہت پسند کیگئین، اور ان کو انعامات دیئے گئے اور تین فارغ التحصیل طلبہ، مولوی عبد الرحمان کاشغری، مولوی قاری محمد منیر لکھنوی، اور مولوی عتیق احمد بھاگلپوری کو سند فراغ دیگئی،

امرتسر سے جمعیۃ العلماء کے اجلاس سالانہ کی شرکت کے لیے پشاور عمر مین پہلی دفعہ جانے کا اتفاق ہوا،
جمعیۃ العلماء کے اجلاس کے حالات اور تجویزین اخبارات مین شایع ہو چکی ہین، مولانا انور شاہ صاحب کا خطبۂ صدارت اپنی جامعیت اور بصیرت افزائی، کے سبب سے لائق توصیف تھا، اجلاس مین صوبۂ سرحد کے بہت سے علماء شریک تھے، عام سرحدی مسلمان بھی بکثرت شریک تھے، تجویزون مین اہم چیزین ان رسوم و بدعات کے مٹانے اور چھوڑنے کی ہدایت تھی جو خاص طور سے صوبۂ سرحد اور افغانی مسلمانون مین جاری ہین، نیز مدارس اسلامیہ کے نصاب مین اصلاح اور جدید مسائل کے تصفیہ کے لیے علماء کی ایک مجلس کا تقرر، نیز صوبۂ سرحد مین ایک عربی درسگاہ کا قیام،

پشاور مین علمی اور تعلیمی حیثیت سے کوئی چیز قابلِ ذکر ہے تو وہ دار العلوم یعنی اسلامیہ کالج ہے، شہر سے چار پانچ میل باہر پشاور اور جمرود کے بیچ مین واقع ہے، وسیع عمارتین ہین، درسگاہین ہین، دار الاقامے ہین، کتبخانہ ہے، مسجد ہے، طلبہ کی بھی خاصی تعداد ہے، کئی سو لڑکے ہین جنہین خاص صوبۂ سرحدی کے علاوہ بعض آزاد علاقون کے لڑکے بھی ہین، اس کالج کے متعلق مخالف و موافق دو رائین ہین جنہین سے ایک یہ ہے کہ یہ جاہل پٹھانون کو متمدن اور مہذب بنانے کی مشین ہے، دوسری رائے یہ ہے کہ یہ بہادر اور آزاد پٹھانون کو غلام اور نامرد بنانے کا مہذب ذریعہ ہے، لیکن یہ بھی تسلیم کرنا پڑیگا کہ اس تعلیم جدید سے قومیت کا احساس زندہ رہا ہے، اور پھر ایک ایسی قوم مین یہ احساس جو مذہب، زبان اور نسل مین بالکل متحد اور ایک ہے۔۔۔۔۔۔

اسلامیہ کالج کا مشرقی کتب خانہ بھی قابل قدر ہے، تقریباً اردو اور نادر کتابون کا خاصہ ذخیرہ اوسکی الماریون مین ہے، اور اتفاق سے اوس کو ناظم بھی ایک لائق اور شائقِ علم عالم میسر آگیا ہے، قلمی کتابون مین بعض طب و کیمیا کی ایک دو حدیث کی اور بعض دوسرے علوم کی نادر کتابین ہین، بعض نامور مصنفین کی تحریرین بھی ہین، اکثر کتابین بھی سلیقہ سے

مرتب کیگئی ہین کتبخانہ کی چھپی ہوئی مفصل فہرست بھی شایع ہوچکی ہے،

صوبۂ سرحد مین مسلمانون کی تعداد تقریبًا ۲۲ لاکھ ہے، انک کے مشہور دریا سے جہان اوس پار ہوئے، صاف محسوس ہوتا ہے کہ زمین اور آب وہوا بدل گئی، اور زبان پنجابی کے بجائے پشتو ہوگئی، یہ دریائے انک گویا ہندوستان کی طبعی حد ہے، دریا پر پرانے بادشاہون کے قلعے کے آثار ریل سے نظر آتے ہین، ریلوے پل پر آہنی پھاٹک اور مسلح سنتریون کا پہرہ بناتا ہے کہ باب الہند شروع ہوگیا، پشاور سے دس بارہ میل پر جمرود آتا ہے، یہ بالکل درۂ خیبر کے دہانہ پر آباد ہے مشہور درۂ خیبر کا ذکر تاریخون مین ہزارون بار پڑھا تھا، مگر ہندوستان کے اس پہاڑی پھاٹک کو دیکھنے کا پہلی دفعہ اتفاق ہوا، جمرود سے لنڈی خانہ تک ۳۰ میل کی مسافت ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دو پہاڑون کے بیچ مین بیس میل کی ایک گلی ہے، جو افغانستان سے ہندوستان کو یا ہندوستان سے افغانستان کو ملاتی ہے، مشہور مسجد علی جو کبھی ہندوستان اور افغانستان کی سرحد تھی، دو گز سے زیادہ بڑی مسجد نہ ہوگی، اور اس مقام پر اس قدر کم چوڑا راستہ ہے کہ اگر پہاڑ پر پچاس آدمی بھی ہون، تو وہ بڑی سی بڑی نوج کا راستہ بھی روک دین، حکومت برطانیہ نے اس تمام راستہ پر پورا دخل پا لیا ہے، اور تین قسم کے راستے اس مین نکال دیئے ہین، ایک کاروان کے لیے پرانا رستہ، دوسرا نہایت عمدہ راستہ موٹرون کے لیے اور تیسری ریلوے لائن، اور اونچی پہاڑیون پر مورچے بنائے ہین، پہاڑون کے داہنے بائین، اوپر نیچے آفریدیون، محسودیون، شنواریون وغیرہ کے مکانات اور کچے قلعے ہین، ہر چہار دیواری بجائے خود ایک قلعہ اور ایک خان کی حکومت ہے، اگر کسی دن یہ پوری قوم ایک قوم بنجائے تو کیا ہو؟ اس کا سمجھنا آسان نہین،

مقالات

القضاء الاسلامی

۲

از مولانا عبدالسلام صاحب ندوی،

مقدمات فوجداری اگرچہ خود عہد رسالت ہی مین ایک صحابیؓ کا تقرر بحیثیت افسر پولیس کے ہو چکا تھا، لیکن یہ صیغہ باضابطہ طور پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ مین قائم ہوا اور بعد مین اس صیغے کے افسر "صاحب الاحداث"، "والی مظالم" اور "والی حرب" وغیرہ مختلف لقبون سے ممتاز ہوتے رہے، جن کے فرائض مین مختلف جرائم کی سزاؤن کا نفاذ، فتنہ و فساد کی روک تھام، اور مجرمین کی سرکوبی داخل تھی، اور فوجداری کے جن مقدمات مین شہادت یا اقرار کا وجود نہین ہوتا تھا، ان کا فیصلہ بھی انہین افسرون سے متعلق تھا[1]،

عام تعزیری جرائم مثلاً چوری، ڈاکہ، قتل، اور زنا وغیرہ کے علاوہ جن کی سزائین اسلام نے مقرر کردی ہین، اور بھی متعدد مذہبی، اخلاقی اور تمدنی جرائم ہین، جن کی اسلام مین کوئی سزا مقرر نہین ہے، اور عادةً عدالتون مین کوئی شخص ان کے متعلق مرافعہ نہین کرتا، مثلاً اگر کوئی شخص نماز نہ پڑھے، وقت اور جماعت کا پابند نہ ہو، تاجر پیمانہ و وزن مین کمی کرین، کھانے پینے کی چیزون مین مضر یا ناجائز چیزین ملائین، یا ناجائز چیزون کی تجارت کرین تو گو اسلام مین ان کی کوئی سزا مقرر نہین ہے، اور عام طور پر ان کے متعلق مقدمات بھی دائر نہین ہوتے،

[1] الطرق الحکمیہ صفحہ ۱۰۵ و ۲۱۴

لیکن اگر ان کی اصلاح و نگرانی نہ کیجائے تو مذہب، اخلاق اور تمدن کو سخت نقصانات پہنچ جائین، اس لیے اس ضرورت کے لیے اسلام نے احتساب کا ایک مستقل صیغہ قائم کیا جسکی ابتدا حضرت عمرؓ کے زمانے مین ہوئی، اور انھون نے بازار کی نگرانی کے لیے حضرت عبد اللہؓ اور حضرت صائبؓ کو مقرر کیا[1]، لیکن بعد کو چلکر احتساب کا ایک مستقل محکمہ قائم ہوگیا، اور محتسب کے اختیارات و فرائض اس قدر وسیع ہو گئے، کہ ان پر مستقل کتابین لکھی گئین اور امام غزالیؒ نے احیار العلوم مین اس پر نہایت تفصیلی بحث کی ہے، بہرحال اسلام مین یہ صیغہ پولیس کے صیغہ سے الگ تھا اور ان جرائم پر سزا دینا، اونکی اصلاح و نگرانی کرنا محتسب کے فرائض مین داخل تھا، لیکن ان چھوٹے چھوٹے جرائم کے علاوہ اہم جرائم مثلاً چوری، ڈاکہ، قتل، زنا اور خیانت وغیرہ کے اور تمام مقدمات قاضی سے تعلق رکھتے ہین، اور وہ ان کی تحقیقات کے لیے مجرمین کی تلاشی لے سکتا ہے، چنانچہ صحیح بخاری مین یہ واقعہ مذکور ہے کہ ایک بار ایک صحابیؓ نے اپنے بعض فوائد کے لیے مشرکین مکہ کو رسول اللہ صلعم کے خلاف ایک خط لکھا اور اس کو ایک مشرکہ عورت کے ذریعہ سے روانہ کیا، رسول اللہ صلعم کو اس کی خبر ہوئی تو چند سوار روانہ کئے، جنھون نے تعاقب کرکے اس کو گرفتار کیا، لیکن جب اس نے خط کے حوالہ کرنے سے انکار کیا تو ان لوگون نے دھمکی دی، کہ اگر تم نے خط واپس نہین کیا تو ہم تم کو برہنہ کر دینگے، مجبوراً اس نے کمر سے خط نکال کر ان کے حوالہ کیا[2]۔

انکشاف جرائم کے متعلق تو اس حدیث سے قطعی تلاشی لینے کا جواز ثابت ہوتا ہے، لیکن علامہ ابن قیمؒ نے لکھا ہے کہ اگر مدعا علیہ دیوالیہ ہونے کا دعویٰ کرے اور اس کے برخلاف مدعی کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ صاحب مال ہے تو اس کی درخواست پر قاضی کو اس کی تلاشی لینی بھی ضروری ہو جاتی ہے[3]۔

(۲) انکشافِ جرائم مین وہ نہایت ظنی قرائن سے بھی کام لے سکتا ہے، مثلاً ایک بار معتضد کے ایک غلام نے رات کے وقت دوسرے غلام کو قتل کرکے خود تمام غلامون مین جاکر سو رہا، معتضد نے تحقیقات شروع کی، تو ہر ایک کے دل پر ہاتھ رکھا، جنمین اُس غلام کے دل کی حرکت نہایت تیز محسوس ہوئی جس نے

[1] موطائے امام مالک کتاب البیوع، [2] صحیح بخاری کتاب المغازی باب فضل من شہد بدرا، [3] الطرق الحکمیہ صفحہ ۹،

ارتکاب قتل کیا تھا، چنانچہ اس نے اس سے اقرار جرم کروایا اور اس کو سزائے قتل دی[1]،

(۳) وہ اثبات جرم سے پہلے مجرمین کو زیر حراست بھی رکھ سکتا ہے، اور رسول اللہ صلعم نے بھی مجرمین کو زیر حراست رکھا ہے[2]، البتہ زمانۂ حراست کی مقدار مین اختلاف ہے، بعض لوگون کے نزدیک اسکی مدت صرف ایک مہینہ ہے، اور بعضون کے نزدیک اسکی کوئی تعیین نہین ہے بلکہ افسر پولیس خود مناسب مدت مقرر کرسکتا ہے[3]،

پیروی مقدمات اسلام مین اگرچہ بذریعہ وکیل کے مقدمہ کی پیروی کرائی جاسکتی ہے لیکن یہ پتہ نہین چلتا کہ اسلام کی عدالتی تاریخ مین بطور پیشہ کے وکالت کا رواج کبھی تھا یا نہین؟ بعض کتابون مین ہے کہ امام شافعیؒ کے معاصرین مین عیسیٰ بن ابان جب بصرہ کے قاضی مقرر ہوئے تو ان کے پاس دو بھائی آئے، جو مقدمات مین وکیل ہوا کرتے تھے، جس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسلام مین وکالت کا پیشہ قدیم زمانہ سے چلا آتا ہے اور وہ کوئی بدعت نہین ہے،

فیصلہ ان تمام مراتب کے بعد قاضی کو بہ ترتیب دو مرحلے طے کرنے پڑتے ہین،

(۱) ایک تو یہ کہ مدعی اور مدعا علیہ مین جس چیز کے متعلق نزاع ہے اسکی نسبت اصلی حالات کا پتہ لگانا،

(۲) اور ان حالات کے مطابق منصفانہ فیصلے صادر کرنا،

اور اسلام مین ان دونون مراحل کے متعلق چند کلی اور عام اصول متعین کئے ہین، مثلاً مقدمات کے اصلی حالات کے پتہ لگانے کے لیے اسلام نے شہادت کو ضروری قرار دیا ہے، کیونکہ مدعی ایک ایسا دعویٰ کر رہا ہے، جو ظاہری حالات کے مطابق نہین ہے، اس کے برعکس مدعا علیہ ظاہری حالت سے استشہاد کرتا ہے، مثلاً ایک چیز کے متعلق جو عمرو کے قبضے مین ہے، اگر زید یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ میری ہے تو اس کا یہ دعویٰ اس شے کی ظاہری حالت کے مطابق نہین ہے، لیکن عمرو کا یہ کہنا کہ وہ چیز میری ہے، بالکل ظاہری حالت کے مطابق ہے، ایسی حالت مین انصاف کا اقتضایہ ہے کہ جب مدعی کا دعویٰ ظاہری حالات کے مخالف ہے تو اس سے اس کے اثبات کیلئے شہادت طلب کی جائے، لیکن اگر وہ شہادت نہ پیش کرسکے، تو مدعا علیہ سے جو ظاہری حالات کی مطابقت

---

[1] الطرق الحکمیہ ص۱۱ [2] ایضاً ص۱۰۲ [3] ایضاً ص۱۰۳ [4] المقارنات والمقابلات ص ۵۱-۵۲

ہی کو سند قرار دے رہا ہے شہادت کے بجائے صرف حلف لیا جائے" اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قاعدہ کی مشروعیت کی طرف ان الفاظ مین اشارہ فرمایا ہے،

لو یعطی الناس بدعواھم لادعی ناس دماء	اگر لوگون کو حقوق صرف ان کے دعوی کرنے سے لا دیئے جائین
رجال واموالھم ولکن البینۃ علی المدعی	تو بہت سے لوگ لوگون کے جان ومال کے مدعی ہو جائین اس لیے
والیمین علی المدعی علیہ[1]	مدعی پر گواہ کا لانا فرض ہے، اور مدعا علیہ پر حلف،

اب اس حدیث کے رو سے اسلام مین مقدمات کے فیصلہ کی بنیاد دو چیزون یعنی شہادت اور حلف پر قائم ہوتی ہے اور ہم ان دونون چیزون پر بتفصیل بحث کرتے ہین۔

شہادت اس زمانے مین شہادت بہت زیادہ شرائط کی پابند نہین ہے، لیکن اسلام نے شاہد کے لیے ایسے اوصاف ضروری قرار دیے ہین جن سے انصاف وصداقت کا ظن غالب پیدا ہو، اور وہ اسکو لوگون کی نگاہون مین عام طور پر مقبول وبرگزیدہ بنا سکین، چنانچہ خداوند تعالیٰ خود فرماتا ہے،

مِمَّن ترضون من الشھداء،	وہ گواہ جن کو تم پسند کرتے ہو،
واشھدوا ذوی عدل منکم،	اور اپنون مین سے دو عادلون کو گواہ بناؤ،

اس لیے جو لوگ ان اوصاف سے متصف نہین ہین وہ حق شہادت سے محروم کر دیئے گئے، اور رسول اللہ صلعم نے ان کی نسبت ارشاد فرمایا ہے،

لا تجوز شھادۃ خائن ولا خائنۃ ولا زان ولا زانیۃ[2]	خائن اور زانی مرد اور خائنہ اور زانیہ عورت کی شہادت جائز نہین ہو۔

اور جو لوگ کسی مسلمان پر زنا کی تہمت لگا کر اس کو ثابت نہین کر سکتے ان کی نسبت خداوند تعالیٰ نے فرمایا

[1] صحیح مسلم مین "ولکن البینۃ علی المدعی" کا فقرہ نہین ہے، لیکن بیہقی وغیرہ نے باسناد صحیح اس فقرہ کی روایت کی ہے اور شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ مین اسی روایت کو لیا ہے، [2] ابوداؤد کتاب الاقضیۃ باب من ترد شھادتہ،

ولا تقبلوا لهم شهادة ابدا واولئك هم الفاسقون — ان کی شہادت کبھی نہ قبول کرو، اور وہ لوگ فاسق ہین بجز

الا الذین تابوا الخ، — ان لوگون کے جنھون نے توبہ کی،

زنا اور تہمتِ زنا کے حکم مین اور دوسرے کبائر بھی داخل ہین[1]،

یہی وجہ ہے کہ عہدِ رسالت اور عہدِ صحابہؓ مین جھوٹی شہادتون کا رواج نہین ہوا اور بعد مین بھی لوگ اس کو اس قدر اہم چیز خیال کرتے تھے کہ جھوٹی شہادت تو الگ بچون تک کو شہادت دینے سے منع کرتے تھے، چنانچہ

قال ابراهیم کانا ینهیاننا ونحن غلمان عن العهد والشهادات[2]، — ابراہیم کہتے ہین کہ بچپن مین لوگ ہم کو شہادت اور معاہدہ سے منع کرتے تھے،

لیکن جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشنگوئی فرمائی تھی کہ

خیر القرون قرنی ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم ثم یجیء قوم یبتدر شهادة احدهم یمینه ویبتدر یمینه شهادته[3] — سب سے بہتر زمانہ میرا ہے، پھر ان لوگون کا جو ان کے بعد ہونگے (یعنی تابعین کا) پھر ان لوگون کا جو ان کے بعد ہون گے (یعنی تبع تابعین کا) اس کے بعد ایک ایسی قوم آئیگی کہ ان مین ہر شخص کی شہادت اوسکی قسم سے اور اس کی قسم اوسکی شہادت سے سابقت کرے گی،

پھر جب یہ نامبارک زمانہ آیا تو قضاۃِ اسلام نے شاہدون کی تعدیل کی یعنی سرًّا و علانیۃً لوگون کے ذریعہ سے شاہدون کی عدالت، صداقت اور دوسرے اخلاقی اوصاف کے متعلق جانچ پرتال کرنا شروع کی، لیکن چونکہ عہدِ رسالت اور عہدِ صحابہؓ مین اسکی نظیر قائم نہین ہوئی تھی اس لیے اوّل اوّل جب قاضی شریح نے خفیہ طور پر شاہدون کی اخلاقی تحقیقات کی تو لوگون نے اعتراض کیا کہ "احدثت" یعنی آپ نے یہ نئی بات پیدا کی

۱ حجۃ اللہ البالغہ جلد دوم ص ۱۲۵ ۲ مسلم کتاب المناقب ۳ مد

مگر انھون نے خود اسی اعتراض کو جواب کے قالب مین بدل کر کہا کہ "احداث" یعنی لوگون نے بھی تو نئی نئی باتین پیدا کرلی ہین[1] لیکن بایں ہمہ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ المسلمون عدول بعضھم علی بعض الا محدوداً فی القذف، بجز اس شخص کے جس کو تہمت زنا کے لگانے کی وجہ سے سزا دیگئی ہو تمام مسلمان شہادت دینے مین عادل ہین،

اس لیے فقہار کے نزدیک قاضی کو صرف گواہون کی ظاہری عدالت پر اکتفا کرنی چاہیئے، اور اس کے چال چلن کے متعلق کوئی پوچھ گچھ نہین کرنی چاہیئے۔ البتہ فوجداری کے مقدمات مین چونکہ قاضی کا یہ فرض ہے کہ ہر ممکن طریقہ سے ملزم کے بری کرنے کی کوشش کرے، اس لیے وہ اس سلسلے مین گواہون کی چال چلن کے متعلق بھی جانچ پرتال کرسکتا ہے، لیکن اگر فریق مقدمہ خود گواہ پر کوئی الزام لگائے تو خفیہ و علانیہ دونون طریقون سے اس کے چال چلن کی جانچ پرتال قاضی کے فرائض مین داخل ہوجاتی ہے، بلکہ امام محمدؒ اور قاضی ابو یوسفؒ کے نزدیک فوجداری اور دیوانی دونون قسم کے مقدمات مین قاضی کو گواہون کے چال چلن کی جانچ کرنی چاہیئے[2]

بہرحال جب زمانہ مابعد مین عہد صحابہؓ کی طرح گواہون کی ثقاہت، اور عدالت پر اعتماد نہین رہا، تو قضاۃ اسلام نے ان کے چال چلن کے متعلق جانچ پرتال شروع کردی، چنانچہ مصر مین ایک زمانہ تک یہ رواج تھا کہ جب کوئی اچھا شخص شہادت دیتا تھا تو وہ بلاچون وچرا قبول کرلیجاتی تھی ورنہ اس کو مردود کردیا جاتا تھا، اور اگر اس کی عدالت و ثقاہت غیر معلوم ہوتی تھی تو اس کے متعلق اس کے پڑوسیون سے پوچھ لیا جاتا تھا، اور وہ اس کی برائی اور بھلائی جو کچھ بیان کردیتے تھے اس پر عمل کیا جاتا تھا، لیکن جب جھوٹی شہادتون کا بہت زیادہ رواج ہوا تو قاضی غوث بن سلیمان نے خلیفہ منصور کے زمانے مین خفیہ طور پر گواہون کے چال چلن کی جانچ پرتال شروع کی اور اس کے بعد اس کا عام رواج ہوگیا،[3]

یہ احتیاط تو ان گواہون کے متعلق تھی جو عام مقدمات مین شہادت دینے کے لیے پیش کئے جاتے تھے، لیکن مقدمات کے سلسلے مین الگ وقف، وصیت

---

[1] محاضرۃ الاوائل صفحہ ۹۰ [2] ہدایہ جلد ثالث صفحہ ۵۹ [3] کتاب الولاۃ للکندی صفحہ ۳۶۱،

اور دستاویز وغیرہ پر جن گواہون کی شہادت ثبت ہوتی تھی، ان کے متعلق اور بھی زیادہ احتیاط سے کام لیا گیا اور چند ثقہ لوگ اس کے لیے مخصوص کر لیے گئے، چنانچہ بغداد مین سب سے پہلے قاضی اسمٰعیل مالکی نے اس قسم کی شہادتون کے لیے ثقات کی ایک جماعت کو مخصوص کر دیا اور دوسرے لوگون کے لیے اسکی ممانعت کر دی اور کہا کہ اب لوگون کی اخلاقی حالت خراب ہو گئی ہے، اور شہادت کی باضابطگی اس طریقہ کے بغیر ناممکن ہے[1] اگرچہ بعد کو اس طریقہ کے رائج کرنے مین بہت سی دشواریان پیش آئین، کیونکہ اس طریقہ سے اور لوگ اپنے ایک اخلاقی اور تمدنی حق سے محروم ہو جاتے تھے، اور درپردہ گویا اونکی اجازت پر حملہ ہوتا تھا، تاہم قضاۃ اسلام نے ان تمام مشکلات کی کچھ پروا نہین کی، اور اس طریقہ کو نہایت عزم و استقلال کے ساتھ قائم رکھا، چنانچہ "قاضی محمد بن مسروق جب مصر مین آئے اور وہان ثقات کی ایک جماعت کو ان معاملات کی شہادت کے لیے مخصوص کیا تو لوگ ان کو برا بھلا کہنے لگے، لیکن انھون نے بھی ان کا مقابلہ کیا[2]، قاضی مفضل بن فضالہ نے اس قسم کے گواہون کی تعداد کو محدود کیا تو لوگون پر سخت گران گذرا اور اسحاق بن مفضل نے چند اشعار مین ان کی ہجو کی، چنانچہ ان اشعار کا ترجمہ یہ ہے،

> مین صبح تک خدا سے دعا کرون گا کہ تجھکو ایک لاغر کتا بنا دے، تو نے ہمارے فیصلے مین ظالمانہ طریقہ اختیار کیا، اور ڈاکوؤن کی ایک جماعت کو ثقہ بنا دیا، گذشتہ زمانے مین لوگون نے یہ نہین سنا تھا کہ ثقہ صرف چند آدمی ہین[3]،

قاضی عمری نے اہل مدینہ مین قریش اور انصار وغیرہ کے آزاد شدہ غلامون مین سے اس مقصد کیلئے سو آدمیون کو منتخب کیا، اور مطرفی کو ان کا سردار بنایا تو بعض شعراء نے ان گواہون کی ہجو لکھی[4] لیکن باایہمہ مشکلات اس تعئین و تحدید مین روز بروز زیادہ باقاعدگی اور باضابطگی پیدا ہوتی گئی، یہان تک کہ قاضی عبدالرحمان العمری

[1] محاضرۃ الاوائل صفحہ ۹۰، [2] کتاب الولاۃ للکندی صفحہ ۳۸۹، [3] ایضاً صفحہ ۳۸۶،
[4] ایضاً صفحہ ۳۹۶،

نے سب سے پہلے ان گواہون کا نام باقاعدہ طور پر ایک رجسٹر مین درج کیا اور ان کے بعد اور قاضیون نے بھی اس کی تقلید کی[1]، اگرچہ اس قسم کے گواہ نہایت ثقہ اور معزز لوگون مین سے انتخاب کیے جاتے تھے، چنانچہ جب قاضی عیسیٰ منکدر کے زمانے مین عبداللہ بن حکم نے جو اس جانچ پڑتال پر مقرر کیا گیا تھا، عام بازاری لوگون کو عادل قرار دیکر گواہ بنا دیا تو بعض لوگون نے اس پر سخت اعتراض کیا[2]۔ لیکن باایں ہمہ اس قسم کے ثقہ لوگون کی اخلاقی حالت مین بھی تغیرات ہو سکتے تھے، اس لیے قاضی لہیعہ بن عیسیٰ نے ہر چھ مہینہ کے بعد ان کی جانچ پڑتال بھی شروع کر دی، اور ان مین جس شخص کو ناقابل اعتبار پایا، ان کو شہادت سے روک دیا[3]،

مختلف فیہ شہادتین

اسلام نے شہادت کے لیے عقل، بلوغ، واقعہ کی یادداشت، گویائی، اسلام، عدالت، مروت اور غیر متہم ہونے کی شرط لگائی ہے، اس لیے بظاہر دیوانے، نابالغ، گونگے، کافر اور فاسق یعنی بدکار لوگون کی شہادت قابل اعتبار نہین ہو سکتی، لیکن دیوانون اور گونگون کو چھوڑ کر، بچون، کافرون، بدکارون کی اور اس قسم کے اور بھی بہت سے لوگون کی شہادت کے متعلق مباحث و اختلافات موجود ہین،

بچون کی شہادت

مثلاً امام شافعیؒ، امام ابو حنیفہؒ اور امام ابن حنبلؒ سے بھی ایک روایت ہے کہ انھون نے بچون کی شہادت کو غیر مقبول قرار دیا ہے، لیکن ان سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ اگر بچے ہوشمند ہون اور ان مین شہادت کے اور تمام مذکورۂ بالا شرائط پائے جائین تو ان کی شہادت مقبول ہو سکتی ہے، ان سے تیسری روایت یہ ہے کہ اگر بچے آپس مین ایک دوسرے کے جسم و جان کو نقصان پہنچائین، اور موقع واردات سے منتشر ہونے سے پہلے ہی شہادت دین تو ان کی شہادت مقبول ہو سکتی ہے، چنانچہ ایک بار چھ لڑکے ایک ساتھ تیرنے کو گئے، جنمین ایک ڈوب گیا، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے سامنے مقدمہ پیش ہوا، تو تین لڑکون نے دو لڑکون کے متعلق شہادت دی کہ انھون نے اس کو ڈبویا ہے، اور دو نے تین لڑکون کی نسبت اسی قسم کی شہادت دی تو

[1] کتاب الولاة للکندی صفحہ ۳۹۴،

[2] ر صفحہ ۴۲۴، [3] ر صفحہ ۴۲۲،

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے تین لڑکوں سے دو خمس اور دو لڑکوں سے تین خمس دیت دلوائی، قاضی شریحؒ کا قول ہے کہ اگر وہ متفقہ طور پر شہادت دیں تو ان کی شہادت مقبول ہو سکتی ہے، لیکن اگر باہم اختلاف کریں تو ان کی شہادت کو قبول نہیں کیا جا سکتا، حضرت ابن عباس اور حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ خداوند تعالیٰ نے گواہوں کی نسبت فرمایا۔

ممن ترضون من الشهداء ﴿ وہ گواہ جنکو تم پسند کرتے ہو،

اور بچے ان لوگوں میں شامل نہیں ہیں جنکو ہم شہادت کے لیے پسند کرتے ہیں لیکن حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ کا ایک قول یہ ہے کہ اگر بچوں سے شہادت کی خواہش کیجائے، تو وہ اس کے لیے سب سے زیادہ موزوں ہیں لیکن اسی کے ساتھ ان کے نزدیک وہ اسوقت شہادت کے قابل ہو سکتے ہیں، جب مصیبت کی آزمائش میں اپنے ہوش و حواس کو بجا رکھکر ثابت قدم رہ سکیں اور قضاۃ اسلام نے انھیں کے قول کو قبول کیا ہے، لیکن بچوں کی شہادت کیلئے اور بھی بہت سے شرائط لازمی ہیں، مثلاً وہ مرد، آزاد اور مسلمان ہوں اور ان میں واقعہ کے سمجھنے کی صلاحیت پائی جائے، ان کی تعداد دو یا دو سے زیادہ ہو، ان کی شہادت میں اتفاق ہو، اختلاف نہ ہو، ایک دوسرے سے منتشر ہو کر گھروں میں چھپ نہ گئے ہوں، ان کے شہادت باہم ایک دوسرے کے مقابل میں ہو، اور صرف باہمی قتل یا مار پیٹ کے مقدمات کے متعلق شہادت دیں، کیونکہ شریعت نے بچوں کے لیے تیراندازی کشتی، اور تمام فوجی کرتبوں کی تعلیم ضروری قرار دی ہے، اور ان کو ننگ و عار سے غیرت دلائی ہے اور بھاگ جانے کو شرمناک فعل قرار دیا ہے، اس لیے جب کبھی وہ تنہا ہوتے ہیں تو لازمی طور پر باہم زدوکوب کرتے ہیں، ایسی حالت میں اگر ہم اس قسم کے مقدمات کے متعلق ان کی شہادت قبول نہ کیجائے تو ان کے خون کے ضایع ہونے کا اندیشہ ہے، حالانکہ شریعت نے انسان کے جانی نقصانات کے متعلق بہت زیادہ احتیاط کی ہے۔

کفار کی شہادت | کفار کی شہادت کی دو صورتیں ہیں،

۱؎ الطرق الحکمیہ صفحہ ۱۵۲ و ۱۵۳۔

(۱) ایک تو یہ کہ خود آپس مین ایک دوسرے کے موافق یا مخالف شہادت دین،

(۲) دوسرے یہ کہ وہ مسلمانون کے موافق یا مخالف شہادت دین،

پہلی صورت کے متعلق ہمیشہ سے اختلاف چلا آتا ہے بعض لوگون کے نزدیک کفار کا باہم شہادت دینا جائز نہین ہے، کیونکہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے،

فاغرینا بینهم العداوة والبغضاء — ہم نے کفار کے درمیان عداوت کی آگ بھڑکا دی ہے،

اور دشمن کی شہادت دشمن کے مقابل مین ناجائز ہے،

لیکن بہت سے لوگون کے نزدیک کفار کی باہمی شہادت جائز ہے، چنانچہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی نے ایک عیسائی کی شہادت کو ایک مجوسی کے لیے یا ایک مجوسی کی شہادت کو ایک عیسائی کے لیے جائز قرار دیا ہے، حماد بن ابی سلیمانؒ ایک عیسائی کی شہادت کو ایک یہودی اور عیسائی دونون کے لیے جائز سمجھتے ہین، لیکن امام زہریؒ کے نزدیک ایک عیسائی ایک عیسائی کے لیے اور ایک یہودی ایک یہودی کے لیے تو شہادت دے سکتا ہے، لیکن عیسائی کی شہادت یہودی کے مقابل مین اور یہودی کی شہادت عیسائی کے مقابل مین ناجائز ہے، بلکہ اصول یہ ہے کہ جب دو شخصون کے مذہب مین اختلاف ہو جاتا ہے تو ایک کی شہادت دوسرے کے لیے ناجائز ہو جاتی ہے، البتہ ایک کافر طبیب یا ڈاکٹر کی شہادت اس سے مستثنیٰ ہے، کیونکہ بسا اوقات اس کی ضرورت ہوتی ہے،

جو لوگ کفار کی باہمی شہادت کے قائل ہین ان کا استدلال یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ خود فرماتا ہے،

(۱) ومن اهل الكتاب من ان تامنه بقنطار يؤده اليك — اور اہل کتاب مین بعض لوگ ایسے ہین کہ اگر تم ان کے پاس ڈھیر کا ڈھیر مال رکھدو تو وہ تم کو ادا کر دینگے،

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن مین ایسے دیانت دار لوگ بھی موجود ہین جو خود مسلمانون کے مال کثیر کے امین ہو سکتے ہین، اور جو شخص دوسرے لوگون کے معاملات مین اس قدر متدین ہو سکتا ہے، وہ خود

اپنے اہلِ قرابت اور اہلِ مذہب کے معاملات مین تو اس سے بھی زیادہ متدین ہوگا،

(۲) والذین کفروا بعضہم اولیاء بعض　　　کفار ایک دوسرے کے ولی ہین،

اور ولایت کا درجہ شہادت سے بڑا ہے، اس لیے جب کفار مین باہمی ولایت خود قرآن مجید سے ثابت ہی تو ان کی باہمی شہادت کیون نہین جائز ہوگی؟ حدود و قصاص مین خود رسول اللہ صلعم نے ان کی شہادت قبول فرمائی ہے، اگر کوئی مسلمان سفر مین مرتا ہو اور وصیت پر کفار کو گواہ بنائے، تو ضرورۃً اس شہادت کو شریعت اسلام نے جائز رکھا ہے، لیکن خود کفار کے باہمی معاملات مین ان کی شہادت کی ضرورت اس سے بہت زیادہ ہی، کیونکہ کفار باہم بہت سے معاملات کرتے ہین، اور ان مین بہت سے جرائم سرزد ہوتے ہین، اور ان حالات مین کوئی مسلمان موجود نہین ہوتا، اس لیے اگر باہم ان کی شہادتین قبول نہ کیجائین، تو ان کے تمام تمدنی حقوق ضائع ہوجائین، بہت سے کفار اپنے مذہب کے روسے عادل، راست باز اور امین ہوتے ہین، اور اپنی قوم بلکہ خود مسلمانون مین بھی اس حیثیت سے اس قدر شہرت و اعتماد رکھتے ہین کہ بہت سے مسلمانون پر بھی اتنا اعتماد نہین کیا جاسکتا، خود خداوند تعالی نے ان کے ساتھ معاملت، ان کی عورتون کے ساتھ نکاح، اور ان کے ذبیحہ کو مسلمانون کے لیے جائز قرار دیا ہے، تو جب ہم ان چیزون مین ان پر اعتماد کرتے ہین تو ان کی شہادت پر بطریق اولی اعتماد کیا جاسکتا ہے، بے شبہہ قرآن مجید نے ان کی باہمی دشمنی کا ذکر کیا ہی لیکن وہ بعینہ اسی قسم کی فروعی عداوت ہے جو خود مسلمانون کے مختلف فرقون مین موجود ہے، لیکن جس طرح یہ عداوت مسلمانون کو باہمی شہادت سے نہین روکتی، اسی طرح کفار کے لیے بھی اس قسم کی شہادت سے مانع نہین ہے، دوسری صورت کے (یعنی یہ کہ کفار مسلمانون کے لیے شہادت دے سکتے ہین یا نہین؟) متعلق قرآن و حدیث اور عمل صحابہؓ سے اس قدر بہ تصریح ثابت ہے کہ اگر کوئی مسلمان حالتِ سفر مین مرنے لگے، اور اس جگہ کوئی مسلمان موجود نہ ہو تو وہ وصیت پر کفار کو گواہ بنا سکتا ہے، چنانچہ قرآن مجید مین اس کے متعلق یہ صریح آیت موجود ہے،

یا ایھا الذین آمنوا شھادۃ بینکم اذا حضر احدکم الموت حین الوصیۃ اثنان ذوا عدل منکم او آخران من غیرکم ان انتم ضربتم فی الارض فاصابتکم مصیبۃ الموت،

مسلمانو! جب تم مین سے کسی کے سامنے موت آموجود ہو (اور وہ وصیت کرنے لگے) تو وصیت کرتے وقت تم مین گواہی کا یہ قاعدہ ہونا چاہیئے) کہ تم مین کے دو معتبر (آدمیون) کی گواہی ہو، یا اگر تم کہین کو سفر کرو اور (حالت سفر مین) تم پر موت کی مصیبت آپڑے (اور مسلمان گواہ میسر نہ ہون) تو تم مسلمانون کے سوا (دو گواہ غیر ہی سہی)

اس صورت کے سوا اسلام مین مسلمانون کے متعلق کافر کی شہادت کسی حالت مین مقبول نہین ہے، کیونکہ سلطنتون کی بنیاد مختلف حیثیتون پر قائم ہوتی ہے، مثلاً اس زمانے مین یورپین حکومتون کی بنیاد قومی و نسلی امتیازات پر قائم ہے، اس لیے خود یورپین قومون کے مقدمات کی سماعت کے طریقے بھی عام رعایا سے مختلف ہین، اسلام نے اپنے حکومت کی بنیاد مذہبی امتیازات پر رکھی ہے، اس لیے وہ مسلمانون کے معاملے مین کسی غیر قوم کی شہادت کو قبول نہین کرتا، لیکن اس سے اس قوم کی تحقیر و تذلیل مقصود نہین، بلکہ مذہب و عقیدہ کا اصولی اختلاف دونون مین قابل اعتماد اشتراک نہین پیدا کرتا اور شہادت کی بنیاد اعتماد ہی پر قائم ہے

لونڈی غلامون کی شہادت

صحابہ کرامؓ کے زمانہ تک لونڈی اور غلام شہادت کے معاملے مین آزاد لوگون کے برابر خیال کیے جاتے تھے اور تمام مقدمات مین ان کی شہادت قبول کیجاتی تھی، چنانچہ ایک بار جب قاضی شریحؒ نے کہا کہ "مین غلامون کی شہادت کو جائز نہین سمجھتا" تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ ہم تو جائز سمجھتے ہین، اس کے بعد قاضی شریحؒ بھی غلامون کی شہادت کو جائز سمجھنے لگے، یہان تک کہ ایک بار ان کے اجلاس مین ایک غلام نے شہادت دی اور ان سے کہا گیا کہ یہ غلام ہے تو بولے کہ "ہم سب کے سب لونڈی غلام ہین"۔ ایاس ابن معاویہؒ سے غلامون کی شہادت کے متعلق سوال کیا گیا تو انھون نے تعجب سے کہا، "کیا مین عبدالعزیز بن صہیبؒ کی شہادت کو رد کرسکتا ہون؟" لیکن عہد صحابہؓ کے بعد اس مین اختلاف پیدا ہوا، اور چونکہ امام شافعیؒ

امام مالکؒ اور امام ابو حنیفہؒ نے غلامون کی شہادت کو غیر معتبر قرار دیا تھا، اس لیے عام طور پر ان کے اقوال شہرت پاگئے اور بہت سے لوگ ان کے ہمخیال پیدا ہو گئے، لیکن قرآن، حدیث، آثار صحابہ، قیاس اور اصول شریعت سے ان بزرگون کے اقوال کی تائید نہین کیجا سکتی، کیونکہ شہادت کے لیے صرف ضبط، اسلام اور عدالت کی شرط ہے اور وہ غلامون مین پائی جاتی ہے، چنانچہ خداوند تعالی کہتا ہے،

وکذالک جعلناکم امۃ وسطا لتکونوا شھداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شھیدا

اسی طرح ہم نے تم کو ایک عادل قوم بنایا تاکہ تم لوگ دوگون پر شہادت دو اور پیغمبر تم پر شہادت دے،

اور اس مین شبہہ نہین کہ غلام اس عام خطاب مین داخل ہین، اس لئے خداوند تعالی کا یہ قول

واشھدوا ذوی عدل منکم

اپنے مین سے عادل لوگون کو گواہ بناؤ،

آزاد لوگون کی طرح غلامون کو بھی شامل ہے،

خداوند تعالی فرماتا ہے.

یا ایھا الذین اٰمنوا کونوا قوامین بالقسط شھداء للہ،

اے ایمان والو! انصاف کے قائم والے بن کر خدا کے آگے گواہ بنو،

لونڈی غلام، مومن ہین، اس لیے وہ گواہ بھی ہو سکتے ہین،

خداوند تعالی کا ارشاد ہے،

واستشھدوا شھیدین من رجالکم

اپنے مردون مین سے دو شخصون کو گواہ بناؤ،

اور اس مین کوئی شبہہ نہین کہ غلام ہمارے مردون مین شامل ہین،

خداوند تعالی فرماتا ہے،

ان الذین اٰمنوا وعملوا الصّٰلحٰت اولئک

جو لوگ ایمان لائے اور عمل صالح کیا وہ لوگ بہترین

ھم خیر البریۃ   خلائق ہین،

اور ایک غلام جو مومن وصالح ہو، وہ اس آیت کے بموجب بہترین خلائق مین شامل ہے، اسلیے اس کی شہادت کیونکر غیر مقبول ہوسکتی ہے،

روایت حدیث کا درجہ شہادت سے بڑھا ہوا ہے، اور ایک راوی کو گواہ سے زیادہ ثقہ وعادل ہونا چاہیئے، لیکن جب غلام رسول اللہ صلعم سے حدیث روایت کرسکتا ہے تو وہ شہادت کیون نہین دیسکتا۔

اندھون کی شہادت اندھون کی شہادت مین بھی اختلاف ہے، کیونکہ وہ صرف سمعی شہادت دیسکتے ہین، لیکن چونکہ انسانون کا لب ولہجہ باہم بہت کچھ ملتا جلتا ہے، اس لیے قطعی طور پر یہ نہین کہا جاسکتا کہ شخص کے متعلق وہ شہادت دے رہے ہین اوس کی آواز کو انھون نے بالکل غیر مشتبہ طور پر پہچان لیا ہے، لیکن علامہ ابن قیمؒ نے لکھا ہے کہ اگر وہ ایک شخص کی آواز کو اچھی طرح پہچانتے ہین تو وہ اس کے متعلق سمعی شہادت دے سکتے ہین[۲]،

قرابتدارون کی شہادت قرابت دارون اور رشتہ دارون کی شہادت کے متعلق بھی اختلاف ہے، فقہ کی کتابون مین یہ روایت موجود ہے

لا تقبل شہادۃ المولود لوالدہ ولا الوالد لولدہ ولا المرئۃ لزوجہا ولا الزوج لامرئتہ ولا العبد لسیدہ ولا المولی لعبدہ ولا الاجیر لمن استاجرہ[۳]	لڑکے کی شہادت باپ کے متعلق، باپ کی شہادت لڑکے کے متعلق، بی بی کی شہادت شوہر کے متعلق، اور شوہر کی شہادت بی بی کے متعلق اور آقا کی شہادت غلام کے متعلق اور اجیر کی شہادت اس شخص کے متعلق جس نے اس کو اجرت پر مقرر کیا، قبول نہین کیجاسکتی،

لیکن صحاح کی کتابون مین جن لوگون کی شہادت کو غیر مقبول قرار دیا گیا ہے، وہ رسول اللہ صلعم

[۱] الطرق الحکمیہ صفحہ ۱۴۷-۱۴۸، [۲] ایضاً صفحہ ۱۸۰، [۳] ہدایہ جلد ثالث صفحہ ۱۹۸،

کے الفاظ مین حسب ذیل ہین،

قال رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم لا تجوز شہادۃ خائن ولا خائنۃ ولا زان ولا زانیۃ ولا ذی غمر علی اخیہ ورد شہادۃ القانع لاہل البیت واجازھا لغیرھم ،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خائن مرد، خائنہ عورت، زانی مرد اور زانی عورت، اور اس شخص کی شہادت اس شخص کے متعلق جس سے وہ دشمنی رکھتا ہے، جائز نہین، اور آپ نے نوکر چاکر کی شہادت کو اس خاندان کے حق مین جس سے وہ تعلق رکھتا ہے مردود کر دیا، اور دوسرے لوگون کے حق مین جائز رکھا،

لا تجوز شہادۃ بدوی علی صاحب قریۃ[1]

بدو کی شہادت گاؤن کے مالک کے خلاف جائز نہین،

لیکن قرابتدار، رشتہ دار، شرکا، اور اجیر وغیرہ ان ممنوع الشہادۃ لوگون مین شامل نہین ہین، اور صحاح مین ان کے متعلق کوئی دوسری حدیث بھی موجود نہین ہے، اور مذکورہ بالا حدیث جس مین ان لوگون کی شہادت کو غیر معتبر قرار دیا گیا ہے، بہت کچھ قابل بحث ہے، یہان تک کہ مصنف ابن ابی شیبہ مین ہے کہ یہ قاضی شریح کا قول ہے، حدیث نہین ہے[2]۔ اس لیے اگر ایک رشتہ دار شہادت کے شرائط کا جامع یعنی، ثقہ، قابل اعتماد، اور عادل ہو تو وہ اپنے رشتہ دارون کے متعلق شہادت دے سکتا ہے، چنانچہ قاضی خیر بن نعیم کے متعلق کندی نے کتاب ولاۃ مصر مین لکھا ہے،

کان یجیز شہادۃ ذی رحم لرحمہ اذا کان معہ وفایا لعدالۃ[3]

ایک قرابتدار اگر عدالت مین مشہور ہوتا تھا تو دوسرے قرابتدار کے متعلق وہ اس کی شہادت کو جائز قرار دیتے تھے،

نیل الاوطار مین ہے کہ حضرت عمر بن الخطابؓ، قاضی شریحؒ، اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ وغیرہ نے

---

[1] ابو داؤد کتاب الاقضیہ باب من ترد شہادتہ [2] نصب الرایہ لاحادیث الہدایہ صفحہ ۲۱۰،

[3] کتاب مذکور صفحہ ۳۵۱ ۔

بھی قرابت دارون کی شہادت کو جائز رکھا ہے، لیکن جو لوگ اس کو ناجائز سمجھتے ہین وہ اس کی وجہ یہ بتاتے ہین کہ قرابتدارون پر جانب داری کا شبہہ ہوسکتا ہے، لیکن جو قرابت دار اس قدر پابند مذہب ہون کہ اس کی راست بازی پر اس کا اثر پڑ سکے ان پر طرفداری کا شبہہ نہین کیا جاسکتا، اس لیے ان کی شہادت قبول کی جائے گی[1]

فاسق کی شہادت اسلام نے شہادت کے لیے جو اوصاف ضروری قرار دیئے ہین، ان کے لحاظ سے یہ اعتراض کیا جاسکتا ہے کہ اکثر حالات مین اس قسم کے ثقہ، عادل، متدین اور پاکیزہ خواشخاص کی شہادت کا بہم پہنچانا ناممکن ہے، اور اس حالت مین بہت سے مقدمات کے غیر منفصل رہنے کا احتمال ہے، اس بنا پر اصلی سوال یہ ہے کہ فاسق یعنی بدعقیدہ، بداخلاق، اور بدکار لوگون کی شہادت معتبر ہوسکتی ہے، یا نہین؟

قرآن مجید نے اس قسم کے لوگون کی خبرون کو بالکل غیر معتبر نہین قرار دیا ہے، بلکہ ان کے متعلق تحقیقات کا حکم دیا ہے،

یا ایھا الذین اٰمنوا ان جاءکم فاسق بنبأ فتبینوا	مسلمانو! اگر کوئی بدکار تمھارے پاس کوئی خبر لادے تو اچھی طرح اس کو تحقیق کرلو،

اور علامہ ابن قیم اس حکم ربانی کی توجیہ اس طرح کرتے ہین،

فان الکافر الفاسق قد یقوم علی خبرہ شواھد الصدق، فیجب قبولہ والعمل بہ[2]	کیونکہ ایک بدکار کافر کی خبرمین کبھی سچائی کی علامات اس قدر جمع ہوجاتی ہین کہ اس کا قبول کرنا اور اس پر عمل کرنا ضروری ہوجاتا ہے،

شہادت بھی درحقیقت ایک قسم کی خبر ہی ہے، اس لیے قرآن مجید کی تصریح کے رو سے ایک بدکار شخص کی شہادت کو کلیۃً رد نہین کیا جاسکتا، البتہ اس کے متعلق ہر ممکن طریقہ سے تحقیقات کیجاسکتی ہے،

---

[1] نیل الاوطار جلد ۸ صفحہ ۵۵، [2] الطرق الحکمیہ صفحہ ۲۳،

بالخصوص ایسے زمانے مین جبکہ ثقہ اور متدین شخص بہت کم رہ جائین، اور اس قسم کے بدکار لوگون کی کثرت ہو جائے ان کی شہادت بلا تامل قبول کیجا سکتی ہے، چنانچہ علامہ ابن قیم لکھتے ہین،

جب معدودے چند لوگون کے سوا تمام لوگ بدکار ہو جائین تو ان مین ایک کی شہادت دوسرے کے لیے قبول کیجا سکتی ہے اور درجہ بدرجہ بہتر پھر اس سے کم درجہ کے بہتر اشخاص کی شہادت پر فیصلہ کیا جا سکتا ہے یہی بات ٹھیک ہے، اور اسی پر عمل ہے، گو بہت سے فقہائ نے زبان سے اس کا انکار کیا ہے، کیونکہ بدکار کی سچائی کا جب گمان غالب ہو گیا تو اسکی شہادت قبول کیجائے گی، اور اس پر فیصلہ کیا جائیگا، خداوند تعالیٰ نے بدکار کی خبر کے رد کرنے کا حکم نہین دیا ہے، اس لیے مطلقاً اوس کو رد نہین کیا جا سکتا بلکہ اوسکی تحقیقات کیجائے گی تا یہ ظاہر ہو جائے کہ وہ سچا ہے یا جھوٹا، اگر یہ ثابت ہو جائے کہ وہ سچا ہے تو اس کا قول قبول کیا جائے گا اور اس پر عمل ہوگا، اور اگر جھوٹا ہوگا تو اوسکی خبر رد کر دیجائے گی اور اس کی طرف توجہ نہ کیجائے گی،[1]

اصل یہ ہے کہ شہادت کے رد و قبول کا دار و مدار سچائی کے ظن غالب پر ہے، اور یقینی بات یہ ہے کہ ایک آدمی ایک بات مین عادل اور دوسری مین فاسق ہوتا ہے، اس لیے اگر حاکم پر یہ ثابت ہو گیا کہ وہ جس چیز کے متعلق شہادت دے رہا ہے اس مین عادل ہے تو اس کی شہادت قبول کریگا، اور دوسرے معاملات مین اسکی بدکاری اس کے لیے مضر نہ ہوگی،[2]

قرانی نے بھی بعض علماء کی یہی رائے نقل کی ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہین کہ

بعض علماء نے تصریح کی ہے کہ جب ہم غیر عادل گواہون کے سوا کسی اور کو نہ پائین گے تو ان مین سے شہادت کے لیے ایسے اشخاص کو پیش کرینگے جو ان مین سب سے بہتر اور سب سے کم بدکار ہون تاکہ مصالح برباد نہ ہونے پائین،

---

[1] الطرق الحکمیہ ۲۳، [2] ایضاً ۱۵۶-۱۵۷،

اس کے بعد محمد حافظ صبری نے المقارنات والمقابلات مین علامہ ابن قیم کی وہ رائے نقل کی ہے جسکا خلاصہ اوپر گذر چکا ہے، اور لکھا ہے کہ قرافی اور ابن قیم کا مذہب قوانین جدیدہ سے جس نے قبول شہادت کے معاملے مین بہت زیادہ وسعت اور گنجائش پیدا کر دی ہے، بہت زیادہ قریب ہے اور یہی ٹھیک ہے[۱]،

احناف نے اگر بدکار شخص کی شہادت کو ناجائز قرار دیا ہے تاہم اگر کوئی حاکم ایسے شخص کی شہادت پر فیصلہ کر دے تو وہ ان کے نزدیک بھی جائز ہوگا، بلکہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اگر ایک بدکار آدمی صاحب وجاہت اور باوقار ہو تو اسکی شہادت بھی قبول کیجا سکتی ہے کیونکہ اپنی وجاہت کی وجہ سے وہ روپیہ لیکر گواہی نہ دیگا اور اپنے وقار کی وجہ سے جھوٹ نہ بولیگا[۲]،

عورتون کی شہادت عورتون کی شہادت دو قسم کی ہے ایک تو وہ جسمین وہ مردون کے ساتھ شریک ہوکر شہادت دیتی ہین، دوسرے وہ جسمین ان کو تنہا شہادت دینی پڑتی ہے، مثلاً عورتون کے مخصوص معاملات یعنی حمل حیض رضاعت اور عورتون کے جسمانی عیوب کے متعلق تنہا عورتون کی شہادت قابل تسلیم ہوسکتی ہے لیکن ان معاملات مین ان کی تعداد مین اختلافات ہین بعض ائمہ کے نزدیک چار اور بعض کے نزدیک تین عورتون سے کم کی شہادت مقبول نہین ہے، لیکن بعض کے نزدیک دو عورتون کی شہادت کافی ہے، البتہ ولادت کے متعلق صرف ایک عورت یعنی دائی کی شہادت قابل قبول ہوسکتی ہے، بلکہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ان تمام معاملات مین جنسے عورتون کے سوا کوئی دوسرا شخص واقف نہین ہوسکتا، صرف ایک ہی عورت کی شہادت کافی ہوسکتی ہے، رضاعت کے متعلق بھی ایک ہی عورت کی شہادت کافی ہو، حدود یعنی ان مقدمات مین جنمین ملزمین کو سزائین دیجاتی ہین عورتون کی شہادت مقبول نہین ہے اور ان مقدمات مین وہ نہ تنہا شہادت دیسکتی ہین، نہ مردون کیساتھ شریک ہوکر ان کو یہ حق حاصل ہوتا ہے لیکن طاؤسؒ کا قول ہے کہ عورتین زنا کے سوا اور تمام تعزیری معاملات مین مردون کے ساتھ شریک ہوکر شہادت دیسکتی ہین، طلاق، و نکاح وغیرہ کے متعلق بعض ائمہ کے نزدیک عورتون کی شہادت مقبول نہین ہے، لیکن بعض ائمہ نے اس کو جائز رکھا ہے[۳]،

---

[۱] المقارنات والمقابلات صفحہ ۵۶ [۲] ہدایہ جلد ثالث صفحہ ۹، [۳] الطرق الحکمیہ صفحہ ۱۳۲، ۱۳۵، ۱۳۷

(۲)

از

جناب مولوی اکرام الحق صاحب سیتم، ایم اے،

غنی کی شاعری،

یہ مسلمہ ہے کہ ایک حقیقی شاعر کے جذبات نسبتۃً سریع الانفعال ہوتے ہیں، اور اسی وجہ سے شعر کے تاثر کا راز بھی انھیں داخلی حسیات کے اظہار میں مضمر ہے، غنی کی شاعری، باوجود اس کے کہ ان کی طبیعت خیال بندی اور دقت پسندی پر زیادہ مائل ہے، ان کے جذبات اور احساسات کا صحیح آئینہ ہے، وہ خود اس کی تصدیق ان الفاظ میں کرتے ہیں،

ہرچہ در دل ہست مارا بر زبان می آوریم ۔۔۔ از کسے پنہان نمیداریم راز خود چو شمع

شاعری بقول علامہ شبلی، "تنہا نشینی اور مطالعہ نفس کا نتیجہ ہے" مولانا غنی فعلاً اور قولاً اسے ثابت کرتے ہیں، فرماتے ہیں :-

از فکر تا سخن نشود قابل رقم ۔۔۔ مانند خامہ سر ز گریبان نمی کشم

تخیل غنی کی شاعری کی ایک بڑی خصوصیت تخیل ہے تخیل شاعری کے لئے روح رواں سے کم نہیں، بلکہ بہتیرے لوگ تو یہ کہتے ہیں، کہ شاعری صرف قوت تخیل کا نام ہے، اگر یہ صحیح ہے، تو غنی "ہمہ تن شاعری ہے" اور اس کا ہر شعر قوت تخیل کا ایک نمایاں مظہر ہے، اس کے کلام کو دیکھو تو صاف نظر آتا ہے، کہ مناظر قدرت کی ہر چیز میں ہر بار جب وہ اسے دیکھتا ہے، ایک نیا عالم پنہان پاتا ہے، اور دنیا کے معمولی واقعات اس کے سامنے نئے

نئے انداز مین جلوہ گر ہوتے ہین، مثالین ملاحظہ ہون،

ایک خوبصورت پھول کو دیکھتے ہین، قوت تخئیل کی بدولت ایسا نظر آتا ہے کہ وہ رعنائی کے باعث بس اڑا ہی چاہتا ہے، چنانچہ اس کے لئے قید و بندی کرتے ہین، تاکہ وہ اس بلند پروازی سے باز آجائے سے

زشوخی بسکہ در پرواز بینم ہر نفس گل را   چو بلبل می توان کردن زگلبن در قفس گل را

دوسرا منظر دیکھئے پھول اپنے حسن و نزاکت پر ناز کرتا ہے، کہ معشوق سیر کو چمن مین آنکلا پھول کی رعنائی معشوق کے حسن کے مقابلے مین پھیکی نظر آئی، مولانا کی قوت تخئیل نے سمجھا کہ پھول کا رنگ فق ہو گیا،

چون بہ سیر چمن آن دلبر طناز آید   رنگ گل پیشتر از بوی بپرواز آید

اور منظر ملاحظہ ہو اسی پھول کو پھر دیکھتے ہین، بلبل اپنی والہانہ محبت مین سرشار اس پر ہر وقت بیٹھی ہوئی دکھائی دیتی ہے غنی کی قوت تخئیل بلبل کے پاؤن پر رگہائے گل کا ایک جال بن دیتی ہے؛

ہر رگ گل رشتۂ باشد بپای عندلیب   دام دیگر نیست حاجت از برای عندلیب

ہر پھول مین جو زیرے ہوتے ہین، ان کو زر گل کہتے ہین، نرگس کو چشم مست سے تشبیہ دیا کرتے ہین، ان دونون کے مجموعہ نے یہ خیال پیدا کیا، کہ چشم مست نے چونکہ بادہ کشی کا عام رواج پیدا کر دیا ہے اس لئے نرگس کے پاس جو کچھ زر تھا، وہ اس نے صرف کر دیا،

آن چشم مست بادہ کشی را چو عام کرد   نرگس زر یکہ داشت بہ صرف جام کرد

یہان پر زر پر ایہام ہے

بہار کے دن ہین، چمن کی رنگینی، مین نرگس نے بھی حصہ لیا ہے، لوگون پر مے نوشی کا شوق غلبہ پا رہا ہے، چنانچہ اس کی طیاری مین ساغر، مینا کی گردن پر رکھے ہوئے ہے، یہ تمام نظارہ یہ تخئیل پیدا کرتا ہے کہ:-

درموسم بہار چو نرگس زشوق مے   سرمی کشد زگردن مینا پیالہ ہا

وہی بہار ہے، بید ہوا مین لرز رہا ہے، نوک دار پتے تازہ تازہ نکلے ہین مولانا کی قوت تخئیل اس سے یہ مضمون پیدا کرتی ہے،

مجنون شدست بید کہ در موسم بہار ... خونش بجوش آمد و خنجر بخود کشید

بید کے پتون کو خنجر سے تشبیہ دیجاتی ہے،

غنی قوسِ قزح کو دیکھتے ہین، اس مین زرد رنگ غالب نظر آتا ہے خیال کرتے ہین کہ قوس نے اپنی خوبصورتی اور بلندی پر تفاخر کرنا چاہا ہے، مگر جب ابروے یار کے ساتھ مقابلہ کیا ہے تو شرمندگی اور یاس سے رنگ متغیر ہو گیا ہے، ؎

قوسِ قزح اگرچہ بگردون کشیدہ سر ... ابروے یار دیدہ و رنگش پریدہ است،

سرو کو قدِ یار کے ساتھ تشبیہ دیتے ہین، مگر غنی خیال کرتے ہین کہ جب سرو نے معشوق کی قد کے ساتھ اپنی قامت کا مقابلہ کیا تو اپنی بے مائگی کا احساس ہوا، چنانچہ بھاگنے کی ٹھہرائی، مگر قمری نے جھٹ اپنی گردن کا طوق اس کے پاؤن مین ڈال دیا، تاکہ بھاگ نہ جائے،

از شرم قامتش سرو چون درگریز رو کرد ... قمری ز طوقِ گردن زنجیر پائے او کرد

(قمری کو سرو کا عاشق قرار دیا جاتا ہے،)

اس سے بڑھ کر تخیل کی وسعت کیا ہو سکتی ہے، کوہِ بے ستون کی بلندی، صحرائے نجد کی فراخی کا خیال مولانا کے دل مین عشق کی ہمہ گیری کا نقشہ قائم کرتا ہے،

عشق را دامے ست در پست و بلند روزگار ... کوہکن در بیستون مجنون بصحرا بند شد

لوگ عام طور پر کمان کو کندھے پر ڈال کر لیجاتے ہین، غنی کو قوت تخئیل سے یہ نظر آتا ہے کہ کمان نے ابروے یار کی ہمسری کا دعوی کیا، مگر اس قدر خجلت اٹھانی پڑی کہ اس نے مارے شرم کے جان دیدی اور اسے کندھے پر اٹھا کر لائے ہین،

کمانِ پیشِ دو ابرو دلیش بدعوی رفت از خجلت تہی کردا کچنان قالب کہ آورد ند بر دوشش

ہلال کو دیکھا تو ابروے یار کا خیال آیا تخیل نے ایک نئی توجیہ پیش کی کہ آسمان نے یار کے ابرو کا مصرع سونے کے پانی سے لکھا، لوگون نے اس کا نام ہلال رکھدیا،

گردون زشوق مصرعِ ابروے آن نگار باآب زر رقم زدہ نامش ہلال شد،

تا کند دریوزۂ آتش بہ گلشن از چنار کاسہ برکف ہست سرواز آشیانِ بلبلان

سرو کو انسان کے قد سے تشبیہ دیتے ہین اور بلبلون کے گھونسلے کی پیالہ سے مشابہت ظاہر ہے، چنار کی نسبت یہ خیال ہے کہ اس سے آگ نکلتی ہے مولانا کی قوتِ تخئیل یہ منظر پیش کرتی ہے، کہ سرو کے ہاتھ مین پیالہ ہے اور وہ آگ کی بھیک مانگ رہا ہے، کس قدر لطیف تخیل ہے،

پہلے آچکا ہے، کہ قوتِ تخیل کی بدولت دنیا کے عام واقعات نئے نئے انداز مین نظر آتے ہین غنی بھی چونکہ ایک وسیع تخیل کے مالک ہین وہ بھی عام چیزون مین نئے نئے معنی پیدا کرتے ہین، مثلاً ملاحظہ ہو، نماز کے قیام وقعود، رکوع وسجود، کو فرطِ اشتیاق سے تعبیر کرتے ہین،

از نمازم نیست مطلب غیر جست وجوے دوست میروم از اشتیاق افتان وخیزان سوے دوست

زلیخا پاکدامنی کا دعوی کرتی ہے، مگر یہ ادعا اس قدر غلط تھا، کہ پیراہنِ یوسف کا چاک زلیخا کی پاکدامنی کا تمسخر اڑا رہا ہے،

چاکِ پیراہنِ یوسف بنود بے معنی خندہ بر پاکیِ دامانِ زلیخا دارد

چاک اور خندہ کی مناسبت لطیف ہے،

ایک اور جگہ فرہاد کے اپنے سر پر تیشہ مارنے سے یہ معنی نکالتے ہین کہ کسی سنگین دل کا ستم رسیدہ ہے،

ستم رسیدۂ سنگین دل است پنداری کہ جائے دست بسر تیشہ می زند فرہاد

مولانا کو معلوم ہے کہ شمع کو زیادہ روشن کرنے کے لئے بتی کو ذرا کاٹ دیتے ہیں، تاکہ جلا ہوا حصہ جھڑ جائے مگر قوت تخیل یہ نتیجہ پیدا کرتی ہے، کہ تلوار کی دھار دمِ عیسیٰ سے بھی اچھی ہے،

دمِ بریدنِ سرِ شمع می کند روشن　　　　که خوش تر از دمِ عیسیٰ بود دمِ شمشیر،

تخیل کی ایک بڑی جولانگاہ حسن تعلیل ہے غنی اس میدان کے بھی مرد ہیں، فرماتے ہیں :۔

تہمتِ خانہ نشینی نہ پسندید بخویش　　　　ورنہ مجنون گلہ از سختی زنجیر نداشت

لطافت تخیل دیکھئے، مجنون زنجیرون سے اس لئے متنفر نہ تھا کہ ان کی سختیاں شاق تھیں، بلکہ وجہ یہ تھی کہ چونکہ وہ خانہ نشینی کو پسند نہیں کرتا تھا اس لئے وہ یہ تہمت گوارا نہیں کر سکتا،

عاشقان گوئی کہ از خونِ خودش دادند آب　　　　ہست میلِ خوردن پان گلرخانِ ہند را

ہندوستان میں پان عام طور پر کھایا جاتا ہے، اگر مہ جبینوں کے لبانِ نازک پر تو اور ہی زیب دیتا ہے، مولانا کے تخیل نے یہ علت پیش کی ہے کہ عاشقوں نے اسے اپنے خون سے سینچا ہے، اس لئے معشوق اسے رغبت سے کھاتے ہیں،

معشوق کی لمبی لمبی سیاہ زلفیں اس کے حنا بستہ پاؤن تک لٹک رہی ہیں، غنی فرماتے ہیں، کہ یہ تو لازمی ہے اور اس کے ثبوت میں ان کی قوت تخیل نے تعلیل یہ پیش کی، کہ چونکہ زلف کو سیاہ ہونے کی نسبت سے ہندو کہا جاتا ہے اور ایک ہندو کے لئے آتش پرستی سے بڑھکر اور کوئی عمدہ کام نہیں، اس لئے مجبوراً سیاہ زلفیں سرخ سرخ پاؤن کو بوسہ دے رہی ہیں،

بلے کار دیگر از آتش پرستی نیست ہندو را　　　　کند در پیش آن پائے نگارین سجدہ با زلفش

"قوتِ تخیل کے استدلال کا طریقہ عام استدلال سے بالکل الگ ہوتا ہے،" (علامہ شبلی) اس میں شک نہیں کہ منطقی اصولوں کے رو سے یہ استدلال غلط ہوتا ہے، مگر شاعر کے انداز بیان کی دلفریبی ہی سامع کو اس کی طرف ملتفت نہیں ہونے دیتی، مولانا غنی اکثر اس استدلال سے کام لیتے ہیں، مثلاً فرماتے ہیں،

عزتِ شاہ و گدا از یرِ زمین یکسان است　　می کند خاک برائے ہمہ کس جا خالی،

قبر میں شاہ و گدا سب کی عزت یکسان ہوتی ہے، اس دعوی کو غنی یون ثابت کرتے ہین کہ دیکھو زمین سب کے لئے جگہ خالی کر دیتی ہے، یعنی تعظیم کرتی ہے،

یہ بات کہ جو رذیل ہوتے ہین، انھین اپنی ذلت کی پروا نہین ہوتی، اس کو غنی اس طرح ثابت کرتے ہین۔

از تنزل پست فطرت را نباشد ہیچ باک　　بیم افتادن نباشد ہر کہ باشد نے سوار

کمینہ آدمی کو اپنی ذلت کا کوئی ڈر نہین ہوتا، کیونکہ جو شخص سرکنڈے کے گھوڑے پر سوار ہو اسے گرنے کا کیا خوف ہو سکتا ہے؟

چاند کے داغ دیکھتے ہین تو قوت تخیل یہ استدلال پیش کرتی ہے، کہ یہ کلنگ کا ٹیکہ اس لئے ہے کہ چاند اکتساب نور کی بدولت خورشید کا شرمندۂ احسان ہے، چنانچہ فرماتے ہین،

کاسۂ خود پر مکن زنہار از خوانِ کسے　　داغ از احسانِ خورشید است بر دل ماہ را

چشمِ کرم مدار ز شاہان کہ جز نمد　　آئینہ خلعتے ز سکندر نیافت است

صاف طینت لوگون کو بادشاہون اور امیرون سے لطف و کرم کی توقع رکھنا فضول ہے، ثبوت یہ ہے کہ آئینہ نے بجز نمد کے اور کوئی خلعت سکندر سے نہین پائی،

روزی کی تنگی کو اس طرح ثابت کرتے ہین،

خوشہ چینان را درین مزرع امید توشہ نیست　　حاصلِ نہ خرمنِ افلاک جز یک خوشہ نیست

ناداروں کو اس دنیا سے کوئی توقع نہین ہو سکتی، کیونکہ نہ افلاک کا حاصل صرف ایک ڈیڑھ دین کا خوشہ ہی

حجام کی تعریف کی ہے، کہ استغنا سے اس کا کیسہ اس قدر پر ہو چکا ہے، کہ وہ ہر چیز سے بے نیاز ہے، اس کا بدیہی ثبوت یہی ہے، کہ وہ کسی سے بجز ناخن کے اور کچھ نہین لیتا،

زلفِ بے نیازی کیسۂ او آنچنان پر شد   کہ از دست کسے چیزے بجز ناخن نمی گیرد

یہاں ناخن گرفتن پر ایہام ہے، ناخن گرفتن ناخن کاٹنا، ع

ناخن چو شد بلند گرفتن سزائے اوست (حاجی گیلانی)

تخئیل کی بے اعتدالی | غنی تخئیل کا استعمال اس قدر کرتے ہین کہ اعتدال سے تجاوز کرجاتے ہین، سچ پوچھئے تو یہی انکی شاعری کا سب سے زیادہ بدنما داغ ہے تخئیل کو استعمال کرنے کا بڑا موقع مبالغہ مین ملتا ہے، چونکہ مبالغہ مین اصلیت کی ضرورت نہین ہوئی اس لئے خیال بندی کے لئے میدان وسیع ہوتا ہے، اور استعارہ در استعارہ سے اشعار اور بھی چیستان بن کر رہ جاتے ہین، نمونے ملاحظہ ہون،

معشوق کے دم زندگی بخش کی تعریف مین فرماتے ہین،

دم جان بخش رو تا رنگ حیرت ریخت در عالم   زمہر آئینہ در پیشِ نفس دیدم مسیحا را،

معشوق کے دم جان بخش نے وہ اعجاز دکھایا ہے، کہ دنیا کیا حضرت عیسیٰ اس قدر وقف تحیر و سکوت ہو گئے ہین کہ ان کی زندگی تک کا شک پڑ گیا ہے، اور اس لئے آئینۂ آفتاب سامنے رکھا گیا ہے، تا کہ ان کی حیات کا احساس ہو،

طفل اشکم گر بیازی رو بصحرا آورد،   کاغذ بادی شمارد ابر دریا بار را

(اگر میرے اشک کا لڑکا کھلتا ہوا صحرا کی طرف آنکلے تو ابر دریا بار کو بھی پتنگ خیال کرے)

مطلب یہ ہے، کہ مین اس قدر روتا ہون کہ "ابر دریا بار" کی بھی اس کے مقابلے مین کچھ حقیقت نہین، یہان تو صحرا کے صحرا سیل زدہ ہو جاتے ہین، تخئیل کی مزید بے اعتدالی دیکھئے کہ اگر طفل اشک باندھا ہے، تو اس کے لئے کھیل کود میدان سامان لہو، سب کا ذکر کرتے چلے جاتے ہین،

۳- معشوق کے ضعفِ شانہ کشی کو مبالغہ سے بیان کرتے ہین مگر بے اعتدالی نے مار زلف کے دانت مہیا کرنے پر مجبور کیا ہے،

دندانِ مار گرچہ بافسون توان کشید   از زلفِ او جدا نتوان کرد شانہ را

۴۔ چشم سیاہ کی توصیف کی ہے، مگر سیاہی کا اثر صرف نام لینے سے ہی زبان تک پہونچا دیا ہے،

از بسکہ وصفِ چشم سیاہ تو کردہ ایم　　گردید میل سرمہ زبان در دہانِ ما

۵۔ عام طور پر تنگ دہنی خوبصورتی مین داخل سمجھی جاتی ہے، شاعرون کے تخیل نے اسے چھوٹا کرتے کرتے نقطہ اور پھر نقطہ موہومہ بنا دیا، مولانا نے اسے معدوم کیا تو اسی تخیل مین اپنی ہستی کو بھی نفی کرنے کو تیار ہو گئے،

بگذر از خویش چو بینی دہنِ یار غنی　　دل بہ ہستی چہ دہی راہ عدم در پیش است

تشبیہات کے استعمال مین بھی سر رشتۂ اعتدال ہاتھ سے چھوٹ جانے کا احتمال ہوتا ہے، بے اعتدالی یہ ہوتی ہے کہ ایک چیز کو کسی دوسری چیز سے تشبیہ دیتے ہین، پھر دوسری کی جس قدر خصوصیتین ہوتی ہین وہ پہلی مین ثابت کرتے چلے جاتے ہین، غنی اس بارے مین اکثر لغزش کھاتے ہین، چنانچہ ان کے دیوان مین اس قسم کے متعدد شعر دیکھنے مین آئے ہین، مثلاً:-

پہلے کمر کو بال سے تشبیہ دی ہے، پھر بال کے تمام خصائص، آنکھ مین پڑنا، کاسہ کا چرخ سے جدا کرنا وغیرہ ثابت کئے ہین،

(۱)　دیدم میان یار و ندیدم دہان یار　　نتوان بہ ہیچ دید چو در دیدہ مو فتد

قاعدہ ہے جب آنکھون مین بال پڑتا ہے تو چبھتا ہے، پھر آنکھین کھولی نہین جاتین، غنی کہتے ہین مین نے معشوق کی کمر دیکھی، لیکن اس کا منہ نہ دیکھ سکا، کیونکہ جب آنکھون مین بال پڑجاتا ہے تو کوئی چیز نظر نہین آتی،

موئے میان تو شدہ کرالین　　کرد جدا کاسۂ سرہا ز تن،

کرالین وہ بال ہوتا ہے جس سے کوزہ گر کاسہ کو چرخ سے جدا کرتے ہین، غنی کہتے ہین، تیری کمر کا بال اب کرالین بن گیا ہے، اور کئی کاسۂ سرتن سے جدا کئے ہین، کرالین کی نسبت سے کاسۂ تن وغیرہ سب آتے ہین،

لہ　کردے بہ نطق نقطۂ موہومہ را دو نیم　　ای ناقعضِ کلام حکیمان بیان تو

کہ　شعر العجم ج ۴، ص ۱۵۴،

از کنارم دخترِ رز کرد تا پہلو تہی　　　کار من اکنون غنی با طفلِ اشک افتادہ است

مطلب یہ ہے، کہ جب سے شراب چھوٹی ہے، غم و رنج سے آنسو بہا رہا ہون، شراب کو دخترِ رز کہا جاتا ہے، مگر تخیل کی بے اعتدالی نے مولانا کو دختر کی مناسبت سے طفل کو بھی ساتھ لانے پر مجبور کیا ہے، نور العین واقف کا شعر اسی مضمون مین اس سے بھی زیادہ حد سے تجاوز کر گیا ہے، ؎

ہم صحبتی دخترِ رز کرد ملولم　　　اے شیخ ترا اگر بسر ہے ہمت بن د

۴۔ خضاب موے زلیخا مگر کند یوسف　　　کہ بردہ است سیاہی ز دیدۂ یعقوب

یوسف شاید زلیخا کے بالون مین خضاب لگانے جاتے ہین، کہ انھون نے یعقوب کی آنکھ سے سیاہی لے لی ہے،

نابینائی مین آنکھ کی سیاہی زائل ہو جاتی ہے حضرت یعقوبؑ بیٹے کی فراق مین نابینا ہو گئے تھے اس لئے غنی خیال کرتے ہین کہ حضرت یوسفؑ نے باپ کے آنکھ کی سیاہی اس لئے لی ہے، کہ موے زلیخا کے لئے وسمہ کا کام دے، تخیل کی بے اعتدالی اس سے بڑھکر کیا ہوگی، کہ آنکھ کی سیاہی کا وسمہ لگا رہے ہین،

۵۔ زبس در جزو جزوم نقشِ ابروے تو جا دارد　　　شود قوسِ قزح ہر گہ پرد رنگی ز رخسارم

تیرا نقشِ ابرو اس طرح میرا جزوِ بدن بن گیا ہے، کہ اگر کسی وجہ سے میرا رنگ اڑتا ہے تو قوسِ قزح کی شکل اختیار کر لیتا ہے،

مولانا کہنا یہ چاہتے ہین، کہ وہ خیالِ یار مین اس قدر محو ہین، کہ فنا فی المعشوق کی حد کو پہونچ گئے ہین، مگر تخیل کے بے جا استعمال نے ایک دور از کار اور فرضی تشبیہ پیدا کر دی ہے،

دیکھئے اس نکتہ کو جامی کس خوبی سے ادا کرتے ہین، ؎

بس کہ در جانِ فگار و چشمِ بیدارم توئی　　　ہر چہ پیدا می شود از دور پندارم توئی،

دلہائے عاشقان برہ دوست آب شد　　اما بپاے نازکِ او شیشہ پارہاست

گو عاشقون کے دل دوست کی راہ مین پگھل گئے ہین، لیکن اس کے نازک پاؤن مین شیشہ کے ذرون کی طرح چبھ رہے ہین، دل کو شیشہ کے ساتھ تشبیہ دیتے ہین مگر غنیؔ اس شیشہ کے ٹکڑے کو معشوق کے پاؤن مین چبھو دیتے ہین،

مثالیہ غنی کی شاعری کی دوسری خصوصیت مثالیہ کا کمال ہے، شاعری کی اس صنف کا آغاز خسرو سے ہوا، اور انجام صائب پر، مگر غنی نے اسے اس قدر ترقی دی کہ خاص فن بنا دیا غنی کا استدلال نہایت عمدہ اور شاعرانہ ہوتا ہے، ذیل کی مثالون سے اندازہ ہوگا،

۱- در مکرر بستن مضمون رنگین لطف نیست　　کم دہد رنگ ار کسے بندد حنائے بستہ را

۲- با تو نزدیکم و لے دورم ز نیضِ عامِ تو　　موم در زیر نگین خالی ست از نقشِ نگین

۳- تو کل پیشہ را روزی بدستِ خویش می باشد　　مکد انگشت خود کودک چو بنود شیر پستانرا

۴- نصیبے نیست از اہلِ کرم برگشتہ بختانرا　　کہ ہرگز پُر نسازد کاسئہ گرداب را دریا،

۵- می نواز د سازِ عیش آندم کہ طالع یافت توت　　باشد از پاے مگس مضراب تارِ عنکبوت

۶- بے ریاضت نہ شود دلشدہ عرفان حاصل　　تا کد خشک نگردیدے ناب نیافت ،

۷- توان از چرب و زمی کرد اسیرِ خویش سرکش را　　کہ تارِ شمع دایم شعلہ را زنجیر پا باشد،

۸- زند ربطِ بہم پیوستگان را گفتگو برہم　　سخن چون درمیان آمد دولب از ہم جدا گردد

۹- رفیقِ اہلِ غفلت ہر کہ شد از کار می ماند　　چو پائے خفتہ پاے دیگر از رفتار می ماند

۱۰- نمی سازد غذای چرب زائل ضعف پیری را　　کمان را گرچہ روغن می دہی فربہ نمی گردد

۱۱- بنا شد دل زیار گرم خوبر داشتن آسان　　ز آتش چون سپند افتد جدا، گرمِ فغان گردد

۱۲- نیست حسنِ بے بقا شایستۂ دل بستگی　　باچراغِ برق یک پروانہ ہمراہی نکرد

۱۳- میرسد روزی بہرکس در خورِ ہمت زغیب　　کے بدام عنکبوت افتد شکارے جز مگس

۱۴- نیست شہرت طلب آنکس کہ کمالے دارد　　ہرگز انگشت نما بدر نباشد چو ہلال،

۱۵- وقتِ پیری بے مذاقِ تلخ نتوان زیستن　　کے تواند داشت بے فلفل کسے کافور را

۱۶- خرقِ عادت کے بکار آید دلِ افسردہ را　　گر رود بر آب (؟) معتقد شد مردہ را

۱۷- رسوا بود کسے کہ سخن چین بود غنیؔ　　ہرجا کہ خامہ ایست زبانش بریدہ ست

جدت ادا و مضمون آفرینی

فارسی شاعری کے دورِ اول کی خصوصیت سادگی اور بے تکلفی تھی، مگر ترقی کے ساتھ طرزِ ادا میں بلاغت اور اسالیبِ بیان میں زیادہ رنگینی آتی گئی، حتیٰ کہ باریک بینی اور دقت آفرینی تک نوبت پہونچی، بال کی کھال نکلنے لگی، تشبیہیں بعید از کار، اور استعارات پیچیدہ ہوگئے، اور شاعری محسوسات سے نکل کر طلسم خانۂ خیال میں گھر گئی، غنیؔ کا عہد فارسی شاعری کا آخری دور تھا، مضامین اس وقت تک اس قدر فرسودہ ہو چکے تھے، کہ غنیؔ خود اس کا ذکر کرتے ہیں، ؎

ازبسکہ شعر گفتن شد مبتذل دریں عہد　　لب بستن است اکنون مضمونِ تازہ بستن،

تاہم مولانا انھیں مضامین کو جو مدتوں جولانگاہِ خیال رہے، اس جدت سے ادا کرتے ہیں، اور انھیں پرانی باتوں میں ایسے نکتے پیدا کرتے ہیں کہ شعر دل پذیر ہوجاتا ہے، ذیل میں چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں،

۱- دنیا میں اپنا عدم وقار اس طرح ثابت کرتے ہیں،

بارہا با سایہ سنجیدیم خود را در وقار　　از تمکین بر زمین بنشست و ما برخاستیم،

ہم نے کئی مرتبہ اپنے وقار کا سایہ کے ساتھ مقابلہ کیا ہے مگر وہ زیادہ وزندار ثابت ہوا ہے)

کیونکہ یہ مسلم ہے کہ انسان جب اٹھ کھڑا ہوتا ہے تو اس کا سایہ زمین پر پڑتا ہے،

۲- غنیؔ صدرجہ کی خودداری کے مدعی ہیں، اس نکتہ کو کہ جب کسی مجلس میں انسان کی توقیر و تعظیم میں فرو گذاشت ہو تو وہاں سے اٹھ جانا ہی بہتر ہے، نہایت جدت سے ادا کرتے ہیں،

کس پے تعظیم ما از اہل مجلس بر نخاست بہر پاس عزت آخر خود زجا بر خاستم

دیکھئے معشوق ملیح کی تعریف مین غنی کا وہ مشہور شعر جس نے صائب اور بیدل سے خراجِ تحسین وصول کیا، کس انوکھی تشبیہ کا حامل ہے، ؎

حسن سبزے بخطِ سبز مرا کرد اسیر دام ہمرنگ زمین بود گرفتار شدم

صائب نے اسی شعر پر کہا ہے، ؎

خط سبز آفت جان بود نمی دانستم دام در سبزہ نہان بود نمی دانستم

اربابِ نظر جانتے ہین کہ یہ چبائے ہوے نوالہ کا چبانا ہے، اس مین وہ لطافت نہین رہی،

غنی ساغر بکف جمشید پیش میفروش آمد کہ شاید در بہائے بادہ گیرد ملک دنیارا

جمشید کے پیالہ مین تمام دنیا نظر آتی تھی اور اس کا شمار بڑی قیمتی چیزون مین کیا جاتا تھا، مولانا فرماتے ہین کہ جمشید وہی جام جہان نما لے کر میفروش کی خدمت مین حاضر ہوتا ہے اور اس کے عوض دو چار گھونٹ بادہ لینے کا متمنی ہے، مگر پھر بھی وثوق نہین شاید میفروش اسے مہنگا سودا خیال کرے، دیکھئے کتنا وسیع مضمون اس شعر مین ادا کیا گیا ہے،

تنور بارقہ کا ہیبت زا نظارہ اللہ تعالیٰ کی صنعتِ کاملہ کا تحیر انگیز نمونہ ہے، مولانا غنی کی مضمون آفرینی ملاحظہ ہو، ؎

چون بزم افروزِ صنعِ خویش گردد قدرت بیچون چراغ برق را در بادو باران می کند روشن

مشہور ہے کہ جمشید کے پیالہ مین تمام دنیا نظر آتی تھی، مگر غنی اس سے دنیا کی تنگی کا استدلال کرتے ہین،

غنی تا چند پرسی دستگاہِ اہل دنیارا کہ باشد وسعت آن از حصارِ جامِ جم پیدا

ہم پہلے کہہ آئے ہین کہ غنی کے زمانہ مین قحط الرجال کا یہ عالم تھا کہ حضرت اورنگ زیب کے دل حق آگاہ سے بھی دو آہ نکلتی تھی، غنی اس وقت کا مقابلہ عہدِ رسالت سے کرتے ہین تو ایسا مین فرق معلوم ہوتا ہے کہ بے اختیار

پکار اُٹھتے ہین ؎

خوشا عہدے کہ مردم آدم بے سایہ را دیدند　　عجب است این زمان گر سایۂ آدم شود پیدا

روحانی امور مین استدلال اور قیاسات کی بیچارگی اکثر شاعر بیان کرتے ہین، مگر غنی نے جس تشبیہ سے ثابت کیا ہے وہ نہایت پرزور اور معنی خیز ہے، ؎

دل باستدلال بستم ماندم از مقصود دور　　نردبان کردم قصور راہ ناہموار را

لوگ اپنی سالگرہ کی خوشی مناتے ہین، مگر مولانا فرماتے ہین، اس سے تو اُلٹے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ ایک سال عمر کا کم ہوگیا ہے، ساتھ ہی یہ بھی قابل غور ہے کہ گرہ دینے سے تاگے کی لمبائی کم ہو جاتی ہے، ؎

گشت چون رشتۂ عمرم کوتاہ　　معنیِ سالگرہ فہمیدم،

غنی دنیا کی نیرنگیان عجیب تشبیہ سے ثابت کرتے ہین، تلك الایام نداولها بین الناس

غنیؔ روز سیاہ پیر کنعان را تماشا کن　　کہ روشن کرد نور دیدہ اش چشم زلیخا را

یعقوبؑ کی مصیبت دیکھیے کہ ان کا وہی لخت جگر جس کے فراق مین وہ آنکھین کھو بیٹھے ہین ایک اور انسان کی آنکھون کی ٹھنڈک کا سامان بنتا ہے،

مختلف نمونے ملاحظہ ہون،

کاروان بگذشت ومن از کاہلی ماندم براہ　　ہر خواب ماہم آواز جرس افسانہ شد

نیست حسن بے بقا شایستۂ دل بستگی　　با چراغ برق یک پروانہ ہمراہی نکرد

جز آبلۂ پائے من امروز درین دشت　　جرسے نبود قافلۂ ریگ روان را

رفتیم سوے یار ندیدیم روے یار　　مانند رہبرے کہ رود در بہ آفتاب

ابہام | مولانا کی طبیعت ابہام کی طرف بہت مائل ہے، چنانچہ محمد افضل سرخوش، کلمات الشعراء (قلمی نسخہ) مین لکھتے ہین، .... "اکثر شعرش بطرز ابہام است و در طرز ابہام بندی تلاش ہا دارد و بسیار

خوب می بندد طبعش برایہام این قدر راغب بود، کہ روزے مطلع تازہ گفتہ پیش محمدؐ علی خواند ؎

بے چراغ است اگر بزم خیالم غم نیست ۔۔۔ مصرعہ ریختہ شمع است کہ در عالم ہست

"مرزا .... بطرز ایشان فرمود، گفت مصرع ریختہ کہ در علم خود گفتہ باشند ہمین خواہد بود"

ان کے اکثر شعرون مین مضامین کی بنیاد الفاظ پر ہوتی ہے یعنی لفظ کے لغوی معانی کو حقیقی بات قرار دیکر اس پر مضمون کی بنیاد قائم کرتے ہین، مثلاً یہ شعر ؎

امروز منم شہرۂ عالم زنحیفی ۔۔۔ عمریست کہ از ضعف فتادم بزبانہا

"زبان افتادن" کے اصطلاحی معنی مشہور ہونا ہے، لیکن لغوی معنی زبان پر چڑھنا، مولانا انھین معنون کو لے کر مضمون قائم کرتے ہین، کہ کمزوری مین مین کچھ آج سے مشہور نہین، مدت سے زبانون پر چڑھ گیا ہون اور ساتھ ہی ضعف کی رعایت سے کہا ہے، کہ مین اس قدر ضعیف ہون کہ لوگون کی زبانون پر چڑھا پھرتا ہون،

نمی بینم نہالے سایہ افگن بر سرِ مجنون ۔۔۔ مگر گاہے کہ بنشیند بزیر شاخِ آہوئے

مین نے ایک درخت کو بھی مجنون کے سر پر سایہ ڈالتے نہین دیکھا، البتہ کبھی کبھی ہرن کے سینگ کا سایہ مل جاتا ہے، یہان شاخ پر ایہام ہے،

کسے کہ زندہ بہ اظہار زندگی باشد ۔۔۔ دمی کہ گشت ز دعویٰ خموش گویا نیست

"گویا" کے دو معنی ہین، بولنے والا اور حرفِ تشبیہ، یہان دونون کو لیکر ایہام پیدا کیا گیا ہے،

کسے بہ پرسشِ احوالِ من نمی آید ۔۔۔ بغیر گریہ کہ آمد بحالِ خویش مرا

یہان گریہ آمدن کے لغوی معنون کو لے کر مضمون کی بنیاد قائم کی گئی ہے،

دمِ بریدنِ سر شمع می کند روشن ۔۔۔ کہ خوش تراز دمِ عیسی بود دمِ شمشیر

یہان دم، وقت، سانس، اور دھار کے سہ گانہ معنون مین استعمال کیا گیا ہے،

فراغتے بہ نیستانِ بوریا دارم ۔۔۔ مبادراہ درین بیشہ شیر قالی را

(مجھے اپنے بوریا پردہ فارغ البالی نصیب ہے کہ مین نہین چاہتا کہ جاہ و احتشام کی کوئی علامت بھی مجھے میسر آسکے)،

یہان شیر قالی پر ایہام ہے اور کنایہ ہے، تنعم اور تمول سے،

مثالون کے انبار لگانے کی ضرورت نہین، مولانا کو اس صنعت مین اس قدر شغف ہے کہ وہ ضلع جگت کی حد کو بھی پہونچ جاتے ہین، مثلاً:-

شدہ از خوردنِ پانش زبان لعل لبش لعل و دہن سوراخ آن لعل

کند در ہر قدم فریاد خلخال کہ حسنِ گلرخان پا در رکاب است

چو دیدم قامتت از پا فتادم مکن رحمے کہ از بالا فتادم

دقت پسندی | قدما کے وقت مین چونکہ شاعری کا آغاز تھا اور نئے مضامین کی کثرت تھی، اس لئے ان کی تشبیہین صاف اور سادہ ہوتی تھین، مگر بمرور زمان تمام مضامین بندھ چکنے کی وجہ سے ختم ہو چکے، قریب الماخذ تشبیہات کام آ چکے، تو مجبوراً متاخرین کے لئے بغیر تکلف اور آورد کے اور کوئی میدان نہ رہا، اور استعارہ در استعارہ اور دور از کار تشبیہات سے کام لینا پڑا! جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اکثر شعر چیستان بن کر رہ گئے، مولانا غنی بھی اپنے آپ کو اس ورطہ سے نہ نکال سکے، اسی بنا پر جب عنایت خان ابن ظفر خان نے اشعار کے پیچیدہ ہونے کو قابل اعتراض قرار دیا، تو مولانا نے فرمایا "تا حال اعتمادے بر شعر فہمی عنایت خان داشتم امروز آن اعتماد برخاست"

ہم بخوف طوالت صرف دو تین مثالون پر قناعت کرین گے،

دمِ جان بخشِ او تا رنگِ حیرت ریخت در عالم ز مہر آئینہ در پیشِ نفس دیدم مسیحا را

معشوق کے دمِ جان بخش نے وہ اعجاز دکھایا ہے کہ حضرت عیسیٰ بھی حیرت سے بے ہوش ہو گئے ہین اور ان کی زندگی کے احساس کے لئے آفتاب کا آئینہ ان کے منہ کے سامنے رکھنا پڑا ہے، اب اس شعر کے سمجھنے کے لئے امور ذیل کو ذہن نشین کرنا پڑتا ہے،

۱- حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف احیاے موتی کا معجزہ منسوب کیا جاتا ہے،

۲- جب کسی آدمی کی نسبت معلوم کرنا ہو، کہ آیا مرچکا ہے، یا ابھی رمق جان باقی ہے، تو آئینہ منہ کے سامنے رکھتے ہین، کیونکہ سانس اگر آتا ہوتا ہے، تو آئینہ مکدر ہوجاتا ہے،

۳- حضرت عیسیٰ کا مسکن آسمان چہارم خیال کیا جاتا ہے، اور آفتاب کا محل گردش بھی پرانے نظام ہیئت کے مطابق وہی قرار دیا جاتا ہے، اسی نسبت سے آئینۂ آفتاب باندھا ہے،

۴- معشوق کے کلام کو زندگی بخش کہتے ہین،

اب غور کیجئے ان تمام چیزون کے لانے سے شعر کس قدر پیچیدہ ہوگیا ہے، ؎

بدست از زلف او تا سرخطِ دیوانگی دارم　　چو کلکم شکل زنجیرست از نقشِ قدم پیدا

(جب میرے ہاتھون مین اس کی زلفون کی عطا کردہ دستاویز دیوانگی موجود ہے، میرے نقش قدم میرے لئے قلم کے حروف کی طرح زنجیر بنے ہوئے نظر آتے ہین)

مطلب یہ ہے کہ مجھے ان عنبر بیز زلفون نے دیوانہ کر دیا ہے، مگر مین ان مین اس قدر گرفتار ہون کہ ان کے اردگرد پھرتا رہتا ہون، اور کہین نہین جا سکتا، مولانا نے صرف اپنی انتہائی گرفتاری اور فریفتگی کا اظہار کیا ہے، مگر نہایت پیچیدہ طریقہ سے جس کے لئے یہ ضروری ہوگیا ہے، کہ خوانندہ اس سے واقف ہو کہ جب ایک شخص از خود رفتگی مین کسی چیز کے اردگرد پھرتا ہے، تو اس کے نقشِ قدم اس بے نظمی مین ایسی ترتیب اختیار کرتے ہین جو زنجیر کے مشابہ ہوتی ہے،

مرا از دستِ این مشکل کشایان دل بتنگ آمد　　ز ناخنہا گرہ چون غنچہ افتاد ست درکارم

مطلب یہ ہے کہ ان غمخوارون کے ہاتھون مین تنگ آچکا ہون، کیونکہ انکی مساعی سے تو الٹے میری مشکلین بڑھ جاتی ہین، شعر کے سمجھنے کے لئے امور ذیل کا سمجھنا ضروری ہے،

گرہ درکار افتادن سے مراد کام مین پیچیدگی پیدا ہونا اور توقف پڑنا، ناخن ہائے غنچہ سے مراد وہ برگ سبز ہین جو غنچہ کے نیچے ہوا کرتے ہین چونکہ ان کے درمیان غنچہ کی گرہ ہوتی ہے اس لئے اسی تمثیل سے گرہ کار کی ناکشودگی ثابت کی گئی ہے، (باقی باقی)

پرنس کائتانی کی اطالی تواریخ اسلام

کا

مقدمہ

مترجمہ شیخ عنایت اللہ صاحب ایم اے معلم عربی گورنمنٹ کالج جھنگ،

فصل دوم

یورپ اور دنیائے اسلام کی اس باہمی جنگ وجدال کو زمانہ قدیم مین ہمیشہ سے بڑی اہمیت حاصل رہی ہے اور آیندہ بھی حاصل رہے گی، کیونکہ تہذیب حاضرہ، ایشیا کے پرانے اور قدامت پسند تمدن پر جو تجزیہ و تحلیل کا عمل کر رہی ہے، مسلمان اقوام مین اس کے ردعمل اور مقابلہ کی ناقابل تسخیر قوت موجود ہے، یہ کشمکش کئی مختلف پہلو رکھتی ہے اور مورخ کے سامنے بہت سے مسائل مہمہ پیش کرتی ہے، لہذا بے انتہا ملاحظات کے لیے میدان کھلا ہے اور مطالعہ وتحقیق کے لیے بہت سا مواد موجود ہے، عیسائی کلیسا کی رائے مین ظہور اسلام ایک بڑی مصیبت تھی جو اس پر نازل ہوئی، کیونکہ اسلام نے اس کے بہت سے پیر ہمیشہ کے لیے توڑ دیے اور اسے بیحد اخلاقی اور مادی نقصانات پہنچائے، مگر وہ کتاب ابھی تک قلمبند ہونے والی ہے جو اس بھلائی اور فائدہ کو دکھلائے جو اس مذہب نے عیسائیت کو اس کے بیمار اور ناکارہ اعضاء کو قطع کرکے اور اس کو ایک سخت امتحان مین ڈالکر پہنچایا ہے، کیا پروٹسٹنٹ اصلاح نے ایک مفید اثر پیدا نہین کیا تھا جس کی بدولت فرقہ کیتھولک کا تنزل رک گیا؟ ہمارا ارادہ اسلام کی مدافعت مین کوئی کتاب لکھنے کا نہین ہے، کیونکہ ہمارے فرائض مین سے ایک یہ بھی فرض ہوگا

کہ ہم ان بیشمار نزلیتون اور ناگفتہ بہ مصائب کو انصاف کے ساتھ بلا رعایت بیان کرین جنہین اس جنگجو مذہب نے نوعِ انسان
کو مبتلا کیا، مگر بہت مناسب ہوگا کہ اسلام کے مطالعہ کے دوران مین ہم اس افسوسناک منظر کو فراموش نہ کرین جو ساتوین
صدی مسیحی کے وسط مین سلطنت بزنطینی کے اخلاقی اور سیاسی حالات ہمارے سامنے پیش کرتے ہین، اس بات کو
بھی ذہن نشین رکھنا چاہیئے کہ وہ "ارتھوڈوکس عیسائیت" جس کے یونانی اور روسی لوگ ہمیشہ سے معتقد رہے ہین اور
جس نے ساتوین صدی سے لیکر آج تک ترقی کی طرف ایک قدم نہین بڑھایا، (عدمِ ظہورِ اسلام مین) کیا صورت
اختیار کرتی، ہم اس پر یہ بھی اضافہ کرسکتے ہین کہ عیسائیت کے مختلف فرقون مین جو اس وقت موجود ہین، ار
تھوڈوکس فرقہ بوجہ اپنے جمود کے جو تنزل وادبار کے مساوی ہے، بلاشبہہ سب سے زیادہ بدنصیب ہے، کوئی نہین
کہہ سکتا کہ مشرقِ قریب اور قرونِ وسطیٰ کے یورپ کا کیا انجام ہوتا اگر اسلام پیدا نہ ہوتا اور زوال پذیر اور ظلمت زا
کن عیسائیت ہی اس وقت سے لیکر آج تک بلاشرکتِ غیرے حکمرانی کے لیے باقی رہتی اور (عہدِ اسلام کی) اس عظیم الشان
عربی ایرانی تہذیب کی پیدایش مین سدِ راہ ہوتی جس نے قرونِ وسطیٰ کی تاریک صدیون مین دنیا کو روشن اور
منور رکھا، جو شخص مشرق کی سیاحت کرے وہ ارتھوڈوکس فرقہ کی پستی کو بمقابلہ دوسرے عیسائی فرقون مثل
کیتھولک اور پروٹسٹنٹ کے بچشمِ خود ملاحظہ کرسکتا ہے، اور اس تنقید کے مفہوم و معنی کو بخوبی سمجھ سکتا ہے جو بعض
اصحاب کو شاید غیر منصفانہ معلوم ہو، ظہورِ اسلام سے پہلے ہی مشرق مین ارتھوڈوکس فرقہ توسیع و اشاعت کی
تمام قوت کو ضایع کرچکا تھا، ساتوین صدی کے عیسائیون نے اپنے تمام قویٰ کو بے سود مذہبی جھگڑون اور
مباحثون مین صرف کر رکھا تھا اور قدیم عیسائیت کے اعلیٰ مقصد و مدعا یعنی تمام نوعِ انسان کو دینِ حق کی تبلیغ
کرنے اور ان کو ابدی ہلاکت سے بچانے سے بالکل غافل ہوچکے تھے، اور تھوڈکس عیسائی پیشتر ہی سے اتنے
کمزور ہوچکے تھے کہ جیسے ہی اسلام کے ساتھ معرکہ پیش آیا تو ان کی کمزوری ان کے لیے لازمی طور پر مہلک ثابت
ہوئی، یونانیون کی اخلاقی اور فوجی کمزوری اور ساسانیون کا سیاسی انحطاط بدرجۂ مساوی تھے، اسی طرح
مجوسی مذہب بھی فرسودہ ہوچکا تھا، غرض یہ کہ مشرقِ قریب ایسے دو تمدنون کے بوجھ کے نیچے کراہ رہا تھا،

جن کی اندرونی قوت افروز و بالکل ختم ہو چکا تھا جنہیں احیا، اور نوزائیدگی کی قوت ناپید تھی اور جو درحقیقت پیرانہ ضعیفی کے مارے بالکل ناتوان و نزار ہو چکے تھے،

پھر اچانک دینِ اسلام نے ظہور کیا، اس کا ظہور گویا تباہی اور بربادی کا تہدید آمیز پیغام تھا، اس کے اصول اگرچہ عیسائیت کے مثل اعلیٰ نہ تھے، مگر ایشیائی اور افریقی اقوام کیلئے زیادہ قریب الفہم تھے[1]، ان اصول کی بدولت اسلام نے آغاز ہی سے ایسی ناقابلِ تسخیر قوت پیدا کر لی جس سے وہ آسانی کے ساتھ مسیحی دین پر غالب آگیا، اس دین جدید نے کمزور اور ضعیف اقوام مین ایک برقی لہر دوڑا دی، ان کے فرسودہ جسمون کو حیات تازہ بخشی اور ایک عظیم الشان تہذیب پیدا کی، اگرچہ اس کا تبلیغی زور زیادہ تر صرف ہو چکا ہے، مگر وہ آج بھی دنیا کی زبردست، روحانی یا اخلاقی قوتون مین سے ایک قوت ہے اور ایشیا اور افریقہ مین عیسائی خیالات و عقائد کی اشاعت مین سدراہ ہے،

فصل سوم

ان مختصر ملاحظات سے اس بات کا سمجھنا آسان ہوگا کہ اسلام کی نسبت ہمیشہ سے عیسائیون کے کیا خیالات و احساسات رہے ہین اور کس طرح مدتِ دراز سے عیسائیون اور مسلمانون کے باہمی تعلقات کی کچھ ایسی نوعیت رہی ہے کہ اس نے فریقین کو ایک دوسرے کے متعلق دلجمعی سے بے لاگ رائے قائم کرنے سے باز رکھا ہے، ان دو مذہبون کے درمیان اتنی مدت سے اور ایسی شدت سے لڑائی ٹھنی رہی ہے کہ ان کے پیرو ہمیشہ سے صرف خوف اور گہری نفرت کے جذبات سے متاثر رہے ہین، بوجہ دینوی روایات کے یہ نفرت و حقارت ان کی طبیعت مین راسخ ہو گئی ہے، اور اس عہد مین بھی نفرت کی یہ آگ ترکون کی غلطیون کے سبب کئی بار مشتعل

[1] ہمنے مانا کہ ایشیا اور افریقہ کی وحشی اور غیر مہذب اقوام کے فہم و ذہانت مسیحیت کے "اصولِ عالیہ" کی حقیقت عالیہ تک پہنچنے سے قاصر ہین مگر مصنف علام اس امر واقعہ کے متعلق کیا ارشاد فرمائینگے، کہ عہد حاضر مین متمدن اور مہذب یورپ مین بھی تربیت یافتہ آبادی کا معتدبہ حصہ مسیحیت کی بعید الفہم تعلیم سے قطعی بیزار ہو چکا ہے (مترجم)

ہو چکی ہے، کئی صدیون تک عیسائیون اور مسلمانون نے اس طور پر زندگی بسر کی ہے اور اب بھی بسر کر رہے ہین کہ ان کے دل و دماغ باہمی تعصبات اور بدگمانیون سے مکدر رہے ہین جو نقصانات کی یاد، انتقام کے جذبہ، بازیافت کی خواہش اور شدید مذہبی جوش کا نتیجہ ہین، اگرچہ جغرافی، سیاسی اور تجارتی وجوہات سے ان کے مابین ہمیشہ میل جول قائم رہا ہے، تاہم باہمی تنفر اس قدر شدید رہا ہے کہ فریقین مین سے کوئی بھی دوسرے فریق کے مذہب پر نظرِ التفات کرنے اور اس کا اطمینان و سکون کے ساتھ مطالعہ کرنے کا روادار نہ تھا، ہر ایک از خود خیال کرتا تھا کہ دوسرا فریق گمراہ ہے اور اس لیے توجہ یا التفات کا مستحق نہین، یہ صرف انیسوین صدی کی علمی تحریک اور محققانہ میلان کی مقدم فضیلت ہے کہ شائستہ اور مہذب اشخاص کی ایک محدود جماعت اپنے دنیوی دشمن کا بلا رو رعایت مطالعہ کرنے پر راغب ہوئی اور ان لوگون کی بڑھتی ہوئی تعداد جو اپنی قابلیت کو ان تحقیقات مین صرف کرتے ہین، صاف بتا رہی ہے کہ موجودہ نسل نے آخر کار اس مضمون کی اہمیت کو سمجھ لیا ہے،

اگرچہ اٹھارہوین صدی کے عیسائی، اسلامی اصول و عقائد سے اسی قدر نابلد تھے جس قدر ان کے ساتوین صدی والے آبا و اجداد، مگر یہ قول انیسوین صدی کی آخری نسلون پر صادق نہین آسکتا، اس بات کو ملاحظہ کرنا خالی از دلچسپی نہین کہ کس طرح اسلام کے متعلق علمار کی دقیقہ شناسی نے مسیحیت کے مبادی اور منابع کی علمی تحقیق کے قدم بقدم ترقی کی ہے، تحقیق و تفتیش کے ان دونون میدانون مین زمانۂ حال کے علما محققین نے راست بازی اور علمی منصف مزاجی کا جو ثبوت دیا ہے وہ ہمارے عہد کے لیے باعثِ عزت و شرف ہے، تحقیقِ مذاہب مین علمار کو ہمیشہ سے مسیحیت کے ساتھ سب سے زیادہ دلچسپی رہی ہے، مگر اسلام کو اس لحاظ سے بلاشبہہ دوسرا درجہ حاصل ہے، سائنس یعنی علم و حکمت نے تربیت یافتہ لوگون کے درمیان مذہبی جوش اور مذہبی جنگ و جدال کے جذبہ کو نیست و نابود کر دیا ہے، چنانچہ زمانۂ حال کی تاریخی تحقیقات مین موجودہ نسل نے جس مین تجزیہ و تشریح کا ولولہ جاری و ساری ہے، بجائے قدیم مذاہب یا اخلاقی قواعد کو فنا کرنے یا ان کا مضحکہ اڑانے کے اس بات کا اظہار و اقرار کیا ہے کہ حقیقت علیا تک پہنچنا

ناممکن ہے اور اس تصورِ اعلیٰ (یعنی ذات باری کے تصور) کو تمام نقلی اور روایتی حشو وزوائد سے پاک کرکے جو دنیائے گذشتہ کے اخلاقی اور سیاسی ضروریات سے پیدا ہوئے تھے، ایسی بنیاد پر قائم کیا ہے جو موجودہ علمی مذاق کے زیادہ قرین ہے اس قسم کی تحقیقات مین اسلام کا مطالعہ ایک خاص دلچسپی رکھتا ہے کیونکہ یہی واحد مذہب ہے جس کے بانی کے متعلق کثیر التعداد مصدقہ دستاویزین اور سندین موجود ہین اور جو بدین لحاظ دوسرے مذاہب کی پیدائش پر بالواسطہ روشنی ڈالتا ہے اور جو اگرچہ عیسائیت کے چھ صدی بعد ظاہر ہوا، ایک طرح سے بطریق قیاس قدیم مسیحیت کے متعلق بعض مخفی اور مشکل باتون کے سمجھنے مین مدد دے سکتا ہے،

حضرت مسیحؑ اور حضرت محمد صلعم دونون نے جاہل اور اکھڑ قومون کے درمیان جو ہری چیزکے دشمن تھے، ایک نئے دین کا وعظ کیا، قدیم مقدس روایات کی مخالفت کی مطلب پرستون کو جو اپنی دینی یا دنیوی اغراض رکھتے تھے، نقصان پہنچایا اور ایک عالمگیر انقلاب کے لیے راستہ صاف کر دیا، دونون نے سامی اقوام کے درمیان تبلیغ کی جنین دیگر اقوام کی نسبت مذہبی احساس زیادہ قوی ہے، درحالیکہ حضرت مسیحؑ کے حالاتِ زندگی اور عہدِ رسالت ایسی تاریکی کے پردے مین مستور ہین کہ جس کا ازالہ اناجیل بھی محض ناقص طور پر کرتی ہین، حضرت محمد (صلعم) کا عہدِ نبوت، روایات کے ایک ضخیم ذخیرہ کے واسطہ سے اخلاف تک منقول ہوا ہے، اگرچہ ان روایات کا صرف ایک حصہ مستند ہے مگر تمام کی تمام غایت درجہ کی دلچسپی اور فائدہ رکھتی ہین، زمانۂ حال کے مورخ کے نزدیک محمد (صلعم) شیطان کا پلوٹھا بیٹا نہین ہے (جیساکہ حروب صلیبی کے مورخین کا خیال تھا) نہ وہ ایسا آدمی ہے جو لوگون کو جہنم کے ہولناک عذاب سے ڈرا کر دھوکہ دیتا تھا اور نہ وہ اب ایک مفتری خیال کیا جاتا ہے جس کی تکذیب ضروری ہے، بجائے اس کے وہ ایک انسان ہے جو انتہائی درجہ کی دلچسپی رکھتا ہے اور ایک مذہب کا بانی ہے جس نے مسیحیت سے اتر کر دنیا کی تاریخ مین سب سے بڑا اخلاقی اور سیاسی انقلاب پیدا کیا ہے،

عہد حاضرہ کے علما، اس بات پر تُلے ہوئے ہین کہ وہ اقوام کی وسیع نقل وحرکت اور مختلف انسانون

روایتون اور تمدنون کے اختلافات کے اسباب و علل کو دریافت کرین، ان پچھلے سالون مین کتب علمی کی ایک کثیر تعداد شائع ہوئی ہے جس مین اسلام کے ہر پہلو کا مطالعہ اسی محققانہ انداز سے خالی الذہن ہو کر کیا گیا ہے جس کی بدولت جدید اسکول نے طبعیات کے میدان مین بڑے بڑے اکتشافات کئے ہین، اس سلسلہ مین انیسوین صدی کے پچھلے بیس سالون مین بڑی تسلی بخش ترقی ہوئی ہے، اگرچہ جو کتابین پہلے پہل لکھی گئی ہین ان مین ابھی تک وہ نفرت پائی جاتی ہے جو ان دو مذہبون کی قدیم معاندانہ کشمکش سے متوارث ہوتی چلی آئی ہے، قدیم مورخین کا موضوع اس امر کو ثابت کرنا تھا، کہ کس طرح محمد (صلعم) نے جو ان کے نزدیک ایک مفتری تھا (نعوذ باللہ) اپنے ہمعصرون کو دھوکہ دینے مین کامیابی حاصل کی، بعد مین اس قضیہ کو بطریق دیگر پیش کیا گیا یعنی اس کے متعلق فیصلہ صادر کرنے سے پہلے اس بات کا دریافت کرنا ضروری سمجھا گیا کہ وہ کون تھا؟ اس نے کیا کچھ کیا؟ اس کی تعلیمات اور اصول مذہب مین کونسی بات اچھی اور کونسی بری تھی؟ اور پھر ان مقدمات سے اس بانی مذہب کے کام کو پرکھکر نتائج اخذ کیے جائین، اس کے گرد و پیش کے حالات کیسے تھے؟ اور کس طرح اسکی آواز کی گونج نے ایک قوم کی قوم کو دنیوی غفلت سے بیدار کر کے تسخیر عالم کی طرف تحریک کی؟ اس زعم کو کہ وہ ایک مفتری تھا، ترک کر دیا گیا، کیونکہ ایک ایسے مذہب پر افترار کا الزام لگانا ناممکن تھا جس نے روئے زمین کو بدل دیا تھا، اس بات کو محسوس کیا گیا کہ نبی (علیہ السلام) کی تعلیم نے ساز قلب انسانی کے کسی گہرے اندرونی تار کو چھیڑا تھا، اور اب بھی اس کی گہرائیون مین بڑے زور کے ساتھ جنبش پیدا کر رہی ہے اگرچہ پیغمبرؐ کی آواز کو خاموش ہوئے تیرہ صدیان گذر چکی ہین۔

مگر چونکہ علمار نے حضرت محمدؐ کی واحد ذات کو اپنی تحقیقات کی بنیاد قرار دیا اس لیے وہ پیشتر کی طرح غلطی مین مبتلا رہے بلکہ انھون نے اس طرح حقیقت کی تلاش مین ایک مصنوعی رکاوٹ پیدا کرلی، یہ بات انسان کی طبیعت مین داخل ہے کہ وہ تاریخی واقعات کو ایک خاص شخص کے ساتھ منسوب کرتا ہے یعنی ہر ایک شے کی اصل کو کسی ایک شخص واحد کی ذات مین ڈھونڈھتا ہے اور جو دیگر اہم عناصر اس کے علاوہ مین ان کو نظرانداز کرتا ہے، ان عناصر سے ہماری مراد جماعت انسانی کے وہ حالات ہین جن کے درمیان رہکر ایک خاص شخص

مصروفِ کار رہا، اور جنھون نے معلمِ دین کی ابتدائی اور اصلی تعلیمات مین آہستہ آہستہ تبدیلی پیدا کی اور ان پر اضافہ کیا، یہ محض اس اکیلے شخص کی ذات نہ تھی بلکہ یہ کل جماعت انسانی مع اپنے مجموعۂ محاسن و معایب کے تھی جس نے عظیم الشان تاریخی واقعات کو پیدا کیا، ہم مطالعہ و تحقیق کے وقت فرد کو اس جماعت سے علٰحدہ نہین کر سکتے جس کے درمیان اُسنے جد و جہد جاری رکھی، یہ بات کہنا کہ ایک معمولی تربیت والے انسان کی مختصر زندگی جو ایک غیر مہذب اور ناشائستہ فضا مین گذری[1]، جیسی کہ ساتوین صدی مین مدینہ کی حالت تھی، ایک عالمگیر انقلاب کا باعث ہو سکتی ہے، ایک ایسا دعوٰی ہے جو انسان کو بالضرور غلطی مین مبتلا کریگا، اور جس کا ثابت کرنا خاصہ مشکل ہے، یہ دعوٰی درحقیقت ایسا مشکل ہے کہ وہ لوگ جو اس کو پیش کرتے ہین، اس بات پر مجبور ہو جاتے ہین کہ جہان وجوہ اور واقعات مفقود ہون، وہان کمی پوری کرنے کے لیے اپنے تخیل کو کام مین لائین، ان اغلاط کو رفع کرنے کے لیے ایک جدید طبقۂ علمار کا ظاہر ہوا جس کے مدنظر کوئی دعوٰی نہ تھا، اور جو کسی خاص بات کو ثابت کرنا نہین چاہتا تھا، انھون نے اخبار و آثار کو تلاش کر کے ان کا مطالعہ کیا، ان کو یکجا جمع کر کے مرتب و مدون کیا، اور ان کا ایک دوسرے سے مقابلہ کیا اور صرف اس بات کو مدنظر رکھا کہ سچ اور جھوٹ کو صاف صاف آشکارا کیا جائے، ان کی اس صبر آزما محنت و کوشش سے سچائی کی روشنی خود بخود ظاہر ہوئی، اور جھوٹی روایات اور قدیم تعصبات کی تاریکی مین اجالا ہونا شروع ہوا، آج ہم وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہین کہ اسلام کے متعلق تاریخی تحقیقات نے وہ راستہ اختیار کر لیا ہے، جو سچائی کی طرف رہنمائی کرتا ہے، ابھی ہم کو بہت سا راستہ طے کرنا ہے اور بہت سے رخنے بند کرنے ہین، تاہم تاریخ اسلام مضبوط بنیاد پر قائم ہو چکی ہے، اور مبادیِ اسلام کی واحد اور اصلی صورت نظر آنے لگی ہے تالیف ہذا کا مقصد صرف یہ ہے کہ مین نے ان تحقیقاتِ عالیہ مین جو ناچیز حصہ لیا ہے، اس کو پیش کرون،

---

[1] معارف:- بشرطیکہ ہمارا فاضل ایطالی شہزادہ "تہذیب" اور "شائستگی" کے معنی پہلے متعین کرے، یہ بھی مباحثہ طلب امر ہے کہ شخص جماعت کو پیدا کرتا ہے، یا جماعت شخص کو پیدا کرتی ہے، اگر دوسرا مفروضہ صحیح ہو تو جماعتوں مین کبھی انقلاب پیدا نہ ہو، تاریخ کی مثالین اس پر گواہ ہین پھر اسی طرح سوال ہوتا ہے کہ حضرت مسیح کے عہد کی جماعت نے حضرت مسیح کو پیدا کیا یا حضرت مسیح نے اس جماعت کو پیدا کیا،

رُوداد ترتیب رقعاتِ عالمگیری

از

سید نجیب اشرف صاحب ندوی ایم اے

رقعات عالمگیری کی ترتیب کا جو کام دار المصنفین کی طرف سے انجام پا رہا ہے اسکے متعلق بعض شائقین اکثر سوالات کرتے رہتے ہیں، اس غرض سے کہ یہ معلوم ہو کہ یہ کام کس محنت سے اور کس طرح انجام دیا جا رہا ہے،

ذیل میں سید نجیب اشرف صاحب ندوی کی مرسلہ دفتری روداد شایع کرتے ہیں، "معارف"

مین نے اپنے ایک عریضہ مین جناب کو لکھا تھا کہ اورنگ زیب کے خطوط کو بکمال و تمام جمع کرنے کے لئے ایک عرصہ کی ضرورت ہے، یہ تمام مجموعے نہ صرف یہ کہ ہندوستان کی کسی ایک لائبریری ایک شہر یا ایک صوبہ مین جمع نہین بلکہ یورپ مین بھی مختلف مقامات پر منتشر ہین، کوئی برطانوی عجائب خانہ مین ہے کوئی دفتر وزیر ہند مین، کوئی پیرس مین، کوئی برلن مین وقس علی ہذا، اور چونکہ ان خطوط کی اشاعت کا مقصد جہان تک مین سمجھا ہون کسی ایک خاص کتاب کا اڈٹ کرنا نہین، بلکہ ایک ایک عہد (PERIOD) کے متعلق اورنگ زیب کے تمام خطوط کا جمع کرنا ہے، اس لئے مین نے ابتدا ہی سے یہ طریقہ رکھا ہے کہ جس جس کتاب مین بھی جو جو خط مل گیا اور جس جس جگہ بھی اس کا پتہ چلا اسے نقل کر لیا، چنانچہ جن مجموعون اور تاریخون مین یہ خطوط ہین، ان کی فہرست بطور ضمیمہ الگ درج ہے، جناب بابو جدوناتھ سرکار وائس چانسلر کلکتہ یونیورسٹی کے ہم ممنون ہین کہ ان کی توجہ سے برٹش میوزیم، انڈیا آفس، ایشیاٹک سوسائٹی بنگال، خدا بخش خان کے کتبخانہ سے کتابین نقل کرنے کے لئے آجاتی ہین،

اس کے علاوہ یقیناً آپ کو اس بات کا بھی کامل علم ہوگا، کہ شاہجہان کے آخری بارہ سال اور اس کے بعد کی پچاس سالہ خانہ جنگی کی کوئی تاریخ اب تک شایع نہین ہوئی ہے، اور ان کی عدم موجودگی مین ان خطوط کی ترتیب نہ صرف محال بلکہ ناممکن ہے،

عالمگیرنامہ اگرچہ شایع ہو چکا ہے لیکن وہ اورنگ زیب کا سرکاری اور گمٹا چھٹا بیان ہے، اور وہ بھی صرف برادرانہ جنگ کے متعلق، مآثرِ عالمگیری بالکل بیکار ہے، اب اس عہد کے لئے چار یا پانچ قلمی کتابون کی ضرورت ہوئی ان مین سے بعض تو ہندوستان ہی مین سرے سے نہ تھین، مین نے نہایت محنت و جانفشانی سے اس کام کے لئے حسب ذیل قلمی کتابون کو نقل کرایا، جن کی فہرست درج ذیل ہے :-

فہرست کتب نقل شدہ

(۱) بادشاہ نامہ وارث، ۷۰۰ صفحہ شاہجہان کے ۳۰-۲۱ سال کے روزانہ حالات، نقل از کتبخانۂ خدابخش خان و مقابلہ کردہ ایشیاٹک سوسائٹی

(۲) تاریخ صالح کنبو، ۲۰۰ صفحہ، شاہجہان کے آخری سالون کی تاریخ، "

(۳) آداب عالمگیری، ۳۰۰ صفحہ، اورنگزیب کے خطوط بتوسط ابوالفتح و لید از شاہجہان و خطوط شہزادئ اکبر بنام اورنگ زیب وغیرہ، "

(۴) ظفرنامۂ عالمگیری مصنفۂ عاقل خان رازی ۱۵۰ صفحہ از ایشیاٹک سوسائٹی بنگال،

(۵) تاریخ شاہ شجاعی ۲۲۶ صفحہ، شاہ شجاع کے ایک افسر کا چشم دید حالات خطوط، انڈیا آفس لائبریری،

(۶) تاریخ جنگِ دارا ۱۲۰ صفحہ، مصنفہ صادق انبالوی معتمد اکبر پسر عالمگیر، خدابخش خان لائبریری،

(۷) فیاض القوانین، ۲۵۰ صفحہ، خطوط مراد، شجاع، دارا، جہان آرا بنام اورنگزیب و شاہجہان وغیرہ، جدو ناتھ سرکار لائبریری،

(۸) خطوط مرزا راجہ، ۱۰۰ صفحہ خطوط راجہ جے سنگھ متعلق تعاقبِ دارا وجواب از جانبِ عالمگیر، پیرس قومی کتبخانہ،

(۹) انشائے فارسی ۵۰ صفحہ خطوط اورنگزیب بنام اکبر وغیرہ ایشیاٹک سوسائٹی،

(۱۰) روزنامچہ اورنگ زیب ۷۰۰ صفحے انکی پیدائش سے موت تک کے تقریباً روزانہ حالات خود تیار کردہ و کتبخانہ
مع تطبیق سن ہجری ، بہ سن عیسوی ، جدو ناتھ سرکار ،

(۱۱) (مجموعہ خطوط) موسوم گلدستہ ۱۰۰ صفحے خطوط سلاطین دکن اورنگزیب شاہجہان وغیرہ ، سرسالار جنگ لائبریری ،

(۱۲) تلخیص خطوط و واقعات از ۵۰ صفحے ، برٹش میوزیم نمبر ۲۳۸۸۶ ،
فتوحات عالمگیری مصنفہ ایشر داس ناگر ،

(۱۳) مجموعہ فرامین و خطوط عالمگیر متعلق سیواجی وغیرہ ، ۴۰ صفحے مملوکہ Mr. D. B. Paresni (Poona)

(۱۴) " " " ۴۰ " " (Mr Vasu dev Vishnu) (Satora)

(۱۵) " " " ۲۰ " " (Mr William (mine) (London)

(۱۶) " " " ۲۰ " " (Dhor State Dhor)

(۱۷) تاریخ قرینہ شاہجہان ۲۰۰ زیر کتابت " بوہار لائبریری ، امپریل لائبریری کلکتہ ،

(۱۸) طبقات رجال مندرجہ خطوط ، ۴۰۰ زیر کتابت و ترتیب

(۱۹) خطوط از بہارستان ، ۲۰۰ عالمگیر کا خط بنام شاہ ایران و فرمان معافی محصول ،

اس کے ساتھ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے ، کہ ان کتابون کی نقل و ترتیب کے بعد دوسرا کام ان کا اصل یا دوسرے نسخون سے بالاستیعاب مقابلہ بھی تھا اور یہ کام ایک آدمی کے بس کا نہین ہے ، اس لئے اس کی دشواری و اہمیت و وقت طلبی کو آپ مجھ سے بہتر سمجھ سکتے ہین ،

اب نفسِ خطوط کے متعلق عرض ہے ،

ہر خط کو یون تو چار مرتبہ پڑھنا پڑتا ہے

(الف) ہر خط کو جس جس نسخہ مین وہ ہے ، اس سے مقابلہ کرکے اس مین ایک ایک نقطہ کا جو اختلاف ہو اس کو لکھنا ، چنانچہ بعض خطوط چار چار یا پانچ پانچ مرتبہ مقابلہ کے لئے ہی پڑھنے پڑے اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دو خط مین ۲۶ گھنٹے

ختم ہوگئے،

(ب) اشخاص اور مقامات کے نامون کے لئے پڑھنا،

(ج) واقعات کو تاریخی (CHRONOLOGIC-ALLY) ترتیب دینے کے لئے پڑھنا (جواب تیار ہوچکی ہے)

(د) کتابون سے ان خطوط کا پتہ چلانا جن کے جواب مین یہ خطوط لکھے گئے ہین، یا جو جوابات ان خطوط کے متعلق لکھے گئے ہین، اور ان کو نقل کرنا، اس کے علاوہ ایسے خطوط کا پتہ چلانا جن سے ان خطوط کے متعلقہ واقعات پر بین الاقوامی یا ڈپلومیٹک روشنی پڑتی ہے مثلاً حکومتِ ایران سے خط وکتابت، دکنی حکومت کی شیعہ سلطنت کے قیام کے لئے سازش یا قندھار کے متعلق مراسلات وغیرہ، مین آپ سے سچ عرض کرتا ہون کہ ایک جگہ، ایک راستہ یا ایک آدمی کے یقینی تحقیق مین ہفتہ کا ہفتہ گذر جاتا ہے،

مین نے آپ کو اپنے ایک عریضہ مین جس کی بنا پر آپ نے معارف کے شذرہ مین بھی تذکرہ کیا تھا، لکھا تھا کہ پہلی جلد اس طرح ہوگی،

جلد اول، حصۂ اول،

(۱) خطوط بنام شاہجہان،

(الف) نظامتِ ملتان (ب) محاصرۂ قندھار، (ج) واپسی از قندھار تا برہان پور (د) قیام دہ ماہہ برہانپور

(ہ) قیام دولت آباد، (و) دیسی ریاستین، (ز) جنگِ گولکنڈہ، (ح) جنگ بیجاپور، (ط) خانہ جنگی، (ی) بعد از جنگ تا وفاتِ شاہجہان،

(۲) خطوط بنام شاہ شجاع،

(۳) خطوط بنام مرادبخش،

(۴) خطوط بنام جہان آرا بیگم،

(۵) خطوط بنام سلطان معظم،

(۶) ضمیمہ،

(الف) خطوط شاہجہان بنام اورنگ زیب،

(ب) خطوط شاہجہان بنام دارا، مراد بخش، شاہ شجاع وغیرہ،

(ج) خطوط مراد بخش بنام اورنگ زیب، شاہ شجاع، شاہجہان وغیرہ،

(د) خطوط شجاع بنام اورنگ زیب، مراد، شاہجہان، وغیرہ،

(ہ) خطوط جہان آرا بنام اورنگ زیب، مراد وغیرہ،

(و) خطوط دارا بنام سلیمان شکوہ، اورنگ زیب وغیرہ،

(ز) خطوط شاہ ایران، وغیرہ،

اس کے علاوہ اس جلد کی ابتدا مین ایک دیباچہ ہوگا، اور اس کی مفصل ذیل سرخیان ہونگی :-

"دیباچہ"

(الف)

(۱) فن انشار کی تاریخ :-

(الف) ابتدا، (ب) مختلف اقوام مین اس کا رواج،

۲- اسلامی ادبیات مین اس کا درجہ۔ ... عربی وفارسی،

(الف) دار الانشار (ب) اس فن پر کتابین عربی وفارسی، (ج) ہندوستان مین اس سلسلہ مین کوشش، اس کی ابتدا، اس کے اقسام،

۳- تاریخی خطوط عموماً اور مکاتیب اورنگزیب کی خصوصاً تاریخی اہمیت،

(الف) ان کے اقسام (ب) ان کی موجودگی، (ج) خطوط کون لکھتا تھا، (د) اورنگزیب خط نویس کے اعتبار سے،

(ب)

(۴) تاریخ اورنگزیب پر روشنی،

(۱) گورنر

(الف) ایک ناظم کی حیثیت سے :۔

نظام حکومت، زراعت، مالگذاری، افسرون کی سفارش و تنبیہ، ہندو افسرون سے برتاؤ، ایمانداری، راست بازی، انتظام خرچ، فوج کا ضابطہ، تنخواہ کا صحیح مصرف، ہندون کی آبادی، تجارت وغیرہ،

(ب) محاصرہ قندہار :۔

روانگی، حربی قابلیت، ناکامیابی کے اسباب، اورنگزیب کی معصومیت،

(ج) سرحدی قبائل اور دیسی ریاستین :۔

بلوچ قبائل، دیوگڈھ، جوار، چانده، کرناٹک، سیواجی وغیرہ،

(د) گولکنڈہ و بیجاپور :۔

ڈپلومٹک قابلیت، میر جملہ، اورنگ زیب کی اصلی نیت، جنگ کا افسوس ناک انجام،

(۲) خانہ جنگی،

(الف) تعلقات باپ سے،

(ب) " دارا "

(ج) " جہان آرا "

(د) " مراد "

(ہ) " شجاع "

(و) " وزراء و حکام "

(ز) دارا کی اورنگزیب کو ذلیل کرنے کی مسلسل سازشین، باپ کا ضرورت سے زیادہ لاڈ اور پیار، باپ کے کان بھرنا، سرحدی قبائل کو ورغلانا، جھوٹے الزامات تراشنا، دخل درمعقولات، دربار مین جملے کسنے وغیرہ، دارا کی دوسرے بھائیون کے

خلاف سازش، اس کا مذہبی عقیدہ، اس کی تنگ نظری، بھائیون کے خلاف کارروائیان، اور ان سب کا لازمی نتیجہ شاہجہان کی علالت کی افواہ کے ساتھ بھائیون کی جنگ کا آغاز،

(ح) مراد و شجاع کی جلد بازی، اورنگزیب کا تدبر، اس کا حقیقی ارادہ... یقیناً حکومت تھا... ثبوت میر جملہ سے سازش مراد سے معاہدہ، برادرانہ خطوط بنام شجاع،

(ط) دارا، جہان آرا، شاہجہان وغیرہ کا متفقہ طور سے اورنگزیب کو تباہ کرنیکی کوشش ہندی خط بنام دارا بنام شجاع و بنام راو

(ی) باپ سے سلوک، ضرورت جنگ، و بعد از جنگ تلافی مافات،

(ک) مراد کی قید،

(ل) دارا کا معاملہ،

(م) شجاع سے جنگ،

(۳) بین الاقوامی تعلقات، بلخ و بخارا، ایران وغیرہ سے خط و کتابت، ایران سے مراد کی طلب امداد، ایران کا حقیقی مقصد اور اس کا ثبوت، اسکا دکن کی اسلامی سلطنتون پر مہلک اثر،

(۴) خاتمہ،

اس کے علاوہ آخر مین اختلافات قرأۃ کا ایک ضمیمہ ہوگا، اس کے بعد جتنے آدمی اور مقامات کا تذکرہ آیا ہے، انکے مختصر حالات، اور بشرط امکان راستون اور محاصرہ کے مقامون کے نقشے بھی دیئے جائین گے، یہ صرف حصہ اول جلد اول کے حصہ دوم مین جو خطوط ہین وہ چونکہ اسی عہد کے ہین اس لئے ان پر کوئی الگ دیباچہ تو نہ ہوگا، لیکن سوانح و مقامات کا ضمیمہ اور جن جن لوگون کے جوابات ملے ہین انکے بھی خطوط کا ضمیمہ دیا جائیگا، اور اس طرح یہ جلد اورنگ زیب کے عہد شہزادگی سے لیکر تخت نشینی و جنگ برادرانہ کے خاتمہ تک کی مفصل تاریخ ہوگی،

سرمد کی زندگی
کا
ایک کہنہ ترین ورق

سرمد کے حالات جن کتابون مین ملتے ہین، ان مین سب سے قدیم کتاب دبستان المذاہب ہے جس کا مصنف ۱۰۵۶ھ مین حیدرآباد دکن مین اس سے ملا تھا، اس کے بعد عہد عالمگیری کے دو تذکرہ نویس طاہر نصرآبادی (یا نصیرآبادی) اور شیرخان لودی نے اپنے اپنے تذکرون مین اس کے قتل کا حال لکھا ہے، اس کے بعد اور دوسرے بہت متاخر زمانہ کے تذکرے ہین، اور یہی سرمایہ ہے جواب تک سرمد کے حالات زندگی کی بیان وتشریح مین کم وبیش استعمال کیا گیا ہے، لیکن اب ہمارے ایک لائق دوست مولوی ابومحمد صاحب خیر رحمانی نے سرمد کے متعلق ایک اور پرانی دستاویز کی تحقیق کی ہے، یہ دستاویز بانکی پور کے مشہور مشرقی کتبخانہ کی ایک قلمی کتاب مجمع الافکار مین ہے، صاحب مجمع الافکار نے اس کو نواب معتمد خان کی یادداشت سے بعینہ نقل کیا ہے،

نواب معتمد خان شاہجہان کے دربار کا ایک مشہور امیر تھا، وہ اورنگ زیب اور دارا شکوہ کی جنگ مین دارا شکوہ کی طرف سے لڑتا ہوا ۱۰۶۸ھ مین مارا گیا[1]، اس لئے اس کا بیان متعصب اور ظاہر پرست، اورنگ زیب کے عہد کی رنگ آمیزی سے خالی ہوگا، اور چونکہ وہ دارا شکوہ کا طرفدار تھا، اس لئے یہ شبہہ نہ گذریگا کہ دارا شکوہ کی دشمنی مین اسنے اپنی یہ راے ظاہر کی ہے،

معتمد خان لاہور مین سرمد سے ملا تھا، اور سرمد کے محبوب ابھے چند کو بھی اس نے دیکھا تھا معتمد خان نے اپنی

---

[1] ماثر الامراء جلد سوم صفحہ ۱۱۵

ملاقات کی تاریخ نہین لکھی ہے، لیکن اتنا پتہ دیا ہے کہ وہ شاہجہان کے ساتھ کشمیر سے واپس ہوتے ہوئے لاہور مین اس سے ملا تھا، یہ ظاہر ہے کہ سرمد سندھ سے بالاتفاق سنہ ۱۰۴۲ھ مین آیا تھا، اور وہان چند سال تک رہا، اور سنہ ۱۰۵۷ھ مین وہ دبستان المذاہب کے مصنف کے بیان کے مطابق حیدرآباد مین تھا، اور سنہ ۱۰۶۰ھ مین معتمد خان مارا گیا، اب شاہجہان کے سفر کشمیر کی تاریخین دیکھئے شاہجہان چار بار کشمیر گیا ہے اور آیا ہے، پہلی دفعہ سنہ ۱۰۴۴ھ مین گیا اور آیا، دوسری دفعہ سنہ ۱۰۴۹ھ مین جا کر سنہ ۱۰۵۰ھ مین لاہور واپس آیا، پھر سنہ ۱۰۵۴ھ مین جا کر سنہ ۱۰۵۵ھ مین واپس آیا، پھر سنہ ۱۰۶۰ھ مین کشمیر گیا اور سنہ ۱۰۶۱ھ مین واپس آیا، اس بنا پر نواب معتمد خان کا سرمد سے ملنا سنہ ۱۰۴۳ھ کے سفر لاہور مین ناممکن ہے کہ وہ اس وقت سے سندھ مین تھا، اس لئے یہ ملاقات سنہ ۱۰۵۰ھ مین ہوئی ہوگی، یا سنہ ۱۰۵۵ھ مین یا سنہ ۱۰۶۱ھ مین،

اس تمہید کے بعد اب مجمع الافکار کی عبارت آپ کے سامنے ہے،

" از واردات طبع نواب معتمد خان مرحوم است: سرمد نام یہود پسرے کہ بقدر کسب فضیلت کردہ چندے بخدمت شیخ بہاؤ الدین محمدؒ، و برخے در ملازمت میر محمد باقر داماد بسر بردہ در سنہ ۱۰۴۲ھ بہ ہوائے سیر و تفریح تماشائے ممالک ہندوستان قدم ہمت در بادیۂ طلب نہادہ، از راہ دریا بولایت ٹھٹھہ برسید و از اتفاقات حسنہ در نمک زار ٹھٹھہ بکمند عشق ہندو پسرے اسیر گشتہ از ان کانِ ملاحت نمک چش محبت می نماید، و در آغاز تعلق و گرفتاری آن کافر بے رحم نگاہ آشنا بجانب او نمی کند پدرش از بیم رسوائی نزد محمود بیگ بخشی واقعہ نویس ٹھٹھہ اظہار این معنی می نماید، و آن بے درد یک چندے مطلوب او را در جائیکہ صبا و شمال متعذر بود مخفی می دارد، آشوب عشق و جنون سرمد بہ شورش در می آرد و از تلاطم محبت و جوش و خروش جنون آنچہ در بساط داشتہ با آتش سوختہ خود را از لوث تعلقات پاک ساختہ، خاکسترش را چار بالش سلطنت دانستہ عریان نزیس عادت می نشیند اتفاقاً بیتے از محمود بیگ بخشی واقعہ نویس در گوش او می رسد ؎

کلید مخزن افلاک گر در دست من باشد | کواکب را براہ اہل حاجت چون درم پاشم

سرمد رباعی گفتہ نزد محمود بیگ فرستاد،

اے باد بگو بہ میرزا اے بخشی | کاے کردہ فلک بزیر رایت رخشی

گفتی کہ کواکب چون درم می بخشم خورشیدِ مرا نیز بمن می بخشی

چون نشاطِ محبت او از صدق چاشنی داشت، دامنِ خودش از آلودگی پاک بود، و پس از مدتے ہر دو سرا پا برہنہ رہ نورد بادیہ جنون گشتہ بہ لاہور شتافتند و چون موکب سفور حضرت شہنشاہی از سیر و تماشائے گلگشت ہمیشہ بہار کشمیر عطف عنان نمودہ بدار السلطنۃ لاہور نزولِ اجلال ارزانی فرمودہ، راقم الحروف در باغ سراغ آنہا یافتہ بذوقِ ملاقات شتافت، سرمد را دیوانہ سر و پا برہنہ عریان از لباس عاریت دید، موی سر و ریش دراز ژولیدہ (ژولیدہ؟) و مجرد شدے، ناخن دست و پا دراز، با فلک و ملک در جنگ و گاہ بکائنات در صلح سخن بسیار گفتے، و شعر خواندے اکثر مربوط، احیاناً نامربوط، لیکن بہر جا رشتہ رضا جوئی محبوب از دست نہ دادہ، و محبوبش یا لاپوش کہنہ بر خود پیچیدہ نشستہ بود، خالی از ملاحتے نبود، و فارسی را درست می گفت و طبیعت موزون ہم داشت،،

نواب معتمد خان کی اس تحریر کے بعد سرمد کی زندگی کے متعلق دوسری سب سے پرانی تحریر دبستان المذاہب کے مصنف کی ہے، جس نے ۱۰۵۶ھ میں حیدرآباد میں اس سے ملاقات کی تھی، لیکن یہ دونون تحریرین عہد عالمگیری سے پہلے کی ہین، اور ان سے "عالمگیر اور سرمد" کے تعلقات پر روشنی نہین پڑتی، یہ روشنی دوسرے تذکرون سے حاصل ہو سکتی ہے، معارف مین جب منصور حلاج پر ایک مضمون لکھا گیا تھا، تو ہمارے محترم دوست ڈاکٹر اقبال نے لکھا تھا کہ ابھی ایک "شہید" اور باقی ہے، کیا عجب ہے کہ اس "شہید" کی قتل کی بھی باری آجائے،

نطشے

مشہور جرمن فلاسفر، فریڈرک نطشے کی سوانحعمری اور اسکے خیالات، افکار اور تصانیف پر بحث و تبصرہ مصنف پروفیسر مظفر الدین ندوی ایم اے، اس کتاب کو مصنف نے چار ابواب پر تقسیم کیا ہے پہلے باب مین اس کے سوانح اور تصنیفات کا حال ہے باقی تین ابواب مین خیر و شر مسیحیت، اور آیندہ سپر مین (فوق البشر) پر اس کے خیالات اور نظریون کی تشریح

قیمت ۱۲ "منیجر"

تلخیص و تبصرہ

امریکہ کی مالی اور تعلیمی حالت

یہ ایک طے شدہ حقیقت ہے کہ امریکہ اپنی دولت و ثروت مین دنیا کے تمام براعظمون سے ممتاز حیثیت رکھتا ہے، چنانچہ باوجودیکہ اس کی آبادی سارے عالم کے تناسب سے صرف ۶،۲ فی صدی ہے، اور اس کا رقبہ دنیا کے پورے رقبہ کے تناسب سے صرف ۶½ فی صدی ہے، مگر دنیا کی دولت و ثروت کا نصف حصہ امریکہ کی سرزمین سے وابستہ ہے، کیونکہ روئی، لوہا، فولاد، سیسہ، لکڑی، تانبا، اور پیٹرول وغیرہ کا وجود دنیا مین جس قدر ہے، ان مین کم سے کم ۵۰ فی صدی اور اکثر چیزون کا اس سے زیادہ حصہ صرف امریکہ کے قبضۂ قدرت مین ہے،

مفلوک ہندوستان جس مین ہر شخص کی ذاتی آمدنی کا اوسط صرف ۷ پائی روزانہ ہی کے اس تخیل سے یہ بالاتر ہے کہ امریکہ مین اس وقت ہر شخص کی ذاتی آمدنی کا اوسط ۶۰۰ پونڈ سالانہ ہے، جو آج سے ۲۳ سال پہلے ۲۷۳ پونڈ کی تعداد مین تھا، اور ۷۰ سال پہلے ۲۲۵ پونڈ کی تعداد تھی، ۲۲۵ سے ۶۰۰ پونڈ کی ترقی صرف ۷۰ سال کی صنعتی و تجارتی جد و جہد کا ایک ادنیٰ کرشمہ ہے،

خیر پابزنجیر ہندوستان اور آزاد امریکہ کی ثروت کا موازنہ تو ایک المناک داستان چھیڑ دیگا، جب امریکہ کا خود یورپ کے ممتاز و متمدن ممالک سے مقابلہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس وقت امریکہ مین ایسے ۴۰ فی صدی افراد ہین جو ڈنمارک اور آسٹریلیا کے تمام اعلیٰ سے اعلیٰ اصحاب ثروت سے زیادہ صاحب ثروت ہین، اور جرمنی کے اصحاب ثروت کے تناسب سے امریکہ مین ایسے ۲۰ فی صدی اشخاص پائے جاتے ہین، اور جب جدید تہذیب و تمدن کے سب سے بڑے مرکز پیرس کے اصحاب ثروت کا تناسب دیکھا جائے تو امریکہ مین ۵۰ فی صدی ایسے افراد ملین گے جن کی ثروت کے مقابلہ مین

کوئی صاحب ثروت پیش نہین کیا جاسکتا، اوران کے علاوہ سوئیڈن اور ہالینڈ وغیرہ کا تناسب تو پورے پورے ۱۰۰ فی صدی ہے،

اس کے باوجود امریکہ کے ہر دس آدمیون مین صرف چار شخص ایسے ہوتے ہین جو معاش پیدا کرتے ہین، اور باقی ۶ اشخاص انہین چار اشخاص کی محنت سے پرورش پاتے ہین،

ایک طرف ان کی دولت وثروت کی یہ بہتات ہے اب دوسری طرف ان کی تعلیمی دلچسپیون پر بھی ایک سرسری نظر ڈالنی چاہئے،

یہان کے اکثر حصون مین ابتدائی اور ثانوی تعلیم جبری قرار دیگئی ہے، حکومت کی طرف سے مدارس قائم ہین جن کے تمام اخراجات خود حکومت برداشت کرتی ہے، ابتدائی تعلیم کی مدت آٹھ سال اور ثانوی کی چار سال ہے، ان مدارس مین ۶ سے ۱۸ سال تک کی عمر کے لڑکے اور لڑکیان تعلیم پاتی ہین، ان کے علاوہ غیر سرکاری مدرسے بھی قائم ہین جن مین بالعموم سرکاری مدارس کی عمر کی قید سے بڑھ جانے کی وجہ سے طلبہ اکثر داخل ہوتے ہین، اس کے علاوہ بعض دیگر وجوہ سے بھی طلبہ ان مدارس کا رخ کرتے ہین،

آج کل وہان ۱۵ سے ۱۷ برس کے ۲۹ ملین لڑکے اور لڑکیان ہین جن مین سے ۲۵ ملین سرکاری مدرسون مین تعلیم پاتے ہین جس مین سے ہر لڑکے پر ۱۴۱٫۵ پونڈ سالانہ خرچ ہوتا ہے، اور یہ تعداد ان طلبہ کے علاوہ ہے جو غیر سرکاری مدرسون مین تعلیم پا رہے ہین، امریکہ کی خاص خوبی یہ ہے کہ وہان کی اعلیٰ تعلیم مین ہر قسم کے طلبہ بلا امتیاز شریک ہوتے ہین جس کا اندازہ یونیورسٹی کے طلبہ کی مجموعی تعداد سے لگایا جاسکتا ہے، چنانچہ ۱۹۱۰ء مین اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے والون کی تعداد ۲۷۵ ہزار تھی، پھر یہی تعداد ۱۹۲۴ء مین ۲۵ ۶ ہزار تک پہونچ گئی، اور اس سال ۱۹۲۶ء مین صرف کلمبو یونیورسٹی نیویارک سے ۷۰۰۰ مرد اور عورتین فارغ التحصیل ہوئی ہین صرف یہان کی یونیورسٹیون کے مصارف ۰۰ ملین پونڈ سے بھی زیادہ ہین جس کا ایک تہائی حصہ طلبہ کی فیس سے ادا ہوتا ہے،

امریکہ کے اس تعلیمی سلسلہ کے ساتھ وہان کے شعبہ نشر و اشاعت کو دیکھا جائے تو مثلاً صرف ۱۹۱۴ء مین ۶۵ ملین

کتابین چھپ کر شائع ہوئین، اور اسی طرح ۱۹۲۵ء مین ۲۵۳ ملین کتابین طبع ہوئین، اور اگر آج کل کی کتابون کی مجموعی تعداد دریافت کرتی ہے تو صرف یہ کہنا کافی ہے کہ وہان کی شایع شدہ کتابون کی مجموعی تعداد روزانہ اتنی ہوتی ہے کہ امریکہ کے ہر ایک مرد و عورت، لڑکے اور لڑکی کے حصہ مین تین تین کتابین آتی ہین یعنی وہان کی مجموعی آبادی سے تین گنا زیادہ کتابین روزانہ طبع ہوتی ہین، اور پھر اخبارون کی تعداد کو شمار کیا جائے تو وہان کے ہر چار آدمیون مین مستقل ایک اخبار حصہ مین آتا ہے، اور ان کے علاوہ ماہوار ہفتہ وار رسالے وغیرہ کی تعداد ۲۵ ہزار ہے،

اس لئے اگر امریکہ اپنی دولت و ثروت اور کیمیاوی و صنعتی ترقیون مین یورپ سے پیش پیش ہے تو علمی و تعلیمی میدان مین بھی بہت آگے نکل چکا ہے،

"د، ر"

جاپانی اخبار نویسی

تمام متمدن ممالک مین امریکہ اور انگلستان اخباری ترقی کے لحاظ سے نہایت بلند پایہ خیال کئے جاتے ہین لیکن حال مین ایک جاپانی اخبار نویس نے امریکہ کے رسالہ ایشیا مین جاپانی اخبار نویسی کی ترقی پر ایک مضمون لکھا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ جاپان اس مین امریکہ اور انگلستان پر بھی فوقیت رکھتا ہے، اس مضمون کا خلاصہ نومبر ۱۹۲۶ء کے مقتطف مین شایع ہوا ہے، اور ہم معارف مین اس کا خلاصہ شایع کرتے ہین،

جاپان کا رقبہ امریکہ کے ایک صوبے کے رقبہ کے برابر ہے، اور اس کی مردم شماری ۶۵ ملین ہے حالانکہ ولایات متحدہ امریکہ کی مردم شماری ۱۱۵ ملین سے بھی زائد ہے، لیکن بایں ہمہ جاپان مین ۱۱۲۰ اخبار روزانہ اور ۲۸۵۰ اخبار ہفتہ وار اور ماہوار نکلتے ہین، روزانہ اخبارات کی مجموعی تعداد جو ہر روز شایع ہوتی ہے، ۱۰ ملین ہے، یا بالفاظ دیگر ہر ۶ آدمی کے حصے مین ایک اخبار آتا ہے،

اس دس ملین کی تعداد مین تقریباً نصف یعنی پانچ ملین کی تعداد صرف دس بڑے اخبارات پوری کرتے ہین، جو ٹوکیو اور اوساکا سے شایع ہوتے ہین، ان مین دو اخبار جو "اوساکا مینشی" کمپنی سے تعلق

رکھتے ہین سب سے بڑے ہین، ایک کا نام "اوساکا ماینچی" ہے جس کی روزانہ اشاعت تقریباً ایک ملین ۲ لاکھ ہے، دوسرے کا نام "ٹوکیونیچی نیچی" ہے اور وہ روزانہ ۸۰۰ ہزار کی تعداد مین چھپتا ہے،

ان دونون کے بعد دو اخبارون کا درجہ ہے جو "اوساکا اساہی" کمپنی سے تعلق رکھتے ہین، ان مین ایک کا نام "اوساکا اساہی" ہے جو "اوساکا" سے شائع ہوتا ہے، دوسرے کا نام "ٹوکیو اساہی" ہے جو ٹوکیو سے شائع ہوتا ہے، ان کی اشاعت کی مجموعی تعداد ایک ملین روزانہ ہے،

ان چارون اخبارات کے بعد ۶ اخبار اور ہین جن کی روزانہ اشاعت نصف ملین سے ایک لاکھ تک ہے،

جاپان سے انگریزی اخبارات بھی شائع ہوتے ہین جن مین سب سے بڑا اور سب سے زیادہ وسیع الاشاعت اخبار "اوساکا ماینچی" کمپنی کی طرف سے ۸ صفحات مین شائع ہوتا ہے، ایک اخبار جس کا نام "معلن جاپانی" ہے ایک امریکن ٹوکیو سے شائع کرتا ہے، اور زیادہ تر اس کی اشاعت یورپین لوگون مین ہے، "کوبی کرانیکل" کے نام سے ایک انگریز ایک اخبار نکالتا ہے جس کے ذریعہ سے حکومت کے سیاسی کامون پر نکتہ چینی کرتا ہے، ایک اور انگریزی اخبار "ٹوکیو ٹیمس" ہے جو پہلے حکومت کی زبان تھا اور اب معلوم نہین کہ وزارت خارجیہ سے اس کا تعلق ہے یا نہین؟

جاپان مین اس اخباری ترقی کا ایک نتیجہ یہ ہے کہ "اوساکا ماینچی" اور "اوساکا اساہی" کمپنی مین تاجرانہ مقابلہ نے سخت رشک و رقابت پیدا کر دی ہے چنانچہ ۶ سال کا زمانہ گذرا کہ "اوساکا ماینچی" کمپنی نے ڈہائی لاکھ گنی کے صرف سے ایک عظیم الشان شش منزلہ عمارت بنوائی، تو اخبار "ٹوکیو نیچی نیچی" نے بھی ایک عالی شان عمارت تیار کرائی اور اخبار "ٹوکیو اساہی" بھی عنقریب اپنی جدید عمارت مین منتقل ہونا چاہتا ہے جو ریلوے اسٹیشن کے قریب ۳۰ ہزار گنی کے صرف سے تیار ہوئی ہے،

اخیر دو سالون مین اخبار "الماینچی" نے پانچ ہوائی جہاز خرید کر "ٹوکیو" اور اوساکا" کے درمیان ہوائی ڈاک قائم کر دی، جس کے ذریعہ سے خبرین اور تصویرین روانہ کیجاتی تھین، اس کی دیکھا دیکھی اخبار "اوساکا اساہی" نے بھی ہوائی جہاز خریدے اور "اوساکا" اور "ٹوکیو" اور "ٹوکیو" اور "سنداے" کے درمیان ہوائی ڈاک کا انتظام کیا

اس اخباری رقابت سے پبلک کو بڑا فائدہ پہونچتا ہے کیونکہ جب ایک اخبار اپنی شام کی اشاعت کو مفت تقسیم کرتا ہے تو دوسرا اخبار بھی اس کی تقلید کرتا ہے، یا جب کوئی اخبار دیہاتون مین جہان اخبار کی اشاعت زیادہ ہوتی ہے کوئی مقامی ضمیمہ شایع کرتا ہے، تو دوسرے اخبارات بھی ایسا کرتے ہین،

ضمیمون کی اشاعت ایک ایسی چیز ہے جو جاپانی اخبارات کے ساتھ مخصوص ہوگئی ہے، مثلاً اخبار "المانیشی" روزانہ ۳۰ ضمیمے شایع کرتا ہے جن مین لوکل خبرین شایع ہوتی ہین اور خریدارون کے یہان مفت روانہ کئے جاتے ہین، یہ ضمیمے زیادہ تر دیہاتون مین شایع ہوتے ہین، اور ان مین وہین کی مخصوص خبرین درج ہوتی ہین لیکن جب کوئی اہم واقعہ پیش آتا ہے مثلاً کوئی بڑی جنگ چھڑ جاتی ہے، یا بڑا زلزلہ آتا ہے، یا کوئی عام دبا پھیل جاتی ہے، یا بادشاہ کی وفات ہو جاتی ہے تو بڑے بڑے شہرون مین بھی ضمیمے شایع ہوتے ہین،

بعض اوقات یہ ضمیمے صرف ایک چھوٹے سے ورق پر شایع ہوتے ہین اور ان مین صرف ایک مختصر سی خبر درج ہوتی ہے، اخبار بیچنے والے اُن کو لیجاتے ہین اور گذرگاہون مین اس زور سے چیختے ہین کہ گویا صور اسرافیل پھونکا جاتا ہے، اور لوگ ان کو اس لئے خریدتے ہین کہ مبادا دنیا فنا ہو جائے اور ہم واقعاتِ عالم سے بے خبر رہین،

اس رشک و رقابت کا ایک مفید نتیجہ یہ بھی ہے کہ اخبارات کثیر رقم صرف کرکے اطرافِ عالم سے خبرین جمع کرتے ہین، چنانچہ ستمبر ۱۹۲۳ء مین جب جاپان مین سخت زلزلہ آیا تو "اوساکا مانیشی" اور "ٹوکیو نیتی نیشی" کمپنی نے ۴۴ ہزار گنی کے صرف سے خبرین و تصویرین کی ایک جماعت مقرر کردی اور انھون نے تمام مقامات سے زلزلہ کے متعلق اہم خبرین اور تصویرین مہیا کین، چونکہ زلزلہ کی وجہ سے ڈاک بالکل بند ہو گئی تھی، اس لئے اسی کمپنی نے ملک کے گوشے گوشے مین زلزلہ کے متعلق خبرین اور تصویرین روانہ کین جن مین بعض متحرک تصویرین بھی تھین اس سے بھی بڑھکر یہ کہ اخبار "المانیشی" اور "الاساہی" ریل، ہوائی جہاز اور تار پر بھی اعتماد نہین کرتے کیونکہ بعض اوقات ریلین ٹکرا جاتی ہین، ہوائی جہاز ٹوٹ جاتے ہین، اور تار کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے، اس لئے ان اخبارات نے

پیامبر کبوترون کی بہت بڑی تعداد پال رکھی ہے، جو مخبرون اور ہوائی جہازون کے ساتھ روانہ کی جاتی ہین، اور جب مخبرون اور ہوائی جہازون کو کوئی سانحہ پیش آجاتا ہے تو وہ ان کبوترون کے ذریعہ سے خبرین روانہ کردیتے ہین،

ان دونون کمپنیون مین خبر رسانی کے متعلق جو مقابلہ پیدا ہوگیا ہے، اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ سنہ ۲۶ء مین جب یہ خبر مشہور ہوئی کہ شاہِ جاپان حالت نزع مین ہے، تو ان دونون کمپنیون نے شاہی محل کے قریب دو گھر کرایہ پر لئے، اور اخبار نویسون کی ایک جماعت مقرر کی اور ان کے لئے خبر رسانی کے تمام ذرائع مثلاً ٹیلیفون، موٹر، ہوائی جہاز، نامہ بر کبوتر وغیرہ مہیا کردیئے، اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جاپانی پبلک شاہی خاندان کے حالات سے کس قدر شغف رکھتی ہے،

ان اخبارات کے اسٹاف کی وسعت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ اوساکا مانیشی کمپنی کے دفتر مین ۲۲۶۵ آدمی ملازم ہین جو مختلف خدمات انجام دیتے ہین،

خبرون کی فراہمی کا جو طریقہ یورپ اور امریکہ مین جاری ہے، وہی جاپان مین بھی ہے یعنی رائٹر اور ایسوسی ایٹڈ پریس کی طرح یہان بھی کمپنیان قائم ہین، جو خبرین جمع کرتی ہین، اور جو اخبار ان کمپنیون سے تعلق رکھتے ہین وہ ان خبرون کو شایع کرتے ہین،

بڑے بڑے اخبار مراسلہ نگار بھی مقرر کرتے ہین بالخصوص یورپ، امریکہ اور ایشیا کے بڑے بڑے شہرون مین خاص جاپانی مراسلہ نگار مقرر ہین تاکہ اہم واقعات کے متعلق خاص جاپانیون کے نقطۂ نظر کے مطابق خبرین شایع کی جاسکین،

جاپان مین اس اخباری ترقی کی اصلی وجہ یہ ہے کہ جاپان کے ہر طبقے مین تعلیم کی اشاعت عام ہوگئی ہے چنانچہ یہ اندازہ کیا گیا ہے کہ ابتدائی مدارس کے طلبا مین ۱۹ فی صدی سکنڈری مدارس مین داخل ہوتے ہین، جاپان کے تمام مدارس اور کالج کی تعداد ۴۴ ہزار ہے، جس مین ساڑھے دس ملین سے زیادہ طلبا تعلیم پاتے ہین،

تعلیم کی اشاعت کے ساتھ جاپانی مطالعہ کا بھی نہایت ذوق رکھتے ہین، چنانچہ سنہ ۱۹۲۵ء مین جاپان مین مختلف موضوع پر ۲۰۰۰۰ کتابین شایع ہوئین، انگریزی فرنچ، جرمن اور چینی زبانون مین جو کتابین باہر سے آئین اور فروخت ہوئین انکی قیمت پانچ لاکھ گئی تھی،

"ع"

کیا سری کرشن ایک اسرائیلی پیغمبر تھے؟

پروفیسر پیرزادہ محمد ابراہیم حنیف (دہلی) نے چند ماہرین علوم السنہ کی معاونت سے "سری کرشن اسمبلی" کے نام سے ایک علمی مجلس کی بنا ڈالی ہے، جس مین علوم السنہ کی روشنی مین مختلف علمی مباحث کی تحقیق و تدقیق اور ان پر بحث و تمحیص ہوگی، اس مجلس نے اپنے دائرہ عمل کو چند نظریون مین محدود کر لیا ہے، اور اس کی تمام سعی و کاوش انھین چند مسائل کے اثبات مین صرف ہوگی، اس مجلس کا ایک اہم نظریہ یہ ہے کہ سری کرشن دراصل ایک اسرائیلی پیغمبر تھے، کیونکہ محققین علوم السنہ کے نزدیک یہ پایۂ ثبوت کو پہونچ چکا ہے کہ "بعل سرقیص کاہن" یا "بال سری کشن کاہنا" یہ چار الفاظ عبرانی زبان کے ہین جو اس زبان مین نہایت درست رسم خط کے ساتھ موجود ہین، اور اس سلسلہ مین اس کڑی کو ملا دینے سے اس نظریہ پر مزید روشنی پڑتی ہے کہ قدیم و جدید برج بھاشا اور دیگر ہندوستانی زبانون مین عبرانی، اشوری، بابلی، عربی اور حمیری زبانون کے بکثرت الفاظ موجود ہین،

اسی طرح اس مجلس علمی کا ایک دعویٰ یہ بھی ہے کہ **اردو** ایک ایسی زبان ہے جو **عالمگیر زبان** (LEN-GUEFRANCA) کی حیثیت سے قبول کی جا سکتی ہے، کیونکہ یہ برج بھاشا کی ایک مکمل ترین شکل ہے، جو قدیم سامی زبانون (عبرانی، اشوری، عربی) اور سنسکرت اور دیگر زبانون سے مرتب ہوئی ہے، اور یہ حقیقت ہے کہ یہ زبان ہندوستان مین مسلمانون کے داخلہ سے بہت پہلے مکمل ہو چکی تھی، اور اس کے بعد جب عرب، ترک، مغل، پٹھان ہندوستان آئے تو الفاظ کا بہت بڑا نیا ذخیرہ اپنے ساتھ لائے، اور اس کو برج بھاشا مین داخل کر دیا، اور اسی طرح یورپین اقوام کے ہندوستان مین آنے سے بیشتر اس زبان مین انھین سامی، سنسکرت اور فارسی زبانون کے ذریعہ سے اٹلی، جرمن، فرنچ یونانی اور انگریزی زبانون کے بہت سے الفاظ داخل ہو چکے تھے، اس لئے اردو زبان لینگو فرینکو کی حیثیت سے دنیا مین مقبول ہوگی، اور خصوصاً جہان کے الفاظ اس زبان مین زیادہ موجود ہین وہان بڑی آسانی سے سمجھی اور بولی جا سکتی ہے،

اس مجلس نے اس کا بھی اظہار کیا ہے کہ یورپ کی انگریزی اور دیگر زبانون کے حروف تہجی عبرانی زبان

سے ماخوذ ہین، مثلاً

ابجد　A. B. C. D

کلمن　K. L. M. N

قرشت　Q R S T وغیرہ

اس مجلس نے اپنا ایک ماہوار جاری کیا ہے جس مین اپنی اور ان جیسے چند اور مباحث پر بحث و تمحیص ہوتی رہتی ہے اور اس نے ہندوستان کی موجودہ فضا کا لحاظ کرکے یہ بھی تصریح کردی ہے کہ اس کے قیام کا منشا محض علمی تحقیق و جستجو ہے ان مباحث سے کسی خاص فرقہ اور مذہب کی دل آزاری مقصود نہین،

مجلس کو توقع ہے کہ ہندوستان کے ممتاز اہل قلم ان مباحث مین کافی حصہ لے کر ان کے تحقیقی مدارج کو ترقی دین گے، ناظرین معارف مین جو لوگ ان مباحث مین حصہ لینا چاہین، وہ سری کشن امبلی ۱۵۰ منزل جامع مسجد اسٹریٹ دہلی کے عنوان سے خط و کتابت کرسکتے ہین،

" م "

علی گڑھ میگزین کا کانوکیشن نمبر

ہندوستان کے مشہور اور ممتاز علمی رسالہ علی گڑھ میگزین کا کانوکیشن نمبر خاص اہتمام اور نہایت آب و تاب کے ساتھ جنوری ۱۹۲۸ء مین شایع ہوگا، اس پرچہ مین تصاویر کے علاوہ ملک کے ممتاز انشاپردازون کے مضامین اور بلند پایہ شعرا کے افکار عالیہ شایع ہونگے اس پرچہ کی ضخامت بھی غیر معمولی ہوگی اور اردو کتابت و طباعت کا بہترین نظر فریب نمونہ ہوگا، تمام اہل علم ادب اور خصوصاً ان ارباب علم سے جنکا تعلق مسلم یونیورسٹی سے بحیثیت اولڈ بوائز رہا ہے استدعا کیجاتی ہے کہ اپنے مادر علمی کے اس رسالہ کے خاص نمبر کو کامیاب بنانے کی کوشش کرین، مضامین اور حصۂ نظم ایڈیٹر صاحب علی گڑھ میگزین مسلم یونیورسٹی علی گڈھ کے پتہ پر ۱۵ دسمبر ۱۹۲۷ء سے قبل بھیج جانا چاہیئے

خریداری رسالہ و اجرت اشتہارات کے واسطے منیجر صاحب مسلم یونیورسٹی پریس علی گڑھ سے خط و کتابت کیجئے،

منیجر علی گڑھ میگزین،

انسان خوار نباتات، جزیرہ مڈگاسکر کے جنوبی مشرقی حصہ مین، ایک درخت ہے جو انسان کو کھا جاتا ہے، وہین پر انسانون کا ایک قبیلہ ہے، جس کا نام مکودوس ہے، وہ اس مقدس درخت کی پرستش کرتا ہے، یہ درخت دس فیٹ سے عموماً زیادہ بلند نہین ہوتا، اور اسکی شکل پیپے کی طرح مدور ہوتی ہے، اور اسکی پھننگ سے دس پتے بڑے بڑے نیچے لٹکا کرتے ہین، ہر پتے کی سطح پر زہریلے کانٹے ہوتے ہین، اس قبیلہ کے لوگ تہوار کے دن سال مین ایک دفعہ اپنے قبیلہ کی حسین ترین لڑکی اس درخت کو قربانی دیتے ہین، اور اس دن وہ نہایت ہنسی خوشی اور ناچ رنگ مناتے ہین،

سامریون کی توراۃ، سامری فرقہ کے ان موسویون کے پاس جو نابلس (شام) مین رہتے ہین، حضرت موسیٰ کی پانچون کتابون کا سب سے قدیم نسخہ موجود ہے، جو مطبوعہ اور مشہور نسخہ سے جو موجودہ یہودیون کے پاس ہے مختلف ہے، سامریون کا دعویٰ ہے کہ یہ نسخہ حضرت موسیٰؑ کی اولاد مین سے ایک کا لکھا ہوا ہے، اور جو بنی اسرائیل کے کنعان مین داخل ہونے کے تھوڑے دن کے بعد لکھا گیا،

قرآن پاک عیسائی کی نگاہ مین، فلسطین مین سرکاری مدرسون کے اعلیٰ مدرسین کی کانفرنس اس غرض سے منعقد کیگئی تھی، تاکہ فلسطین کے مدارس کا نظام و نصاب تعلیم مقرر کیا جائے، اس کانفرنس مین استاذ انیس صیدلاوی نے جو مسیحی ہین اور یافا کے مدرسۂ ثانویہ کے مدرس اعلیٰ ہین، یہ تجویز پیش کی کہ سرکاری مدرسون کے اعلیٰ درجون مین قرآن کی تعلیم لازمی قرار دیجائے، تاکہ عیسائیون کی آیندہ نسل قرآن کی بلاغت کے فائدہ سے محروم نہ رہے، اور انکی

زبان درست ہو، اور ملکۂ بیان حاصل ہو،

مچھلی کی تیز روی سب سے تیز رو مچھلی ایک گھنٹہ مین ۵۰ میل کی مسافت پانی مین طے کرتی ہے،

چاے اور انگریز، دنیا مین جتنی چاے پیدا ہوتی ہے، اس کا آدھا حصہ انگریزون کے مصرف مین آتا ہے،

شعاع رنٹجن کے مضر اثرات، رنٹجن کی شعاعین انسان کے جسم مین نفوذ کرکے اس کے فاسد مادون کو اطبا کے سامنے واضح کرتی ہین، ان شعاعون کے اکتشاف کو ابھی نہایت تھوڑا زمانہ گذرا ہے، مگر اسی قلیل مدت مین اس کا استعمال نہایت سرعت سے عام ہو چکا ہے، خصوصاً مرض سرطان، اور سلسلہ تناسل مین بعض تغیرات پیدا کرنے مین نہایت مفید ثابت ہوا ہے،

مگر یورپ کی علمی تحقیق کا دائرہ روز بروز وسیع ہوتا جاتا ہے، چنانچہ اب پروفیسر مولرنے ان شعاعون کے متعلق بعض ایسے تجربون کا اعلان کیا ہے جس سے ممکن ہے کہ یورپ مین بعض مخصوص چیزون کے لیے ان کے استعمال مین بہت کچھ کمی آجاے، پروفیسر مولرنے ان شعاعون کو بعض مکھیون اور چوہون پر آزمایا، اور اس نتیجہ تک پہنچے کہ یہ شعاعین چہرے کی ساخت اور اس کے آب و تاب مین ایک بہت بڑا انقلاب پیدا کردیتی ہین، اور زیادہ حیرت انگیز واقعہ یہ ہے کہ یہ خرابی نسلاً بعد نسلٍ متوارث ہو جاتی ہے، اور جس درجہ نسل بڑھتی جائیگی چہرہ کی بدہیئتی مین ترقی ہوتی جاے گی، کیونکہ اس کے نشو و نما کا وہ نظام ہی سرے سے قائم نہین رہتا جو ان شعاعون کے اثر انداز ہونے سے پہلے قائم تھا، اس لیے پروفیسر مولرنے ان تمام لوگون سے جو ان شعاعون کو سلسلہ تناسل مین استعمال کرتے ہین، پرہیز کرنے کی درخواست کی ہے، اور پروفیسر مولرنے یورپ کی ان خواتین کو خاص طور پر مخاطب

کیا ہے جو بانجھپن اختیار کرنے کے لیے ان شعاعون کو کام مین لاتی ہین، کیا خدا کی قدرت ہے کہ یہی شعاعین جو آج تک یورپ مین حسن و شباب کی بہترین محافظ سمجھی جاتی تھین، اب وہی شعاعین ان کے لیے اس درجہ تباہ کن ثابت ہو رہی ہین،

روئی کی کاشت کا رقبہ، ۱۹۲۰ء کے اعداد و شمار سے جو اب تک آخری اعداد و شمار ہین، واضح ہوتا ہے کہ روئی کی کاشت ولایات متحدہ امریکہ مین ۳۴۹۷۰۰۰۰ ایکڑ زمین ہین، اور اس کے علاوہ ہندوستان مین ۲۳۰۶۳۶۰۰۰ ایکڑ اور مصر مین ۱۵۷۳۲۶۲ ایکڑ، اس طرح تقریباً ساری دنیا مین ۶۰ ملین زمین روئی کے لیے وقف ہے،

فن زراعت مین ایک سریع الاثر انقلاب، ایک علوم جدیدہ کے ماہرین زراعت کی طبعی پیداوار پر کوئی لائق توجہ دسترس حاصل نہین کیا ہے، مگر امریکہ کی ایک خبر مظہر ہے کہ نیویارک کے ایک انسٹیٹیوشن نے یہ مہم بھی سر کر لی، اور گیہون کی فصل جو بالعموم پانچ چھ مہینہ مین تیار ہوتی ہے، صرف ۳۵ دن مین تیار کر کے کاٹ لیگئی،

امریکہ کی اس تمام زرعی جد و جہد کا مقصد یہ ہے کہ صنعت و حرفت کی تجارت مین مثلاً فورڈ ایک دن مین ایک ہزار موٹر تیار کر سکتا ہے، اور اس کو یہ فکر دامنگیر رہتی ہے کہ ایسے وسائل اختیار کیے جائین کہ اس کو ترقی دیکر ایک دن مثلاً پانچ ہزار تک پہنچائے، تو پھر کیا وجہ ہے کہ ایک کاشتکار بھی ایسے وسائل اختیار نہ کرے کہ وہ بھی ایسے ہی اصول پیش نظر رکھ کر اپنی زراعت سے فائدہ اٹھائے اور فائدہ پہنچا سکے، مگر فن زراعت مین اہم تر دشواری اسکی طبعی پیداوار ہے، کہ زمین زیادہ سے زیادہ سال مین تین یا چار فصل پیدا کر سکتی ہے، اس لیے اسی مشکل کو حل کرنے کی جد و جہد جاری ہے، چنانچہ ۳۵ دن کی جو فصل حاصل کیگئی ہے اسی کی ایک کامیاب پہلی منزل ہے،

اس فصل کے حصول کی صورت یہ اختیار کیگئی کہ پہلے بیج کو ایک شب کہربائی قوت کے سامنے رکھ کر اس مین حرارت پیدا کیگئی، تاکہ وہ زیادہ سے زیادہ سرعت کیساتھ زمین سے اپنی غذا حاصل کر سکے، اور پھر اس مین اکسیڈ کریون کی ایک تعداد کا اضافہ کرکے اس کو زمین کے سپرد کردیا گیا، اس طرح بیج نے چار چھ مہینہ کے مرحلہ کو صرف ۳۵ دن مین طے کرلیا، اور پختہ دانون سے لدی ہوئی کھیتی کاٹ لیگئی، مگر افسوس ہے کہ انسٹیٹیوشن نے یہ بھی اعلان کیا ہے، کہ اگرچہ یہ تجربہ صحیح ثابت ہوا اور اس کے علاوہ آلو وغیرہ پر بھی تجربہ کیا جا چکا، مگر ان طریقون پر عمل کرنے مین جو دشواریان اور وسائل اختیار کرنے پڑین گے، وہ عام کاشتکار برداشت نہین کر سکتے، اس لیے اس طریقہ کی ترویج سردست قطعی طور پر ناممکن ہے۔ یہ ممکن ہے کہ آیندہ کوئی معقول صورت پیدا کر سکے،

لومڑی کی فاقہ کشی، کہا جاتا ہے کہ حیوانون مین لومڑی سب سے زیادہ دنون تک بے آب و دانہ رہ سکتی ہے، چنانچہ تجربہ سے معلوم ہوا کہ لومڑی کی فاقہ کشی کی انتہائی مدت دو سال ہے، اسی طرح دوسرے جانورون کے متعلق بھی آزمایا گیا، جس سے معلوم ہوا کہ اگر مینڈک کو ۱۶ مہینے تک غذا نہ دیجائے تو بھی وہ زندہ رہ سکتا ہے، اسی طرح کچھوا بھی چند ہفتون تک غذا سے بے نیاز رہنے کی صلاحیت رکھتا ہے

ماہ پرواز، یہ عجیب تاریخی اتفاق ہے کہ فن پرواز کی جد و جہد مین، اکثر سالون مین ماہ مئی کو ایک نمایان خصوصیت حاصل رہی ہے، چنانچہ ۱۹۱۹ء کے ماہ مئی مین انگلستان کے ماہر ہوا باز مسٹر کاک نے جزیرہ نیوزیلینڈ سے ائرلینڈ تک پرواز کرکے سب سے پہلی مرتبہ بحر اٹلانٹک کو عبور کیا، ۱۹۲۳ء کے مئی مین امریکہ کے چند ماہرین نے بحر پاسفیک کو چند مراحل مین عبور کیا، ۱۹۲۶ء کے مئی مین کمانڈر برڈ نے قطب شمالی کی طرف پرواز کی، اور اس سال ۱۹۲۷ء کے مئی مین ایک نوجوان امریکی ۴۲۴۷۰ فٹ بلندی تک پہنچا جو اب تک انسان کی غایت پرواز ہے اور پھر اسی سال اسی مہینہ مین امریکہ مشہور معروف لنڈبرگ نیویارک سے پیرس تک کے سفر کو ایک ہی مرحلہ مین طے کیا، اس لیے اگر اس مہینہ کو "ماہ پرواز" سے موسوم کیا جائے تو بیجا نہ ہوگا،

"م"

باب التقریظ والانتقاد

رحلت مصطفیٰ

مؤلفہ مولانا عبدالرزاق صاحب ندوی ملیح آبادی

از

سید ریاست علی ندوی رفیق دار المصنفین

مولانا عبدالرزاق صاحب ندوی نے اس رسالہ مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ تمام حالات جو آپکی وفات سے تعلق رکھتے ہین یکجا کر دیئے ہین، اس لیے دراصل یہ رسالہ اپنی نوعیت کا سب سے پہلا رسالہ ہے، اور سیرت نبوی صلعم مین ایک خاص باب کا اضافہ ہے، کیونکہ انسان کی زندگی کے آخری لمحے اس کی تمام زندگی کا آئینہ ہوتے ہین، جس مین اس کے تمام اخلاقی حالات و اوصاف نہایت واضح طور پر آشکارا ہو جاتے ہین اگر اس کی زندگی راست بازی، اخلاص، صداقت، دیانت، جرأت، بسالت، اور دیگر اوصاف حمیدہ سے مملو تھی، تو جس درجہ یہ اوصاف اس مین موجود ہون گے اسی درجہ اس آئینہ مین ان کا واضح پرتو منعکس ہوگا، چنانچہ ہم دیکھتے ہین کہ آنحضرت صلعم کو آپکی وفات کی اطلاع چند ماہ پیشتر ہی ملجاتی ہے، جس کا آپ نہایت خندہ جبینی سے استقبال فرماتے ہین، حیات کے آخری لمحون مین آپ کو اسلام اور مسلمانون کیلئے جو کام انجام دینا تھا، ادا فرماتے ہین، اور وہ ساعت جیسے جیسے قریب آتی جاتی ہے، جوار خداوندی کا اشتیاق بڑھتا جاتا ہے، یہانتک کہ دعا و دوا کی بھی ممانعت کر دیجاتی ہے، اور آپ ہو الرفیق الاعلیٰ ہو الرفیق الاعلیٰ کا ورد فرماتے ہوئے دنیا سے تشریف لیجاتے ہین، دنیا کی بلند ترین سیرت کا

یہی مرقع "رحلت مصطفیٰ" مین کھینچا گیا ہے، جناب مولف کو اس کی ترتیب و تالیف مین لائق ستائش جد و جہد کرنی پڑی ہے جس کے لیے وہ قابل مبارکباد ہین، لیکن رسالہ کی تالیف مین چند فروگذاشتین بھی ہین، جن مین اہم مسئلہ اسکی زبان کا ہے، مثلاً اردو اسلوب تحریر مین پیشوایان مذاہب کے لیے ایک خاص طریقہ یہ رائج ہے کہ ان کے نامون کے آگے توصیفی الفاظ بڑھا دیئے جاتے ہین، اور اسکی اسقدر پابندی کیجاتی ہے کہ کسی موقع پر بغیر توصیفی الفاظ بڑھائے کسی نام کو لے لینا ان کی شان مین گستاخی کے مترادف قرار دیا جاتا ہے، اس لیے مثلاً محض یہ لکھنا "غرضیکہ جب ابو بکر روئے اور رسول اللہ کو یہ جواب دیا" (ص ۴۴) "ام سلمہ کہتی ہین" (ص ۶۲) "عبداللہ بن مسعود کی روایت ہے۔" (ص ۵۳) موزون نہین معلوم ہوتا،

اسی طرح یہ بھی ملحوظ رکھنا تھا کہ جس شخص یا جماعت کی گفتگو نقل کیجا رہی ہے، اگر وہ اردو زبان مین گفتگو کرتی تو وہی اسلوب ہوتا جو رسالہ کی زبان مین اختیار کیا گیا ہے، مثلاً حضرت عباسؓ کا حضرت علیؓ سے یہ فرمانا کہ "تجدا تو تین دن مین ڈنڈے کا غلام ہوگا" (ص ۴۷) یا حضرت عمرؓ کا آنحضرت صلعم کی موجودگی مین ازواج مطہراتؓ سے یون خطاب کرنا "آپ بیمار ہوتے ہین تو ٹسوے بہاتی ہو، تندرست ہوتے ہین تو گردن لیتی ہو" (ص ۳۹) یا خاص کر صحابہ کرامؓ سے آنحضرت صلعم کے خطاب کو صیغہ واحد سے ادا کیا گیا ہے جو اردو مین تحقیر کا پہلو پیدا کرتا ہے مثلاً حضرت ابو بکرؓ کے متعلق آنحضرت صلعم کا ارشاد "ابو بکر سے کہو نماز پڑھائے" (ص ۲۰) یا حضرت معاذ بن جبلؓ سے ارشاد فرمانا "مین تجھے ایسے لوگون کی طرف بھیج رہا ہون" (ص ۱۹) اسی سلسلہ مین اس موقع پر یہ تذکرہ بھی بے محل نہ ہوگا کہ اب اردو اسلوب بیان مین آنحضرت صلعم کے متعلق صیغہ واحد سے گفتگو کرنا قطعی سوء ادب سمجھ لیا گیا ہے، گو گفتگو کرنیوالا آپ کی شان مین جس درجہ اعلیٰ وارفع اوصاف بیان کرے لیکن مؤلف رحلت مصطفیٰ نے ان چیزون کو نظر انداز کر دیا ہے،

رسالہ مین ایک دو مقام پر ایسے واقعات بھی آگئے ہین، جنکا تعلق آپ کی ازدواجی زندگی سے ہے، اور اگرچہ ان واقعات پر اس لحاظ سے نظر نہین ڈالنی چاہیئے کہ یہ خطاب ایک پیغمبر کا اپنی امتی سے یا امتی کا ایک

پیغمبر سے ہے، بلکہ واضح طور پر سمجھنا چاہئیے کہ ایک بیوی اپنے شوہر سے یا ایک شوہر اپنی بیوی سے گفتگو کر رہا ہے، اسکے
باوجود ضرورت تھی کہ جناب مؤلف انتہائی حزم واحتیاط سے ایسی گفتگوؤن کو نقل کرتے مثلاً "مین خوب جانتی ہون
آپ میری موت چاہتے ہین، تاکہ میرے گھر مین کوئی بیوی لے کر زندگی بھر عیش کرین" (ص ۲۲) اسی واقعہ کو اردو کی
ایک دوسری بلند پایہ کتاب مین یون ادا کیا گیا ہے، "آپ میری موت مناتے ہین، اگر ایسا ہو جائے تو آپ اسی
حجرے مین نئی بیوی لا کر رکھین"،

رسالہ کے اسلوب تحریر کے علاوہ چند چیزین اور بھی قابل تذکرہ ہین، مثلاً ایک ہی واقعہ کو دو مختلف
موقعون پر درج کرنا، جیسے جب آپ حضرت میمونہؓ کے مکان مین تھے اس وقت حضرت عمرؓ کی امامت کا تذکرہ
مسند عائشہ وابن سعد کے حوالہ سے، پھر ص ۲۸ پر یہی واقعہ اسی ابن سعد کے حوالہ سے اس وقت درج کیا گیا
ہے جبکہ آپ حضرت عائشہؓ کے مکان مین اٹھ آئے تھے، روایات کے انتخاب مین بھی احتیاط مدنظر نہین رہی،
یہان تک کہ ابن عساکر اور عقد الفرید سے بھی استناد کیا گیا ہے،

اسی طرح مؤلف نے آنحضرت صلعم کی وراثت کے سلسلہ مین یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ آپ نے
اپنے مال اور جائداد مین اس لیے وراثت کی ممانعت فرمائی کہ آپ دنیا سے "سرمایہ داری" اور "غیر منقولہ جائداد
کی شخصی ملکیت" کو فنا کرنا چاہتے تھے، مگر چونکہ دنیا عہد طفولیت مین تھی اس لیے آپ نے اس مین بھی وہی طریقہ اختیار
فرمایا جو غلامی کی قدیم رسم کے ابطال مین برتا تھا، ہمین حیرت ہے کہ آجکل ہندوستان کا نوجوان سیاسی طبقہ ایک
طرف مذہب کو سیاست مین دخل انداز ہونے سے روکنا چاہتا ہے، پھر دوسری طرف اپنے وقتی سیاسی
نظریون مین مذہب سے خلاف قیاس مسائل استنباط کر کے اس سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتا ہے، اگر آنحضرت
صلعم کے طرز عمل کا یہی مقصود ہوتا تو پہلے آیات توریث منسوخ ہوتین،

رسالہ مین بعض غیر متعلق چیزین بھی آگئی ہین، مثلاً وصال نبوی کے تذکرہ مین "حضرت ابوبکرؓ کی عظمت" کے
عنوان سے ان مین اور حضرت عمرؓ مین موازنہ کرنا اور بعض مورخین کا حضرت عمرؓ ہی کو اسلام کا ہیرو قرار دینے پر تعجب کا

اظہار کرنا، اس کا تذکرہ اگر ہوسکتا تھا تو حلت صدیقی مین نہ کہ رحلت مصطفوی مین،

اس مختصر رسالہ پر اس تفصیلی تبصرہ کا مقصود یہ ہے کہ یہ رسالہ ایک بسیط سلسلہ کی پہلی کڑی ہے، اس کے بعد اسی طرح خلفائے راشدینؓ، دیگر صحابہ کرامؓ اور ائمہ صالحینؒ و دیگر رجال اسلام کے حالات وفات شائع ہونے والے ہین، اس لیے ضرورت ہے کہ باقی حصون کی طباعت سے پیشتر ان امور کو پیش نظر رکھکر نظر ثانی کر لیجائے، ورنہ یہ رسالہ اپنی جگہ غائت درجہ مفید اور صحیح تاریخی واقعات سے مملو ہے، اور رقت انگیزی کا یہ عالم ہے کہ ناممکن ہے کہ پڑھتے پڑھتے آنکھین اشکبار نہ ہوجائین، اور رسالہ کی عام زبان بھی صاف سلیس، اور صحیح ہے، حجم چھوٹی تقطیع پر ۱۰۳ صفحے، لکھائی چھپائی اور کاغذ خاصہ ہے، قیمت عہ ہند بک ایجنسی پوسٹ بکس نمبر ۱۰۲۰۲، بالی گنج کلکتہ سے طلب کیجئے

کلیات ولی

مُرتبۂ

مولوی علی احسن صاحب احسن مارہروی،

تصحیح و تہذیب کے ساتھ قدیم کتابون کی اشاعت ایک علمی خدمت ہے، اور اب اس نے اس قدر وسعت واہمیت حاصل کرلی ہے کہ تصنیف و تالیف کے برابر سمجھی جاتی ہے،

یہ خدمت اگرچہ ہر زمانے مین جاری رہی ہے، لیکن یورپ نے سب سے پہلے اس کا معیار بلند کیا اور اسکی دیکھا دیکھی مصر و ہندوستان مین اس کی تقلید کیگئی، جس سے بہت سی قدیم کتابین، جو کیڑون کی معاش کا ذریعہ ہورہی تھین، دست برد زمانہ سے محفوظ ہوگئین،

ہندوستان مین مرکزی حیثیت سے دائرۃ المعارف حیدرآباد قدیم عربی کتابون کی اشاعت کر رہا ہے اور انجمن ترقی اردو اورنگ آباد دکن اردو کتابون کی اشاعت مین مصروف ہے، اور اس سلسلہ مین اس نے حال مین ایک نہایت قدیم کتاب یعنی دیوان ولی کو نہایت خوبی کے ساتھ شائع کیا ہے،

ولی کا دیوان اگرچہ اس سے پہلے یورپ اور ہندوستان مین چھپ چکا ہے اور اس کے قلمی نسخے بھی جا بجا

ہندوستان مین موجود ہین، لیکن اس کے مطبوعہ و قلمی نسخے اب اس قدر نایاب ہین کہ عام دسترس سے باہر ہین، اور اس کے ساتھ باہم اس قدر مختلف و متناقض ہین کہ ان پر عام اعتماد نہین کیا جا سکتا، اس لیے اسکی ضرورت تھی کہ ان تمام نسخون کے مقابلہ و موازنہ سے ایک نہایت مکمل اور صحیح نسخہ مرتب کر کے شائع کیا جاتا، اور مولوی علی احسن صاحب مارہروی نے سب سے پہلے اس ضرورت کو محسوس کیا اور دیوانِ ولی کے دس نسخون سے مقابلہ کر کے ایک صحیح نسخہ مرتب فرمایا، اور اس کے ساتھ مختلف تذکرون سے ولی کے حالات بہم پہنچائے، ان کے کلام پر ایک مفصل ریویو کیا، غیر معروف و متروک قدیم دکنی الفاظ کی ایک فرہنگ مین تشریح کی اور اس نسخہ کو اشاعت کے لیے انجمن ترقی اردو کے حوالے کیا، اگر انجمن کا مقصد محض تجارتی ہوتا تو وہ اسی نسخے کو تجارتی نقطۂ نظر سے نظر فریب صورت مین پبلک کے سامنے پیش کر دیتی، لیکن انجمن کے سکرٹری مولوی عبد الحق صاحب نے اس پر علمی حیثیت سے نگاہ ڈالی اور اس حیثیت سے ان کو اس نسخہ کی ترتیب و تہذیب مین اور بھی زیادہ کد و کاوش کی ضرورت نظر آئی، چنانچہ انھون نے سب سے پہلے اس کے مقدمہ سے غیر ضروری باتین حذف کر کے صرف اسی قدر باقی رکھا جس کا تعلق ولی کے کلام سے تھا، اس کے ساتھ اس نسخہ کا اپنے قلمی نسخون سے مقابلہ کیا تو معلوم ہوا کہ اختلافِ نسخ اس سے بہت زیادہ ہے، جس قدر اس نسخے مین دکھایا گیا ہے، اور ساتھ ہی ولی کا کچھ کلام ایسا بھی ہے جو مولوی احسن صاحب کے فراہم کردہ نسخون مین موجود نہین ہے، اس لیے انھون نے اصل کتاب مین دو ضمیمے اور شامل کئے، جن مین ایک ضمیمہ اس کلام کا ہے جو انجمن کے نسخون مین ہے اور احسن صاحب کے فراہم نسخون مین نہین، دوسرا ضمیمہ اختلاف نسخ کا ہے، اور وہ اس ضمیمہ سے بہت زیادہ بڑا ہے، اب اس تصحیح و ترتیب و ترمیم و اضافہ سے ولی کا دیوان جو چند بوسیدہ اوراق مین کیڑون کی غذا بن رہا تھا، پانچ چھ سو صفحون کی ایک کتاب بن گیا ہے، جو ٹائپ مین شائع ہوئی ہے،

کتاب کی ابتدا ولی کے حالات اور تبصرہ کلام سے ہوئی ہے، اگرچہ جامعِ کتاب نے تقریباً تمام تذکرون کی ورق گردانی کی ہے، لیکن ولی کے حالات مین انھون نے کوئی نئی بات نہین لکھی ہے، اور نہ غیر معمولی دلچسپ حالات

فراہم کئے ہین، بلکہ سچ تو یہ ہے کہ ان حالات کو حالات کہا بھی نہین جاسکتا، صرف ولی کے نام، وطن اور مذہب مین جو اختلافات تھے، ان مین اپنی رائے کی تائید مین قرائن و قیاسات سے مدد لیکر چند دلائل فراہم کئے ہین، جو یورپ کے تذکرہ نویسون کی شان ہے، اس کے بعد ولی کے کلام پر مختلف حیثیتون سے تبصرہ کیا ہے، جس مین اگرچہ اب بھی بہت سی غیر ضروری باتین شامل ہین، تاہم اس مین تقریباً تمام حیثیتون سے ولی کے کلام پر نظر ڈالی گئی ہے، اس کے بعد فرہنگ الفاظ ہے، جس سے ولی بلکہ قدما کے کلام کے سمجھنے مین بہت کچھ مدد مل سکتی ہے، فرہنگ کے بعد دیوان شروع ہوتا ہے، جو تمام اصناف سخن پر مشتمل ہے، اور اسی مین جابجا حاشیے پر اختلاف نسخ دکھایا گیا ہے، یا اور کوئی مفید بات درج کیگئی ہے،

جناب احسن صاحب کا کارنامہ یہین ختم ہوجاتا ہے، اور اس کے بعد مولوی عبد الحق صاحب کا اضافہ شروع ہوتا ہے، جس مین سب سے پہلے ضمیمہ نمبر ا ہے، جو ولی کے اوس کلام پر مشتمل ہے جو احسن صاحب کے مرتبہ نسخون مین نہین ہے، پھر ضمیمہ نمبر ۲ کی باری آتی ہے جس مین ان نسخون کے اختلافات کو دکھایا گیا ہے، جو انجمن اور اس مرتبہ نسخے کے درمیان نظر آئے، اور یہ ضمیمہ بہت بڑا ہے، اخیر مین ایک غلطنامہ بھی شامل ہے اور اس طرح ایک نہایت عمدہ کتاب شائع ہوگئی ہے، جس سے اردو زبان، اردو شاعری اردو املا و طرز کتابت کے متعلق بہت سی تاریخی باتین معلوم ہوسکتی ہین،

کتاب کی قیمت مجلد صہ غیر مجلد للعہ ہے، اور انجمن ترقی اردو اورنگ آباد دکن سے مل سکتی ہے،

"ع"

کتاب الفلاحت

ابو زکریا علامہ یحیی ابن شبلی کی کتاب کا ترجمہ جسے مولوی سید ہاشم ندوی نے ترجمہ کیا ہے، اس مین مصریون نبطیون یونانیون اور مسلمانون کی زراعت اور باغبانی کے اصول کی تشریح کیگئی ہے، مطبوعہ معارف پریس حجم ۲۱۶ صفحے قیمت للعہ

مطبوعاتِ جدیدہ

عشرۂ کاملہ مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے دعوون کی تردید مین شیخ محمد یعقوب صاحب مستوری پٹیالوی نے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اشارہ سے یہ کتاب دس فصلون مین لکھی ہے، ہر فصل مین دس دلیلین ہین، اس طرح سو دلیلون سے ان کے مختلف دعوون کی تردید کیگئی ہے مصنف نے اس مین التزام کیا ہے کہ مرزا صاحب کے دعوون کی تردید خود انھین کی کتابون اور تحریرون سے کیا جائے، تردید مین عموماً سنجیدگی قائم رکھی گئی ہے، جواب کی تحدی بھی کیگئی ہے، امید ہے کہ لوگون کو اس کتاب سے فائدہ پہنچیگا ضخامت ۱۶۸ صفحے، لکھائی چھپائی متوسط قیمت ۸؍ پتہ:- کتبخانۂ یحیوی، سہارنپور،

آثارِ صنادیدِ دکن، حیدرآباد اور گولکنڈہ کی قدیم عمارات اور آثار کی تاریخ، کتبات اور حالات اس مین بیان کئے گئے ہین، اس کے مؤلف مولوی سید ہمایون مرزا صاحب بیرسٹر (حیدرآباد دکن) ہین، ان عمارتون کے بیانات مین جہانتک ہمین معلوم ہے، مصنف سے پہلے کسی نے کوئی کتاب نہین لکھی، یہ سنہ ۱۹۲۳ء کی تالیف ہے، اہل علم اور شائقین کے لیے یہ معلومات نہایت مفید ہین، ضخامت ۸۰ صفحے، لکھائی چھپائی اچھی قیمت ۸؍ مصنف سے ہمایون نگر حیدرآباد دکن کے پتہ سے ملے گی،

استبداد، ایک اٹالین فاضل نے استبداد (مطلق العنان فرمانروائی) کی برے اثرات اور نتائج پر یہ کتاب لکھی تھی، یہ اٹالین سے فرنچ مین، اور فرنچ سے سلطان عبد الحمید کے زمانہ مین عربی مین ترجمہ ہوئی، اور لوگون نے اس کو بہت پسند کیا، اب اسکو عربی سے اردو مین مولانا عبد الرزاق صاحب ملیح آبادی نے منتقل کیا، کتاب خطیبانہ انداز مین لکھی ہے، اور متعدد فصلون مین استبداد کی حقیقت، استبداد اور مذہب، استبداد اور علم، استبداد اور عزت، استبداد اور دولت، استبداد اور اخلاق، استبداد اور تربیت، استبداد اور ترقی، استبداد

سے نجات، ان باتون پر بحث کیگئی ہے، ضخامت ۷۶ صفحے، قیمت ۱۲ر، پتہ، ہند بک ایجنسی، پوسٹ بکس نمبر ۲۰۰، بالی گنج کلکتہ،

ائمۂ اسلام، شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے رسالہ رفع الملام عن ائمۃ الاعلام کا یہ اردو ترجمہ مولوی سید ریاست علی صاحب ندوی رفیق دار المصنفین نے کیا ہے، ترجمہ صاف اور سلیس ہے، اس رسالہ مین مصنف نے اس شبہہ کا جواب دیا ہے کہ ائمۂ مجتہدین مین باہم اختلاف کیون ہے؟ آخر مین مترجم نے بعض ان اصولی اصطلاحات کا فرہنگ اضافہ کیا ہے، جو اس رسالہ مین مستعمل ہوئے ہین، اور عام اردو خوان ان کو نہین جانتے، لکھائی چھپائی، کاغذ عمدہ، قیمت شاید ۱۲ر ہو، پتہ الہلال بک ایجنسی نمبر ۲۴ شیرانوالہ دروازہ، لاہور،

نجد و حجاز، سید رشید رضا صاحب اڈیٹر المنار نے نجد و حجاز کے مسئلہ پر المنار اور الاہرام مین جو سلسلۂ مضامین لکھا تھا، مولوی عبد الرحیم صاحب ناظم کتبخانۂ علوم مشرقیہ دار العلوم پشاور نے اس کا اردو مین ترجمہ کیا ہے، اور وہ ایک مسلسل کتاب کی صورت مین ہے، اس مین "نجد و حجاز کی جنگ، اس کے اسباب، سلطان نجد کی سرکاری تحریرین، معاہدات، نجدیون کا قبور اور قبون کے ساتھ برتاؤ، اور اسکی شرعی حیثیت اور شریف حسین کے اعمال یہ سب مفصل لکھے ہین، ۱۹۶ صفحے، لکھائی چھپائی اور کاغذ درمیانی، قیمت ۱۲ر، پتہ الہلال بک ایجنسی نمبر ۲۴ شیرانوالہ دروازہ لاہور،

اسلامی کہانیان، چھوٹے مسلمان بچون کے مطالعہ کے لیے آسان اور سہل زبان مین اسلامی قصون اور کہانیون کی بڑی ضرورت ہے، شیخ بدر الاسلام صاحب فضل بی اے بی ٹی نے اس نام سے ایک مختصر رسالہ لکھکر اس ضرورت کو پورا کرنے کی طرف پہلا قدم اٹھایا ہے، اس رسالہ مین بارہ تاریخی کہانیان ہین، آخر مین دو نظمین ہین اور خاتمہ مین انھین کہانیون کے متعلق بچون سے سوالات پوچھے گئے ہین، بچون کے خیال سے عبارت اور خط دونون صاف ہین، اس رسالہ مین اگر کوئی عیب ہے تو یہ ہے کہ نہایت مختصر ہے، قیمت ۸ر مجلد ۱۲ر پتہ :- حالی بک ڈپو، پانی پت،

کے ذبح ہونے پر ایک مدلل اور پرزور رسالہ یہودیون اور عیسائیون کے اس باب مین ہر قسم کے اعتراضات کا قلع و قمع کر دیا ہے، ۱۰ر

اسباق النحو حصہ اوّل و دوم، اردو مین سہل طرز پر عربی مشقون کے ذریعہ عربی گرامر، قیمت حصہ اول ۶ر دوم ۵ر

تحفۃ الاعراب، ائمہ عامل کے طرز پر عربی کی نحو جدید اردو نظم مین چھوٹے بچون کے حفظ کے لئے، قیمت ۲ر

مولانا سید سلیمان ندوی

سیرۃ نبوی حصہ معجزات، قیمت عـہ، سے

ارض القرآن حصہ اوّل، عرب کا قدیم جغرافیہ، عاد، ثمود، سبا، اصحاب الایکہ، اصحاب الحجر، اصحاب الفیل کی تاریخ اس طرح لکھی گئی ہے جس سے قرآن مجید کے بیان کردہ واقعات کی یونانی، رومی، اسرائیلی لٹریچر اور موجودہ آثار قدیمہ کی تحقیقات سے تائید و تصدیق ثابت کی ہے، عـہ

ارض القرآن جلد دوم، اقوام قرآن مین سے مدین، اصحاب الایکہ، قوم ایوب، بنو اسمٰعیل، اصحاب الرس، اصحاب الحجر، بنو قیدار، انصار اور قریش کی تاریخ اور عرب کی تجارت، زبان اور مذہب پر تفصیلی مباحث صفحہ ۴۳۰ عـہ

سیرت عائشہ، (طبع دوم) ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کے حالات زندگی اور ان کے مناقب و فضائل و اخلاق اور ان کے علمی کارنامے اور ان کے اجتہادات اور صنف نسوانی پر ان کے احسانات اور اسلام کے متعلق ان کی نکتہ سنجیان اور معترضین کے جوابات، قیمت سے

دروس الادب، عربی کی پہلی ریڈر طبع سوم مع ترمیم قیمت ۲ر

دوسری ریڈر، طبع سوم ۳ر

رسالہ اہل السنت والجماعہ، فرقہ اہل سنت والجماعہ کے اصولی عقائد کی تحقیق، طبع سوم، قیمت ۸ر

حیات مالک، امام مالک کی سوانحعمری اور موطا امام مالک پر تبصرہ

خلافت اور ہندوستان، آغاز اسلام سے اس عہد تک مسلمانان ہند اور خلفاے اسلام کے تعلقات اور سلاطین ہند کے سکون اور کتبون سے ان کا ثبوت، قیمت ۸ر

دنیاے اسلام اور خلافت، موجودہ عہد مین خلافت عثمانیہ کے قیام و بقا کے لئے دنیا کی مسلمان قومین کیا جد و جہد کر رہی ہین مصنف کے سفر یورپ کے دلچسپ معلومات ہین، قیمت ۶ر

خلافت عثمانیہ اور دنیاے اسلام، اس مین یہ دکھایا گیا ہے کہ خلافت عثمانیہ نے مسلمانون اور اسلامی ملکون کی گذشتہ صدیون مین کیا کیا خدمتین انجام دی ہین، قیمت عہ

بہادر خواتین اسلام، مسلمان عورتون کے جنگی اور اخلاقی بہادری کے کارنامے طبع سوم، قیمت ۳ر

بشریٰ، عیسائیون کا اعتراض تھا کہ مسلمانون کا خدا قہار و جبار ہے، اس مین اس کا جواب دیا گیا ہے، اور دکھایا گیا ہے کہ اسلام مین محبت اور رحمت الٰہی کا کیا درجہ ہے، اور مذہب کس قدر ہمہ تن محبت ہے، اور اس باب مین اسلام کی تعلیم کیا ہے؟ قیمت ۶ر

لغات جدیدہ، چار ہزار جدید عربی الفاظ کی ڈکشنری مطبوعہ معارف پریس عہ

خطبات مدراس، یعنی سیرت نبوی کے مختلف پہلوؤن پر آٹھ تقریر جو گویا آنحضرت صلعم کی تمام پیغمبرانہ زندگی کا خلاصہ ہین، قیمت عہ

مولانا عبد السلام ندوی

اسوۂ صحابہ جلد اوّل، صحابہؓ کے عقائد، عبادات، اخلاق و معاشرت کی صحیح تصویر، اور قرون اولیٰ کے اسلام کا عملی خاکہ، اس کا مطالعہ ہر مسلمان کا فرض ہے، ضخامت ۴۸۰ صفحے، قیمت سے

ایضاً جلد دوم، صحابہ کے سیاسی انتظامی اور علمی کارنامون کی تفصیل ضخامت ۵۰۴ صفحے، قیمت للعہ

انقلاب الامم، ڈاکٹر لیبان کی مشہور کتاب قومون کی ترقی و تنزل کے قوانین نفسی کا خلاصہ طبع دوم، قیمت ۶ر

اسوۂ صحابیات، صحابیات کے مذہبی اخلاقی اور علمی کارنامون کا مرقع، قیمت عـہ

سیرت عمر بن عبد العزیزؓ، حضرت عمر بن عبد العزیزؓ خلیفہ اموی کی سوانح حیات اور ان کے مجددانہ کارنامے طبع دوم ضخامت ۱ صفحے عہ

شعر الہند حصہ اوّل، جس مین قدما کے دور سے لیکر دور جدید تک اردو شاعری کے تمام تاریخی تغیرات و انقلابات کی تفصیل کی گئی ہے اور ہر دور کے مشہور اساتذہ کے کلام کا باہم موازنہ و مقابلہ کیا گیا ہے، کاغذ اور لکھائی چھپائی اعلیٰ، مطبوعہ معارف پریس ضخامت ۴۴۵ صفحے قیمت للعہ

حصہ دوم، جس مین اردو شاعری کے تمام اصناف یعنی غزل، قصیدہ، مثنوی، اور مرثیہ وغیرہ پر تاریخی و ادبی حیثیت سے تنقید کی گئی ہے، کاغذ اور کتابت و طباعت عمدہ، ضخامت ۴۵۹ صفحے، قیمت للعہ

فطرت نسوانی، جس مین عورتون کے اخلاق پر بحث کی گئی ہے اور مردون کے

[illegible]